حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کا
اجمالی مفتیٰ بہا و دعویٰ
تفہیم القرآن میں
احادیث شریفہ پر بد اعتمادی
اور بائبل پر اعتماد
شرح و تحقیق
مفتی محمد ساجد قریشی
ناشر
کتب خانہ مجیدیہ ملتان

حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی کا

اجمالی متن اور دعویٰ

تفہیم القرآن میں احادیث شریفہ پر بداعتمادی اور بائبل پر اعتماد

شرح و تحقیق

مفتی محمد ساجد قریشی

ناشر:

کتب خانہ مجیدیہ

بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان

نام کتاب ——— تفہیم القرآن میں احادیث سے بے اعتمادی اور بائبل پر اعتماد

موضوع ——— تحقیق و تبصرہ

افادات ——— شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحبؒ مدنی

شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا زکریا صاحبؒ کاندھلوی

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ گنگوہی

شرح و تحقیق ——— مفتی محمد ساجد قریشی قاسمی، بنی مادھو گنج ضلع رائے بریلی

صفحات ——— 495

سن طباعت ——— رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ

قیمت ——— 200 روپے

ناشر ——— مجیدیہ کتب خانہ ملتان

تعداد ——— 1000

ملنے کے پتے

اسلامی کتب خانہ ——— بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ قاسمیہ ——— بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ زکریا ——— بنوری ٹاؤن کراچی

کتب خانہ رشیدہ ——— راجہ بازار راولپنڈی

مکتبہ رحمانیہ ——— اردو بازار لاہور

مکتبہ سید احمد شہید - اردو بازار لاہور

انتسابِ فیوض

یعنی وہ حضرات گرامی جن کی برکات ودعواتِ صالحات سے اللہ پاک نے مجھے اس کام کی توفیق بخشی

☆ والد محترم جناب محمد حنیف صاحب عرف بابو میاں قریشی

☆ والدہ محترمہ جنابہ حفیظہ خاتون صاحبہ رب ارحمهما كما ربيني صغيرا

☆ اتالیق استاذ مکرم جناب حافظ وقاری الحاج محمد یعقوب صاحب فریدی مدظلہ

☆ استاذی المؤقر حضرت اقدس مولانا محمد طیب صاحب اعظمی مدظلہ، صدر المدرسین
مدرسہ اسلامیہ عربیہ، برن پور

☆ مخدومی جناب مولانا احمد اللہ صاحبؒ خلیفہ و مجاز شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ
مہتمم اول مدرسہ اسلامیہ عربیہ برن پور

☆ مخدومی حضرت الحاج عبداللہ صاحب مہتمم ثانی مدرسہ اسلامیہ عربیہ، برن پور

☆ مشفقی ومکرمی جناب حضرت الحاج فتح محمد صاحبؒ خلیفہ حضرت شیخ الحدیثؒ

☆ اساتذۂ کرام جامعہ مظاہر علوم، سہارنپور

☆ اساتذۂ کرام مادر علمی، دار العلوم دیوبند

☆ سیدی ومرشدی فقیہ الامت حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ مفتیٔ اعظم
دار العلوم دیوبند وہند

فہرست مضامین

باب اول

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۴۷	حدیث پرکھنے کا طریقہ	۱۲۴
۴۸	احادیث مفید یقین نہیں	۱۲۶
۴۹	کیا ہر صحیح حدیث کو حدیث رسولؐ مان لیا جائے؟	۱۳۳
۵۰	مودودی صاحب کا موقف	۱۳۴
۵۱	مودودی صاحب کا موقف فقہ اور کلام میں	۱۳۶
۵۲	تفسیر و حدیث کے پرانے ذخیروں سے قرآن و سنت کی تعلیم نہ دی جائے	
۵۳	ترکی علماء و مشائخ پر تنقید	۱۳۸
۵۴	قرآن کے لئے تفسیر کی حاجت نہیں	۱۳۹
۵۵	قرآن فہمی کا نیا طریقہ	۱۳۹
۵۶	مودودی صاحب کا مسلک	۱۴۴
۵۷	پوری جماعت اپنے مسلک میں آزاد ہے	۱۴۴
۵۸	مودودی صاحب کی آزادی مسلک عطا کرنے کی حقیقت	۱۴۵
۵۹	تقلید اہل علم کے لئے درست نہیں	۱۴۶
۶۰	اہل حدیث بھی مقلد ہیں	۱۴۶
۶۱	تقلید کا مفہوم اور عدم تقلید کا اثر	۱۴۷
۶۲	تقلید کرنا گناہ بلکہ اس سے بھی شدید تر چیز ہے	۱۴۸
	باب دوم	۱۴۹
۶۳	تدوین حدیث کی مختصر تاریخ	۱۵۰
۶۴	حدیث کی تین قسمیں	۱۵۲
۶۵	حدیث صحیح اور قرآن میں فرق	۱۵۲

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	تیسرا باب	۱۵۶
۶۶	تفہیم القرآن میں احادیث شریفہ سے بے اعتمادی	
۶۷	بخاری و مسلم کی احادیث پر جرح و قدح و بے اعتمادی	۱۵۷
۶۸	تفہیم کی ان عبارات پر نمبروار تنقید و تنبیہ	۱۵۹
۶۹	احادیث و روایات پر تنقید کرنے کا صحیح طریقہ	۱۶۸
۷۰	احادیث شریفہ سے بے اعتمادی کی ایک اور واضح مثال	۱۶۹
۷۱	المرء یؤخذ باقرارہ کے تحت آپ خود ہی اپنی تحریر کی گرفت میں	۱۷۱
۷۲	تاریخی روایتوں کے فرق سے اپنی عقل و قیاس سے، اور قصوں کی اندرونی شہادت نکال کر محدثین کرام اور احادیث شریفہ کو مجروح کرنے کی ناکام کوشش	۱۷۳
۷۳	قرآن کی ترتیب اور قرآن کے سیاق و سباق کے نام پر احادیث شریفہ کو قبول کرنے سے صاف انکار	۱۷۶
۷۴	احادیث شریفہ قرآن کی بیسیوں آیتوں سے ٹکراتی ہیں اور روایوں پر جرح و قدح	۱۷۹
۷۵	روایات میں تذبذب پیدا کرنے کا بہترین انداز	۱۸۵
۷۶	مستند روایات کے مقابلہ میں آپ کا گمان و قیاس	۱۸۶
۷۷	مدارس اور یونیورسٹیاں جاہلیت کی تعریف میں	۱۸۷
۷۸	بائبل کی کتاب تلمود سے مزید تفصیل بیان کرنے کا کیا مطلب؟	۱۹۰
۷۹	اصل بات کیا ہے؟	۱۹۲
۸۰	آیئے سمجھیں کہ اس موقع پر جناب مودودی صاحب نے کتنی بڑی غلطی کی ہے	۱۹۳

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ

چوتھا باب

پانچواں باب

دسواں باب

گیارہواں باب

نواں باب

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ

بارھواں باب

تیرھواں باب

چودھواں باب

پوری کتاب کی بنیاد اس مکتوب پر ہے

(مکتوبات فقیہ الامت، قسط ثالث)

"تفہیم القرآن کا مطالعہ"

عزیزی مولوی مفتی محمد ساجد سلمہٗ، زید احترامہٗ   وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مودودی صاحب کا قصہ تو ان کا دارومدار صرف اپنے ذاتی مطالعہ پر ہے، قرآن کریم کو بھی انھوں نے ذاتی مطالعہ سے سمجھا ہے اور احادیث شریفہ کو بھی باقاعدہ کسی استاذ سے پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں کی جیسا کہ خود ان کی تحریرات میں موجود ہے آپ چاہیں تو اسکے حوالے بھی دیئے جاسکتے ہیں۔ اس کا نتیجہ جو کچھ ہونا چاہئے تھا ہوا۔ آپ ان کی تفہیم دیکھیں تو پائیں گے کہ بائبل کے صفحے کے صفحے نقل کرتے چلے جاتے ہیں جن کا محرف ہونا نص قطعی سے ثابت ہے اور احادیث شریفہ کو رد کرتے چلے جاتے ہیں جن پر محدثین نے بڑی محنت سے چھان بین کی ہے۔ احادیث سے کہیں استدلال بھی کرتے ہیں تو وہ بھی اپنے ذہن ہی کی پیداوار ہے۔ اسی وجہ سے اسکے پڑھنے والے میں آہستہ آہستہ احادیث شریفہ سے بے اعتمادی اور بائبل کی حقانیت قائم ہوتی چلی جاتی ہے۔

نیز مکتوبات قسط اول ص۵۳ پر فرماتے ہیں..... مختصراً اتنا سمجھئے کہ اس جماعت کے بانی مودودی صاحب یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں جو آج اسلام کا مفہوم ہے وہ غلط، ایمان کا مفہوم ہے وہ غلط، توحید کا مفہوم ہے وہ غلط، الٰہ کا مفہوم ہے وہ غلط، رب کا مفہوم ہے وہ غلط، عبادت کا مفہوم ہے وہ غلط، سنت کا مفہوم ہے وہ غلط۔ جماعت اسلامی

ان سب چیزوں کو از سر نو دوسرے مفہومات کے ساتھ پیش کر رہی ہے، تو یہ گویا ایک نیا دین ہے۔ تفہیم میں اشکالات ہیں۔ اس میں جگہ جگہ بائبل کے حوالے دیکر طویل طویل مضامین لکھے ہیں اور احادیث پر جرح وقدح کر کے مجروح کیا ہے جس کے نتیجے میں احادیث سے اعتماد اٹھتا ہے اور ہر شخص اسکو حل نہیں کر پاتا جو اہل علم ہیں وہ صحیح اور غلط میں فرق کرسکتے ہیں۔"

فقط والسلام

املاہ العبد محمود غفرلہٗ

۳/۱/۱۴۱۲ھ

اس کتاب کے جواب کیلئے یہ پانچ باتیں ضروری ہیں

معقول انداز میں اس کتاب کے جواب کا شوق پورا کرنے کیلئے ۵ کام کرنا ضروری ہونگے۔

۱۔ جس طرح احادیثِ شریفہ اور اسکے طرق اتصال و اسناد کے متعلق جناب مولانا مودودی مرحوم نے جرح و قدح کیا ہے اسی طرح پہلے تو بائبل کے طرق اسناد کو بیان کیا جائے پھر اس پر بھی جرح و قدح کر کے روایاتِ بائبل کو مجروح کرنے کی جناب مودودی صاحب ہی کی عبارات پیش کیجائیں۔

۲۔ ان ہی کی عبارات سے یہ ثابت کیا جائے کہ جناب مودودی مرحوم کو راویانِ حدیث پر مکمل اعتماد ہو جس طرح بائبل کی روایات یا ان کا اعتماد دہ ہر نہیں یہ بتلایا جائے کہ تفہیم القرآن میں روایات بائبل سے تفسیر کرنیکی اسلامی حیثیت کیا ہے؟ یعنی روایاتِ بائبل مستند ماخذ کی حیثیت سے کیوں پیش کی گئی ہیں؟

۳۔ ان ہی کی عبارات سے ثابت کریں کہ تواریخ کے مقابلہ میں حدیث اور مؤرخین کے مقابلہ میں محدثین کے انکو اعتماد ہے یا انھوں نے حدیث کو تاریخ پر اور محدثین کرام کو مؤرخین پر ترجیح دی ہو نیز ان کے اس طریقہ استدلال و طریقہ کار کی وجہ بھی بیان کی جائے۔

۴۔ ان ہی کی عبارات سے ثابت کیا جائے کہ تفہیم القرآن میں مجموعی اعتبارات سے احادیث پاک پر اعتماد کر کے بائبل سے بے اعتمادی کی گئی ہو۔

۵۔ ایک اسلامی استفتاء مرتب کیا جائے کہ جو شخص بھی احادیث پاک اور محدثین کرام سے بے اعتماد ہو اور اسکے بالمقابل بائبل اور اسکے راویان پر اعتماد کرتا ہو یا احادیث شریفہ کے مقابلہ میں تواریخ کو ترجیح دیتا ہو تو اس شخص اور اسکی کتابوں کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟ اس استفتاء کا جواب لکھ کر اپنی مہر کے ساتھ اربابِ جماعت اسلامی شائع کر دیں۔

واضح رہے کہ یہ پانچ کام کئے بغیر اس کتاب کا جواب نہیں ہو سکے گا اور کسی بھی طرح لائق توجہ و سماعت قرار نہیں دیا جائے گا۔

قرآن مجید اور قدیم آسمانی صحیفے، علم و تاریخ کی میزان میں

سیدی و مرشدی مفکر اسلام مولانا سید ابو الحسن علی میاں ندوی قدس سرہٗ

جہاں تک اناجیل اربعہ کا سوال ہے (جو عہد جدید کہی جاتی ہیں) تو ان کا معاملہ عہد عتیق سے بھی گیا گذرا ہے۔ اس کی تدوین اور اس کے مؤلفین کے بارے میں بڑی پیچیدگیاں اور دشواریاں اور شک و شبہ پایا جاتا ہے اور ان کے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے درمیان ایک بڑی خلیج حائل ہے جس کا پاٹنا اور جسے عبور کرنا کسی بھی محقق اور مؤرخ کے امکان میں نہیں رہ گیا ہے۔ انجیلیں دینی کو نسلوں اور مختلف زمانوں میں برابر تغیر و تبدیلی اور اصلاح و ترمیم کا نشانہ بنتی رہی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ آسمانی کتابوں اور وحی و الہام پر مبنی ہونے کے بجائے سیر و سوانح اور واقعات و حکایات کی کتابیں زیادہ معلوم ہوتی ہیں اور اس کی شہادت ہر وہ شخص دے گا جس کی ان کی تاریخ و ادوار پر وسیع اور گہری نظر ہوگی جن سے یہ کتابیں گذرتی رہی ہیں۔

یہ انجیلیں مسلمانوں کے دوسرے اور تیسرے درجہ کے مجموعہائے حدیث و سنن کا استناد و اعتماد بھی نہیں رکھتیں چہ جائیکہ وہ صحاح ستہ کے برابر ہوں۔ اسلئے کہ یہ کتابیں اپنے مؤلفین سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک مسلسل اور متصل سند اور سلسلہ رکھتی ہیں۔ مسلمانوں کے نزدیک حدیث صحیح وہ ہے جو معتبر راویوں کی پوری احتیاط اور دیانتداری کے ساتھ سند متصل کے ساتھ نقل ہوئی ہو اور جس کے راویوں اور خود اس روایت میں کوئی عیب اور نقص (علت و شذوذ) نہ ہو (تفصیلات اور حدیث کے اقسام اور ان کے شرائط کیلئے وہ کتابیں ملاحظہ ہوں جو اصولِ حدیث و اقسام مصطلحاتِ حدیث پر لکھی گئی ہیں اور ان کا بہت

...ناد ذخیرہ ہے۔)

اس کے برخلاف تمام اناجیل سند کی تمام قسموں سے خالی ہیں، اُن کی اُن کے مؤلفین
...ک کوئی سندِ متصل نہیں اور نہ اُن کے مؤلفین سے حضرت عیسیٰؑ تک کوئی سند موجود ہے۔

اس کے علاوہ ہمارے ہاتھوں میں جو صحیفے ہیں وہ اب اس زبان میں نہیں جس میں
...نازل ہوئے تھے اور جسے حضرتِ مسیحؑ اور ان کی قوم بولتی تھی بلکہ وہ ایک زبان سے دوسری
...ان میں برابر ترجمہ ہوتے چلے آرہے ہیں اور مختلف مترجموں کے ہاتھوں ہم تک پہنچے
...ں اسی لیے درحقیقت وہ سیرت وتاریخ کی کتابیں اور قصص ومواعظ کے مجموعے ہیں۔ اگر
...ہیں احتراماً مسلمان عوام میں پھیلے ہوئے میلاد ناموں سے یاد نہ کریں تو انھیں زیادہ سے
...دہ چوتھے نمبر کی کتبِ حدیث کا درجہ دیا جاسکتا ہے جن میں صحت وتحقیق کا بلند معیار
...م نہیں رہا۔ انہی سب حقائق کے پیشِ نظر اُن صحیفوں اور قرآن کا موازنہ ہی سرے
...غلط ہے اور ناواقفیت پر مبنی ہے کیونکہ موازنہ اور مقابلہ ایک درجہ کی چیزوں میں
...تا ہے۔

پھر بائبل کی داخلی شہادتیں اس کی صریح تاریخی غلطیوں، واضح تضادات اور عقلاً
...ل چیزوں کی طرف اشارے کرتی ہیں۔ اس موضوع پر منفرد کتاب "اظہار الحق" جو
...لانا رحمت اللہ کیرانویؒ (م ۱۳۰۸ھ مدفون مکہ مکرمہ) کے قلم سے ہے ملاحظہ ہو۔ مصنف
...کتابِ مقدس کے ۱۲۲ لفظی اختلافات کی نشاندہی کی ہے اور ۱۰۸ ایسی غلطیاں شمار
...ہیں جن کی کوئی تاویل نہیں ہوسکتی۔ "اظہار الحق" اصلاً عربی زبان میں ہے ہمارے
...ل دوست مولانا محمد تقی عثمانی نے اس کا ترجمہ کروادیا اور اس میں ایک فاضلانہ مقدمہ
...۔ یہ کتاب "بائبل سے قرآن تک" تین جلدوں میں شائع ہوچکی ہے اور ہندوستان
...بھی دستیاب ہے۔

اس لیے اتنی کمزور روایتی اور درایتی بنیاد پر کسی طرح اس قیاس کی اور استدلال

کی عبارت نہیں اٹھتی کہ جناب مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم قرآن کے علوم کی تفسیر
اُن لوگوں کے علوم (بائبل) سے تفہیم القرآن میں بیان کریں جن کی شخصیات اور کتابیں
ہر طرح سے مشتبہ ہیں اور جن کا اضافہ ان کی اصل سے زیادہ ہے۔ جس چراغ میں خود نور نہ
ہو اس سے دوسری مشعل کس طرح جل سکتی ہے۔ یہ مضمون کچھ ایسا نازک تھا کہ اس بارے
میں بڑا تردد رہا کہ یہ بات لکھی جائے اور وہ قلم کی گرفت میں آئے گی یا نہیں؟ اور اس سے کسی
غلط فہمی کے پیدا ہونے کا اندیشہ تو نہیں ہے؟ مگر جناب مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ
اور جناب مفتی نظام الدین صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کی تحریرات ومضامین پر نظر ڈالنے
سے بڑا اطمینان ہوا کہ ان دونوں حضرات مفتیانِ دیوبند نے یہی بات زیادہ خوبی کے ساتھ
اپنے خاص انداز میں کہی ہے۔

عزیز مکرم مفتی محمد ساجد سلمہ اللہ رائے بریلوی کے اس خالص علمی وتحقیقی کام کی ہم تحسین
کرتے ہیں، عزیز موصوف حفظہ اللہ نے جناب محترم حکیم انعام اللہ صاحب مدظلہٗ (انھونہ ضلع
رائے بریلی) کا سفارشی مکتوب پیش کیا کہ میں چند کلمات ضرور لکھوں اور خود بھی شدید اصرار
یہ کہہ کر کرتے رہے کہ ان کی کتاب "تفہیم القرآن میں احادیث شریفہ سے بے اعتمادی اور بائبل
پر مکمل اعتماد" کی اہمیت وافادیت بڑھ جائیگی۔ اس لیے میں نے ان کو اپنی کتاب
"مطالعۂ قرآن اور اس کے اصول ومبادی" سے یہ مضامین املا کرائے ہیں۔ اور میں عزیز
موصوف سے وعدہ کرتا ہوں کہ زندگی رہی تو ان شاء اللہ ان کی کتاب چھپنے کے بعد تفصیل سے
پڑھوں گا۔ اس وقت مسودۂ کتاب میں مضامین کی تفصیل بالاستیعاب دیکھ کر بڑی خوشی
ہوئی کہ پوری کتاب دراصل جناب مولانا مفتی محمود حسن صاحبؒ کے ایک اجمال کی تفصیل
وتحقیق ہے۔

اللہ پاک سے دعا کرتے

ہیں کہ اُن کی اس کتاب کو قبولیتِ عام نصیب ہو اور ان کو تاکید کرتا ہوں کہ اسی طرح من وعن میرے تمام مضامین کو شائع کریں۔

املاہٗ **ابوالحسن علی ندوی**

دائرہ شاہ علم اللہؒ

تکیہ ضلع رائے بریلی ۔ یوپی

۵؍ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ

حضرتِ اقدس مرشدی فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند

ماشاء اللہ آپ نے تفہیم القرآن دیکھ کر بڑی تفصیل کے ساتھ حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ مودودی صاحب احادیثِ شریفہ کو رد کرتے چلے جاتے ہیں اور بائبل کے صفحے کے صفحے نقل کیے ہیں۔ پس آپ کو مبارک ہو۔

۳؍ شوال ۱۴۱۶ھ

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب پانڈور افریقی مدظلہٗ خادم خاص حضرت فقیہ الامتؒ

حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کے مکتوبِ عالی کو متن قرار دے کر حضرتؒ کے منشاء کے مطابق عزیز گرامی جناب مفتی محمد ساجد نے اس کی تحقیقی شرح کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تفہیم القرآن کے پڑھنے والے میں آہستہ آہستہ احادیثِ شریفہ سے بے اعتمادی اور بائبل کی حقانیت قائم ہوتی چلی جاتی ہے۔ حق تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبولیت سے مالا مال فرمائے۔ آمین

۲۵؍۹؍ ۱۴۱۸ھ

امیر الہند وصدر جمعیۃ علماء ہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہ

"تفہیم القرآن میں احادیث شریفہ سے بے اعتمادی اور بائبل پر اعتماد" کے نام سے عزیزم مولوی مفتی محمد ساجد صاحب رائے بریلوی نے ایک جامع ومفید تحقیق پیش کی ہے اسلیے آنعزیز کیلئے دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ پاک انکی مساعی کو قبول فرمائے۔

۶؍ دسمبر ۱۹۹۷ء

حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب مدظلہٗ ناظم ومتولی مدرسہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور

عزیز گرامی مفتی محمد ساجد سلّمہٗ نے اپنی بعض تحقیقی وتنقیدی تحریرات تفہیم القرآن سے

متعلق دکھلائیں۔ اپنی علالت و مشغولیت کی بنا پر تفصیلی مطالعہ کی ہمت نہیں ہوئی البتہ عزیز موصوف کیلئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مزید ترقیاتِ علمیہ و عملیہ سے نوازے اور ان کی مساعی جمیلہ کو محمود و مقبول بنائے۔ وما توفیقی الا باللہ

۱۶ر شعبان ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۷ر دسمبر ۱۹۹۷ء

حضرت مولانا ریاست علی صاحب استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

جناب مولانا مفتی محمد ساجد صاحب رائے بریلوی نے سید العلماء حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحبؒ کے اجمالی اشارہ کے مطابق تفہیم القرآن کا مطالعہ کیا تو پوری ایک کتاب تیار ہو گئی۔ جے موصوف "تفہیم القرآن میں احادیث شریفہ سے بے اعتمادی اور بائبل پر اعتماد" کے نام سے پیش کر رہے ہیں۔ موصوف نے اس کتاب کا مسودہ احقر کو دکھلایا۔ راقم الحروف کو چند مقالات دیکھنے کے بعد ہی اندازہ ہو گیا کہ ان کی گرفت اصولی طور پر بالکل درست ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ پروردگار اُن کی اس خدمت کو مسلمانوں کے لیے نفع بخش بنائے اور اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول سے نوازے۔

۱۸ر رجب ۱۴۱۸ھ

حضرت مولانا عبد الحق صاحب اعظمی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

مولانا مودودی کی تفسیری خامیوں کو بہت سے علماء نے جمع فرما کر شائع فرما دیا ہے اور امت نے قبول بھی فرما لیا ہے۔ مگر ناکارہ کے علم میں عزیز القدر مفتی محمد ساجد صاحب سلمہ رائے بریلوی فاضل دیوبند نے جس تفصیل و تحقیق اور مضبوط حوالوں کے ساتھ اُن کی تفسیری خامیوں کا تعاقب کیا ہے، شاید دیگر حضرات نے نہیں کیا ہے۔ ناکارہ اللہ جل شانہٗ سے دعا گو ہے کہ عزیز محترم مفتی محمد ساجد سلمہٗ اللہ کی اس محنت کو قبولیت سے نوازے اور

امتِ مسلمہ کو تفہیم القرآن کی خامیوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

۹ر رجب ۱۴۱۸ھ

حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی رئیس قسم التخصص فی الحدیث

جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

ملک کے فاضل صالح مولانا مفتی محمد ساجد صاحب مظاہری قاسمی رائے بریلوی نے نہایت دلسوزی سے تفہیم القرآن کا مطالعہ کیا اور علامہ سید ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم کی خامیوں کو انتہائی تحقیقی انداز سے بغیر کسی دل آزاری کے ظاہر کرنے کے لیے کتاب "تفہیم القرآن میں احادیث شریفہ سے بے اعتمادی اور بائبل پر اعتماد" تصنیف فرمائی۔ مفتی صاحب موصوف نے صرف عنوان اپنا رکھا ہے اور عبارات بعینہٖ علامہ مودودی مرحوم کی نقل فرمائی ہیں۔ کتاب بنا بریں تحقیقی مفید معلومات سے پُر ہے۔ اور جن لوگوں کو راہِ حق کی تلاش ہو اور وہ غیر جانبدار ہو کر سمجھنا چاہتے ہوں اُن کے لیے عظیم بیش بہا تحفہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف موصوف کی عمر میں برکت دے اور مطالعہ کرنے والوں کو اس سے بھرپور نفع عنایت فرمائے۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

۱۲ر رجب ۱۴۱۸ھ

حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی ناظم تعلیمات و استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند وحضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہٗ صدر مفتی جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات

عزیزی مولوی مفتی محمد ساجد صاحب رائے بریلوی فاضل دارالعلوم دیوبند نے "تفہیم القرآن میں احادیث شریفہ سے بے اعتمادی اور بائبل پر اعتماد" کے مسودہ کے علاوہ دیگر کتابوں کے مسودے بھی انھوں نے ہمارے سامنے پیش کیے اور ہم نے اجمالاً ان کو سنا۔ راقم الحروف دعا گو

ہے کہ اہل سنت وجماعت نیز سلف صالح کے طریقہ سے ہٹ کر دین کی تصویر پیش کرنے والوں کے تعاقب کی توفیق نصیب ہو۔ آمین ثم آمین ۔

۱۰ ررجب المرجب ۱۴۱۸ھ

حضرت مولانا سید محمد سلمان صاحب مدظلہ ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور وحضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی ناظم اعلیٰ جامعہ اکل کنوا مہاراشٹر

احقر اپنی عدیم الفرصتی کی وجہ سے مذکورہ بالا مسودات کے تفصیلی مطالعہ سے محروم رہا مگر دیگر اکابر کی تصدیقات کے بعد تو آمین کہنا بھی اپنی سعادت تصور کرتا ہے۔ حق تعالیٰ اخلاص کے ساتھ مصنف کو اور ہم سب کو اپنے دین کی خدمت کیلئے قبول فرمائے اور اس کتاب سے امت کو فائدہ پہونچے۔ آمین

۱۱ ررجب ۱۴۱۸ھ

حضرت مولانا محمد عاقل صاحب مدظلہ صدر المدرسین مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

بندہ عزیز موصوف کے اس علمی کارنامہ سے بہت مسرور ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ مزید ترقیات سے نوازے اور ان کی ان مساعی جمیلہ کو قبول فرما کر مفید سے مفید تر بنائے۔ وَمَا ذالک علی اللہ بعزیز۔

۱۳ ررجب ۱۴۱۸ھ

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب بنارسی شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بنارس ورکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

مولانا مفتی محمد ساجد صاحب رائے بریلوی کی کتاب "تفہیم القرآن میں احادیث شریفہ سے بے اعتمادی اور بائبل پر اعتماد" کا میں نے جائزہ لیا۔ پوری کتاب بہت ضخیم تھی مفتی صاحب نے میرے مشورے سے اس میں تلخیص واختصار کا عمل کیا۔ اب وہ مختصر حصہ پیش نظر ہے۔ مفتی صاحب

نے کتاب کے آغاز میں جو مقصد تالیف ظاہر کیا ہے وہ اس میں کامیاب ہیں۔ یعنی تفہیم القرآن میں مودودی صاحب کے دو ایسے کارنامے جو نتائج کے اعتبار سے انتہائی خطرناک ہیں ان کی نشاندہی اور حوالوں کے ساتھ عبارتوں کی ترتیب۔

۱۔ مودودی صاحب نے اپنی تفسیر میں بائبل کے صفحات نقل کیے ہیں اور ایک مستند ماخذ کی حیثیت سے ان سے استدلال کیا ہے۔ مفتی صاحب نے اس موضوع پر بھی بسط کے ساتھ لکھا ہے۔

۲۔ احادیث شریفہ ومحدثین وسند کا اتصال اور طرق روایات کے متعلق بے اعتمادی کا اظہار بلکہ قارئین کے دلوں میں اس کی تخم ریزی، یہ بحث بھی خاصی مدلل ہے۔

اس لحاظ سے یہ کتاب اس قابل ہے کہ اس کی اشاعت کی جائے۔ کتاب کے بارے میں جن مقتدر علماء کرام ومشائخ عظام نے تقریظات ودعائیہ کلمات تحریر فرمائیں وہ علمی حلقوں میں نمایاں مقام کے حامل ہیں۔ ان کی تحریروں سے کتاب کی اہمیت اور افادیت مزید واضح ہوتی ہے۔ خدا کرے کتاب خوشنما کتابت اور اچھی طباعت سے مزین ہو تاکہ ہر طبقہ کے لوگوں کے سامنے پیش کی جاسکے۔

والسلام

ابوالقاسم نعمانی غفرلہٗ

جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس

۳ ر ذی قعدہ ۱۴۱۹ھ

حضرت مولانا قمر الزماں صاحب مدظلہ مکتبہ دار المعارف بخشی بازار الہ آباد

اخی الصالح العزیز جناب مولانا مفتی محمد ساجد صاحب رائے بریلوی کی بعض علمی و تحقیقی کوششوں کے مسودے میں عنوانات اور طریقِ تحقیق کو دیکھا تو موصوف کے ذوقِ تحقیق کو دیکھ کر دل مسرور و مطمئن ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور ان مضامین کی اشاعت میں سہولت پیدا فرمادے اور امتِ مسلمہ کیلئے نافع بنائے۔ ۳ر شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ

حضرت مولانا مفتی عبد القدوس صاحب رومی مدظلہ مفتی شہر آگرہ

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم ــــ کل عزیز گرامی مفتی محمد ساجد صاحب زید مجدہم جو عزیزم مفتی محمد و القدوس خبیب رومی سلمہٗ کے ہمدرس رہ چکے ہیں الہ آباد غریب خانہ پر اپنی کتاب کی تقریظ کے مقصد سے احقر کے پاس تشریف لائے۔ موصوف کی محنت و کاوش یقیناً قابلِ تحسین ہے ظاہر ہے کہ تنقید کا انداز بردست جال ہوگا تو شکار کو راہِ فرار میسر ہی نہ ہو سکے گی اور ان کی گرفت سے کسی بھی طرح نکل نہ سکے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موصوف کی یہ محنت ساری مشکور ہو اور اس کے ذریعہ سے "مودودیت" کے گرفتار لوگوں کو صحیح طور پر "مسلکیت و حنفیت" اختیار کرنے کی توفیق ہو۔ یکم شعبان ۱۴۱۸ھ

حضرت مولانا عبد العلیم صاحب فاروقی مدظلہٗ دار المبلغین پاٹانالہ لکھنؤ

وہ تفہیم القرآن میں احادیثِ شریفہ سے بے اعتمادی اور بائبل پر اعتماد" کے نام سے برادر عزیز جناب مولانا مفتی محمد ساجد صاحب رائے بریلوی نے کتاب تصنیف فرماکر وقت کے اہم تقاضے کو علمی پیرایہ میں پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ پوری کتاب پڑھ کر اکابر علماء دین نے اپنی تقریظات و تصدیقات سے کتاب کو مزین کیا ہے۔ یہ ناکارہ دعاگو ہے کہ عزیزم

کو اللہ پاک جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کتاب سے امت کو زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین ۱۴ر رجب ۱۴۱۸ھ

حضرت مولانا مفتی محمد فاروق صاحب مدظلہٗ مہتمم جامعہ محمودیہ نوگزہ پیر ہاپوڑ روڈ میرٹھ

حامداً و مصلیاً و مسلماً۔ امابعد!

مکرم محترم مولانا مفتی محمد ساجد صاحب زید مجدہم کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی صلاحیتوں اور بہت سی نیک صفات و کمالات سے نوازا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان صلاحیتوں کے استعمال ہونے کے اسباب بھی پیدا فرمادے۔ آمین۔ ہم نے اُن کی کئی عدد تصانیف کے مسودے کو مختلف مقامات سے دیکھے۔ واقعی موصوف نے حضرت فقیہ الامت سیدی و مرشدی مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کے مزاج و منشاء کے مطابق بڑی عرق ریزی اور جانفشانی سے کام لیکر اس کتاب کی شرح و تحقیق فرمائی ہے، اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

۲۰/۸/۱۴۱۸ھ

حضرت مولانا نفیس اکبر صاحب شیخ الحدیث جامعہ عربیہ متھورا

برادرم مولانا مفتی محمد ساجد صاحب رائے بریلوی نے تفہیم القرآن کے علمی تعاقب میں بہترین تحقیقی کام کیا ہے۔ میں نے اُن کے کام کو دیکھا اور سنا۔ اس سے اُن کی محنت کی بہت زیادہ قدر ہوئی۔ واقعی مولانا مفتی محمد ساجد صاحب قابلِ قدر اور لائقِ توجہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو اور اُن کے کام کو امت کیلئے نافع بنا کر قبول فرمائے۔ ۲۸ر رجب ۱۴۱۸ھ

حضرت مولانا عبد الوحید صاحب فتحپوری مدرسہ اسلامیہ فتحپور

جناب مولانا مفتی محمد ساجد صاحب فاضل دار العلوم دیوبند نے تفہیم القرآن سے متعلق اپنی

کتاب کا مسودہ پیش کیا جس میں تفہیم کے مضامین پر آپ نے مدلل تنقید کی ہے ماشاء اللہ آپ کی گرفت نہایت مضبوط و مستحکم ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ تقریباً تمام تنقیدات خود مودودی صاحب کی عبارات کی روشنی میں ہیں اور یہ انداز یقیناً اوقع فی النفس ہے۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب موصوف کی اس کوشش کو بار آور کرے۔ جویانِ حق کے لیے مشعلِ راہ اور مصنف کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی استاذ اللغۃ العربیہ دارالعلوم دیوبند

تفہیم القرآن میں احادیث شریفہ سے بے اعتمادی اور بائبل پر اعتماد، کا یہ قیمتی مجموعہ جناب مولانا مفتی محمد ساجد صاحب قاسمی حفظہ اللہ کی کاوش اور زبردست مطالعہ کا نچوڑ ہے۔ مفتی صاحب موصوف نے خوب گرفت کی ہے اور برمحل انگلی رکھی ہے اور اس زاویہ سے اتنی تفصیل کے ساتھ غالباً یہ پہلا تبصرہ ہے جس سے ملت کو صحیح آگہی اور راستی ملیگی انشاء اللہ، یقیناً یہ کاوش قابلِ قدر اور لائق ستائش ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو ہر طرح سے نافع بنائے۔ آمین

۹/ ۷/ ۱۴۱۸ھ

حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی صدر القراء دارالعلوم دیوبند

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے عزیزم مولانا مفتی محمد ساجد صاحب قاسمی رائے بریلوی کو آپ نے تفہیم القرآن کا از اول تا آخر مکمل جائزہ لیا جس کے نتیجہ میں کئی گمراہیاں اجاگر ہوئیں، اُن میں سے اس کتاب میں ایسے گوشے کو واضح کرنے کی سعی مشکور کی جس کی تفصیل کی طرف ابھی تک کسی نے توجہ نہیں کی تھی۔ کاش یہ کتاب حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحبؒ کی حیاتِ طیبہ ہی میں شائع ہوجاتی۔ راقم الحروف موصوف سلمہٗ سے اور آپ کی صلاحیتوں سے پہلے ہی سے خوب واقف ہے۔ آپ کی اس تحریری کاوش اور سعی پر مبارکباد پیش کرتا ہے اور دعا گو

ہے کہ اللہ تعالیٰ مزید کام کے لیے بیش از بیش تاب و توانائی عطا فرمائے۔

۹ رجب ۱۴۱۸ھ

مفتیانِ دارالعلوم دیوبند و مفتیانِ مظاہر علوم سہارنپور کی مشترکہ تحریر و تصدیق

جو کتابیں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میمون سے قبل ہی محرف ہو گئی تھیں اُن سے تفسیر قرآن کس طرح درست ہو سکتی ہے؟ پھر خاص طور پر جن لوگوں کو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین و محدثین کرام کی ذوات پر ہی اعتماد نہ ہو ان لوگوں کی تفسیر پر اعتماد کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ غرض اس طرح کی تفسیر تفسیر بالرائے ہے جو ہرگز اعتماد کے لائق نہیں ہے۔

اللہ پاک ہم سب کی طرف سے جناب مفتی محمد ساجد صاحب رائے بریلوی کو بہترین بدلہ نصیب فرمائے کہ آپ نے اپنے شیخ و مرشد جناب حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کے حکم سے تفہیم القرآن کی اس بنیادی خامی کو بڑی تفصیل سے طشت ازبام کردیا ہے اور انتہائی مضبوط تحقیقی انداز سے یہ ثابت کیا ہے کہ تفہیم القرآن میں احادیث شریفہ کو مجروح اور بائبل پر اعتماد کیا گیا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ آپ کی اس خدمت کو بیحد قبول فرمائے۔ آمین

دستخط مفتیانِ دیوبند مع مہر
حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب مدظلہٗ — حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مدظلہٗ
حضرت مولانا مفتی کفیل الرحمٰن نشاط صاحب مدظلہٗ

۲۳/ ۳/ ۱۴۱۸ھ

دستخط مفتیانِ مظاہر علوم مع مہر
حضرت مولانا مفتی محمد اسرار صاحب مدظلہٗ — حضرت مولانا مفتی مقصود صاحب مدظلہٗ
حضرت مولانا مفتی محمد طاہر صاحب مدظلہٗ

۲۵/ ۳/ ۱۴۱۸ھ

حضرت اقدس مولانا مفتی نظام الدین صاحب رحؒ

صدر مفتی دار العلوم دیوبند

آں عزیز کی کتاب "تفہیم القرآن میں احادیث شریفہ سے بے اعتمادی اور بائبل پر اعتماد" کے مسودے کا میں نے مطالعہ کیا علامہ موصوف نے "تفہیم القرآن" میں احادیث شریفہ کو مؤخر کر کے انجیل و بائبل کے بیانات کو زیادہ معتبر قرار دے کر ان کو ترجیح دیتے ہوئے ان پر اعتماد کیا ہے آپ نے باحوالہ اور مرتب طریقہ سے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ ان کو ظاہر کر دیا ہے تاکہ جس کا جی چاہے تفہیم القرآن میں دیکھ لے آپ کی اس تحقیقی محنت سے مجھے خوشی ہوئی اور دل سے دعاء نکلی اللہ پاک اس محنت کو قبول فرمائے اور علامہ موصوف مودودی صاحب کی غلطیوں سے درگذر فرمائیں اور ان کی غلطیوں میں مبتلا ہونے سے موجودہ اور آئندہ نسل کو سب کو محفوظ رکھیں آمین ثم آمین۔

مزید تفصیلات کیلئے میری کتاب فتاوی نظامیہ اندراویہ ج (۱) کو دیکھ لیں اور مناسبت معلوم ہو تو اس مضمون کو اپنی کتاب میں شامل بھی کر سکتے ہیں فقط واللہ تعالی أعلم۔

العبد نظام الدین الاعظمی غفرلہ

۲/ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب کٹکی زید مجدہ

رکن مجلس شوری دار العلوم دیوبند

میں حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ کی تحریر بالا سے مکمل اتفاق کرتا ہوں۔

دعا گو احقر محمد اسماعیل غفرلہ

۲۲/صفر ۱۴۲۰ھ

حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب زید مجدہ صاحبزادہ

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحؒ

برادر عزیز الحاج مولوی ارشد، اور جملہ اکابر، و برادران کی تحریرات دیکھنے اور مولوی محمد ساجد صاحب رائے بریلوی کی کتاب کے مضامین سننے کے بعد بندہ بھی تائید کرتا ہے اللہ تعالی ان کی شرح و تحقیق کو امت کے لئے نافع بنائے اور مؤلف کو اخلاص نصیب فرمائے اور تالیف کو ہر طرح کی خیر کا ذریعہ فرمائے۔

فقط والسلام

محمد طلحہ

۲۱/شوال ۱۴۰۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ و حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کی نشاندہی کی بنیاد پر مکمل تفہیم القرآن کے علمی تعاقب کی سعادت

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

راقم الحروف نے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رائے پڑھی کہ:-

"جماعت اسلامی کے بانی جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کے رسالوں اور کتابوں میں دینی پیرایہ میں وہ بد دینی اور الحاد کی باتیں مندرج ہیں جن کو ظاہر بین اور ناواقف انسان سمجھ نہیں سکتے" اور بالآخر اس اسلام سے جس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لائے تھے اور امت محمدیہ جس پر ساڑھے تیرہ سو برس سے عمل پیرا رہی ہے بالکل علیحدہ اور بیزار ہو جاتا ہے۔ آپ حضرات سے امیدوار ہوں کہ اس فتنے سے امت کو بچانے کیلئے سکوت اور غفلت اور چشم پوشی کو روا نہ رکھیں بلکہ حسب ارشاد "درختے کہ اکنوں گرفت است پائے۔ بہ نیروے شخصے بر آید ز جائے" پوری جد وجہد کام میں لائیں گے۔

حسین احمد غفرلہٗ

دارالعلوم دیوبند

۲۱ جمادی الثانی ۱۳۷۰ھ

(ماخوذ "مودودی صاحب اکابر امت کی نظر میں")

حضرت شیخ الاسلام رحؒ کی اس رائے عالی کو راقم الحروف نے حضرت سیدی و مرشدی مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کی خدمت میں لکھ کر مزید اس کی تفصیلی وضاحت چاہی تو حضرت مرشدیؒ نے اپنے جوابی مکتوب گرامی میں مجھ کو ہدایت فرمائی کہ :

" آپ ان کی تفہیم دیکھیں تو اس میں پائیں گے کہ بائبل کے صفحے کے صفحے نقل کرتے چلے جاتے ہیں جن کا محرف ہونا نص قطعی سے ثابت ہے اور احادیث شریفہ کو رد کرتے چلے جاتے ہیں جن پر محدثین نے بڑی چھان بین کی ہے۔ احادیث سے کہیں استدلال بھی کرتے ہیں تو وہ بھی اپنے ذہن ہی کی پیداوار ہے ۔ اسی وجہ سے اس کے پڑھنے والے میں احادیث شریفہ سے آہستہ آہستہ بے اعتمادی اور بائبل کی حقانیت قائم ہوتی چلی جاتی ہے ۔"

اس کے بعد ہی راقم الحروف نے طے کیا کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحؒ و حضرت فقیہ الامت سیدی و مرشدی مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کے بیان کردہ اس اجمال کی تفصیل اور ان دونوں بزرگوں کے اس دعوے کی دلیل کو جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب مرحوم کی آزاد ترجمانی تفہیم القرآن میں بلا تعصب دیکھنا چاہیے کہ واقعی ایسا ہے بھی یا نہیں؟ چنانچہ ہم نے بالکل خالی الذہن ہو کر غیر جانبدارانہ طور پر تفہیم کا مطالعہ شروع کیا۔ جس میں بنیادی چیز میرے لیے دیکھنے کی یہ تھی کہ جناب مولانا سید مودودی مرحوم نے اپنی تفہیم میں کن کن (ماخذ) کتابوں کے حوالے دیئے ہیں ؟ اور واقعتہً "تفہیم" جیسی عوامی کتاب میں احادیث شریفہ کے متعلق جرح و قدح کر کے بے اعتمادی کا مظاہرہ کیا ہے یا نہیں ؟ تفہیم میں ثقہ راویوں کے بارے میں بدگمانی ہے یا نہیں ؟ محدثین کرام کی سندوں کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے ؟ ان سب کے متعلق آپ نے کس طرح کے جملے اور الفاظ استعمال کیے ہیں ؟

میرا اس طرح دیکھنے کی بنیاد مسلم شریف میں مذکور امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا مقولہ ہے الاسناد من الدین ولولا الاسناد لقال من شاءَ

ما شاء، اس مقولہ میں اسناد کی اہمیت بتاتا ہے کہ اسناد دین کا جزو ہے اگر اسناد نہ ہوتی تو ہر شخص اپنی خواہش کے مطابق حدیث بیان کرتا ۔ امام مسلم ابنؒ سند کے ساتھ عبداللہ بن مبارکؒ کا دوسرا ارشاد نقل کرتے ہیں "بیننا و بین القوم القوائم" ہمارے اور قوم کے درمیان قوائم یعنی اسناد ہیں ۔ اس مقولہ میں اسناد کو قوائم سے تعبیر کیا گیا ہے کہ جس طرح کوئی مکان محل بغیر پائے و ستون قائم نہیں رہ سکتا اسی طرح حدیث بغیر اسناد مفید و معتبر نہیں ہو سکتی ۔ گویا حدیث پاک جو دین ہے اسکو مکان سے تشبیہ دی اور ظاہر ہے مکان بغیر ستون و کھمبے قائم نہیں رہ سکتا ۔ تو یہ کھمبے مکان کے لیے جزو لازم ہیں، اسی طرح حدیث پاک کیلئے قوائم یعنی اسناد بمنزلہ کھمبا ہیں، پس اسناد کے بغیر حدیث کا قیام بھی نہیں ہوگا کیونکہ جزء الجزء و جزء لہ کا قاعدہ مسلمہ ہے ۔ پس ثابت ہو گیا کہ اسناد دین کا جزء ہے ۔

ابن سیرینؒ نے فرمایا کہ ان هٰذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم یہ علم دین ہے لہٰذا جس سے یہ دین حاصل کرنا چاہتے اس کے بارے میں خوب غور کر لو ۔ (بحوالہ النفر المنعم بحل سوالات مسلم ص ۴۱،۴۲)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اس مقولہ کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ :

" اس وجہ سے مشائخ اور اکابر ہمیشہ ایسے لوگوں کی صحبت سے اور تقریر سننے اور تحریر دیکھنے سے منع کرتے ہیں جن کی دینی حالت خراب ہو تاکہ بے دینی کے زہریلے اثرات سے حفاظت رہے، عام طور سے ایک مقولہ مشہور ہے انظر والی ما قال ولا تنظر والی من قال (یہ دیکھو کہ کیا کہا یہ نہ دیکھو کہ کس نے کہا) یہ صحیح ہے اور بعض احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ مختلف الفاظ سے یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ "حکمت کی بات مومن کی گمشدہ چیز ہے جہاں سے ہاتھ لگے لے لے" (جامع ۔ مشکوٰۃ ۔ مرقاۃ) لیکن یہ اسی وقت

ہے جبکہ سننے والے کو کھرے کھوٹے کی تمیز حاصل ہو چکی ہو وہ دین کے اصول سے اور بات کے جانچنے کے قواعد سے اتنا واقف ہو چکا ہو کہ "کیا کہا" کو معلوم کر سکے وہ یہ سمجھ سکے کہ فلاں بات دین کے موافق ہے، فلاں چیز دین کے خلاف ہے، قرآن وحدیث کے خلاف ہے، فقہ اور سلف صالحین کے خلاف ہے مگر جب تک یہ بات حاصل نہ ہو اس وقت تک ہر قسم کی تقریر وتحریر سے تاثر پیدا ہوگا۔" (الاعتدال فی مراتب الرجال ص ۱۰۷)

۲ ۔ نیز تفہیم القرآن میں بائبل سے قرآن پاک کی تفسیر و تشریح کی ہے یا نہیں؟ اور بیانات بائبل کو آیات قرآنی کی تفصیل و تصدیق و تائید و توضیح میں پیش کیا ہے یا نہیں، تو مجھے تفہیم القرآن میں واقعۃً ایسا ہی ملا کہ آپ نے بائبل کا سہارا لیکر قرآن پاک کو سمجھنے و سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ بہت سے مقامات ایسے ملے جہاں آپ نے قرآن پاک کو متن بناکر صاف طور پر بائبل سے اس کی شرح و تحقیق کی ہے۔ آئندہ اوراق میں قارئین کرام اسکی مثالیں ملاحظہ کرینگے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

"حیرت ہے کہ مسلمانوں کے لیے اللہ کے پاک کلام اور اس کے رسول کے سچے ارشادات میں علوم و حکمت، دارین کی فلاح و ترقی کے اسباب اور خزانے بھرے ہوئے ہیں لیکن وہ ہر بات میں دوسروں پر نگاہ رکھتے ہیں، دوسروں کا پس خوردہ کھانے کے درپے رہتے ہیں۔ کیا یہ چیز انتہائی بے غیرتی اور اللہ اور اس کے پاک رسول کے ساتھ اجنبیت اور مغایرت کی نہیں ہے۔ کیا اس کی مثال اس بیمار کی سی نہیں جس کے گھر میں ایک مرجع الخلائق حکیم اور ایک حاذق ڈاکٹر موجود ہو اور وہ کسی اناڑی طبیب سے علاج کرائے؟"

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ تورات کا ایک نسخہ کہیں سے لائے اور حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ تورات لایا ہوں اور یہ کہہ کر اسکو

پڑھنا شروع کردیا حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو ناگواری ہوئی اور چہرۂ انور متغیر ہوگیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چہرۂ انور کو دیکھ کر حضرت عمرؓ سے ارشاد فرمایا تجھے موت آجائے دیکھتا نہیں کہ چہرۂ انور پر غصہ کے آثار ہیں، حضرت عمرؓ اسکے پڑھنے میں مشغول تھے، دفعۃً حضورؐ کے چہرۂ انور کو دیکھا تو ڈر گئے اور بار بار کہنا شروع کیا اعوذ باللہ من غضبہ وغضب رسولہ رضینا باللہ ربًا وبالاسلام دینًا وبمحمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نبیًّا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے اگر حضرت موسیٰ موجود ہوں اور تم لوگ مجھے چھوڑ کر ان کا اتباع کرو تو سیدھے راستے گمراہ ہوجاؤگے، اگر موسیٰ علیہ السلام میری نبوت کا زمانہ پاتے تو میرا اتباع کرتے۔ (مشکوٰۃ بروایۃ دارمی)

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی بالکل ظاہر تھی کہ جب تک اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کے ارشادات پر پوری نظر اور مہارت نہ ہو اس وقت تک کسی ایسی کتاب کا دیکھنا جس میں حق و باطل مخلوط ہو اپنے دین کو خراب کرنا ہے۔ اسلئے کہ جو شخص دین میں کامل مہارت رکھتا ہے ہر بات میں حق اور ناحق فورًا پہچان سکتا ہے اسکے لیے تو مضائقہ نہیں کہ کسی چیز کو دیکھے لیکن جس کو دینی علوم میں مہارت نہ ہو اس کے متعلق قوی اندیشہ ہے کہ اپنے قلت علم کی وجہ سے کسی ناحق بات کو حق سمجھ جاوے اور گمراہی میں پھنس جاوے۔ چونکہ تورات میں ایسے احکام بھی تھے جو منسوخ ہوچکے تھے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس میں تحریف بھی ہوچکی تھی اس وجہ سے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے شدت ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ مبادا دین میں خلط واقع ہو۔
(الاعتدال فی مراتب الرجال ص ۱۰۶-۱۰۷)

مگر جناب مودودی صاحب نے ان باتوں کا لحاظ و پرواہ کئے بغیر تفہیم القرآن میں بائبل سے تفسیر کی ہے بلکہ مغربی مستشرقین کی طرح خود آپ نے بھی بائبل سے قرآنی قصوں کا ماخذ ڈھونڈنے میں کمال ہوشیاری سے کام لیا ہے۔

مزید آپ نے ساتھ ہی ساتھ اس کے بالمقابل احادیث شریفہ و محدثین کرام کی سندوں کی

تردید و تعریض بھی فرمائی ہے بلکہ بعض جگہ بخاری شریف کی احادیث کی تفصیلات کو ماننے سے بھی انکار کیا ہے اور اسکے بارے میں عام طور پر جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ یہ ہیں :

"بخاری و مسلم کی روایات تو پہلی ہی نظر میں رد کر دینے کے لائق ہیں۔"

"بخاری و مسلم کی روایات قرآن کے خلاف ہیں اسی لیے رد کر دینے کے لائق ہیں۔"

"بخاری و مسلم کی ان چھ روایات میں سے کسی ایک کی نقل پر بھی یقینی طور پر مکمل اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔"

"جہاں تک اسناد کا تعلق ہے اُن میں سے اکثر روایات کی سند قوی ہے اور باعتبار روایت اس کی صحت میں کلام نہیں کیا جا سکتا لیکن حدیث کا مضمون صریح عقل کے خلاف ہے اور پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ہرگز نہ فرمائی ہوگی جس طرح وہ نقل ہوئی ہے۔ الخ"

"ایسی روایات کو محض صحتِ سند کے زور پر لوگوں کے حلق سے اُتروانے کی کوشش کرنا دین کو مضحکہ بنانا ہے۔"

(تفہیم القرآن ج ۳ ص ۱۳ ۱۴ ص ۱۴ حاشیہ ۹۱۔ ج ۴ ص ۳۲۷ حاشیہ ۳۶)

چنانچہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ اور حضرت فقیہ الامتؒ کے بیان کردہ اجمال

"(مودودی مرحوم کی کتابوں میں دینی پیرایہ میں بددینی اور الحاد کی باتیں مندرج ہیں اور بقول مفتی صاحبؒ کے تفہیم القرآن کے مطالعہ سے آہستہ آہستہ احادیث شریفہ سے بے اعتمادی اور بائبل کی حقانیت قائم ہوتی چلی جاتی ہے)"

کی تفصیل میں بحمد اللہ تعالیٰ یہ ایک مکمل و مدلل کتاب موثق تیار ہو گئی جس میں ان دونوں بزرگوں کے دعوے کے ناقابل انکار دلائل پیش کیے گئے ہیں جن کے متعلق تحدیث بالنعمۃ کے طور پر عرض ہے کہ انشاء اللہ ثم انشاء اللہ ہمارے پیش کردہ حوالجات میں سے ایک حوالہ کو بھی

اہل علم میں سے کوئی بھی غلط ثابت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ میں نے اپنی اس کتاب میں ان دونوں کے اکابر کے ملفوظات کو متن بنا کر اپنی حد تک اس کی تحقیقی شرح کرنے میں کسی بھی قسم کی سستی سے کام نہیں لیا ہے۔ اب میری یہ کوشش حضرات ناظرین کرام کے فیصلہ کی منتظر ہے کہ کیا حقیقت بھی یہی ہے کہ کتاب کا جیسا حق تھا میں نے اس کو ادا کر دیا ہے؟

راقم الحروف جناب سید مودودی مرحوم ہی کی اصل عبارات و تحریرات کی بنا پر ببانگ دہل اعلان کرتا ہے کہ میں نے تفہیم القرآن کی جن تحریرات و عبارات کو پیش کیا ہے اور اُن سے جو نتائج اخذ کیے ہیں وہ قطعی طور پر غلط نہیں ہیں۔ اور دعویٰ سے کہتا ہے کہ آپ کی اصل عبارات و تحریرات میں کہیں بھی تحریف و تبدیلی، نقص و زیادتی نہیں کی ہے اور نہ ہی آپ کے بیان کردہ معنی و مطلب کے خلاف عبارات میں کتر بیونت کی ہے۔

اگر کوئی صاحب بھی ہمارا چیلنج قبول فرما کر پوری کتاب میں ایک عبارت بھی اس کے خلاف ثابت کر دیں تو گراں قدر انعام کے مستحق ہوں گے۔ انشاء اللہ۔

الحمد للہ اب میں اس بات کا غیر معمولی سرور محسوس کر رہا ہوں کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ اور حضرت سیدی و مرشدی مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کی نشاندہی کی بنیاد پر مکمل تفہیم کے علمی تعاقب کرنے کی سعادت مجھکو میسر آئی۔

بحمد اللہ تعالیٰ تفہیم القرآن کا ۱۱ مرتبہ بنظر غائر مطالعہ کرنے کے نتیجہ میں کئی مدلل کتابیں انتہائی مضبوط حوالوں کے ساتھ تیار ہو گئی ہیں جن کے ناموں کی فہرست آئندہ اوراق میں آپ ملاحظہ کریں گے انشاء اللہ۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اس عالی خدمت کو قبول فرما کر میری نجات دارین کا سامان کرے اور قیامت کے روز اپنے جملہ اکابر و اسلاف و محدثین و مفسرین کرام کے ساتھ محشور فرمائے، بالخصوص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک جن واسطوں اور سندوں سے ہم تک احادیث شریفہ پہونچی ہیں ان تمام اکابر محدثین اور طرق روایت کے جملہ حاملین

کے سامنے مجھکو سرخروئی نصیب کرے اور تمام امتِ مسلمہ کو تفہیم القرآن کے زیغ و ضلال (اور اسکی تحریروں میں چھپا ہوا عظیم فتنہ) سے حفاظت فرما کر سب کو راہِ راست پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین

جناب مولانا سید مودودی مرحوم کے وعدہ کی بنیاد پر تمام اہل علم و نظر کو خیر خواہانہ مشورہ

اب اگر کوئی صاحبِ علم و نظر بھی میری اس کتاب پر معقول مدلل انداز میں علمی و فنی طور پر کوئی اشکال و اعتراض پیش کرنا چاہیں یا جناب سید مولانا مودودی کی ان تحریروں کے متعلق مدافعت کی کوشش کرنا چاہیں تو ان کے لیے خیر خواہانہ مشورہ یہ ہے کہ للہ سب سے پہلے ان باتوں پر خوب سنجیدہ ہو کر ٹھنڈے دل سے غور فرمالیں کہ ان کی طرف سے ان تحریرات کی مدافعت موزوں بھی ہوگی ؟ یا ان کی ان تحریرات کو حذف کر کے تفہیم کی اصلاح کی فکر زیادہ مناسب ہوگی ؟ یا ان کی تحریرات سے اعلان برأت و اعلان عدم اتفاق مناسب ہوگا ؟ یا غیر ممکنہ و ناقابل تسلیم تاویلات بیجا پیش کرنا نفع بخش ہوگا ؟

بہرحال میری اس کتاب کو متن بنا کر جواب کا شوق پورا کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں لیکن پھر جواب الجواب دے کر میں بھی اتمام حجت کا ناخوشگوار فریضہ انجام دینے پر مجبور ہو جاؤ نگا اس لیے جناب سید ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم کی ان تحریرات کے بارے میں امتِ مسلمہ کو مطمئن کرنے کی کوشش فرمائی جائے اور تفہیم القرآن کو بھی بغرض تحقیق و تنقید پوری بصیرت کے ساتھ بار بار ملاحظہ کر لیا جائے تاکہ کہیں دھوکہ اور شرمندگی نہ اٹھانی پڑے اور اگر اصولی طور پر خدا کی توفیق سے یہ گرفت ہمارے مؤقر ارباب جماعت کو بھی صحیح معلوم ہو جیسا کہ جماعت کے سنجیدہ، ذی شعور، صاحب قلم، صاحبِ علم احباب سے توقع کیے بیٹھا ہوں تو بلا تعصب

اور بالکل غیر جانبدار ہو کر جناب مولانا سید مودودی کی اس بنیادی غلطی کا اعتراف کر کے اعلان کیا جائے اور اس میں قطعاً کسی بھی قسم کا کوئی عار محسوس نہ کیا جائے۔ کہ معاملہ آخرت کا ہے۔

اے کاش

جناب سید مولانا الحاج ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم بقید حیات ہوتے تو آپکو تفہیم القرآن کے "خاتمہ" میں آپ ہی کی تحریر کی بنیاد پر اپنی غلطی کے اصلاح کرنے کا وعدہ یاد دلایا جاتا اور آیت قرآنی وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا کا واسطہ دیا جاتا اور امید کی جاتی کہ آپ قرآن پاک کی اس مومنانہ صفت کے مطابق ایفاء وعدہ کرتے۔ خاتمہ تفہیم میں آپ کے وعدے کے الفاظ و جملے یہ ہیں :

" اصحابِ علم سے میری درخواست ہے کہ وہ میری غلطیوں پر مجھے متنبہ فرمائیں جس بات کا بھی غلط ہونا دلیل سے مجھ پر واضح کر دیا جائے گا انشاء اللہ اسکی اصلاح کروں گا۔ میں اس بات سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ کتاب اللہ کے معاملہ میں دانستہ غلطی کروں یا کسی غلطی پر مصر رہوں۔"

حضرات قارئین کرام ! اور صحیح بات یہ ہے کہ اس کتاب کو انتہائی جانفشانی و عرق ریزی سے محنت کر کے تصنیف کرتے ہوئے جس چیز نے سب سے زیادہ مجھکو ابھارا ہے وہ خاتمہ تفہیم کے یہ مذکورہ الفاظ اور جملے ہیں۔ اللہ پاک ان کی تمام غلطیوں کو معاف کرے اور اب ان کے وصال کے بعد ان کے متعلقین و محبین و پسماندگان اور جماعت کے ارباب حل و عقد کو توفیق عطا ہو کہ تفہیم کی تمام غلطیوں کی مکمل اصلاح کر کے ان کی روح کو ابدی سکون پہونچائیں اور روز قیامت میں مولانا سید مودودی کے نزدیک سرخرو ہوں۔

واضح رہے کہ مکمل تفہیم کے اغلاط کی اصلاح کا راقم نے جو عزم کیا ہے اس کے پس منظر میں بھی جذبۂ اخروی کارفرما ہے اسلئے صاف صاف عرض کرتا ہوں کہ اس کام سے مجھکو نہ کسی کی تعریف مطلوب ہے، اور نہ ہی کسی کی لعن و طعن اور ملامت کا خوف ! اس لیے کوشش کی گئی ہے کہ اس کتاب کا انداز جارحانہ نہ ہو بلکہ خیر خواہانہ اسلوب نگارش ہو۔ اسلیے کہ دینِ اسلام

نام ہے خیر خواہی کا الدین النصیحۃ ۔ ہاں بعض مواقع میں جناب مولانا مودودی کی عبارات ہی میں انتہائی جارحانہ تضحیکی اندازِ تحریر ہے اس کے جواب میں میری تحریر بھی اسی قسم کی ہو گئی ہے جس کے لیے میں معذرت خواہ ہوں۔ والعذر عند کرام الناس مقبولٌ ۔

یہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا فیض ہے

راقم الحروف اپنی اس خدمت کو حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ و حضرت مرشدی مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کا روحانی و علمی فیض سمجھتا ہے کیونکہ میرے تمام اساتذۂ کرام (دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارن پور و مدرسہ اسلامیہ عربیہ برن پور ضلع بردوان مغربی بنگال بالخصوص مخدومی حضرت مولانا احمد اللہ صاحبؒ خلیفہ و مجاز حضرت شیخ الاسلامؒ و بانی مدرسہ عربیہ برن پور اور میرے ابتدائی استاذِ محترم جناب الحاج حافظ و قاری محمد یعقوب صاحب فریدی مدظلہٗ استاذِ سابق مدرسہ حسینیہ جے، گگے، نگر ضلع بردوان مغربی بنگال) اور میرے والدین مرحومین میرے شیخ و مرشد، سب ہی حضرت شیخ الاسلام و فدائے ملت، امیر الہند، اسعد العلماء، جناب محترم الحاج حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہٗ کے فیض یافتہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے پھر دعا کرتا ہوں کہ اس کتاب سے ہر خاص و عام کو غیر معمولی فائدہ پہنچے اور میرا خاتمہ ایمان پر ہو۔

دعائیہ کلماتِ تشکر

اللہ پاک اس کتاب کے سلسلہ میں بطورِ خاص حضرت اقدس مرشدی مفتی اعظم ہندؒ کو بہترین بدلہ نصیب فرمائے کہ آپ نے ہی مجھے تاکیداً اس کام پر مامور فرمایا، میری غفلت کو دور کیا بار بار توجہ دلائی اور گرفت کے اصول بتائے (جس کی تائید بعد میں استاذ محترم و مشفق حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کے مختصر و جامع رسالہ "عصمت انبیاء" سے بھی ہو گئی، جزاہم اللہ خیراً) اس کے ساتھ ہی آپ کے

خادم خاص مخدومی و مشفقی مولانا محمد ابراہیم صاحب پانڈور افریقی زید مجدہٗ کو اللہ پاک بہترین بدلہ نصیب فرمائے کہ حضرت مرشدی مفتی صاحبؒ سے اکتسابِ فیض میں آپ نے میرا بہت ہی تعاون و لحاظ فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے استاذ مشفق، بے نظیر محقق، محدث جلیل، نباضِ امت، فقیہ النفس جناب محترم مولانا مفتی الحاج سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہٗ کو جن کی مخصوص نہج تعلیم و جداگانہ انداز تربیت سے ہمارے اندر تحقیق کا ذوق پیدا ہوا۔ ان کے علاوہ حضرت مخدومی و محسنی جناب الحاج مفتی ابوالقاسم صاحب مدظلہٗ شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس و مخدومی جناب محترم حضرت مولانا بدرالدین اجمل صاحب کی بھی میرے اوپر بڑی عنایات و مہربانیاں رہیں

جزاہم اللہ خیر الجزاء

مکمل تفہیم القرآن کے غیر جانبدارانہ مطالعہ کے دوران
بار بار بنیادی سوالات

مکمل تفہیم القرآن کے مطالعہ کے دوران بار بار مجھ کو کئی طرح کے بنیادی سوالات پیش آئے کہ اپنے مقصد کے مطابق جناب مولانا مودودی مرحوم نے جس طرح محدثین پر ان کے بیان کردہ سندوں پر، حدیث پاک کے راویوں پر اور اسلام کی بنیادوں پر، اسلام کو پیش کرنے والوں پر، اسلام کے اصول و فروع پر زبردست تنقید کی ہے۔ یعنی جو الفاظ آپ نے محدثین، فقہاء، مجددین اور متکلمین کے بارے میں استعمال کیے ہیں اور طرح طرح سے ان کی جرح و قدح

کی ہے تو بائبل کی ان کتابوں پر بھی تفہیم ہی میں اسی فنی و اصولی طریقۂ تنقید و انداز جرح و قدح سے ان کتبِ محرفہ پر تنقید شدید کر کے اُن میں سے ہر ایک کے درجہ کو کیوں متعین نہیں فرمایا؟ پھر تعجب ہوا اور سخت تعجب ہوا کہ سید مودودی مرحوم نے ان کتابوں کو قرآن پاک کے لیے قابل استناد کیوں اور کس طرح سمجھا؟ بائبل کو مآخذ کیوں بنایا؟

راقم الحروف نے تفہیم القرآن کے مآخذ کو دیکھنے کی ضرورت یوں بھی زیادہ محسوس کی کہ جناب سید مودودی مرحوم نے بھی فقہاء کرام کے بیان کردہ شرائط کا مآخذ تلاش کرنے کی اپنی امکانی حد تک کوشش کی مگر آپ کامیاب نہ ہوئے اس لیے صاف طور پر کہہ دیا کہ "فقہاء کی عائد کردہ ان شرائط کا کوئی مآخذ نہیں ہے اور فقہاء چونکہ شارع نہیں ہیں اس لیے ان کی شرطوں پر اگر کوئی عمل نہ کرے تو گنہگار نہیں ہو سکتا" (رسائل و مسائل ج ۲ ص ۲۷۸)

مآخذ فقہاء ملنے میں جناب کی اپنی تلاش و جستجو کی کوتاہی و تقصیرات کا دخل ہے مگر آپ نے اپنے اعترافِ تقصیر کے بجائے مآخذ فقہاء کی شرائط ہی کا انکار فرما دیا فیا للعجب۔ بہر حال جناب کو فقہاء کی شرائط کا مآخذ نہ مل سکا مگر بفضلہٖ تعالیٰ راقم الحروف کو تفہیم القرآن کے مآخذ کا پتہ ناقابلِ انکار دلائل کے ساتھ چل گیا کہ وہ بائبل ضرور ہے جس کے متعلق راقم الحروف بھی یہ کہنے پر مجبور ہے کہ تفہیم القرآن کا مطالعہ کرنے والا روحِ بائبل تک بہت آسانی سے پہنچ جائے گا اور قرآن پاک کی حقانیت و خوشبو سے محروم ہی رہے گا۔

پھر اگر اسکو دیکھا جائے کہ تفہیم میں آپ نے جابجا مختلف مقامات پر علیحدہ علیحدہ مختصراً تحریفِ بائبل اور یہودیوں کے جرائم کا اعتراف و اقرار کیا ہے تو یہ سوال شدید ہو کر مزید مؤکد ہو جاتا ہے کہ قرآن پاک جیسی عظیم الشان مقدس کتاب کی تفسیر کے لیے اُن ہی یہودیوں کی تحریف کردہ کتابوں کا حوالہ دینا اور انہیں قابلِ استناد بنانا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ کیا فہم قرآن کے لیے کتبِ محرفہ کے حوالے پیش کرنے میں اصولاً آپ کے نزدیک کوئی قباحت اور خرابی نہیں ہے؟

میرے ناقص مطالعہ و کوتاہ نظر کے مطابق پوری تفہیم میں آپ نے صرف ایک جگہ بائبل کے چار انجیلوں کے متعلق فنی و اصولی طور پر جرح و قدح کیا ہے لیکن وہ بھی انجیل برنابا کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے اناجیل اربعہ کو مجروح کیا گیا ہے اور وہ بھی تشنہ اور ناتمام ہے۔ ملاحظہ کیجیے تفہیم جلد ۵ سورہ صف حاشیہ ۸ ص ۴۶۷ کے آخری سطور میں آپ تحریر کرتے ہیں:

"بائبل میں جو چار انجیلیں قانونی اور معتبر قرار دے کر شامل کی گئی ہیں اُن میں سے کسی کا لکھنے والا بھی حضرت عیسیٰؑ کا صحابی نہ تھا اور اُن میں کسی نے یہ دعویٰ بھی نہیں کیا کہ اس نے آنحضرت کے صحابیوں سے حاصل کردہ معلومات اپنی انجیل میں درج کی ہیں اُن کا کوئی حوالہ انہوں نے نہیں دیا ہے جس سے یہ پتہ چل سکے کہ راوی نے آیا خود وہ واقعات دیکھے اور وہ اقوال خود سنے ہیں یا ایک یا چند واسطوں سے یہ باتیں اُسے پہونچی ہیں۔"

آپ کی اس تحریرِ تشنہ کے بعد اب ہمارا دوسرا سوال یہ ہے کہ آپ نے یہاں بائبل کے چار انجیلوں کے بارے میں جو بے اعتمادی و بے اعتنائی کے چار اسباب مذکورہ تحریر کیے ہیں بالفرض مان لیا جائے کہ آپ کے مطالعہ و تنقید کے نتیجہ میں انجیل کے یہ چاروں اسبابِ عدم اعتماد دور ہو جاتے۔ یا عیسائیوں کی طرف سے دور کر دیئے جاتے تو کیا جناب مولانا مودودی صاحب کو بائبل کے چاروں انجیلوں پر مکمل اعتماد حاصل ہو جاتا؟ یا آپ اعتماد کر لیتے؟

اگر جواب یہ ہے کہ اعتماد کر لیتے جیسا کہ آپ کے جرح و قدح کے اندازِ تحریر سے ظاہر ہو رہا ہے تو پھر تیسرا اہم سوال یہ ہے کہ آپ نے حضرات محدثین کرام کے بیان کردہ اسناد پر، ان کے طرق روایت پر اور ان کی سندوں سے پہونچی ہوئی احادیث شریفہ پر اعتماد کیوں نہیں کیا اور تفہیم جیسی عوامی کتاب میں اس دقیق بحث کو ذکر فرما کر قرآن فہمی کا کون سا نکتہ حل کیا ہے؟ اگر آپ کو اس پر قلم اٹھانا ہی تھا تو مناسب یہ تھا کہ تفہیم القرآن کی طرح ایک

کتاب تفہیم الحدیث بھی لکھتے اور پھر اس میں اس بحث کو مستقلاً ذکر فرماتے تو نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ یہ کیا بات ہے کہ لکھ رہے ہے قرآن کی آزاد ترجمانی اور احادیث شریفہ کی تردید کر رہے ہیں؟ مودودی بھی بائبل سے استفادہ کرتے ہوئے۔ مگر حقیقت واقعہ یہی ہے کہ چار انجیلوں پر جرح و قدح اور تنقید ناقص بھی اُس وقت مضحکہ خیز ثابت ہوتی ہے جب آپ ہی کے قلم سے تحریف بائبل کے اعتراف کے ساتھ ساتھ۔ بائبل کے بیشتر صحائف کی تعریف اور اسی محرف بائبل سے تفسیر[۱] و تشریح[۲] و توضیح[۳] و تائید[۴] و تفصیل[۵] و تصدیق[۶] قرآن پاک بھی تفہیم القرآن کے اندر بھری ہوئی ملتی ہیں۔

نوٹ: بائبل سے استفادہ کرتے ہوئے یہ مذکورہ چھ الفاظ آپ ہی نے تفہیم میں استعمال کیے ہیں جن کو قارئینِ کرام اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

توضیحِ مدعا کیلئے ہم نے یہ طریقے اختیار کیے ہیں

۱۔ اولاً — ہم نے اس کتاب میں استاذ محترم و مشفق جناب مولانا ریاست علی صاحب زید مجدہٗ (استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند) کی ہدایت کے مطابق سب سے پہلے جناب مودودی مرحوم کی عبارتوں کے سیاق و سباق کو دیکھا ہے۔

۲۔ ثانیاً — پوری تفہیم میں احادیث پاک و اسناد و رواۃ سے متعلق آپ نے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کے لیے جو کچھ لکھا ہے الحمدللہ میں نے اسکو تا بقدر جمع کر لیا ہے۔

۳۔ ثالثاً — احادیث شریفہ و اسناد کے متعلق آپ کے ہی معتقدات کی روشنی میں تفہیم میں آپ کی عبارتوں کا مطلب سمجھا ہے۔

۴۔ رابعاً — خود زیر بحث عبارات میں جو الفاظ و جملے آپ کے اصل معتقدات کی ترجمانی کر رہے ہیں ہم نے ان کو اُبھارا ہے اور اُن ہی پر مکمل اعتماد کیا ہے البتہ کہیں کہیں مجبور ہو کر بین القوسین کچھ ضروری وضاحت و اضافہ بھی کرنا پڑا ہے۔

۵۔ خامساً — لیکن نہ ہم نے مولانا مودودی کی عبارتوں میں ناانصافی کی ہے کہ ہر جگہ اپنے ذہنی سانچہ اور فکر و نظر ہی کو سامنے رکھوں اور جناب مولانا مودودی کی عبارتوں میں اُن ہی الفاظ و تعبیرات کو ابھاروں جو ہمارے مطلوبہ نتائج کا ساتھ دے سکیں اور ان چیزوں کو قطعاً نظر انداز کر دوں جو اس نقطۂ نظر کو نقصان پہونچا سکیں۔ اور نہ ہی بحمد للہ تعالیٰ حضرت سیدی و مرشدی مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی[۱] کے نقطۂ نظر کے ساتھ رعایت برتی ہے کہ جناب مولانا مودودی مرحوم کی عبارتوں کی وضاحت کے باوجود ان کے لفظ کی وحشتناک اور اصطلاحی تعبیر میں تبدیل کرنے میں تامل کر دوں — اور یہ مفتی صاحب[۲] کے نقطۂ نظر کے ساتھ رعایت اور جناب مودودی صاحب کی عبارات کے ساتھ ناانصافی اسلیے نہیں کی گئی ہے تاکہ اصل نتیجہ اخذ کرنے میں انصاف کا دامن میرے ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے اور ہمارا یہ علمی تعاقب و محاکمہ حقیقت پر مبنی کہلائے اور سب کے نزدیک قابلِ قبول ہو، کیونکہ ہمارا مقصود قطعاً یہ نہیں ہے کہ جناب مودودی مرحوم کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کروں بلکہ مقصود صرف اور صرف یہ ہے کہ اُمت مسلمہ کے سامنے اُن کے زیغ و ضلال اور اُن کی غوایت و عنادات کو بین السطور میں نہیں بلکہ ان ہی کے الفاظ میں، اُن ہی کی اُردوئے معلّیٰ کی صحافت میں بے نقاب کر دوں اور احادیث پاک سے بے اعتمادی جسکو انھوں نے اپنے اسلوبِ صحافت و خطابت میں چھپانا چاہا ہے یا بے اعتمادی چھپی ہوئی ہے اسکو ظاہر کر دوں لیکن اس طرح پر کہ آپ ہی کی تحریرات و عبارات ہی اپنے پردہ داری کی غمازی کریں اور گوشۂ خفا میں رہنے کے باوجود پکار پکار کر کہیں کہ جناب سید مودودی مرحوم نے اپنی دانست میں اسناد و حدیث پاک سے متعلق انصاف سے کام نہیں لیا ہے۔ ہاں اتنا میں ضرور کہوں گا کہ جناب مودودی مرحوم کی عبارات ہی خود اُن تلازمات و نتائج کی توثیق کر دیں گی جو صرف تنہا حضرت مفتی صاحب[۲]

کے نقطۂ نظر کا نتیجہ نہیں بلکہ جناب مولانا مودودی مرحوم کی تحریرات کا ہی بیانِ حقیقت ہے جس کا انکار ہی نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں:

۶۔ اپنے مدعا کو ظاہر کرنے کیلئے ہم نے جناب مودودی مرحوم کی تفہیم کی جن اصلی عبارات کو ابھارا ہے اس پر نمبر ڈال دیا ہے اور اسی کے مطابق سید مودودی کی سلسلہ وار عبارات پر بھی نمبر ڈال دیا ہے تاکہ ہمارے قائم کردہ نمبر کو اصل عبارت کے نمبر سے ملانے کے بعد حضرات قارئین کرام کو پتہ چل جائے کہ راقم الحروف نے ان کی عبارات میں قطع و برید نہیں کی ہے کہیں کہیں ہم نے جناب مولانا مودودی مرحوم کی وہ زائد عبارات (جو ہمارے عنوان و موضوع بحث سے بالکل غیر متعلق تھیں۔ اُن کو لی ہی نہیں تاکہ کتاب کی ضخامت سے قارئین کرام کبیدہ خاطر نہ ہوں۔

۷۔ بین القوسین میں ہماری اپنی عبارات ہیں جو مولانا مودودی کی عبارت پر تنقید و تنبیہ کے قائم مقام ہیں۔ ہم نے طویل تنقیدی تحریر سے اجتناب کیا ہے البتہ اقتباس فتاوی محمودیہ[۱] و بائبل سے قرآن تک[۲]"

کے اقتباسات طویل تنقید و تنبیہ کی جگہ پر ہیں۔ ہم نے اِن اکابر علماء کے مضامین کو مولانا مودودی کے نقطۂ نظر پر تنقید کیلئے پیش کیے ہیں کیونکہ یہ مضامین میری کتاب کے لیے جزوِ لازم ہونے کے ساتھ ساتھ میرے دل کی دھڑکن اور ترجمانِ قلب و اظہارِ ما فی الضمیر ہیں۔ اسلیے کہ اگر میں اپنے الفاظ میں تنقید کرتا تو ممکن تھا کہ مولانا مودودی مرحوم کی شان میں کوئی ایسا لفظ اور جملہ نکل جاتا جو مولانا مودودی کے لیے نامناسب ہوتا جس کی وجہ سے ہمارے بعض قارئین کرام کو (جو مولانا مودودی سے غیر معمولی والہانہ تعلق و محبت رکھتے ہیں) تکلیف ہو جاتی اور میرا مقصد جیسا کہ میں نے اس سے قبل بھی عرض کیا ہے کہ کسی کو تکلیف پہونچانا نہیں بلکہ صرف اور صرف تفہیم کے زیغ و ضلال اور مولانا مودودی کی غباوت و غوایت کو ناقابلِ انکار

دلائل سے عادلانہ انداز میں واضح کرنا ہے کیونکہ معاملہ حدیث پاک کے اعتماد اور بائبل کے عدم اعتماد کا ہے۔ اب اگر جناب مولانا مودودی صاحب کے اعتماد کا شیش محل چکنا چور ہوتا ہے تو ہو جانے دیا جائے۔

۸۔ جناب مولانا مودودی مرحوم نے پوری تفہیم میں جہاں جہاں علمی وفنی اور اصولی غلطیاں کی ہیں اس کتاب میں ان تمام اغلاط پر کلام نہیں بلکہ ان تمام اغلاط میں ایک انتہائی محتاط باریک بادی زبردست غلطی کی گرفت میں حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے ایک جملہ فرمایا تھا (جس سے آپ کے علم کی گیرائی و گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے) جو مجمل ہونے کے ساتھ صرف دعوی کی شکل میں تھا۔ آپ کے بیان کردہ اس اجمال کی تفصیل اور اس ایک دعوی کے ثبوت کیلئے پوری تفہیم میں جس قدر قطعی دلائل و ناقابلِ انکار ثبوت مولانا مودودی ہی کی عبارات سے مجھکو مل سکے ہیں راقم الحروف نے بڑی محنت کر کے ان کو اس کتاب میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے اس امید پر کہ ہمارے معزز قارئین کرام کے سامنے اس نہج سے آپ کی یہ بڑی غلطی بھی با آسانی واضح ہو جائے اور خلط مبحث و خلط دعوی بھی نہ ہو سکے۔

اس کے بعد ہمارا مصمم ارادہ ہے کہ انشاء اللہ آئندہ بھی اسی نہج و اصول پر اپنے مشفق و محقق استاذِ محترم جناب مولانا الحاج مفتی سید احمد صاحب پالن پوری مدظلہٗ کی زیرِ نگرانی اور مخدومی و محسنی جناب مفتی ابو القاسم صاحب نعمانی زید مجدہٗ کے ظلِ توجہات و عنایات میں تفہیم کی تمام غلطیوں کو یکے بعد دیگرے بے نقاب کر دوں۔ اللہ تعالی ہمیں بطورِ خاص اپنے ان دونوں بزرگوں کی قدردانی کی توفیق نصیب فرمائیں اور ہمارے اس ارادہ کی تکمیل بعافیت فرمادیں۔

وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

واضح دلائل اور قطعی ثبوت کے بعد

میں اس موقع پر ایک انتہائی مناسب بات عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اتنے واضح دلائل و قطعی ثبوت اور اتمام حجت کے بعد ہمارے محبّینِ تفہیم مزید اب کس دلیل کا انتظار کریں گے ؟ وہ کس طرح تفہیم کی غلطیوں کو تسلیم کریں گے ؟ اسکے بعد پھر کیا چیز ایسی ہو سکتی ہے جو اُن کو راہِ راست پر لا سکے ؟

اللہ کا فضل شاملِ حال ہو جائے کہ یہ کتاب عام متوسط طبقہ کی غلط ذہنیت کی اصلاح کا ذریعہ بن جائے اور جناب مولانا مودودی مرحوم کی اس بنیادی بڑی غلطی کی طرف بھی ان کے اذہان و قلوب متوجہ ہو جائیں اور کتاب ہٰذا میں پیش کیے گئے تفصیلی دلائل ان کے دماغ کو اپیل کریں اور وہ برافروختہ و مشتعل ہونے کے بجائے بہت ہی زیادہ سنجیدہ ہو کر ان تحریراتِ تفہیم کا مطالعہ کریں اور جماعتِ اسلامی کے ہر چھوٹے بڑے کارکن و قیم جماعت ٹھنڈے دل سے سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ ہاں واقعی یہ بھی ایک ایسی غلطی ہے جو جناب مولانا سید مودودی مرحوم سے کی ہے یا ہوئی ہے۔ یہ ان پر کوئی الزام نہیں۔

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ
علیہ توکلت والیہ انیب ۔

ایک اور ضروری وضاحت و فیصلہ

اس جگہ میں اپنے معزز قارئین کرام کی خدمت میں یہ بھی عرض کر دوں اور بات صاف واضح کر دوں کہ جناب الحاج مولانا سید مودودی مرحوم کی طرح قرآن پاک کے ما ہو المراد کو بائبل وغیرہ سے جس تفسیر میں بھی متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہوگی اور احادیث شریفہ کی تردید و بے اعتمادی کا مظاہرہ کیا گیا ہوگا یا اس کی تفصیلات کو ماننے سے انکار کیا گیا ہوگا اور احادیثِ شریفہ کے اسنادِ متصلہ و طرقِ روایات کے متعلق مفید غیر یقینی کا حکم

لگایا گیا ہوگا وہ تفسیر بھی یقیناً و بلاشک و شبہ تفہیم القرآن کی طرح ناقابلِ اعتماد ہو کر تفسیرِ قرآن کہلانے کی مستحق نہیں ہوگی ۔

اکابر دیوبند و اکابر ندوہ نے جو کچھ لکھا وہ کوئی الزام نہیں ہے

اس کتاب سے یہ بات خود بخود عیاں ہو جائے گی کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رح، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح، حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب دہلوی رح حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلوی رح حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رح، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رح، حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب رح، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رح حضرت علامہ محدث کبیر مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رح، حضرت مولانا علامہ سید سلیمان ندوی صاحب رح، حضرت مولانا عبد الباری صاحب ندوی رح، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رح، حضرت سیدی و مرشدی مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رح، حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رح، حضرت اقدس مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رح وغیرہم حضرات نے آج تک جو کچھ بھی جماعت اسلامی اور اس کے بانی جناب سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کے متعلق متفرق طور پر لکھا وہ اُن پر اور ان کی جماعت پر کوئی الزام نہیں بلکہ ایک واقعہ نفس الامری اور ناقابلِ انکار حقیقت ہے جس کے بارے میں تمام ذمہ داریوں کے ساتھ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ آج بھی ان کی کتابوں میں یہ ثبوت موجود ہیں بالخصوص تفہیم میں ۔

واضح رہے کہ اکثر اکابر کی رائے اُس وقت کی ہے جبکہ سید مودودی صاحب کی یہ آزاد ترجمانی تفہیم القرآن وجود میں نہیں آئی تھی لیکن ابتدائی دور میں چند ہی مقالات و تالیفات کو دیکھ کر اپنے نورِ ایمانی اور فراستِ ایمانی سے فتنے کے عواقب کو تاڑ گئے تھے اور اگر بعد کی تفہیم کی تحریرات سامنے آجاتیں تو اور زیادہ صراحت و شدت کے ساتھ

اس لیے راقم الحروف نے کوشش کی ہے کہ بلا خوف لومۃ لائم الف سے یا تک تفہیم کو بغور مطالعہ کرکے ایسا بے لاگ تبصرہ کردیا جائے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی سامنے آجائے اور جو حق وانصاف اور دین کی حفاظت کا تقاضا ہو وہ پورا ہو جائے۔ واللہ سبحانہٗ ولی التوفیق۔

اس کتاب میں موجودہ اکابر دیوبند کی تصدیقات و تائیدات کثیر تعداد میں کیوں پیش کی گئی ہیں؟

یہاں میں اس سوال کا جواب دینا بھی بہت ضروری اور ناگزیر سمجھتا ہوں کہ زیرِنظر کتاب میں راقم الحروف نے موجودہ اکابر دیوبند کی تصدیقات وتائیدات اتنی کثیر تعداد میں کیوں پیش کی ہیں؟ یا بعض معاصر دوستوں کے الفاظ میں "موجودہ اکابر کی ان تصدیقاتِ کثیرہ سے اس کتاب کو کتاب المناقب کیوں بنایا گیا ہے؟

لہٰذا صاف صاف عرض ہے کہ ان سے کتاب کی ضخامت وطوالت مقصود نہیں ہے بلکہ ان تصدیقات کی اصل بنیادی وجہ یہ ہے کہ راقم الحروف کو بکثرت تبلیغی وعلمی اسفار پیش ہوتے رہے ہیں جس کے نتیجہ میں کھل کر یہ بات میرے سامنے آئی کہ ہمارے بعض موجودہ علماء کی تحریرات وبیانات میں جناب سید مودودی صاحب کی کتابوں کے متعلق مدح سرائی کی گئی ہے اسلیے موجودہ علماء دیوبند اور گذشتہ اکابر دیوبند کی رائے میں تضاد نظر آتا ہے جس کی وجہ سے امتِ مسلمہ کے عام افراد کو تردد اور خلجان پیش آتا ہے اور مجھ سے باربار سوالات بھی کیے جاچکے ہیں کہ گذشتہ اور موجودہ اکابر دیوبند میں کون برحق ہیں؟ دونوں رائے میں سے کس پر اعتماد کیا جائے؟ اور دونوں کی رائے میں فرق کیوں ہے؟

لہٰذا راقم الحروف نے اس خلش کو دور کرنے کے لیے مسلسل طویل طویل اسفار کرکے موجودہ اکابر دیوبند کی تصدیقات اس کتاب پر حاصل کی ہیں اور ان شاء اللہ مزید حاصل کرے گا تاکہ

عام مسلمان اس مسئلہ میں پریشان وحیران ہونے سے محفوظ رہیں اور ان کے لیے گذشتہ اکابر دیوبند اور موجودہ علماء کی آراء میں شدید فکری اختلاف نہ معلوم ہوں بلکہ اسلاف واخلاف کی تحریرات کی روشنی میں راہِ حق متعین ہو جائے۔

تقریباً پیش کردہ اس صورتِ حال کی شکایت مخدوم ومحترم جناب مفتی عبدالقدوس صاحب رومی زید مجدہٗ نے بھی اپنی کتاب "مودودی لٹریچر میں تین خطرے" ص۳۵ میں کی ہے جس سے میرے اس مقصدِ مذکورہ کی پوری تائید ہوتی ہے بلکہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے ہی لیے اللہ پاک نے حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ سے یہ تحریر لکھوائی ہے۔ جزاہم اللہ خیراً۔

ایک اہم خلش اور ایک شدید خلجان
وابستگانِ دیوبند کیلئے لمحۂ فکریہ

جب ایک طرف ہمارے سامنے علامہ مودودی کی ایسی زہرناک اور خطرناک تحریریں اور ان کی بنا پر اپنے اکابر کے صادر شدہ فتوے آتے ہیں اور دوسری طرف موجودہ بعض علماء کے رجحانات وخیالات سامنے آجاتے ہیں جن سے ان اکابر کے فیصلوں اور فتوؤں کے بالکل برعکس علامہ مودودی کی مدح وثنا میں انتہائی تسامح بلکہ تحسین وقصیدہ خوانی کا طرز اپنایا جاتا ہے تو ہمارے ذہن میں ایک سوال اور دل میں ایک خلجان پیدا ہوتا ہے کہ آخر علامہ مودودی سے متعلق وابستگانِ دیوبند علماء حق کے مابین یہ کھلا ہوا تضاد اور شدید فکری ونظریاتی اختلاف کیسا ہے اور کیوں ہے؟ اور ان میں سے کسے برحق اور قابلِ اعتماد سمجھا جائے؟ پھر چند سطروں کے بعد ہے کہ ـــــ اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ ہے کہ عام مسلمانوں پر حقیقتِ حال غیر واضح اور امرِ حق مشتبہ ہے اس لیے ضرورت ہے کہ دیوبندی مکتبہ فکر سے وابستہ حضرات، علماء معاملہ کی اہمیت کا صحیح طور پر احساس فرمائیں اور ملتِ مسلمہ کی رہنمائی کا پورا پورا حق ادا

فرماتے ہوئے بالکل واضح اور متعین انداز میں ارشاد فرمائیں کہ :

(الف) علامہ مودودی کے متعلق حضرت تھانوی و حضرت مدنی علیہ الرحمہ اور ان کے ہمنوا دوسرے حضرات علماء کے فتوے اور فیصلے صحیح ہیں؟ یا پھر

(ب) ان حضراتِ اکابر کے وہ فیصلے اور فتوے سراسر غلط اور بالکل ناحق ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ حق انہیں علماء کے ساتھ ہے جو علامہ مودودی کو اس دور کا عظیم مفکر اسلام اور مصلح اعظم قرار دیتے ہیں اور ان کی ساری تصنیفی خدمات کو احیاء اسلام کی جد و جہد تسلیم فرماتے ہیں۔

اس خلجان اور خلش کا ازالہ اور اس کشمکش کا حل اس وقت کے اکابر علماء دیوبند کے ذمہ ہے۔ خدا کرے ان حضرات کی طرف سے ایسا کوئی فیصلہ سامنے آجائے کہ عام امتِ مسلمہ تردد اور کش مکش کی اس وادی میں حیران و سرگرداں ہونے سے محفوظ ہو جائے اور اسکے حق میں راہِ حق متعین ہو جائے۔" (مودودی لٹریچر میں تین خطرے ص۳۵)

راقم الحروف نے انتہائی جانفشانی سے کام لیتے ہوئے کتاب کو اس معیار پر پہونچانے کی کوشش کی ہے — اسلیے موجودہ اکابر علماء دیوبند کی تصدیقات شامل کتاب کی گئی ہیں تاکہ سب کی طرف سے نمائندگی ہو جائے کہ موجودہ اکابر علماء دیوبند کی رائے حضرت تھانوی و حضرت مدنی کے فتوی و فیصلہ کے عین مطابق ہے۔

ایک اہم سوال

میں اس کی بھی وضاحت کرتے ہوئے سیدنا حضرت ابوبکر صدیق کے ایک ارشاد عالی کی روشنی میں سوال کرنے میں حق بجانب ہوں کہ ہر کتاب میں کوئی مخصوص بات ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک کی مخصوص بات و مخصوص راز "حروف مقطعات" ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ تفہیم کا خصوصی راز کیا ہے؟ اسکی مخصوص باتیں و ضابطہ کار اصول کیا ہیں؟

یہ کتاب کس مقصد سے لکھی گئی؟

ناظرین کرام! اگر کسی جگہ سے مجھ کو یہ اطلاع ملے کہ اس کتاب سے فلاں شخص کو کوئی علمی و عملی فائدہ پہونچا ہے اور اسکے نظریات بدلے ہیں تو مجھکو یقیناً و بلاشک بہت ہی زیادہ خوشی حاصل ہوگی، میں اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گا کہ جس مقصد کے لیے لکھی گئی ہے وہ پورا ہوا۔ جیسا کہ ماضی قریب میں متعدد جگہ کئی فضلاء و دانشوروں سے تفہیم کے اغلاط کے بارے میں علمی مذاکرے ہوئے اور ہم نے اپنے مطالعہ کے مطابق ہی تفہیم کے صفحات کھول کھول کر ان کو دکھلانے شروع کیے تو انھوں نے تفہیم کی کئی اہم بنیادی غلطیاں (جو تا دم تحریر تفہیم میں موجود ہیں) تسلیم کیں اور بحمد اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ پر اپنے غلط نظریات سے تائب ہو کر انہوں نے وعدہ کیا کہ اب آئندہ مولانا مودودی مرحوم کی دلکش و جاذب طبع تحریرات کو (جن میں بقول شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ "دینی پیرایہ میں وہ بد دینی اور الحاد کی باتیں مندرج ہیں جن کو ظاہر بیں اور ناواقف انسان نہیں سمجھ سکتے") نہیں پڑھیں گے۔

اسلیے میرا یہ قطعاً مقصد تالیف نہیں ہے کہ اس کتاب کے ذریعے میں اپنی ذات کو اکابر مصنفین و مولفین کے زمرے میں شمار کراؤں اور نہ ہی اس کا متمنی ہوں کہ ہماری اس کتاب کی خوب خوب تعریف ہو۔ نہ یہ چاہتا ہوں کہ اس کتاب سے ہماری علمیت کا سکہ قائم ہو جائے، نہ یہ چاہتا ہوں کہ اس کتاب میں پیش کیے گئے قطعی دلائل و ثبوت سے آنکھیں بند کر لی جائیں۔ کیا اس قدر ٹھوس و مضبوط علمی تعاقب کو نظر انداز کرنا کسی بھی طرح سے مناسب ہو گا؟ ہرگز نہیں۔ انہ علیم بذات الصدور۔ ہم سب کی اللہ پاک حفاظت فرمائے۔

تفہیم القرآن سے عیسائیوں کے اعتراض کو تقویت

ہمارا مقصد اصلی تو یہ ہے کہ عام اوسط درجے کے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات آجائے کہ تفہیم میں جا بجا بائبل کے حوالجات سے جو

قرآن پاک سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے اس سے عیسائیوں کے پادری صاحبان جیسوں کو "عدم ضرورتِ قرآن" کتاب لکھنے کا موقع بھی فراہم کرتا ہے۔ ان کا اعتراض ہے کہ العیاذ باللہ پورا قرآن دوسری دوسری کتابوں سے ماخوذ ہے، قرآن کے نازل ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ جیسا کہ صاحبِ تفسیر حقانی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے:۔

"ایک پادری صاحب نے ایک کتاب "عدم ضرورتِ قرآن" لکھی ہے۔ اس میں جا بجا یہ ثابت کر کے (کہ قرآن کی فلاں فلاں بات توراۃ سے ماخوذ ہے، فلاں یہودیوں کی تاریخوں سے، فلاں طالمود سے، فلاں مُنتنا سے، فلاں مشرکینِ عرب سے، فلاں عیسائیوں کی معتبر اور غیر معتبر اناجیل سے) خیالی پتھر پھینکے ہیں کہ پھر قرآن نازل ہونے کی کیا ضرورت تھی؟" (تفسیر حقانی آل عمران ع)

اسلیے عرض کیا گیا کہ تفہیم میں جس قدر بائبل کی تعریف کی گئی ہے، بائبل سے قرآن پاک کی تفسیر و تشریح و توضیح و تائید و تفصیل و تصدیق کی گئی ہے۔ بائبل اور قرآن پاک کے بعینہ ایک ہونے کا تصور و تاثر پیش کیا گیا ہے اور بائبل کے بیانات کو غیر ان کر ان پر اعتماد کیا گیا ہے۔ ان سے یقینی طور پر عیسائیوں کے اعتراض کو تقویت ملتی ہے۔ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔ اور ان کتبِ محرفہ کا اعتماد دلوں میں قائم ہو کر ان کی حقانیت تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ بائبل کی یہ تمام کتابیں مستند نہ ہوتیں تو جناب مولانا سید مودودی مرحوم جیسی عبقری شخصیت اور بے مثال محقق اعظم قرآنِ پاک کی تفسیر و تشریح کیلئے ان کتبِ محرفہ کے حوالے مستند ترین ماخذ کی حیثیت سے کیوں پیش کرتے؟ ان کتبِ محرفہ سے آپ نے قرآنی آیات کی تفصیل و توضیح پیش کی ہے اس کا صاف مطلب تو یہی نکلتا ہے کہ وہ کتابیں اب بھی برحق ہیں اور ان میں کسی قسم کی بھی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ اور ان سے تفسیرِ قرآن کے لیے جناب مولانا مودودی مرحوم کی طرح استفادہ کرنا اب بھی صحیح ہے۔

قارئین کرام! آپ غور فرمائیں اور سوچیں کہ اس سے زیادہ خطرناک بات اور کیا ہو سکتی

کہ فہمِ قرآن پاک کے نام پر احادیث شریفہ سے اعتماد ختم کرا دیا جائے اور بائبل کی کتابوں کی حقانیت دلوں میں قائم ہو جائے۔ الامان الحفیظ۔ بلکہ جناب مولانا مودودی مرحوم کے اس اندازِ تحریر سے پادری گولڈ سیک کے کتابچہ "اسلام میں قرآن کی صحت و درستی کی تحقیق" کو صحیح ماننا پڑے گا جس میں پادری گولڈ سیک نے اعتراض کیا ہے کہ:

"قرآن کو بالکل صحیح سالم اور بالکل آنحضرت کا تعلیم کردہ قرآن تسلیم کرنا امر محال ہے۔"

وہ مزید لکھتا ہے:

"کہ آنحضرت نے دینِ یہود اور دینِ عیسوی کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے اور یہود و نصاریٰ کے کتابوں کے حق میں جو شہادت دی ہے اس سے بکمالِ صراحت یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن توریت و انجیل کی تنسیخ نہیں بلکہ تائید و تصدیق کرتا ہے، قرآن میں ایسی آیات بکثرت ملتی ہیں جن میں توریت و انجیل کی بڑی تعریف و توصیف کی گئی ہے اور ان کو ایمان و انقیاد کا حقدار قرار دیا ہے۔"

قارئین کرام! اسلیے بہر حال یہ بات انتہائی غور طلب ہے کہ زیر بحث مدعا و عنوان میں احادیث پاک سے بے اعتمادی کرتے ہوئے بائبل کو مستند ماخذ کی حیثیت سے پیش کرتے ہوئے ان کی تحریروں سے عیسائیوں کی طرف سے ہونے والے قرآن پر اعتراضات کو بڑی تقویت ملتی ہے، ایسا کیوں؟ اسلیے کہ جناب مولانا ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم صبغۃ اللہ کی یکرنگی اختیار کرنے کے بجائے ایسی قبا زیب تن کیے ہوئے ہیں جس میں ماضی کے تمام فرقوں کی چھینٹیں ہیں۔ آپ اپنی تحریروں میں کہیں معتزلہ سے جا ملتے ہیں تو کبھی شیعہ نظر آنے لگتے ہیں، تو کہیں آپ پر خارجیت کی چھاپ نظر آتی ہے۔ قارئین کرام کے سامنے راقم الحروف وعدہ کرتا ہے کہ انشاء اللہ اگر بقید حیات رہا تو خدا تعالیٰ کی توفیق سے تفہیم القرآن ہی سے آپ کی تحریروں میں ان تمام فرقِ باطلہ کی رنگا رنگی منظر عام پر حواشی و قیدِ صفحات کے ساتھ لے آئیگا، ثم انشاء اللہ اس وقت

آنجناب مولانا مودودی کی ایک نئی تصویر میرے سامنے آئی اس لیے بلا کم و کاست تمام اہل علم و نظر کی خدمات میں پیش کر دی ۔ اُمید ہے کہ تمام اہل علم اس بحث کو منصفانہ و عادلانہ طور پر مزید منقح کریں گے اور ناچیز کے تجزیہ کے بارے میں اپنی رائے عالی سے مطلع فرمائیں گے ۔ کیونکہ احادیث پاک اور بائبل کے مسئلہ میں ان کے قلم سے نکلے ہوئے الفاظ کو کسی خاص ذہنیت کے آئینہ میں تو نہیں دیکھا جا سکتا ان کے الفاظ و تحریرات میں پائی جانے والی ذہنیت کو کسی خاص رُخ کی طرف موڑنے کی کوشش نہیں کہی جا سکتی بلکہ سیاق و سباق اور دیگر عبارتوں میں انکی اختیار کی گئی رنگارنگی کے سبب یہی کہا جائے گا کہ وہ احادیث شریفہ کے متعلق بے اعتماد ہیں ۔ بائبل و یہودی روایات کو ایک مستند مآخذ کی حیثیت سے ان کو انہوں نے پیش کیے ہیں ۔

کہ خود جناب مولانا مودودی مرحوم نے بھی اس حقیقت کو اپنے قلم سے بیان فرمایا ہے اور عیسائیوں و مستشرقینِ مغرب کی متعصبانہ افترا پردازیوں کا پردہ چاک ہو جانے کے لیے اُن سے چار باتوں کا جواب بھی طلب کیا ہے جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ انہی بائبل اور یہودی روایات کو پوری تفہیم القرآن میں حوالہ میں پیش کر کے اُن ہی مستشرقینِ مغرب کے متعصبانہ افترا پردازی کو تقویت بھی پہونچائی ہے ۔ اس لیے ان عیسائیوں اور مستشرقین سے آپ کا جواب طلب کرنا ایک مضحکہ خیزی کے علاوہ اور کیا چیز ہو سکتی ہے ؟ فیا للعجب و یا حسرتاہ ۔ کہ چور چوری بھی کرے اور چور چور کی صدا بھی بلند کرے ۔" یا دوسرے مقولہ "چور سے کہا چوری کرو اور ساہوکار سے کہا کہ ہوشیار رہو" کے مصداق آپ کا یہ طریقہ کار ہے یا نہیں ؟ حضرات قارئین کرام خوب غور کر لیں ۔

آپ مذکورہ بالا عنوان میں تحریر کرتے ہیں کہ :

" مستشرقین مغرب نے اپنے معمول کے مطابق قرآن مجید کے اس قصے کے بھی مآخذ کا کھوج لگانے کی کوشش کی ہے اور تین قصوں پر انگلی رکھ دی ہے کہ یہ ہیں وہ مقامات جہاں سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نقل کر کے یہ قصہ

بنا لیا اور پھر دعویٰ کر دیا کہ یہ تو میرے اوپر بذریعہ وحی نازل ہوا ہے ۔ ایک داستان گلگامیش دوسرے سکندر نامہ سریانی اور تیسرے وہ یہودی روایات جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے ۔ لیکن یہ بد طینت لوگ علم کے نام سے جو تحقیقات کرتے ہیں اس میں پہلے اپنی جگہ یہ طے کر لیتے ہیں کہ قرآن کو تو بہر حال منزل من اللہ نہیں ماننا ہے ۔ اب کہیں نہ کہیں سے اس کا ثبوت بہم پہونچانا ضروری ہے کہ جو کچھ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اس میں پیش کیا ہے یہ فلاں فلاں مقامات سے چرائے ہوئے مضامین اور معلومات ہیں ۔ اس طرز تحقیق میں یہ لوگ اس قدر بے شرمی کے ساتھ کھینچ تان کر زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں کہ بے اختیار گھن آنے لگتی ہے اور آدمی کو مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ اگر اسی کا نام علمی تحقیق ہے تو لعنت ہے اس علم پر اور اس تحقیق پر ۔ ان کی اس متعصبانہ افترا پردازی کا پردہ چاک ہو جائے اگر کوئی طالب علم ان سے صرف چار باتوں کا جواب طلب کر لے ۔"

(تفہیم ج ۳ ص ۳۶ ش ۵۷ الکہف)

قارئین کرام ! کاش جناب مولانا مودودی صاحب تفہیم لکھتے وقت بائبل سے استفادہ کرنے اور اس کے حوالجات نقل کرتے کے لازمی نتیجہ اور اس کے انجام پر بھی غور فرما لیتے ؟ کہ آپ کے اس طرز تحقیق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مستشرقین مغرب کو پہلے سے زیادہ اب موقع دستیاب ہوگا اور وہ دعویٰ مع الدلائل کہیں گے کہ اے دنیا کے مسلمانوں ! دیکھو تفہیم القرآن میں بھی بائبل کے ان حوالوں سے بھی یہ بات ثابت ہو گئی جن کو ہم عیسائی لوگ کہتے چلے آرہے ہیں کہ " یہ ہیں وہ مقامات جہاں سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نقل کر کے قرآن پاک کے یہ قصے بنا لیے اور پھر یہ دعویٰ کر دیا کہ یہ تو میرے اوپر بذریعۂ وحی نازل ہوا ہے ۔" تو کیا جماعتِ اسلامی عیسائیوں کے اس دعوے مع دلائل و ثبوت پر دم بخود نہیں رہ جائے گی ؟ کیونکہ اب مولانا مودودی کے چار باتوں کا جواب طلب کرنے کی

ہدایت وتلقین کی حیثیت اس صورتِ حال کے بعد مُردہ کی طرح محض بے جان رہ جاتی ہے۔ بلکہ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ دیگر معاملات کی طرح یہاں بھی مستشرقین اور ملحدین کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے آپ خود معترض ہو گئے ہیں کہ جو کام مستشرقین وملحدین نہیں کر سکے تھے (کیونکہ مسلمانوں کو ان پر اعتماد ہی نہیں تھا) وہ کام جناب مولانا مودودی صاحب کی کتابوں نے خصوصاً تفہیم القرآن نے بوجوہِ احسن وکامیاب طریقے سے تکمیل تک پہونچایا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

واضح رہے کہ اس کے علاوہ دوسری جگہ بھی آنجناب نے دشمنانِ اسلام کے اس شبہ اور بے بنیاد اعتراض کیلئے موقع فراہم کردیا ہے اور یہودیوں کو تقویت پہونچائی ہے۔ ملاحظہ کیجئے تفہیم القرآن ج ۴ سورہ شوریٰ ص ۴۹۲ سنہ ۲۰ میں ہے "آخر کون نہیں جانتا کہ آپ نے تبلیغ اور تلوار دونوں سے پورے عرب کو مسخر کیا۔"

قارئین کرام! ہم ضرور معلوم کرنا چاہیں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے العیاذ باللہ بزور شمشیر کس کو مسخر کیا؟ ایک بھی مثال پیش کریں۔ آخر کس بنیاد پر آنجناب نے اللہ اور اس کے رسول پر یہ الزام عائد کیا ہے۔ کیونکہ آج تک علماءِ دین دشمنانِ اسلام کے اس اعتراض کی جواب دہی قرآن وحدیث کی بنیاد پر ہی کرتے چلے آئے ہیں کہ اسلام اپنے حسنِ اخلاق وحسنِ کردار سے پھیلا ہے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ صاف صاف اعلان فرما دیا گیا۔

کیا جناب مولانا سید مودودی صاحب کو شاید یہ بات بھی معلوم نہ ہوگی؟ وہ جبراً اسلام کو بزور شمشیر پھیلانے کی تائید کر رہے ہیں اسی اسلام نے تلوار اٹھانے کے متعلق مسائل بھی بیان کیے ہیں مگر آپ ان مسائل کو کس طرح بیان کریں، جبکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ دین نام ہے حکومت واقتدار کا۔

علاوہ ازیں اگر آپ کی یہ باتیں فرض کرکے مان ہی لی جائیں کہ العیاذ باللہ بزور شمشیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کو پھیلایا تو بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی ہے بلکہ پھر ایک

بنیادی سوال یہ ہے کہ آپ پر کس نے تلوار چلائی تھی؟ جس کی بنیاد پر آپ نے اسلام کو قبول کیا؟ یا سب سے پہلے جس نے اسلام قبول کیا تھا اُن پر کس نے تلوار چلائی؟ لہٰذا صاف معلوم ہوا کہ مودودی صاحب کی یہ تعبیر وتفسیر قرآن وحدیث سے متصادم ہے اور آپ نے اللہ اور اس کے رسول پر الزام عائد کیا ہے۔

اب کس طرح نہ کہا جائے کہ جناب والا مخالفین کے اعتراضات سے مرعوب ہی نہیں بلکہ پوری طرح متاثر بھی ہو چکے ہیں اور دوسروں کو بھی متاثر کرنا چاہتے ہیں۔ ہم سب کو اللہ پاک ہی ان کیفیاتِ انفعالیہ سے محفوظ رکھے آمین۔ معتقدین کی چشمِ عقیدت اس کا ادراک کس طرح کر سکیں گی؟

میری یہ کتاب تفہیم القرآن کے کس ایڈیشن کی بنیاد پر ہے

راقم الحروف کو جماعت اسلامی کے عنوان سے فتاویٰ محمودیہ کے مضامین (اور گرفت کے اصولوں کی ہدایات تلقین کرتے ہوئے خود سیدی ومرشدی مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نے تم دکھلاتے ہوئے تنبیہ فرمائی تھی کہ "بغیر حوالہ کے نہ کسی کی بات پر اعتماد کرنا اور نہ کبھی خود بغیر مستند حوالہ کے کوئی بات کہنا اور لکھنا، جو بات کہو یا لکھو شرعی ثبوت کے ساتھ ورنہ نہیں۔" اسلئے مجھکو بھی اپنی اس کتاب کو مستند ہونے کے لیے اس کی شدید ضرورت محسوس ہوئی کہ تفہیم القرآن کا جو ایڈیشن میرے پیشِ نظر ہے اس کی سن اشاعت وطباعت کا حوالہ بھی ضرور بتلا دیا جائے تاکہ قارئین ان کو ملاحظہ کرنے کے بعد ہماری امانت ودیانت اور گرفت وتنبیہ کے متعلق مکمل یقین کر لیں کہ واقعۃً یہ تحریرات تفہیم القرآن میں آج بھی اس طرح موجود ہیں اور وہ یہ بھی نہ کہہ سکیں کہ ہم نے تفہیم کی عبارات میں کتربیونت کرکے سیاق وسباق سے بھی صرفِ نظر کر لیا ہے یا کسی عبارت کو مولانا مودودی مرحوم کے مقصد کے خلاف معنی پر محمول کیا ہے جیسا کہ فتاویٰ محمودیہ کے متعلق جناب محمد یحییٰ صاحب نے اصل حوالے دیکھے بغیر اس طرح کے عتاب آمیز کلمات

کی زحمت گوارہ کر ڈالی تھی ۔ میں اپنی بات کے ثبوت کے لیے قارئین کرام کی خدمت میں فتاویٰ محمودیہ کے چند صفحات بعینہٖ جزو لازم کی طرح سے پیش کیے دیتا ہوں جس سے ہماری کتاب کی افادیت و اہمیت بڑھ جاتی ہے ۔

جماعت اسلامی اور تنقید

"سوال : جناب مفتی صاحب ۔ سلام مسنون ۔ نہایت صفائی کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس طرح رضاخانی جماعت نے علماء دیوبند کے خلاف ایک محاذ قائم کیا اور علماء دیوبند پر افترا پردازی کرکے انھیں بدنام کیا اور ان کی کتابوں میں کتر بیونت کرکے سیاق و سباق سے صرفِ نظر کرکے کفریہ عبارت تیار کر لی ٹھیک وہی طریقہ علماء دیوبند جماعت اسلامی کے ساتھ برت رہے ہیں اس وقت مثال کے طور پر آپ کی تحریر پیش کرنا چاہتا ہوں جو آپ نے ماہنامہ نظام کا نپور جلد ۱ نمبر ۱ صفحہ ۲۰ و ۲۱ میں "تبلیغی جماعت پر اعتراض" کے جواب میں تحریر کیا ہے کہ

" جماعت اسلامی اپنے تجویز کردہ اصولوں کے مطابق (جن کی قربانی اس کے لیے تقریباً ناممکن ہے) دوسری جماعتوں اور افراد پر تخریبی تنقید کرتی ہے اور وہ اپنے نزدیک اس پر مجبور ہے اور یہ تنقید بسا اوقات اس حد تک پہونچ جاتی ہے کہ پڑھنے والوں کے ذہن میں ان جماعتوں اور افراد کے متعلق یہ تصور قائم ہو جاتا ہے کہ انھوں نے اصل دین کو سمجھا ہی نہیں بلکہ اصل دین کو تحریف کرکے خواہشاتِ نفسانی کے مطابق ڈھال کر عوام کے سامنے پیش کیا ہے جس سے انتہائی گمراہی پھیل رہی ہے اور لوگوں نے بد دینی کو دین سمجھا ہے جس کو حقیقی اسلام سے کوئی تعلق نہیں ۔ جماعت اسلامی کی اس قسم کی تنقیدات سے موجودہ تبلیغی جماعتیں تو کیا بچتیں گذشتہ صدیوں کے اکابر اور مقتدا بھی نہیں بچے ۔"

اس عبارت کو غور سے پڑھیے ۔ اس عبارت میں آپ نے جماعت اسلامی پر تین الزام لگائے

(۱) جماعت اسلامی تخریبی تنقید کرتی ہے اور (۲) یہ اس کے اہم اصول میں داخل ہے (۳) جماعتِ اسلامی کی تنقید سے گذشتہ صدیوں کے اکابر اور مقتدا بھی نہیں بچے ۔ آپ کے بلا دلیل یہ الزامات افترا نہیں تو اور کیا ہیں ؟ کیا صراحت کے ساتھ ذمہ داران جماعت اسلامی کی کسی تحریر یا تقریر سے اپنی باتوں کا ثبوت پیش کر سکتے ہیں ؟ واضح رہے کہ عبارت میں کتر بیونت کرنا یا سیاق و سباق سے صرف نظر کر لینا یا کسی عبارت کو مصنف کے مقصد کے خلاف معنی پر محمول کرنا ایک عام مومن کے بھی شایانِ شان نہیں ہے ۔

محمد یحییٰ ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔

مخدومی زید احترامہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

محبت نامہ باعثِ یاد آوری ہوا ۔ نظام مئی سنہ ۶۰ء میں "تبلیغی جماعت پر اعتراض اور اس کا جواب" شائع ہوا تھا اس کے متعلق آپ نے جس بے تکلفی سے اپنے جذبات اور تاثرات کا اظہار کیا اس سے مسرت ہوئی کیونکہ یہ احساس زندہ ہونے کی دلیل ہے ورنہ جن افراد اور جماعتوں کے احساسات مر چکے ہوں ان کو کب خیال آتا ہے کہ وہ اس قسم کی تردید کریں ۔ ان کا تو حال یہ ہوتا ہے کہ کہنے والے کچھ کہتے رہیں اور لکھنے والے کچھ لکھتے رہیں وہ سب طرف سے کان اور آنکھ بند کرکے اپنے مقصد کی تحصیل میں شب و روز منہمک رہتے ہیں ۔ یہ شان تو بامقصد، منظم، تنقیدی جماعت کی ہے کہ وہ ہر طرف سے چوکنا رہتی ہے ۔ جہاں ان کی طرف کسی نے نصب العین، مقصد، طریقۂ کار کے متعلق زبان ہلائی یا قلم اٹھایا کہ فلاں چیز کتاب اللہ کے خلاف ہے، سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے، فقہ و کلام کی رو سے غلط ہے، بس پھر کیا تھا اس کی تردید کے لیے آناً فاناً اخبار، رسالے، پمفلٹ منظر عام پر آگئے اور بانی جماعت کی ساختہ پرداختہ ذہنیت سے نکال نکال کر جوابات دینے شروع کر دیے ۔

آپ ٹھنڈے دل سے ترجمان القرآن ج ۳ عدد ۵ میں سائل کا پیش کردہ حوالہ

دیکھ لیتے اگر وہ حوالہ صحیح ہوتا تو اس عتاب نامہ کی زحمت نہ کرتے اگر غلط ہوتا تو تحریر فرماتے اور آپ کا یہ طریقہ حکیمانہ طریقہ ہوتا لیکن آپ حضرات کو تو شروع سے تعلیم ہی یہ دی گئی ہے کہ ہم پر جو اعتراض کیا گیا ہے وہ افترا ہے، الزام ہے، کتر بیونت ہے، سیاق و سباق سے صرفِ نظر ہے، مقصد مصنف کے خلاف معنی پر محمول کرنا ہے۔ جس طرح رضاخانیت کے علمبرداروں نے علماء حق کی عبارتوں کو مسخ کر کے بدنام کیا ہے اسی طرح جماعتِ اسلامی کو بدنام کیا جا رہا ہے۔

کانپور میں ہمارے ایک رفیق تبلیغ ہیں جن کو جماعتِ اسلامی کے ساتھ خاص دلبستگی تھی جب ان کے سامنے ایک کتاب آئی جس میں جماعتِ اسلامی کی بعض عبارات نقل کر کے بتلایا گیا تھا کہ یہ فلاں فلاں روایات کے خلاف ہیں تو ان کو دیکھ کر بیحد مشتعل ہو گئے کہ یہ تو وہی کتر بیونت ہے جو رضاخانی کرتے ہیں، نہایت غلط طریقہ ہے، مجھے اس سے سخت تکلیف پہونچی، پھر کچھ مدت کے بعد ان کے سامنے ایک اور مسئلہ کا تذکرہ آیا کہ ... ترجمان القرآن میں ایسا ایسا لکھا ہے اس پر وہ پھر چیں بہ جبیں بلکہ برہم ہوئے کہ بالکل غلط ہے اس میں ایسا نہیں ہو سکتا اسلئے کہ یہ تو نصِ قطعی کے خلاف ہے میں ہرگز تسلیم نہیں کر سکتا جب تک بچشم خود نہ دیکھ لوں چنانچہ ان کو وہ رسالہ دے دیا گیا۔ بہت گہرے مطالعہ کے بعد (کہ کہیں سیاق و سباق سے صرفِ نظر تو نہیں) انھوں نے مجھ سے خود فرمایا کہ اللہ اکبر ہمارے علماء بھی کس قدر محتاط ہیں کہ اس جماعت کی تکفیر نہیں کرتے حالانکہ اس میں صاف صاف نصوص قطعیہ کا انکار ہے۔

مجرّب حربہ

بریلوی طبقہ نے اکابر علماء حق حضرت مولانا اسماعیل شہید وغیرہ کی عبارتوں کو توڑ مروڑ کر مسخ کیا ان سے ایسے مطالب نکالے جو اُن اکابر کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ ہوں گے جس سے فتنۂ عظیم پھیلا۔ بہت بڑی جماعت بدعقیدہ ہو گئی، علماء دیوبند نے اس فتنہ کا سدِّ باب اس طرح کیا کہ اصل عبارتیں قوم

کے سامنے پیش کیں، ان کے اصلی مطالب کو بیان کیا، ان پر دلائل قائم کیے جو کتر بیونت کی گئی تھی ایک ایک چیز کو کھول کر رکھ دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ بریلوی طبقہ سنجیدہ انصاف پسند مسلمانوں کی نظروں میں اس قابل نہیں رہا کہ اس کی تقریر یا تحریر کی طرف توجہ کی جائے یہی مجرب حربہ اب جماعتِ اسلامی نے شروع کر دیا اور جو لوگ مودودی صاحب کی آواز کو حق کی آواز قرار دیتے ہیں انھوں نے اشخاص پرستی سے انتہائی بیزاری، ناقدانہ بلند نظری، خالص حق پرستی کے بلند آہنگ دعووں کے باوجود اسی آواز کی پیروی شروع کر دی اور ذرا اس کی زحمت گوارا نہ کی کہ اصل کو تو دیکھ لیا جاتا۔

لیکن دنیا میں بسنے والے سب ہی تو بے وقوف، جذبات سے مغلوب، دین کی قتل گاہوں کے سند یافتہ، کتاب و سنت سے ناآشنا، جہل مرکب میں مبتلا نہیں ایسے نفوس بھی موجود ہیں جو محض مودودی صاحب کی آواز پر ایمان نہیں لائے بلکہ اکابر کے فتاویٰ کو دیکھ کر نقل کردہ عبارات کو بھی اصل کتابوں سے ملاتے ہیں اور جب دیکھتے ہیں کہ واقعتہً جماعت کی اصل کتابوں میں وہ عبارتیں موجود ہیں جو فتاویٰ میں نقل کی گئی ہیں اور ان کا مطلب بھی وہی ہے جو فتاویٰ میں بتایا گیا ہے۔ سیاق و سباق پڑھ کر دوسرا مطلب بھی نہیں بنتا اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جماعت اسلامی کی طرف سے ان فتاویٰ کے جواب میں ڈنکے کی چوٹ کہا جا رہا ہے کہ یہ ہم پر افترا ہے، دغا ہے، بد دیانتی ہے، جھوٹ ہے، بہتان ہے۔ ہم نے کہیں ایسا نہیں لکھا تو وہ انتہائی حیرت و استعجاب سے سوچتے ہیں کہ یا اللہ یہی ہے جماعتِ اسلامی کا موقف؟

اور اسی کا نام ہے دیانت، راست بازی، اعتدال پسندی، آخرت کی جواب دہی کا احساس جس کا اس جماعت کو قدم قدم پر دعویٰ ہے پھر اس کی جو زد جماعت کے امیر اور دیگر اہلِ قلم پر فطری طور پر پڑنی چاہیے، وہ پڑتی ہے اور اس سے کسی طرح گریز ممکن نہیں۔"

اے کاش اہلِ شعور اس کو سمجھیں اور اپنی غلطیوں کی طرف متوجہ ہوں، جب

یہ حضرات چودہ سو سال تک کے بزرگانِ دین اور اسلاف کے کارناموں پر بے لاگ تنقید کرتے ہیں اور ان کی غلطیاں پکڑتے ہیں تو اگر کسی نے ان کے کارنامہ پر تنقید کر دی اور وہ تنقید واقعۃً بالکل صحیح اور حق بجانب ہے تو اس پر ناک بھوں کیوں چڑھاتے ہیں ان کو تو چاہئے تھا کہ شکریہ کے ساتھ قبول کر کے اصلاح کر لیتے جیسا کہ جگہ جگہ اپنی تحریرات میں اس کا اظہار بھی کرتے ہیں مگر معاملہ بالکل برعکس ہے۔

شعوری یا غیر شعوری طور پر آپ کی یہ تحریر بھی اسی ذہنیت کی آئینہ دار ہے۔ ابھی اس تحریر کو پھر ایک نظر دیکھئے اور مودودی صاحب کے اس جواب کو ملاحظہ کیجئے جو انھوں نے مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رح، مفتی مہدی حسن صاحب رح دیوبند، مفتی سید احمد صاحب رح سہارنپور، مفتی جمیل احمد صاحب رح تھانہ بھون، مولانا اعزاز علی صاحب رح دیوبند کے فتاویٰ کی تردید میں لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

(۱) "جس وقت یہ فتویٰ لکھے جا رہے تھے اس وقت خدا کا خوف اور آخرت کی جواب دہی کا احساس شاید ان کے قریب بھی موجود نہیں تھا خصوصاً مفتی سید احمد صاحب رح کے فتوؤں میں تو صریح بددیانتی کی بدترین مثالیں پائی جاتی ہیں جنھیں دیکھ کر گھن آتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں ان حضرات کے ساتھ بڑا حسنِ ظن رکھتا تھا مگر اب ان کے یہ فتوے دیکھ کر تو میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ بریلوی طبقہ کے فتوے باز و کافر ساز مولویوں سے ان کا مقام کچھ اونچا نہیں الخ (رسائل و مسائل ج ۲ ص ۱۳)

مودودی صاحب کا یہ پورا جواب رسائل و مسائل میں پڑھ جائیے کسی ایک لفظ کے متعلق بھی تو متعین طور سے نشاندہی نہیں کر سکے کہ فلاں لفظ غلط لکھا ہے فلاں حوالہ غلط دیا ہے فلاں عبارت میں کتر بیونت کی ہے، فلاں عبارت کے سیاق و سباق سے صرفِ نظر کیا ہے۔ مفتی سید احمد صاحب رح نے تقریباً دو درجن عبارتیں اس کتاب کی کتابوں سے

نقل کی ہیں اور ہر ایک کا پورا حوالہ دیا ہے مگر مودودی صاحب کیسے شریفانہ لہجے میں فرماتے ہیں:

(۲) "یہ لوگ اگر دیانت اور سچائی کا ہتھیار لے کر حملہ آور ہوتے اور مجھ میں یا جماعت اسلامی کی تحریک و نظام میں کوئی ایسی خرابی بتلاتے جو فی الواقع ان کے دلائل سے ثابت ہوتی تو میں یقیناً ان کے آگے جھکتا اور اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے اپنی اصلاح کرتا لیکن انھوں نے ہتھیار جھوٹ کا استعمال کیا ہے، دناءۃ کی راہ اختیار کی ہے اسلئے میں ان کے ساتھ وہی طریقہ اختیار کروں گا جو ایک شریف آدمی کو کرنا چاہئے یعنی اذا مروا باللغو مروا کراما" اھ (رسائل و مسائل ج ۲ ص ۱۶۶)

کرامت و شرافت کا معیار

ان اکابر علماء کرام کا مودودی صاحب کی غلطیوں پر تنبیہ کرنا اور عامۃ مومنین کو فتنوں کی راہ سے بچا کر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جادۂ مستقیم کی دعوت دینا مودودی صاحب کے نزدیک کیا قرار پایا؟ اللغو اور خوفِ خدا اور آخرت کی جواب دہی سے بے حسی، بددیانتی کی بدترین گھنونی مثالیں، بریلوی طبقہ کی فتوے بازی، کافر سازی، دناءۃ کی راہ، جھوٹ کا ہتھیار جیسی گالیوں کا استعمال کرنا کیا قرار پایا؟ کرامت و شرافت۔ واقعی ان حضرات کی کرامت و شرافت کا یہی معیار ہے۔ مودودی صاحب نے اپنی اسی تحریر میں ایک اور کرامت کا اظہار فرمایا ہے۔

آزمائش کا وقت آگیا ہے

"اس میں شک نہیں کہ دیوبند اور سہارنپور کے ان فتوؤں کا ان لوگوں پر بڑا اثر پڑے گا جو ان دونوں مراکزِ علمی سے وابستہ ہیں۔ لیکن سنت اللہ کے مطابق

آزمائش ضروری ہے، اور اب اس پورے دیوبندی اور مظاہری گروہ کے لیے آزمائش کا وقت آگیا ہے۔ دیکھنا ہے ان میں کتنے حق پرست ہیں اور کتنے اشخاص پرست۔ جو حق پرست ہیں وہ انشاء اللہ ہمارے ساتھ رہیں گے اور آئندہ بھی ہمارے ساتھ آتے رہیں گے اور جو اشخاص پرست ہیں اور جماعتی عصبیت میں مبتلا ہیں وہ ہم سے الگ ہو جائیں گے اور آئندہ بھی ہمارے ساتھ نہ چلیں گے۔ ہمیں صرف پہلے گروہ کی ضرورت ہے، دوسرے گروہ سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں، وہ ہٹ جائیگا تو ہم خدا کا شکر ادا کریں گے اور آئندہ ہم سے بے تعلق رہیگا تو مزید شکر کریں گے۔ اھ

(رسائل و مسائل ج ۲ ص ۵۱۴)

اس عبارت میں مودودی صاحب نے آزمائش میں کامیابی کی یہی صورت تجویز کی ہے کہ لوگ ان کی بات مان لیں اور ان کے ساتھ آجائیں جو لوگ ان کے ارشاد پر عمل نہ کریں اور ان کی جماعت میں داخل نہ ہوں وہ ناکام ہیں۔

حق کی تشخیص

مودودی صاحب نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ جو لوگ ان کے ساتھ آجائیں گے وہ حق پرست ہیں اور جو لوگ سہارنپور و دیوبند کے فتوے پر عمل کریں گے وہ اشخاص پرست ہیں: دوسرا شخص خواہ کتنا ہی دیانتداری سے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف بلائے مگر اس پر عمل کرنے والے مودودی صاحب کے نزدیک اشخاص پرست ہیں اور مودودی صاحب کی زبان سے نکلی ہوئی بات کو ماننے والے حق پرست ہیں۔ یہ دو چیزیں بالکل مقابل ہو ئیں اشخاص اور حق اشخاص کون ہیں؟ دیوبند اور سہارنپور کے مفتی، حق کون ہیں؟ مودودی صاحب[۱]۔

---

[۱] تفہیم القرآن جلد اول ص ۴۷۹ حاشیہ ۸۱ ملاحظہ ہو کس طرح آپ نے اپنے لئے الحق کی تشخیص و تعیین کی ہے۔

یہ ان کا عام طرز نگارش ہے کہ وہ صاف صاف انا الحق تو نہیں کہتے (کہ اس کے لیے تو رشید وار روح منصور درکار ہے) لیکن اپنے مقصد کو مقصد حق اور اپنی دعوت کو دعوت حق اور اپنے طریق کو طریق حق ضرور کہتے ہیں اور اس پر اتنا زور دیتے ہیں کہ جب ان کی کسی بات سے کوئی اختلاف کرتا ہے خواہ وہ کتنے ہی قوی اور صریح دلائل حقہ کی روشنی میں کرتا ہو مگر اس کے حق میں وہ سب روایات و آیات لاکر پیش کر دیتے ہیں جو مخالفِ حق جل جلالہ، کے بارے میں وارد اور نازل ہوئی ہیں (خارجیوں کا طریقہ بھی یہی تھا کہ جو آیات کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہیں ان کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے تھے ملاحظہ ہو بخاری شریف ج ۲ ص ۱۰۲۴)

مودودی صاحب کی جماعت سے الگ ہونے والوں کی تفصیلی فہرست آپ کے علم میں ہے کہ جن حضرات نے جماعت کی تشکیل و تاسیس کی اور نہایت مستحکم دستور حق تیار کیا تھا وہ ایک ایک کرکے تقریباً سب ہی الگ ہو گئے، سب نے ہی اس خود ساختہ حق سے منہ موڑ لیا بلکہ جماعت اسلامی تو یہاں تک کہتی ہے کہ انھوں نے ارتداد اختیار کر لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حق سے الگ ہونے پر شکریہ

یہ بھی غور کا مقام ہے کہ جو لوگ حق سے الگ ہو جائیں اور ان کے ساتھ نہ آئیں، تو ان کی علیحدگی پر مودودی صاحب شکر ادا کرتے ہیں حالانکہ الخلق عیال اللہ (حدیث) کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مخلوق کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کیجائے اور ہر انسان کی ہدایت کیلئے آخری سانس تک پوری کوشش کیجائے جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے ظاہر ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے:

فلعلک باخع نفسک علیٰ اٰثارھم ان لم یومنوا بھٰذا الحدیث اسفاً

شاید آپ ان کے پیچھے اگر یہ لوگ اس مضمون پر ایمان نہ لائیں تو غم سے اپنی جان دیدیں گے۔

کسی کے حق سے کٹنے اور ہٹنے پر شکر ادا کرنا اور خوش ہونا تو نہیں معلوم کس نص سے ثابت ہے اگر آپ کی نظر سے اس مضمون کی کوئی نص گذری ہو تو براہِ کرم مطلع فرمائیں ممنون ہوں گا۔

ایک اور مقام پر مودودی صاحب نے بہت ہی مسرت کا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

(۴) "میں بہت خوش ہوں اور خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ یہ فتنہ پسند گروہ قریب آنے کے بجائے دور جا رہا ہے۔ (ترجمان القرآن ج ۲۶ عدد ۳ صفحہ ۲۷)

کجا مودودی صاحب کا یہ اظہار مسرت اور کجا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا وہ غم جس سے جان دینے کا خطرہ لاحق ہو جائے جس کا تذکرہ آیت بالا میں ہے۔

غور فرمائیے کہ مودودی صاحب کا اپنے طریق کو پیغمبرانہ طریق قرار دینا جس کا متعدد مقامات پر دعویٰ کیا گیا ہے کہاں تک برمحل ہے۔

آپ کے یہاں جماعتِ اسلامی کا دفتر ہے جس میں جماعت کی کتابیں موجود ہیں میں نے جن کتابوں کے حوالے دیکر عبارتیں نقل کی ہیں اصل کتابوں سے ان عبارات کو ملا لیجئے اور ان کا اول و آخر بھی اطمینان سے پڑھ لیجئے نہ کسی جگہ عبارت میں کتر بیونت پائیں گے نہ ایسا ہے کہ درمیانی جملہ لیکر اصل مقصد کو خبط کر دیا گیا ہو۔ یہ اسلیے لکھا ہے کہ جماعت کا طرز یہ ہے کہ جب کوئی مضمون یا رسالہ دیکھا جس میں ان کی کسی غلطی پر فقہ، حدیث، قرآن سے ان کے انحراف کی نشاندہی کی گئی ہو، فوراً امیر اور جماعت نے لکھنا اور کہنا شروع کر دیا کہ یہ افترا ہے، جھوٹ ہے، بہتان ہے، دناءت ہے، ہماری عبارتوں کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے، یہ لوگ اس قابل نہیں کہ ان سے خطاب کیا جائے یا ان کے اعتراض کا جواب دیا جائے۔ واللہ یھدی من یشآء الی صراط المستقیم۔

(از صفحہ ۶ تا ۱۴)

اسی فتاویٰ محمودیہ جلد اول ص ۳۱۹ میں ایک جگہ ہے:

"مگر مودودی صاحب اور ان کے پیرو حضرات کا رُخ یہ بھی ہے کہ جب ان کے قلم سے نکلی ہوئی کسی بات پر گرفت کی جاتی ہے اور اسکو دلائل کی روشنی میں غلط ثابت کر کے سب طرف سے راستہ بند کر دیا جائے اور وہ جواب سے عاجز ہو جاتے ہیں تو اس بات کا رُخ بدل دیتے ہیں کہ ہمارا مدعا یہ نہیں حالانکہ ان کی تاویل کے خلاف خود ان کے کلام میں صراحت موجود ہوتی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اپنی غلطی واضح ہونے پر اعتراف کرتے اور اصلاح کر لیتے جیسا کہ اپنی تحریرات میں بار بار اعلان کیا جا چکا ہے لیکن وقت آنے پر ہوتا کچھ اور ہے۔"

تفہیم القرآن کا یہ ایڈیشن میرے پیش نظر ہے

حصہ اول: تیرہواں ایڈیشن جنوری ۱۹۷۱ء۔
مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس۔ دہلی

دوم: بار ہفتم — نومبر ۱۹۷۰ء

سوم: طبع ہفتم — جنوری ۱۹۷۱ء

چہارم: طبع سوم — نومبر ۱۹۷۰ء
مطبوعہ بخشی پرنٹنگ ورکس لال کنواں دہلی ۶

پنجم: بار دوم — اپریل ۱۹۷۳ء
مطبوعہ امپیریل پریس دہلی ۶

ششم: بار اول — جنوری ۱۹۷۳ء
امپیریل پریس۔ دہلی ۶

تفسیروں میں حضراتِ مفسرین کا اپنا اپنا ذوق

علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں کہ جس مفسر کو جن علوم و فنون سے مناسبت تھی انہوں نے اپنی تفسیر میں اسی کا اظہار فرمایا۔ یعنی ان کی طبعی مناسبتوں کا ان کی تفسیروں میں زیادہ غلبہ ہے۔ حالانکہ نزولِ قرآن کا جو مقصد ہے اس مقصد کی وضاحت تفسیروں میں زیادہ ہونی چاہیئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ مفسر پر واجب ہے کہ ہر وقت اس کے پیشِ نظر رہے کہ یہ قرآنِ پاک کتابِ ہدایت ہے، کتابِ معجز ہے اسلیے ہمیشہ اس مقصدِ اعظم کا بیان ہونا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام سے ہدایات و اعجاز کا اظہار ہو۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ امام فخرالدین اپنی تفسیر میں زیادہ تر علوم نقلیہ کو بیان کرتے ہیں۔ علامہ قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں جزئیاتی فقہ کے دلائل اور مخالفین کی تردید کی ہے۔ مفسر زجاج اور مفسر واحدی نے بسیط میں اور مفسر ابوحیان نے بحر میں نحو کے وجوہِ اعراب کو اہتمام سے بیان فرمایا ہے اسی فرقِ باطلہ نے جب تفسیریں لکھیں تو اپنے اپنے مذہب کو قرآن پاک سے ثابت کرنا شروع کیا۔ اخباریوں نے جب تفسیر شروع کی تو عجیب عجیب قصے اور اسلاف کی عجیب و غریب خبروں کو ذکر کیا قطع نظر اس سے کہ وہ قصے اور خبریں صحیح بھی ہیں یا نہیں؟ اسی طرح اربابِ تصوف نے زہد و قناعت و ترغیب و ترہیب کے مضامین پر زیادہ توجہ کی اور اسی کو بیان کیا۔ (مناهل العرفان)

تحقیق و تنبیہ

خلاصہ یہ ہے کہ جب ہر ایک مفسر نے اپنے اپنے ذوق و مشرب نظر و فکر اور اپنے اپنے خاص مزاج و جذبہ کی بنیاد پر تفسیر کی ہے تو جناب مولانا مودودی صاحب جیسی عظیم شخصیت، نقادِ اعظم، محقق بجیر، مفکر اسلام نے اپنے مزاج کے مطابق تفسیر و آزاد ترجمانی کی ہے تو کون سا بڑا ظلم کیا ہے۔

انہوں نے اگر اپنے مزاج و فکر کی بنیاد پر اسرائیلیات، اسرائیلی تواریخ، بائبل و تلمود سے، مغربی مستشرقین کے اقوال سے، ایرانی و رومی محققین کی تواریخ سے، اپنی عقل و قیاس، اپنی تحقیق اور اپنے دل پر پڑنے والے اثرات سے تفسیر کی ہے تو انہوں نے یہ اپنے مزاج و فکر کا ثبوت دیا ہے۔ یہ الگ مسئلہ ہے کہ ان کی اور ان جیسوں کی اس طرح کی تفاسیر قابلِ قبول و قابلِ اعتماد کس طرح ہو سکتی ہیں، اور شرعاً ایسی تفاسیر کا کیا حکم ہے؟ تفہیم کے مطالعہ و بنظرِ تحقیق دیکھنے سے مجھے یہ بات معلوم ہو گئی کہ آپ کے مزاج میں جن چیزوں کا غلبہ تھا صاف طور پر نمایاں ہو کر نوکِ قلم سے صفحۂ قرطاس پر وہ چیزیں من و عن آگئیں چنانچہ ماہنامہ الحسنات کے یادگار "مودودی نمبر" ص۲۵۹ میں ہے کہ جناب فیق ڈوگر صاحب نے پوچھا کہ آپ نے تفہیم القرآن کی تصنیف کے دوران کن کن علمی ذخائر سے اور مصنفین و علوم کا مطالعہ فرمایا؟

تو مولانا نے جواب دیا "تفہیم القرآن میرے عمر بھر کے مطالعہ کا نچوڑ ہے، میں نے پچھلے ۵۵ سال کے دوران فلسفہ، تاریخ، سائنس، اجتماعی علوم اور دینی علوم کا جتنا مطالعہ کیا ہے۔ اس سب اس تفسیر کے لکھنے میں کام لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کسی خاص مقام پر پہونچ کر اگر میں کسی آیت یا قرآن کے کسی بیان کو سمجھ نہیں سکا ہوں تو لکھنے کا سلسلہ روک کر اس وقت تک تحقیق اور مطالعہ کرتا رہا جب تک اطمینان نہیں ہو گیا کہ میں نے قرآن کا صحیح مدعا سمجھ لیا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ میرا فہم کسی معاملہ میں ناقص ہو، کیونکہ میں ایک انسان ہوں اور انسان کا فہم کامل نہیں ہو سکتا لیکن اس کتاب میں میں نے وہی کچھ لکھا ہے جس پر اپنی حد تک میں مطمئن ہوں۔" (الحسنات کا یادگار مودودی نمبر ص۲۵۹)

قارئین کرام! اب سوال یہ ہے کہ آپ کے فہم خاص پر کس طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے جو کچھ تحقیق و مطالعہ سے سمجھا وہ بالکل عین منشاء خداوندی ہے؟ اور آپ کا فہم خاص ہی روحِ قرآن پاک ہے؟ جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ خیر القرون سے لے کر آج تک کے

تمام وہ حضرات جنھوں نے قرآن پاک سمجھا ہے اُن سے قطعاً بے نیاز ہو کر جناب مولانا مودودی مرحوم اپنی ذاتی تحقیق و مطالعہ ہی پر اعتماد کرتے رہے ہیں ۔ اس صورتِ حال میں اگر آپ کی نسبت العیاذ باللہ کوئی نبی اور رسول ہونے کا خیال رکھتا تو سوچ لیتا کہ حضرت جبرئیل ؑ آپ کی خدمت میں منجانب اللہ تشریف لاکر تبلاجاتے ہوں گے کہ سید مودودی ! تم نے جو کچھ اپنی ذاتی تحقیق و مطالعہ اور فہم خاص سے قرآن پاک سمجھا اور اپنی سمجھ پر جس حد تک مطمئن بھی ہو وہ عین روحِ قرآن اور منشا باری تعالیٰ ہے ۔

پھر اس کی کیا ضمانت ہے کہ آپ کے عمر بھر کے مطالعہ و تحقیق میں کوتاہیوں اور گمراہیوں کا ذخیرہ نہیں ہے ؟ جبکہ آپ نے خود ہی اقرار کیا ہے کہ مجھے گروہِ علماء میں شامل ہونے کا شرف نہیں ہے ۔ یعنی آپ نے دینی علوم کی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی ۔ ترجمان و تنقیحات اٹھاکر آپ کی تحریرات ملاحظہ کرلی جائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ آنجناب نے ہمیشہ اپنی ذہانت و ذکاوت کی بدولت قرآن و حدیث کو براہِ راست سمجھنے کی کوشش کی ہے ، دینی علوم کے سمجھنے میں کسی شخص کو واسطہ نہیں بنایا ۔

آپ فرماتے ہیں کہ :

(۱) "مجھے گروہ علماء میں شامل ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے میں ایک بیچ کی راس کا آدمی ہوں جس نے جدید اور قدیم دونوں طریقہائے تعلیم سے کچھ کچھ حصہ پایا ہے ، دونوں کوچوں کو خوب چل پھر کر دیکھا ہے ۔

(ترجمان جلد ۱۴ عدد ۳ ص ۲۲۷)

خود اقرار ہے کہ دینی علوم کی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی ، اسلیے عالم نہیں بلکہ کچھ کچھ تعلیم کا حصہ پایا ہے ، اس کچھ کچھ (ناقص و ناتمام) حصۂ تعلیم پر آزادی کا یہ عالم ہے فرماتے ہیں :

(۸) "اپنی بصیرت کی بنا پر نہ تو میں قدیم گروہ کو سراپا خیر سمجھتا ہوں اور نہ جدید گروہ کو ، دونوں کی خامیوں پر میں نے آزادی کے ساتھ تنقید کی ۔" (حوالہ سابق)

کچھ کچھ تعلیم حاصل کر کے کچھ لوگ مطلب شروع کر دیتے ہیں اور کچھ لوگ دینی اصول کے ماہر اور مزاج شناس نبوت کہلانے لگتے ہیں جس کا نتیجہ وہی ہوتا ہے جو "نیم ملا" اور "نیم حکیم" کے اقدام کا ہوتا ہے کہ جان کا بھی خطرہ اور ایمان کا بھی ۔ '

(فتاویٰ محمودیہ جلد اول)

کسی نے مودودی صاحب سے دریافت کیا تھا کہ آپ نے جو کچھ بیان کیا ہے صدیاں گزر گئی ہیں کسی نے وہ بیان نہیں کیا اور بڑے علماء و مشائخ نے آپ کے بیان کے بعد بھی اسکو قبول نہیں کیا ، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سب اکابر دین غلطی پر ہیں یا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ حق کے نام پر کوئی غلط چیز پیش کر رہے ہیں ۔

مودودی صاحب نے اس کا جواب دیا کہ "میں نے دین کو حال یا ماضی کے اشخاص سے سمجھنے کے بجائے ہمیشہ قرآن و سنت ہی سے سمجھنے کی کوشش کی ہے ۔ اسلیے میں کبھی یہ معلوم کرنے کیلئے کہ خدا کا دین مجھ سے اور ہر مومن سے کیا چاہتا ہے یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ فلاں اور فلاں بزرگ کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں ، بلکہ صرف یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ قرآن کیا کہتا ہے اور رسول نے کیا کہا ۔" (ترجمان القرآن)

اس سے معلوم ہوا کہ مودودی صاحب نے خدا کے دین کو نہ زمانہ حال کے کسی شخص یعنی استاد سے سمجھا نہ زمانہ ماضی چودہ سو سال میں کوئی شخصیت ایسی گذری جس سے وہ خدا کے دین کو سمجھ سکتے ، قرآن کریم کا مطالعہ بھی خود ہی بغیر استاد کے کیا ہے اور سنت کا بھی ۔ ان کے نزدیک قرآن کریم کا مطلب سمجھنے کیلئے نہ حدیث کی ضرورت ہے نہ تفسیر کی ۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

"قرآن اور سنّتِ رسول کی تعلیم سب پر مقدم ہے ، مگر تفسیر و حدیث کے پرانے ذخیروں سے نہیں ، ان کے پڑھانے والے ایسے ہونے چاہئیں جو قرآن و سنت کے مغز کو پاچکے ہوں ۔" (تنقیحات)

بغیر تفسیر و حدیث کے قرآن کریم کو جو سمجھنے کا طریقہ مودودی صاحب نے تلقین کیا ہے وہ یہ ہے:

" قرآن کو پوری طرح سمجھنے کی بہترین صورت صرف یہ ہو سکتی ہے کہ اس کا خواہش مند پہلے تو یہ سمجھے کہ الہام اسی پر نازل ہو رہا ہے۔ اور پھر وہ یہ سمجھ کر پڑھے کہ وہ خود اس الہام کو نازل کر رہا ہے۔"

(فتاویٰ محمودیہ ج ا ص ۲۹۴)

پھر آپ کے عمر بھر کے مطالعہ میں وہ آوارہ خوانی بھی شامل ہے یا نہیں جس کا نتیجہ بھی آپ کے اقرار کے مطابق انتہائی خطرناک ثابت ہوا — ماہنامہ الحسنات کے یادگار مودودی نمبر ہی میں ہے جس کا عنوان "زندہ جاوید انٹرویو" ہے:

"مولانا اپنی مخصوص دھیمی آواز میں میرے سوالات کا جواب دیئے جا رہے تھے: آغاز تعلیم کے متعلق مولانا نے بتایا — گھر پر عربی پڑھی۔ اسکولوں اور کالج میں مختلف علوم زیر مطالعہ رہے — انگریزی زبان کی استعداد تعلیمی دور کے بعد حاصل کی — طالب علمی کے زمانہ کا مجھے کوئی خاص واقعہ یاد نہیں — میں ایک اوسط درجہ کا طالب علم تھا اور میرے ذہن نے کبھی بھی مستقبل کا کوئی حسین خاکہ نہیں بنایا، البتہ اس دور میں مجھے یہ احساس ضرور ہو گیا تھا کہ مجھ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے۔

..جب میں کالج کی تعلیم سے فارغ ہوا تو اس وقت میری عمر سولہ سترہ سال کی تھی۔ اس کے بعد میں نے "آوارہ خوانی" شروع کی، جو کچھ ملا، پڑھ ڈالا ہر عنوان پر ہر قسم کی کتابیں پڑھیں۔ اس آوارہ خوانی کا نہایت ہی خطرناک نتیجہ برآمد ہوا۔ خدا اور آخرت پر سے یقین اٹھتا چلا گیا۔ تشکک اور ارتیاب سے ایمان وایقان کی بنیادیں منہدم ہو گئیں۔ خدا کا وجود سمجھ میں نہ آتا تھا۔

تمام دینی عقائد لغو اور غیر منطقی نظر آتے تھے۔ ایک ڈیڑھ سال تک یہی کیفیت رہی۔"

مولانا! کیا آپ یہ سچ کہہ رہے ہیں؟

میں نے حیرت واستعجاب کے عالم میں پوچھا۔

مسکراہٹ ان کے چہرے پر پھیل گئی — انھوں نے ایک لمحہ کے لیے اپنی نظریں میرے چہرے پر جما دیں، میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھ سے پوچھ رہی ہیں:

"تمہیں یہ بات کہنے کی جرأت کیسے ہوئی؟"

میں گھبرا اٹھا۔ مگر مولانا حالی کے اِس شعر نے گھبراہٹ کو عقیدت میں تبدیل کر دیا ہے

تقاضائے محبت ہے وگرنہ
مجھے اور جھوٹ کا تم پر گماں ہو

(الحسنات، اسلامی اردو ڈائجسٹ رامپور جنوری ۱۹۶۸)

قارئین کرام! ایک ڈیڑھ سال کی یہ مذبذبانہ وکافرانہ کیفیت کی آوارہ خوانی عمر بھر کے مطالعہ کے نچوڑ میں کیا داخل نہیں ہے؟ جبکہ آپ نے خود ہی اقرار کیا ہے کہ پچھلے ۵۵ سال کے دوران جتنا مطالعہ کیا ہے اس سب سے اس تفسیر کے لکھنے میں کام لیا گیا۔ آپ کو اس موقع پر صاف لفظوں میں صراحت و وضاحت کرنی چاہیے کہ ایک ڈیڑھ سال کی یہ مذبذبانہ وکافرانہ کیفیت میں جن علوم کا میں نے مطالعہ کیا ہے اُن سے تفہیم کے لکھنے میں کام نہیں لیا گیا۔ یا یہ ایک ڈیڑھ سالہ علوم ومطالعہ وتحقیق اس تفہیم میں داخل نہیں۔ اسلیے آپ کی عدم صراحت و وضاحت سے اب کیا سمجھا جائے گا؟ کہ ڈیڑھ سالہ کافرانہ کیفیات سے بھی تفہیم کے لکھنے میں کام لیا گیا ہے۔

الامان الحفیظ۔

پھر تعجب و افسوس

اس بات پر ہے کہ آپ نے تحریر کیا کہ "ہو سکتا ہے کہ میرا فہم کسی معاملہ میں ناقص ہو" (یعنی یہ جملہ تبلا رہا ہے کہ جناب مودودی کا فہم ناقص نہیں بلکہ ناقص ہونے کا امکان ہے حالانکہ لفظ "ہو سکتا ہے" کے بجائے آپ کو صاف طور پر یہ کہنا چاہیے کہ میرا فہم ہر معاملہ میں ناقص ہے۔ لیکن آپ ایسا نہیں کہہ سکتے اسلیے کہ آپ کی انشاء پردازی و صحافت کا کمال ہے کہ ایک طرف بظاہر اپنے فہم کے نقص کا اقرار کریں۔ مگر ساتھ ہی جو بات پیش کریں اس میں نبی اور رسول کے فہم کامل کی طرح اپنے فہم ناقص پر مکمل اعتماد و اظہارِ اطمینان بھی ہو۔

قارئین کرام! بلکہ آپ کے اس اندازِ تحریر کی بنا پر اپنے فہم کو قرآن پاک کا صحیح مدعا سمجھنا بلکہ روحِ قرآن بتلانا من قال برایہ فی القرآن فلیتبوا مقعدہ من النار (ترجمہ: جس نے قرآن میں اپنی رائے یا فہم سے کوئی بات کہی تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے) اس حدیث پاک کا مصداق نہیں تو اور کیا ہے؟

اور پھر آپ کے اس اقرار کی وجہ سے آپ کی اس کتاب کا نام خود ہی "تفہیم مودودی" ہو گیا ور نہ تو زیر بحث کتاب میں ہمارے پیش کیے گئے دلائل کی وجہ سے آپ کی اس کتاب کا نام "تفہیم بائبل" قرار پاتا ہے — کیا یہ بہت بڑا ظلم نہیں کہ اپنے فہم کو یا بائبل کے فہم کو تفہیم قرآن کہا جائے؟

ایک اور بڑی حقیقت کا انکشاف

میں اپنے معزز قارئین کی خدمت میں جناب مولانا مودودی مرحوم ہی کے اقرار و اعترافِ تحریر سے ایک اور بڑی حقیقت کا انکشاف کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ قرآن پاک، سیرت پاک اور احادیث پاک کے مطالعہ سے آپ کا مقصد ایمان و اسلام بالکل نہیں تھا بلکہ اس یادگار مودودی نمبر میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا ہے کہ آپ کے پیشِ نظر ان سب کے مطالعہ سے تحقیق و تنقید

ماہنامہ الحسنات میں ہے کہ جس کا عنوان ہے "تفہیم القرآن کیوں؟"

"پہلا سوال تھا قرآن سے ربط اور لگاؤ پیدا کرنے میں کن عوامل کا دخل ہے اور اس لگاؤ کی نشوونما کیسے ہوئی؟"

سوال مرتب کرتے وقت میرے پیشِ نظر یہ تھا کہ مولانا اس ضمن میں اپنے آبائی علمی ورثہ اور بزرگوں کی قرآنی خدمت کے حوالے سے جواب دیں گے کیونکہ بہت کم لوگ اس امر سے واقف ہیں لیکن انہوں نے ان میں سے کسی کا ذکر کیے بغیر فرمایا:

میں نے جب ہوش سنبھالا تو مجھے یہ احساس ہوا کہ مذہب تو کچھ نہیں کہ میں مسلمان کے گھر پیدا ہوا اسلیے مسلمان، ہندو ہندو کے گھر پیدا ہوا اسلیے ہندو۔ اگر آدمی کسی چیز کو مانے تو تحقیق کر کے مانے نہیں تو نہ مانے۔ اس احساس کی بنا پر ایک وقت مجھ پر ایسا آیا کہ خدا، آخرت، رسالت، وحی، ہر چیز میں شک پڑ گیا اور جس کی بچپن میں عادت ڈالی گئی تھی وہ بھی اس وجہ سے چھوٹ گئی کہ وہ بھی محض ایک تقلیدی عمل معلوم ہوئی۔ اس کے بعد میں نے مختلف مذاہب کا مطالعہ کیا اور قرآن مجید، سیرت پاک اور احادیث کا مطالعہ شروع کیا۔ اس مطالعہ میں میرے پیشِ نظر بے لاگ تحقیق و تنقید تھی اور آخر کار اسی مطالعہ کی بدولت میں نے یہ تسلیم کیا کہ دینِ حق صرف اسلام ہے، قرآن اللہ کی کتاب ہے، محمد اللہ کے رسول اور آخرت یقینی ہے۔ اسی بنا پر ایک دفعہ ایک تقریر میں جو شاید شائع بھی ہو چکی ہے میں نے کہا تھا کہ در اصل میں ایک نو مسلم ہوں۔" (الحسنات اردو ڈائجسٹ، رام پور، جنوری۔ ص ۲۵۸)

اب یہاں بنیادی طور سے انتہائی غور طلب بات یہ ہے کہ قرآن پاک، سیرت پاک اور احادیث پاک کی کس چیز پر آپ کو تنقید کرنا پیشِ نظر تھی؟ بظاہر اس کی دو ہی صورت

سمجھ میں آتی ہے۔ ؎ یا تو براہِ راست ان تینوں کے متن اور اصل مضمون پر تنقید پیشِ نظر تھی، تو اگر یہ صورت ہو تو جناب مودودی صاحب کا ایمان ہی کہاں رہا۔ کیونکہ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب ڈیڑھ سال تک آپ پر مذبذبانہ، منافقانہ اور کافرانہ کیفیات طاری تھیں اور ہر چیز میں شک پڑ گیا تھا اور اگر کسی کے نزدیک یہ صورت متعین نہیں ہو سکتی تو پھر دوسری صورت یہ ہے کہ جن واسطوں، ذرائع اور وسائل سے قرآن پاک و احادیث شریفہ، و سیرت پاک، وحی و رسالت وغیرہ ان تک پہونچیں ان سلاسل و اسناد پر تنقید پیشِ نظر تھی۔ جیسا کہ تفہیم ج ۳ ص ۲۴۳ سورہ حج میں احادیث شریفہ پر جرح و قدح کر کے بے اعتمادی کرتے ہوئے آپ ہی تحریر فرماتے ہیں:

"یہ دلائل تو ایک متشکک اور بے لاگ محقق کو بھی مطمئن کر دیں گے کہ یہ قصہ (یعنی حدیثِ پاک) قطعی غلط ہے۔"

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ متشکک اور بے لاگ محقق کون ہیں؟

قارئین کرام! گستاخی معاف کیجئے اور یادگار مودودی نمبر و تفہیم القرآن کے خط کشیدہ ان دونوں جملوں پر خوب سنجیدہ ہو کر غور فرمائیے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے یا نہیں کہ یہ دونوں جملے ایک ہی شخص کے قلم و زبان سے نکلے ہوئے ہیں کیونکہ دونوں جگہ "بے لاگ تحقیق" ہی کا لفظ ہے اسلئے ہم اس سیاق و سباق اور آپ ہی کے بیان کردہ جملوں سے یہ معنی محمول کرنے پر مجبور ہیں کہ تفہیم القرآن کے جملہ "ایک متشکک" اور "بے لاگ محقق" کے مصداق خود جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ہی ہیں۔

یعنی آپ ہی ایک ایسے متشکک اور بے لاگ محقق ہیں جن کو قرآن پاک، سیرت پاک اور احادیث پاک کے مطالعہ سے تنقید پیشِ نظر تھی چنانچہ جب آپنے اپنے عزم و ارادہ کے مطابق تحقیق کا کام شروع کیا تو تحقیق کرتے کرتے تفہیم القرآن میں اپنے مافی الضمیر کو تحریری طور سے ثبت فرما ہی دیا کہ "آپ جیسے متشکک اور بے لاگ محقق کے نزدیک اطمینانی کیفیت

کے ساتھ حدیث شریف قطعی غلط ہے۔"

اسلئے قارئین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ جناب مولانا مودودی صاحب کے اس اندازِ تحقیق و طریقۂ تنقید سے پورا دینِ اسلام ہی مجروح ہو کر سب اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔

جناب مولانا مودودی پر حقائق و معارف کب کھلے؟

اور اسلام پر کس طرح اطمینان ہوا؟

ابھی بات ختم نہیں ہوئی بلکہ آپ لکھتے ہیں کہ اپنے جذبۂ شوق کے مطابق جب اسلام، قرآن، حدیث، وحی، رسالت کی ہر چیز پر تنقید کر ڈالی تو حقائق و معارف کھلتے چلے گئے، بے یقینی کا غبار ڈھلتا گیا جیسا کہ اس یادگار مودودی نمبر میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ:

"مذبذب اور تشکک کی یہ کیفیت زیادہ دیر تک قائم نہ رہی۔ عربی زبان پر خاصا عبور حاصل تھا، میں نے قرآن اور حدیث کا براہِ راست مطالعہ شروع کیا، حقائق و معارف کھلتے چلے گئے، بے یقینی کا غبار ڈھلتا گیا، میں نے دوسرے ادیان کی کتابوں کا بھی مطالعہ کر رکھا تھا، ادیان کے تقابلی مطالعے نے مجھے ایک گونہ اطمینان عطا کیا، در اصل اب میں نے اسلام سوچ سمجھ کر قبول کیا تھا، مجھے اس کی حقانیت پر کامل یقین تھا۔" (ماہنامہ الحسنات کا یادگار مودودی نمبر)

خط کشیدہ تینوں جملوں پر غور کیجئے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمان و اسلام کی ہر چیز کو ماننا تو عربی زبان پر خاصا عبور ہونے کی وجہ سے ایمان و اسلام اور قرآن و حدیث کو ماننا تو براہِ راست مطالعے کی وجہ سے، اور ان کو ماننا تو دوسرے ادیان کی کتابوں کا تقابلی مطالعے کی بنیاد پر، آپ کے اس اقرار اور اعتراف تحریر میں اس سوال کا جواب بھی مل گیا اور سب سے بڑی

حقیقت کا سُراغ لگ گیا جو اس پوری کتاب میں زیر بحث و عنوان ہے کہ آخر جناب مولانا مودودی صاحب نے قرآن کی تفسیر و تشریح بائبل و یہودی روایات سے کیوں کی؟ ان کے حوالجات کو مستند ترین کیوں تسلیم کیا؟ اسلیئے کہ آپ لکھتے ہیں کہ "تفہیم میرے ۵۵ سال مطالعہ کا نچوڑ ہے اور اس ۵۵ سال میں آپ نے دوسرے ادیان کی کتابوں کا تقابلی مطالعہ بھی کیا ہے۔"

اب سوال یہ ہے کہ وہ دوسرے ادیان کون کون سے ہیں اور نیز اُن دوسرے ادیان کی کتابیں کون کون سی ہیں؟ تو جواب ملے گا کہ یہی یہود و نصاریٰ اور ان کی اناجیل اور بائبل وغیرہ، سب کو ۵۵ سال میں مطالعہ کر کے اُن کے نچوڑ کا تفہیم القرآن نام رکھ دیا گیا۔

اس کے بعد یہ بات غور طلب ہے کہ دنیا کے مسلمانوں نے کس طرح اسلام کی حقانیت پر یقین کامل کیا؟ کیونکہ سارے مسلمانانِ عالم نے آپ کی طرح سوچ سمجھ کر اسلام قبول نہیں کیا ہے اور نہ ہی تمام مسلمانوں کو عربی زبان پر خاصا عبور حاصل ہے اور نہ ہی سب مسلمانوں نے قرآن و حدیث کا براہِ راست مطالعہ کیا ہے اسلئے کہ ان میں اتنی صلاحیت ہی نہیں اور نہ ہی ان مسلمانوں نے ادیان کا تقابلی مطالعہ کیا ہے۔ اب معلوم نہیں کہ دنیا کے مسلمانوں کو کس طرح اسلام کی حقانیت پر اطمینان حاصل ہوا ہے اور کس طرح ان کے قلوب اسلام کی حقانیت پر یقینِ کامل رکھتے ہوں گے اور مسلمانوں نے جو اسلام کی حقانیت پر اطمینان و یقین کامل رکھا ہے تو اُن پر جناب مودودی مرحوم کو اعتماد بھی ہے یا نہیں! اور ہوگا بھی تو کس طرح ہوگا؟

یہاں پہونچکر قارئین کرام کے ذہن کو ماہنامہ الحسنات کے یادگار مودودی نمبر ۱۵۸ کی طرف پھر مبذول و متوجہ کر رہا ہوں جس مضمون کو پڑھ کر ایک اور بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے کہ:

تفہیم القرآن آخر عربی زبان میں کیوں نہیں ہے؟

جبکہ آپ کے لٹریچر کا دنیا کی دو درجن زبانوں میں شائع ہوچکا ہے، ماہنامہ الحسنات میں ہے:

"مولانا کے لٹریچر کا دنیا کی دو درجن سے زائد زبانوں میں دنیا بھر کے ممالک سے شائع ہو رہا ہے، اُن کی کتب متعدد ممالک میں نصاب تعلیم میں داخل ہیں اور ان کی نئی اور زیر تعلیم نسل پر گہرے اثرات مرتب ہو رہے ہیں، عربی زبان میں تفہیم القرآن کے سوا تقریبًا پورا لٹریچر شائع ہو رہا ہے۔ انگریزی، فرانسیسی جرمن، ہسپانوی، ڈچ اور جاپانی، بھارت کی ہندی سمیت متعدد زبانوں میں لٹریچر دستیاب ہے۔" (الحسنات اسلامی اردو ڈائجسٹ رام پور ۱۵۸)

کیا عربی زبان اس لائق نہیں کہ تفہیم القرآن جیسی کتاب (جس کی وجہ تالیف کا ذکر کرتے ہوئے جناب سید مودودی مرحوم سابق مترجمین کے تراجم میں کسر اور خامی کے پہلو نکالنے کے بعد اپنی اس آزاد ترجمانی کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہیں:

"لفظی ترجمے کے طریقے میں کسر اور خامی کے یہی وہ پہلو ہیں جن کی تلافی کرنے کے لیے ترجمانی کا ڈھنگ اختیار کیا ہے۔ میں نے اس میں قرآن کے الفاظ کو اردو کا جامہ پہنانے کے بجائے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے اسے حتی الامکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کر دوں، اسلوب بیان میں ترجمہ پن نہ ہو عربی مبین کی ترجمانی اردوئے مبین میں ہو، تقریر کا ربط فطری طریقے سے تحریر کی زبان میں ظاہر ہو اور کلام الٰہی کا مطلب و مدعا صاف صاف واضح ہونے کے ساتھ اس کا شاہانہ وقار اور زورِ بیان بھی جہاں تک بس چلے ترجمانی میں منعکس ہوجائے۔ الخ" (دیباچہ تفہیم ص ۸)

آزاد ترجمانی کو عربی زبان میں منتقل کیا جائے؟ یا بے چارے عرب حضرات ہی اس لائق ہیں کہ ان کو تفہیم جیسی عظیم دولت سے محروم رکھا جائے؟ یا پوری جماعت میں اب کوئی ایسا باصلاحیت مترجم ہی نہیں جو آپ کے ترجمہ "اردوئے مبین کو عربی مبین" میں منتقل کر سکے؟ ویسے بہتر تو یہ تھا کہ خود جناب مودودی مرحوم ہی تفہیم القرآن کی اپنی اس اردوئے مبین کو عربی مبین میں اپنی حیات ہی میں منتقل فرما دیتے کیونکہ آپ کے قول و تحریر کے مطابق آپ تو "عربی زبان میں خاصا عبور بھی رکھتے تھے" اگر آپ ایسا کر لیتے یا آپ کے بعد جماعت میں عربی زبان پر خاصا عبور رکھنے والا شخص اس خدمت کو اب انجام دیدے تو سب پر گہرے اثرات مرتب ہوں گے لیکن کہیں ایسا تو نہیں کہ اگر عالم اسلام میں عربوں کے سامنے تفہیم کی اردوئے مبین کی آزاد ترجمانی اور اس میں پیش کردہ بائبل سے مستفاد تفسیری حاشیے عربی مبین میں آجائیں تو تفہیم کا زیغ و ضلال اور تمام دوسری داصولی کمزوریاں ظاہر ہو کر جماعت اسلامی کا بھرم کھل جائے اور سارا راز ہی فاش ہو جائے — آخر عربوں کو تفہیم کی منفرد خصوصیات کا کس طرح پتہ چل سکے گا کہ آپ نے اس میں دور حاضر کے تمام مسائل کے حل پیش کرنے کے نام پر کیا کیا گل کھلائے ہیں؟ اسلیے یہ سوال بہر حال حق بجانب اور اٹل ہے کہ آخر تفہیم عربی زبان میں کیوں نہیں؟

آنکھیں بند کر کے آپ کی پیروی نہ کیجائے

اسلیے میں قارئین کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ اگر بنظر تحقیق و تنقید آپ کی عقیدت سے بے نیاز ہو کر تفہیم کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں درج شدہ اسلامی تعلیمات کے خلاف جملہ باتوں کا بآسانی سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن آنکھیں بند کر کے آپ کی پیروی کی جائے گی تو میری ان باتوں سے اتفاق کرنا بہت مشکل ہوگا کیونکہ آپ کا خود ہی اقرار ہے کہ "جس طرح دوسرے انسانوں کے علم و عمل میں کوتاہیاں ہیں اس طرح اُن کے علم و عمل میں بھی ہیں" اور راقم الحروف تو تفہیم کے بار بار مطالعہ کے بعد اس نتیجہ

پر پہونچا ہے کہ تفہیم کو تفسیر کہنا بالکل بے بنیاد ہے اس لیے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے اسکا نقصان غالب ہی نہیں بلکہ اغلب اور نفع مغلوب ہے۔ اس کے مطالعہ کے نتیجہ میں ایمان اور اسلام کی جملہ باتوں کو اس بنیاد پر مانا جائے گا کہ جناب مودودی مرحوم کی تحقیق یوں ہی ہے۔ اسلیے ایمان و اسلام کو نہیں مانا جائے گا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک کی سند متصل سے جو باتیں پہونچی ہیں اُن اسناد و ذرائع پر اعتماد کر کے باتیں مان لی جائیں اور یہ سب سے زیادہ خطرناک چیز ہے۔ چنانچہ ماہنامہ الحسنات کے یادگار مودودی نمبر میں ہے کہ:

"بھائیو! مجھے علم میں کامل ہونے کا دعویٰ ہے نہ عمل میں کامل ہونے کا۔ میں تو گناہوں کی دنیا سے بھاگ کر یہاں پناہ لینے آیا ہوں تاکہ یہاں مجھے اپنے اصلاح کرنے کا اور پورا مسلمان بن جانے کا موقع مل جائے جس طرح دوسرے انسانوں کے علم اور عمل میں کوتاہیاں ہیں اسی طرح میرے علم و عمل میں بھی ہیں، اسلیے میں کبھی یہ نہ چاہوں گا کہ تم آنکھیں بند کر کے میری پیروی کرو۔"

(الحسنات اسلامی اردو ڈائجسٹ، رام پور۔ جنوری ۱۹۸۰ء)

یہاں اگر براہ راست صاف صاف بغیر کسی دوسرے پر تنقید و تعریض کے جناب مودودی مرحوم صرف اپنی ذات کے بارے میں کہتے کہ میرے علم و عمل میں کوتاہیاں ہیں، تو یہ کتنی شاندار اور مدح بات ہوتی۔ مگر آپ سے اپنے عمل و علم کی کوتاہیوں کا اقرار اس وقت تک نہیں ہو سکتا ہے جب تک آپ دوسرے انسانوں کے علم و عمل میں کوتاہیاں دیکھ کر تنقید نہ کر لیں۔ نمونہ کے طور پر اس کتاب میں پیش کی گئیں آپ کی تحریرات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کس طرح آپ نے محدثین کی اسناد و روایات، راویوں کی ثقاہت اور طرق روایت میں کوتاہیاں نکالی ہیں۔ واللہ اعلم کہ اس میں آپ کی کون سی مصلحت پوشیدہ ہے؟ آپ کا کون سا راز چھپا ہوا ہے؟ کہ آپ تفسیر کے جن اصولوں کی پیروی کرتے ہیں ان کو مختلف آیات کی تفسیر کرتے ہوئے کہیں اختصار کے ساتھ اور کہیں تفصیل کے ساتھ درج کرتے ہیں۔ قارئین کرام

ذیل میں ماہنامہ الحسنات کے یادگار مودودی نمبر سے اس صفحہ کو ملاحظہ فرمائیں:

" میں نے پانچویں سوال میں لکھا تھا۔ تفہیم القرآن مکمل کرنے کے دوران اس کے مقدمہ میں درج قرآن فہمی کے اصولوں کے علاوہ کوئی مزید اصول آپ پر منکشف ہوئے ہیں؟

مولانا نے فرمایا:

" تفہیم القرآن کے مقدمہ میں قرآن فہمی کے جو اصول میں نے بیان کیے ہیں وہ صرف ایک عام ناظر کی ضروریات کو محسوس کر کے اس کے مطابق مختصراً لکھے ہوئے ہیں ورنہ اگر اصول تفسیر پر بحث کی جاتی تو وہ خود ایک مستقل کتاب بن جاتی۔ تفسیر کے جن اصولوں کی میں پیروی کرتا ہوں ان کو میں نے تفہیم میں مختلف آیات کی تفسیر کرتے ہوئے کہیں اختصار کے ساتھ اور کہیں تفصیل کے ساتھ درج کر دی ہے۔"

(الحسنات اسلامی اردو ڈائجسٹ، رام پور۔ جنوری، سنہ ۹۰ء)

راقم الحروف کے خیال میں آپ اس لیے ایسا کرتے ہیں تاکہ بآسانی آپ کی گرفت نہ کی جا سکے، اسی لیے آپ نے تفہیم القرآن میں احادیث شریفہ پر جرح و قدح اور بائبل کو مستند مانتے ہوئے اس بائبل کی تعریف اور آیات قرآنی کی اس سے تفسیر و تشریح وغیرہ ایک جگہ کرنے کے بجائے تفہیم کے مختلف صفحات میں کہیں اختصار کے ساتھ اور کہیں تفصیل کے ساتھ درج کر دی ہیں جن کو بفضلہ تعالیٰ بڑی محنت کر کے تفہیم کے چھ حصوں کے ہر ہر صفحہ سے تلاش کر کر کے قارئین کرام کی سہولت کی خاطر اس کتاب میں پیش کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے تاکہ سب کے سامنے آپ کی غلطیاں واضح ہو جائیں اور جناب مولانا مودودی کی کہیں اختصار کے ساتھ اور کہیں تفصیل کے ساتھ علاحدہ علاحدہ مقامات پر الگ الگ بیان کی چالاکی و ہوشیاری کی حقیقت بھی کھل جائے۔

آیت اللہ خمینی اور شیعہ علماء سے آپ کے تعلقات

یہیں سے ہم نے آپ کے اسلامی مزاج اور دینی احوال کو جاننے کی کوشش کی تو المرء یؤخذ باقرارہ کے اصول کے تحت پچھلی تمام باتوں کی طرح یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی کہ آپ کے تعلقات کن کن لوگوں سے تھے؟ اور کن کن لوگوں کے کام کو آپ نے اپنے دل کی دھڑکن سمجھا ہے؟ اور کن کن لوگوں کی تائید و حمایت میں آپ نے بہت رول ادا کیا ہے؟ ان سوالوں کے جوابات اگر کسی دوسرے کی طرف سے دیئے جاتے تو کہا جا سکتا تھا کہ تعصب کی بنیاد پر آپ پر افترا پردازیاں کر کے الزام و بہتان لگایا گیا ہے مگر یادگار مودودی نمبر کے اس صفحہ کو پڑھ جائیے اس میں صاف صاف یہ باتیں لکھی ہیں کہ:

۱۔ لاہور کے شیعیان حیدر کرار بڑی تعداد میں شرکت کے لیے آئے تھے ان میں سے تین چار شیعہ علماء کے نام بھی یہاں مذکور ہیں۔

۲۔ ان حضرات سے معلوم ہوا کہ مولانا مودودی مرحوم اور ایران کے آیت اللہ خمینی سے بہت پرانے تعلقات تھے۔

۳۔ جب شاہ ایران نے آیت اللہ خمینی کو دیش سے نکالا تو عراق میں انھیں پناہ دلانے میں آپ نے خاموشی سے بہت اہم رول ادا کیا تھا۔

۴۔ مولانا مودودی مرحوم نے کہا تھا کہ ایران کا انقلاب میرے دل کی دھڑکن ہے۔

" لاہور کے شیعیان حیدر کرار بڑی تعداد میں نماز میں شرکت کے لیے آئے تھے ان میں آغا مرتضیٰ پویا، مولانا علی غضنفر اور مولانا ابرار حسین شیرازی قابل ذکر ہیں، نماز میں مصر کے شہید مرشد عام کے صاحبزادے ڈاکٹر سیف الاسلام بھی شامل تھے۔

ان حضرات سے معلوم ہوا کہ مولانا اور ایران کے مولانا آیت اللہ خمینی سے بہت

پرانے تعلقات تھے۔ جب شاہ ایران نے آیت اللہ کو دیش نکالا دیا تو عراق میں انھیں پناہ دلانے میں مولانا مودودی نے خاموشی سے بہت اہم رول ادا کیا ہے تھا۔ مولانا نے امریکہ جاتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ اگر میری صحت اجازت دیتی تو میں ایران ضرور جاتا۔ ایران کا انقلاب میرے دل کی دھڑکن ہے۔"

(الحسنات اسلامی اردو ڈائجسٹ رام پور۔ جنوری ۸۴ء)

ہمارے معزز قارئین کرام! ایک حدیث پاک ہے عن ابی ہریرۃؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: الرجل علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل کہ آدمی کی دینداری کو دیکھنا ہو تو اسکے دوست واحباب کو دیکھا جائے۔ لہٰذا اس حدیث پاک کی روشنی میں ہمیں جناب مولانا مودودی مرحوم کے مزاج واحوال کا پتہ چل گیا اور خاص طور پر یہ بات سمجھ میں آگئی کہ آپ کی تحریرات میں شیعوں کا عنصر بھی غالب طور پر کیوں پایا جاتا ہے؟ اور کئی عقائد (تحریف قرآن، بغض صحابہ، سلف صالحین کو گمراہ قرار دینا، متعہ، تقیہ) میں شیعوں سے کیوں متفق ہیں؟

مثلاً معوذتین کی تفسیر کرتے ہوئے تفہیم ۶ صفحہ ۵۵۲ میں اپنی علمی تحقیق کیلئے چھان بین کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اس سے شیعوں کے مسلک کی ترجمانی تو ہوتی ہے کہ العیاذ باللہ تحریف قرآن کی بات صحیح معلوم ہونے لگتی ہے اسی طرح آپ کی اس علمی تحقیق سے منکرین حدیث کو بھی فائدہ پہونچیگا مگر عامۃ الناس کو نہیں۔ کیونکہ آپ حدیث کے مقابلہ میں تاریخ وغیرہ کو ترجیح دیتے ہیں حالانکہ احادیث شریفہ نص قطعی کا درجہ رکھتی ہیں جبکہ تاریخ کو یہ درجہ کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

پھر جناب سید مودودی صاحب احادیث کو باہم متصادم بھی مانتے ہیں حالانکہ تاریخ میں جتنی کذب بیانی، دروغ گوئی، غلط بیانی، تعارض وتصادم اور زبردست وشدید اختلافات ہیں وہ بیان سے باہر ہیں اس کا عشر عشیر بھی احادیث میں باہم تصادم نہیں۔ اسکے باوجود مودودی صاحب احادیث کو متصادم مان کر تاریخ پر بہر حال اعتبار واعتماد کر رہے ہیں۔

اسپر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے کہ آپ حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہونے کے واقعہ کو تاریخی حیثیت سے صحیح اور ثابت مانتے ہیں مگر احادیث شریفہ اور روایات کی بنیاد پر نہیں مانتے۔ لیکن اس طویل بحث سے عوام کو کیا فائدہ پہونچا جس کو آپ نے تفہیم میں چھیڑ دیا۔ یہ بحث تو بہر حال عوام کی رسائی سے باہر کی چیز ہے۔

اس معوذتین کی بحث میں صفحہ ۵۵۵ پر آپ نے صاف طور پر لکھا ہے کہ العیاذ باللہ حضرات صحابہ کو خطا کار اور غلط بھی کہہ سکتے ہیں اور جو لوگ حضرات صحابہ کو ایسا نہیں کہتے ہیں اُن کے متعلق آپنے لکھا ہے کہ یہ اُن کی بے جا حرکت ہے۔ ثم العیاذ باللہ۔

قارئین بتلائیں کہ آپ میں اور شیعوں میں کیا فرق ہے؟ سوا اس کے کہ آپ ظالم اور شیعہ سخت ظالم ہیں جیسا کہ آپ نے آگے کی سطروں میں لکھا بھی ہے کہ "البتہ سخت ظالم ہوگا وہ شخص جو غلط کو غلط کہنے سے آگے بڑھ کر ان پر زبانِ طعن دراز کرے"۔

یہاں مودودی صاحب نے صراحت نہیں کی کہ کن مفسرین و محدثین نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی رائے کو غلط کہا ہے میں بھی یہاں یہ نہیں کہتا کہ مودودی صاحب ایک صحابی کو غلط بتلا کر سخت کافر یا یہودی یا نصرانی ہو گئے البتہ شیعوں کی صف میں ضرور کھڑے نظر آرہے ہیں۔

اس مضمون میں کچھ ہی سطروں کے بعد قدیم وجدید زمانہ کے بہت سے عقلیت پسندوں کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے اپنے اصول ومعمول کے مطابق احادیث شریفہ سے آپ نے بے اعتمادی بھی کی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ "احادیث قرآن پاک سے متصادم ہیں" از قبیل "سر دلبراں وحدیث دگراں" مودودی مرحوم نے اس انداز سے یہ تحریر لکھنے کی کوشش کی ہے کہ اُن کی اصلی تصویر پہچانی نہ جاسکے کہ وہ خود بھی عقلیت پسندوں میں داخل ہیں یا نہیں! اسکے بعد احادیث کی تحقیق کیلئے آپ نے ضروری مشورہ دیا ہے کہ مستند تاریخی روایات سے اسکو دیکھا جائے اور اسپر تین سوالات قائم کرنے کے بعد آپ نے پھر دوبارہ مشورہ دیا ہے

کہ جو کچھ تاریخ سے ثابت ہے اس پر وہ اعتراضات جو حدیث پر کیے گئے ہیں وارد بھی ہوتے ہیں یا نہیں؟ پھر قرونِ اولیٰ کے مسلمان علماء کی راستبازی کے عنوان سے آپ نے حدیثِ پاک کے مقابلہ میں تاریخ کی حقیقت و اہمیت بٹھانے کی کوشش کی ہے کہ "نہایت مستند اور کثیر تاریخی ذرائع سے اگر کوئی بات ثابت ہو تو اس تاریخ کو تاریخ کی حیثیت سے مان لینا چاہیے۔" اور یہ بھی مشورہ دیا ہے کہ تاریخ کے مان لینے سے "اس بات کی پروا نہیں کرنی چاہیے کہ شریعت ساری کی ساری مشتبہ ہو جاتی ہے اور فلاں فلاں قباحتیں لازم ہوتی ہیں۔"

پھر آپ نے محدثین کبار کے نام کی صراحتوں کے ساتھ ان کی مختلف اور کثیر التعداد سندوں سے نقل شدہ مضمونِ حدیث جو تواتر کی حد کو پہونچا ہوا ہے اس کے متعلق جرح و قدح کیا ہے کہ اگرچہ ایک ایک روایت بجائے خود خبرِ واحد ہے پھر ان کو مجموعی طور پر تمام روایات سے مرتب کر کے ایک مربوط واقعہ کی صورت میں اپنی تفہیم میں درج کر کے اپنی علمی تحقیق کیلئے چھان بین کرنے کا ثبوت پیش کیا ہے۔

اب ہم نمبروار عبارات تفہیم کو ابھارنے کیلئے علی الترتیب نقل کرتے ہیں تاکہ ہمارے دعوے کو ثبوت مل جائے۔

۱۔ "اس مقام پر اگر آدمی کچھ غور کرے تو اس کی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح آسکتی ہے کہ صحابۂ کرام کو بے خطا سمجھنا اور ان کی کسی بات کے لیے غلط کا لفظ سنتے ہی توہینِ صحابہ کا شور مچا دینا کس قدر بے جا حرکت ہے۔"

۲۔ "یہاں آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود جیسے جلیل القدر صحابی سے قرآن کی دو سورتوں کے بارے میں کتنی بڑی چوک ہو گئی۔"

۳۔ "ایسی چوک اگر اتنے عظیم مرتبے کے صحابی سے ہو سکتی ہے تو دوسرے سے بھی کوئی چوک ہو جانی ممکن ہے۔"

۴۔ "ہم علمی تحقیق کے لیے اس کی چھان بین بھی کر سکتے ہیں اور کسی صحابی کو کوئی بات یا چند باتیں غلط ہوں تو انھیں غلط بھی کہہ سکتے ہیں۔"

۵۔ "البتہ سخت ظالم ہوگا وہ شخص جو غلط کو غلط کہنے سے آگے بڑھ کر ان پر زبانِ طعن دراز کرے۔"

۶۔ "انہی معوذتین کے بارے میں مفسرین و محدثین نے ابن مسعود کی رائے کو غلط کہا ہے۔"

۷۔ "مگر کسی نے بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں کی کہ قرآن کی دو سورتوں کا انکار کر کے معاذ اللہ وہ کافر ہو گئے تھے۔"

قارئین کرام! یہاں تک تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مودودی صاحب نے کردار کشی کی ہے اب ہم اس سے اگلی عبارات اسی طرح نمبروار علی الترتیب نقل کرتے ہیں جن سے احادیث شریفہ سے مودودی صاحب کی بے اعتمادی ثابت ہوگی۔ آپ غور سے ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ "دوسرا مسئلہ جو ان سورتوں کے معاملہ میں پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ روایات کی رو سے حضورؐ پر جادو کیا گیا تھا۔"

۲۔ "اس پر قدیم و جدید زمانے کے بہت سے عقلیت پسندوں نے اعتراض کیا ہے کہ یہ روایات مان لی جائیں تو شریعت ساری کی ساری مشتبہ ہو جاتی ہے۔"

۳۔ "کیونکہ اگر نبی پر جادو کا اثر ہو سکتا تھا اور ان روایات کی رو سے ہو گیا تھا تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ مخالفین نے جادو کے زور پر نبی سے کیا کیا کہلوایا اور کروا لیا ہو۔ الخ"

۴۔ "ان (عقلیت پسندوں) کا استدلال یہ بھی ہے کہ احادیث قرآن مجید سے متصادم ہیں (خود مودودی صاحب بھی ان عقلیت پسندوں میں ہیں؟ اگر نہیں ہیں تو کیوں ان کی وکالت کر رہے ہیں؟)"

۵۔ "مگر یہ احادیث کفار کے الزام کی تصدیق کرتی ہیں کہ واقعی نبی پر سحر کا اثر ہوا تھا۔"

قارئین کرام ! اب احادیث شریفہ کی تحقیق کے لیے جناب سید مودودی صاحب نے اپنی رائے دی ہے اور تین سوالات کیے ہیں کہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ کیا درحقیقت مستند تاریخی روایات کی رُو سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کا اثر تھا؟ اگر ہوا تھا تو وہ کیا تھا اور ۲ کس حد تک تھا ؟ اس کے بعد یہ دیکھا جائے کہ جو کچھ تاریخ سے ثابت ہے اس پر وہ اعتراضات بھی وارد ہوتے ہیں یا نہیں جو (احادیث پر) کیے گئے ہیں۔

قرونِ اولیٰ کے مسلمان علماء کی انتہائی راستبازی کے عنوان سے احادیث شریفہ کے مقابلہ میں تاریخ کی اہمیت

۱۔ "انہوں نے اپنے خیالات اور اپنے مزعومات کے مطابق تاریخ کو مسخ کرنے یا حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔"

۲۔ "بلکہ جو کچھ تاریخی طور پر ثابت تھا اُسے جُوں کا توں بعد کی نسلوں تک پہونچا دیا۔"

۳۔ "اور اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کی کہ اِن حقائق سے اگر کوئی اُلٹے (مودودی صاحب کی طرح) نتائج نکالنے پر اتر آئے تو ان کا فراہم کردہ یہ مواد کس طرح اس کے کام آسکتا ہے۔"

(قارئین کرام ! جناب مودودی صاحب نے یہاں پر قرونِ اولیٰ کے مسلمان علماء کی راستبازی اور ان کا بھولاپن بھی بیان کردیا مگر موجودہ علماء کرام کے متعلق کچھ نہیں بیان کیا۔ غالباً اسلیے کہ موجودہ حضرات علماء کرام میں آپ کے خیال وزعم کے مطابق یہ راستبازی نہ ہوگی)

۴۔ "اب اگر ایک بات نہایت مستند اور کثیر تاریخی ذرائع سے ثابت ہو تو کسی دیانتدار صاحبِ علم کے لیے (مودودی صاحب کی طرح) نہ تو یہ درست ہے کہ اس بنا پر تاریخ کا انکار کردے کہ اس کو مان لینے سے اس کے نزدیک فلاں فلاں قباحتیں رونما

ہوتی ہیں۔" (یعنی ساری کی ساری شریعت ہی مشتبہ ہوجاتی ہے وغیرہ)

۵۔ "اور نہ یہی درست ہے کہ جتنی بات تاریخ سے ثابت ہے اسکو قیاسات کے گھوڑے دوڑا کر (مودودی صاحب کی طرح) اس کی اصلی حد سے پھیلانے اور بڑھانے کی کوشش کرے۔"

۶۔ "اس کے بجائے اس کا (مودودی صاحب کا) کام یہ ہے کہ تاریخ کو تاریخ کی حیثیت سے مان لے اور پھر دیکھے کہ اس سے فی الواقع کیا ثابت ہوتا ہے اور کیا نہیں ہوتا۔"
(یعنی تاریخ کو مان لے چاہے ساری شریعت مشتبہ ہوجاتی ہو۔ العیاذ باللہ)

قارئین کرام دھوکہ اور غلط فہمی کا شکار نہ ہوں کہ مودودی صاحب احادیث وروایات کو نقل کرتے ہیں

۱۔ "جہاں تک تاریخی حیثیت کا تعلق ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہونے کا واقعہ قطعی طور پر ثابت ہے اور علمی تنقید سے اسکو اگر غلط ثابت کیا جاسکتا ہو تو پھر دنیا کا کوئی تاریخی واقعہ بھی صحیح ثابت نہیں کیا جاسکتا۔"

۲۔ "اسے حضرت عائشہؓ، حضرت زید بن ارقمؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، امام احمد، عبدالرزاق، حمیدی، بیہقی، طبرانی، ابن سعد، ابن مردویہ، ابن ابی شیبہ، حاکم، عبد بن حمید وغیرہ محدثین نے اتنی مختلف اور کثیر التعداد سندوں سے نقل کیا ہے کہ اس کا مضمون تواتر کی حد کو پہونچا ہوا ہے۔"

۳۔ "اگرچہ ایک ایک روایت بجائے خود خبرِ واحد ہے۔"

۴۔ "اس کی تفصیلات جو روایات میں آئی ہیں انھیں ہم مجموعی طور پر تمام روایات سے مرتب کر کے ایک مربوط واقعہ کی صورت میں یہاں درج کرتے ہیں۔"

قارئین کرام! مودودیین کے متعلق احادیث اور روایات کو قرآن سے متصادم بتلا کر ان سے بے اعتمادی کرنے کے بعد واضح رہے کہ اب تاریخی حیثیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کے اثر کو مودودی صاحب مانتے ہیں اور نہیں مانتے ہیں تو احادیث شریفہ اور محدثین کے بیان کردہ اسناد کی بنیاد پر نہیں مانتے۔

یہاں پر جو وہ محدثین کی سندوں سے نقل شدہ روایات پر اعتماد اسلیے ہے کہ تاریخی حیثیت سے اِن کا ثبوت ہو رہا ہے اور اگر مودودی صاحب کے نزدیک تاریخی حیثیت سے انکا ثبوت نہ ہوتا تو ان کثیر التعداد سندوں والی روایت پر بھی آپ کو کبھی بھی اعتماد نہ ہوتا۔

اب ہمارے قارئین دھوکہ میں نہ پڑ جائیں اور کسی بھی غلط فہمی کے شکار نہ ہو جائیں کہ آپ نے احادیث و روایات درج کی ہیں اگر آپ کو ان پر اعتماد نہیں تھا تو مجموعی طور پر تمام روایات یہاں کیوں درج کردیں؟

اصل بات یہ ہے کہ آپ نے اُن ہی روایات کو درج کیا ہے۔ جن کا آپ کے ذہنی پیداوار کے مطابق تاریخ سے ثبوت ہے۔ ایسی روایات پر بظاہر آپ اعتماد کا مظاہرہ کرتے ہیں اور آپ کو جن روایات کا ثبوت تاریخ سے نہیں ملتا آپ ان احادیث شریفہ پر اعتماد نہیں کرتے تو اصل آپ کے نزدیک تاریخ ہوئی نہ کہ احادیث شریفہ۔ اسی لیے اصولی طور پر یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے کہ آپ جہاں بھی احادیث بیان کرتے ہیں اُن سے صرف اپنی ذہنی پیداوار کی تائید کیلئے استدلال کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اور یہ طریقہ آپ اسلیے اختیار کرتے ہیں کہ کوئی ظاہر بین ناواقف انسان آپ کے متعلق احادیث پاک سے عدم اعتماد کا شبہ بھی نہ کر سکے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ احادیث شریفہ و روایات کے درج کرنے کی بنیاد کیا ہے؟ کس پس منظر میں آپ احادیث پاک کو ذکر کرتے ہیں؟ کیا تمام امت مسلمہ کی طرح واقعۃً آپ کو بھی محدثین کی سندوں پر اعتماد ہے؟ اسے خوب اچھی طرح سے سمجھ لینا چاہیے کہ احادیث شریفہ کو دو وجہ سے آپ درج کرتے ہیں

۱: یا تو ان احادیث کی تائید آپ کے نزدیک تاریخی اعتبار سے ہوتی ہو گی ۲: یا مودودی صاحبؒ کو اپنے قائم کردہ کسی بھی خیال و رائے کے مطابق وہ احادیث شریفہ مل ہوں گی۔ تب جاکے احادیث پاک آپ نقل کرتے ہیں۔ لہٰذا ان دونوں صورتوں میں اصل احادیث پاک نہیں ٹھہریں بلکہ تاریخ اور آپ کی مخصوص ذہنیت اصل بنیاد قرار پائیں — اور اگر ان دونوں باتوں کے علاوہ کہیں بھی آپ نے احادیث پاک پر اور محدثین کے بیان کردہ اسناد پر اعتماد کیا ہو تو ان کی نشاندہی کی جائے، انشاء اللہ گرانقدر انعام کے مستحق ہوں گے۔

اب ظاہر ہے کہ یہ آپ کی تحریر عوام کے ذہن و دماغ کو کیا خاک اپیل کرے گی؟ عوام کو اس سے فائدہ پہونچنے کا تصور ایسا ہی بے سود و ناممکن ہے جیسے ہنڈی میں سے خون نکالنے کی کوشش کرنا بے سود اور ناممکن ہے۔ ہاں آپ کی ان تحریرات سے شیعوں کو اور منکرین حدیث کو فائدہ پہونچیگا جس کا ہم نے پہلے بھی انکار نہیں کیا ہے۔

کیا مولانا مودودی کے دینی و علمی مخالفین کا حشر و انجام بھی عبرتناک ہوگا؟

(اشارے ہی اشارے میں دھمکی)

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ جن جن لوگوں نے مولانا کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا ان میں سے بیشتر تو اللہ کے عذاب سے اس دنیا ہی میں نہ بچ سکے اور کچھ ایسے بھی تھے جنکو بعد میں مولانا کی تائید و حمایت کا سہارا لینا پڑا اور ادھر سے ایک لمحے کا توقف بھی نہ ہوا، وہی گرمجوشی وہی سینے کی کشادگی اور وہی خوش مزاجی جو اپنے رفیقوں کے لیے عام تھی اُن کے لیے بھی فراواں، جو ایک عہد میں ظالم تھے اور دوسرے عہد میں مظلوم بن گئے تھے۔

مولانا کی پہلی گرفتاری ۱۹۴۸ء میں ہوئی اس وقت پنجاب میں دولتانہ اور ممدوٹ چھائے ہوئے تھے بعد میں یہ دونوں سیاستداں مولانا کا تعاون حاصل کرنے پر مجبور ہوئے۔ گورنر

جنرل ملک غلام محمد نے اسلام کو رسوا کرنا چاہا اور ان لوگوں کو زک پہونچانے کے مکر و فریب سے کام لیا جو پاکستان میں اسلامی نظام قائم کرنا چاہتے تھے، قدرت نے اسے عبرت ناک انجام سے دوچار کیا۔ سکندر مرزا نے مذہب کے خلاف زبردست مہم شروع کر دی تھی اس نے مولانا مودودی پر بھی بے سروپا الزام لگائے تھے، اسکو بھی ذلت آمیز طریقے سے اقتدار کو خیرباد کہنا پڑا۔ ایوب خاں کے عہد میں نواب کالاباغ نے جماعت اسلامی پر غنڈوں سے حملہ کروایا اور ان کی درپردہ مدد کی، وہ بھی کیفر کردار کو پہونچا۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے پلٹن میدان میں جماعتِ اسلامی کے ساتھ ظالمانہ اور بہیمانہ سلوک روا رکھا اللہ تعالیٰ نے اُسے بڑی ہی عبرتناک سزا دی۔ مسٹر بھٹو اسلام کے دشمن اور مولانا مودودی کے سخت مخالف تھے انہوں نے ہر موقعہ پر خونخوار وار کیا اور تہذیب و شائستگی کے وہ سارے ہی بند توڑ ڈالے، اُن کا حشر بھی وہی ہوا جو اللہ کے دین کے ساتھ کھلا اور سنگین مذاق کرنے والوں کا ہوتا ہے —"

(الحسنات اسلامی اردو ڈائجسٹ۔ رام پور ستمبر ۱۹۸۰ء ص ۱۰۱)

چھ سات آدمیوں کی نام کی صراحت کے ساتھ اُن کے واقعات تبلا کر یادگار مودودی نمبر کے اس ص ۱۰۱ میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جناب مولانا مودودی کے سیاسی مخالفین کا کس قدر خطرناک انجام ہوا مگر ایک نام بھی اس میں ایسا نہیں پیش کیا گیا اور نہ ہی انشاء اللہ پیش کیا جا سکتا ہے کہ آپ پر دینی و علمی لحاظ سے تنقید کرنے والے مخالفین کا انجام بھی بُرا ہوا ہو۔ حالانکہ آپ کے دینی مخالفین کی فہرست طویل ہو تا سب کو معلوم ہے۔ میرے خیال میں فاضل مضمون نگار نے اشارۃً ہی اشارہ میں دھمکی دینے کی کوشش کی ہے کہ خبردار! آپ کے دینی و علمی مخالفین کا بھی حشر و انجام اسی طرح انتہائی خطرناک ہوگا۔ اگر واقعۃً ایسا ہی ہے تو ان شخصیات اور سیاسی مخالفین کا جو حشر ہوا اسی طرح دینی مخالفین کے عبرت ناک انجام سے باخبر کر دیجیے" تاکہ اسکو پڑھ کر یا سنکر آئندہ کبھی بھی کسی فرد یا جماعت کو آپ کی ہر طرح کی کوتاہیوں، علمی غلطیوں اور کمزوریوں پر تنقید کرنے کی جرأت و جسارت نہ کرنی پڑے۔

تفسیر محمود و تفسیر مذموم کا معیار کیا ہے

مناہل العرفان ص ۵۰۲ میں علامہ زرقانی فرماتے ہیں:

"تفسیر الصحابۃ والتابعین وتفسیر الذین اعتمدوا علی اقوال الصحابۃ والتابعین بالاسانید الصحیحۃ وتفسیر اھل الرای الموافق الذین جمعوا بین الماثور الصحیح معحذف اسانیدہ وبین آرائھم العلمیہ والمعتدلہ کل ھٰذہ الثلاثۃ من التفسیر المحمود وتفسیر اھل الاھواء والبدع وحکمہ انہ مذموم فما وافق وجہ الصواب وکان بمنائ عن البدع والاھواء فھو محمود وما تورط منھا فی الخطاء وتخبط فی الھواء والبدعۃ فھو مذموم۔ وھو الفیصل الذی یجب ان نحکمہ ونزن کل تفسیر بہ فما دخل فی ھٰذا المیزان قبلناہ وحمدناہ وما طاش رفضناہ وذممناہ"

ترجمانی و مفہوم:

۱ صحابہ و تابعین کی تفسیر ۲ اسی طرح سند صحیح کے ساتھ جن لوگوں نے اقوال صحابہ و تابعین پر اعتماد کیا ہے ۳ نیز ان اہل الرائے کی تفسیر جنھوں نے حدیثِ صحیح کو حذفِ سند کے ساتھ جمع کرنے کے بعد پورے اعتدال سے اپنی علمی رائے کا اظہار کیا ہو، یعنی کسی بھی دوسرے مفسر کی تنقیص نہ کی ہو تو یہ تینوں قسم کی تفسیر تفسیر محمود ہے اور جس تفسیر میں خواہشات نفسانی اور بدعات بھری ہوں نیز اپنے ذاتی قیاسات سے مخبوط الحواس ہو کر تفسیر کی گئی ہو تو اس قسم کی تفسیر تفسیر مذموم ہوگی۔ یہی وہ قول فیصل ہے جس کے ذریعے ہم دونوں تفسیروں کے درمیان محاکمہ کریں گے اور اسی قول فیصل سے ہر تفسیر کا موازنہ کریں گے۔ جس مفسر کی تفسیر اس میزان

پر پوری پوری اُترے گی ہم اس تفسیر کو قبول کریں گے اس تفسیر کی تعریف کریں گے اور جس کی تفسیر اس قولِ فیصل کے خلاف ہوگی ہم اس تفسیر کی مذمت کریں گے ایسی تفسیر کی بہرحال تردید کی جائیگی۔"

تفہیم القرآن کا شرعی حکم

قارئین کرام کی خدمت میں فتاوی محمودیہ اور فتاوی نظامیہ سے مضمون نقل کرتا ہے کہ تفہیم کا حکم کیا ہے؟ وہ کس قسم میں ہے؟ اور کیا تفہیم القرآن کو تفسیر القرآن کہنا جائز ہے یا نہیں؟

("مودودی صاحب کی تفسیر صحیح ہے یا نہیں ؟

الجواب:

مودودی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن میں بہت سی چیزیں جمہور اہل سنت وجماعت کے مسلک کے خلاف ہیں۔ عامۃ المسلمین کو اس کا پڑھنا یا سننا اعتقادی اور عملی گمراہی وغلطی کا موجب بن سکتا ہے اس لیے اس سے پرہیز لازم ہے ہاں جو حضرات اہل علم ہیں کتاب وسنت کا علم باقاعدہ معتمد اساتذہ سے حاصل کر کے اس پر استحکام رکھتے ہیں اور صحیح وغلط میں تمیز کرنے کا ان کو ملکۂ راسخہ حاصل ہے ان کے لیے مضر نہیں۔

۔اور تفہیم القرآن میں حضرت یونس علیہ السلام پر بھی سخت تخریبی تنقید کی ہے۔ مودودی صاحب تخریبی تنقید کے زور میں وہ چیزیں بھی اپنا لیتے ہیں جن کو اہل باطل نے اختیار کیا ہے۔

۔کبھی ان کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خوارج کی محفل میں ہیں اور ان کی تائید کر رہے ہیں اور جو آیات کفار کے حق میں نازل ہوئی تھیں ان کو مسلمانوں پر اور ان کے مقتداؤں پر چسپاں کر رہے ہیں۔ کبھی خیال آتا ہے کہ روافض کی مجلس میں ہیں اور خلفاء راشدینؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کی ذواتِ مقدسہ میں

کیڑے ڈال رہے ہیں، کہیں تصور ہوتا ہے کہ مرزائیوں کے دربار میں ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی کو عقیدۂ تثلیث سے مربوط کر رہے ہیں کہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ معتزلہ کی ہنگامہ آرائیوں میں گنہ گار مسلمانوں کو ایمان سے خالی ہونے کا نوٹس دے رہے ہیں اور جہاں جس مقصد کے لیے مناسب سمجھتے ہیں اپنی فہم کے مطابق کسی آیت یا حدیث یا کسی قول کا بھی سہارا لے لیتے ہیں تاکہ دیکھنے والا سمجھے کہ ان کو تو حدیث سے بھی تعلق ہے اور کسی قول سے بھی استدلال کر لیتے ہیں۔ خدائے پاک ان کو ہدایت دے اور ان کی گمراہیوں کو ان پر واضح فرما کر توبہ کرنے اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دے اور جتنی گمراہی ان کے ذریعہ سے پھیلی ہے اس کی اصلاح کی بھی توفیق دے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہٗ

حضرت استاذی مفتی نظام الدین صاحب زید مجدہٗ اپنے فتاوی نظامیہ اندلویہ ج۱ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

تفہیم القرآن کو تفسیر القرآن کہنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حضرت مولانا ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کی کتاب تفہیم القرآن لوگوں کو عام طور سے مساجد میں سنائی جاتی ہے یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس میں بہت سی غلط اور گمراہ کن باتیں ہیں ان سے خود بھی بچنا اور لوگوں کو بچانا بھی واجب وضروری ہے جو شق جواز یا عدم جواز کی بیان کی جائے مدلل ومفصل بیان کی جائے۔

المستفتی مولوی عاشق الٰہی۔ گورکھپوری ۱۵/۱/۱۴۱۶ھ

الجواب: تقاضا تو یہ تھا کہ تفسیر میں احادیث کو مقدم کرتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ انجیل

کے بعض اجزاء مثلاً یوقا، یوحنا، متیٰ وغیرہ کے بیانات کو زیادہ معتبر قرار دے کر ان کو ترجیح دیتے ہوئے اور ان پر اعتماد کرتے ہوئے تفسیر کا جزو بنا ڈالا۔ جس کا جی چاہے تفہیم القرآن ج ۱ ص ۲۴۶ سے ص ۲۵۲ تک میں دیکھ لے، حالانکہ ان چیزوں کی تحریف کا تسلیم کرنا بار بار ہو چکا ہے اور مسلم ہے اور ان ہی کی باتوں کا اعتبار کر کے تفسیر بالرائے کر ڈالی ہے اور تفسیر بالرائے پر جو وعید ہے اس کے الفاظ بعینہ یہ ہیں من قال فی القراٰن برأیہ فلیتبوأ مقعدہ من النار (مشکوٰۃ ص ۳۵ کتاب العلم) اس کی بھی پروا نہیں کی۔ لہٰذا اس کتاب تفہیم القرآن کے سننے سنانے سے خود بھی بچنا واجب ہے اور آئندہ نسل کو بھی بچانا واجب ہے۔ اسلئے ایسی تصنیف یا کتاب کو تفسیر قرآن کیسے کہا جا سکتا ہے کیونکہ تفسیر کے معنی ہیں ابانۃ مراد الباری تعالیٰ کما نص علیہ القراٰن صراحۃً مثلاً اذا قرأناہ فاتبع قراٰنہ ثم ان علینا بیانہ اس کا کھلا ہوا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب ہم قرآن آپ پر پڑھیں تو آپ پوری توجہ سے سننے میں لگ جائیے اس کے یاد کرنے اور سمجھنے کی طرف توجہ نہ فرمائیے، سن لینے کے بعد اس کی تمام باتوں کا بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے جیسا کہ پورے قرآن میں بھی ہم نے خود بھی بیان کیا ہے اور اس کے حقائق و دقائق کو اور اپنی مرادوں کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بھی بیان کرایا ہے اور اسی طرح آپ کے بعد آپکے متبعین صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جو آپ کی طرف منسوب کرتے ہوئے منقول ہے بیان کرایا ہے۔ انجیل وغیرہ کے مذکورہ اقتباسات قطعاً اس کے خلاف ہیں۔ لہٰذا اس کتاب یا تصنیف کو تفسیر قرآن کہنا قطعاً غلط ہے بلکہ اس کے اندر جو مندرجات ہیں ان سے صحابہ کرام کی توہین و تذلیل اور انبیاء علیہم السلام کی توہین و تنقیص لازم آتی ہے، لہٰذا اس کتاب "تفہیم القرآن" کو تفسیر قرآن کہنا قطعاً ناجائز و غلط ہے بلکہ اس سے صحابہ کرام اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بدعقیدگی و بے اعتمادی کا دروازہ کھلنا یقینی ہے تو ہمارے دین و ایمان کے لیے زہر ہلاہل ہے اس لیے اس کتاب یا تصنیف کو مساجد میں

سننا سنانا قطعاً ناجائز و حرام ہو گا۔ ہاں جو شخص ان تمام خرافات و گمراہیوں کے رد کرنے پر پورا حاوی ہو وہ رد کرنے کیلئے اور رد کرتا ہوا اہل سنت و جماعت کے عقیدے کے مطابق بیان کرے تو اس کی گنجائش ہو سکتی ہے ورنہ اس تصنیف و کتاب (تفہیم القرآن) کو چھوڑ کر اکابر امت کی جو تراجم و تفسیر اہل سنت و جماعت کے عقیدے کے مطابق ہوں صرف ان کو بیان کیا جائے اور سنایا جائے کہ اس سے دین حنیف کی اور مسلمانوں کے ایمان و عقائد کی حفاظت رہے گی اور لوگ گمراہیوں میں مبتلا ہونے سے بچ سکیں گے۔ علامہ موصوف تو اللہ کو پیارے ہو گئے ہم انکو کافر نہیں مانتے اور نہ کافر کہتے ہیں بلکہ اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ اچھا معاملہ فرمائیں اور موصوف کی ان غلطیوں سے درگذر فرمائیں اور ان کی غلطیوں میں مبتلا ہونے سے موجودہ نسل کو اور آئندہ نسل کو سب کو محفوظ رکھیں، آمین ثم آمین۔ اور اسی مناسبت سے اس مضمون کا عنوان "تنبیہ الاقران علی الاغلاط التی فی تفہیم القرآن" رکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے اور جس طرح ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ ہم ان کو مسلمان کہتے ہیں اسی طرح اب بھی مسلمان کہتے اور سمجھتے ہیں۔ ظن غالب ہے کہ وہ ان خرافات و غلطیوں کے ازالے میں رجوع نامہ یا توبہ نامہ شائع فرما چکے ہوں گے۔

(فتاویٰ نظامیہ اندوبیہ ج ۱ ص ۵۲۰، ۵۲۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

العبد نظام الدین الاعظمی غفرلہ

مفتی دار العلوم دیوبند ۴/۱/۱۴۱۶ھ

راقم الحروف کا فیصلہ تفہیم میں جہاں جہاں صحابہ و تابعین کے اقوال پر اعتماد کی بنیاد پر تفسیر ہے یا جہاں جہاں بعینہ اقوال صحابہ و تابعین و اقوال فقہاء و محدثین اور اقوال مفسرین سے تفسیر کی گئی ہے وہ قابل قبول ہو گی اور جہاں بغیر کسی تنقیص و دل آزاری و تضحیک کے جناب سید مودودی صاحب نے صرف اپنی انفرادی شان کیلئے محض اپنے قیاس سے ایک رائے کا اظہار کیا ہے تو دیکھا جائے گا کہ آپ کی یہ منفرد رائے جمہور مفسرین کی تفسیر متعارف کے خلاف تو نہیں ہے؟

اگر تفسیر متعارف کے خلاف ہے تو مردود، ورنہ مقبول ہوگی۔ خاص طور سے جن جن مقامات پر اسرائیلیات اور تلمود و بائبل وغیرہ کے بیانات ہیں یا حضرات انبیاء کرام اور حضرات صحابہ کرامؓ کی کردار کشی کی گئی ہے یا فقہاء و محدثین پر تنقید و تعریض کی گئی ہے۔ یا صرف آپ کے تفردات کی ایک طویل فہرست ہے، ایسے تمام مقامات لازمی طور سے اصولاً ناقابلِ قبول ہوں گے۔ بفضلہ تعالیٰ یہ تمام چیزیں ہم نے الگ الگ کتابی شکل میں تیار کرلی ہیں اور عنقریب ہی منظرِ عام پر لانے کا ارادہ ہے۔

تفہیم القرآن کے علمی تعاقب میں آنے والی ۱۱ کتابوں کے نام

(۱) تفہیم القرآن میں جناب مولانا مودودی صاحبؒ کے تفردات و جمہور سے اختلافات
(۲) تفہیم القرآن میں جناب مولانا مودودی صاحبؒ کے من مانی قیاسات
(۳) تفہیم القرآن میں جناب مولانا مودودی صاحبؒ کی تلبیسات
(۴) تفہیم القرآن میں جناب مولانا مودودی صاحبؒ کی تعریضات و تنقیدات
(۵) تفہیم القرآن میں جناب مولانا مودودی صاحبؒ کا انکارِ خوارق و معجزات
(۶) تفہیم القرآن میں جناب مولانا مودودی صاحبؒ کا انکارِ مسلمات
(۷) تفہیم القرآن میں جناب مولانا مودودی صاحبؒ کی مخصوص اصطلاحات و تعبیرات
(۸) تفہیم القرآن میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی کردار کشی
(۹) تفہیم القرآن میں حضرات صحابہ کرامؓ کی کردار کشی
(۱۰) تفہیم القرآن میں مولانا مودودی کے منفرد فقہی نظریات
(۱۱) تفہیم القرآن میں شیعوں کا رنگ

آج کل کی تفسیروں کو بھی میزانِ عدل پر تولنا ضروری ہے

علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں کہ آج عام لوگوں سے جہاں بے شمار کوتاہیاں سرزد ہو رہی ہیں بے شمار سہو و لغزشوں سے ثباتِ قدم ہمارا ڈگمگا رہا ہے، دینیات کی بہت سی چیزوں کے بارے میں ہم طرح طرح سے غفلتوں کے شکار ہیں، چشم پوشی اور تسامح گویا ہماری فطرت و عادتِ ثانیہ بنتی چلی جا رہی ہے وہی تفسیروں کے معاملہ میں بھی ہم نے ہر ایک کو چھوٹ دے رکھی ہے، ہم نے میزانِ عدل و ضبط کو (انصاف کا ترازو) بالکلیہ جیسے خیرباد کہہ دیا ہے ہماری توجہات قطعی طور پر اس طرف سے ہٹی ہوئی ہیں کہ تفسیروں میں کون کیا کر رہا ہے؟ کیوں کر رہا ہے؟ کون سی چیزیں اس کے پس منظر و اسباب میں ہیں؟ تفسیروں کے بارے میں اتنی عام آزادی دیدیا کہ ہر کوئی تفسیر لکھے اور ہر ایک کی تفسیر امتِ مسلمہ میں قبولیت عام کی شکل اختیار کرنے لگے تو یہ انتہائی نازک ترین غور طلب بات ہوگی۔ اس لیے امتِ مسلمہ کے خواص پر یہ لازم ہے کہ تفسیروں کے معاملہ میں سلسلۂ رواۃ اور جرح و تعدیل کے مکمل ضابطہ کو استعمال میں لائیں کیونکہ معاملہ کی نزاکت و اہمیت میں قرآن پاک کا کلام الٰہی ہونا ہے کہ غیروں کے خرد برد سے جیسے اب تک محفوظ ہوتا چلا آیا ہے آئندہ بھی اس کی ایسے ہی اسبابِ حفاظت کی فکر رکھی جائے۔ اخیر میں علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں فاللوم علینا لا علیٰ اولٰئک الاعلام تصور ہم لوگوں کا ہے تفسیر لکھنے والوں کا نہیں اور ہم ملامت کے مستحق ہیں وہ حضرات نہیں۔ کہ ہم نے اسرائیلیات اور بائبل و انجیلِ محرفہ کو سامنے رکھ کر تفسیر کرنے والے نام نہاد مفسرین کی خبر کیوں نہیں لی؟

(ترجمہ از مناہل العرفان ص ۴۹۵)

اقسامِ تفسیر

علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں کہ تفسیر کی تین قسمیں:

تفسیر بالروایہ: جس کا دوسرا نام تفسیر ماثور بھی ہے۔

تفسیر عقل ودرایت : جس کو تفسیر بالرائی بھی کہتے ہیں۔

تفسیر بالاشارہ : جس کا ایک اور نام تفسیر اشاری ہے۔

مناہلِ العرفان کی عبارت یہ ہے:

وقسم بعضهم التفسير الى ثلاثة اقسام، تفسير بالروايه ويسمى التفسير المأثور، تفسير بالدراية ويسمى التفسير بالرائ، تفسير بالاشارة ويسمى التفسير الاشارى. (باب اقسام التفسير ص۴۹)

قارئین غور فرمائیں کہ تفہیم القرآن تفسیر کی کس قسم میں داخل ہے؟ تو اس کے مندرجات سے معلوم ہوتا ہے کہ تفہیم تفسیر الدرایہ اور تفسیر بالرائی کے ذیل میں آتی ہے کیونکہ اس کے اکثر مقامات میں ہم نے مطالعہ کیا ہے کہ جناب مولانا مودودی صاحب کی اپنی ذاتی رائیں اور ذاتی خیالات و قیاسات ہیں جیسا کہ خود مقدمہ تفہیم ص۱ میں آپ نے اس کا اعتراف بھی کیا ہے کہ

" میں نے اس میں قرآن کے الفاظ کو اردو کا جامہ پہنانے کے بجائے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے اُسے حتی الامکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کر دوں۔"

کون سی تفسیر ناقابلِ قبول و ناقابلِ اعتماد ہوگی

علامہ زرقانی فرماتے ہیں: ومنها اشتماله على اسرائيليات وخرافات انسابت اليه تارة من زنادقة الفرس واخرى من بعض مسلمة اهل الكتاب اما بحسن نية واما بسوء نية . (مناهل العرفان ص۴۹)

جو تفسیر اسرائیلیات و خرافات پر مشتمل ہو، جس تفسیر کا سوادِ اعظم اسرائیلی

روایات و ناسخ ہوں جس تفسیر کی نسبت یہودیوں کی کتب محرفہ سے ہو جس تفسیر میں ملحدینِ فارس کے زنادقہ کی لوآرہی ہو، جس تفسیر کا ماخذ اہل کتاب ہوں، ایسی تمام تفسیریں خواہ اچھی نیت سے لکھی گئی ہوں یا بُری نیت سے وہ بہرحال ناقابلِ اعتبار ہیں۔

سوالات برائے تنبیہ

(۱) کیا تفہیم القرآن بائبل کے خرافات پر مشتمل نہیں ہے؟
(۲) تفہیم القرآن میں اسرائیلی روایات و تواریخ پر اعتماد کیا گیا ہے یا نہیں؟

۳۔ تفہیم القرآن کا ماخذ بائبل، تلمود، یوحنا، متی، مرقس، انجیل برناباس اور یسعیاہ و برمیاہ وغیرہ ہیں یا نہیں؟

۴۔ تفہیم القرآن میں الحاد اور اعتزال کا عنصر غالب ہے یا نہیں؟

قارئین کرام! ان سوالات کے جوابات خود جناب مولانا مودودی صاحب کے الفاظ میں زیر نظر کتاب کے اندر مکمل و مدلل حوالوں کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں گے اس کے بعد فیصلہ آپ کے ہاتھوں ہوگا کہ میں اس میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں، اس سے مجھے مطلع کیا جائے تاکہ میں اس خدمت کو زیادہ سے زیادہ مفید بنا سکوں۔ علماء کرام سے بھی میری گذارش ہے کہ مجھے میری غلطیوں سے آگاہ فرما کر عند اللہ ماجور و عندی مشکور ہوں۔

اس مسئلہ میں مولانا سید مودودی صاحب کو کون سا طریقہ اختیار کرنا چاہئے تھا؟

جناب مولانا سید مودودی مرحوم کو اپنی اس تفہیم میں احادیث پاک کی سند و متن پر خارجی و داخلی نقد کر کے احادیث پاک سے بے اعتمادی کے بجائے اصل کام یہ کرنا چاہیے کہ حضرات محدثین کے مقرر کردہ اصول و ضوابط کے مطابق قرآن پاک کی تفسیروں میں جو

اسرائیلیات ہیں یا جو موضوع اور ضعیف احادیث ہیں اردو تفسیروں کی اہم اہم کتابوں میں بھی ملتی ہیں آپ اُن میں کھرے کھوٹے کے درمیان تمیز کر کے دکھلاتے کہ یہی اصل کام اور اصل علاج ہے نہ یہ کہ تفہیم جیسی عوامی کتاب میں سند و متن پر بحث کی جائے جبکہ ہر شخص محدث بھی نہیں۔ علم اسماء الرجال اور فن جرح و تعدیل کے ضابطوں سے واقف بھی نہیں اور عام قاری کے پاس کوئی ایسی کسوٹی بھی نہیں جس پر اُن روایتوں کو پرکھ کر کھوٹے اور کھرے میں تمیز کر سکے اور نہ ان میں بغیر محنت کے اتنی صلاحیت ہو سکتی ہے۔ لیکن جیسا کہ پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ جناب مولانا مودودی مرحوم کی ان تحریرات کی وجہ سے مستشرقین کے اعتراض کو گنجائش و ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے کیونکہ وہ لوگ بھی روایتوں کی اصل صحت ہی کو داغدار بتلاتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

بجواہرات، لعل و یاقوت و زمرد اور خالص سونا چاندی میں اگر کھوٹے اجزاء شامل کر دیئے گئے ہوں تو ایک ماہر اور فنکار جوہری کا یہی کام ہو گا کہ اصل میں سے ملاوٹ کو باہر نکال کر پھینک دے۔

کاش! جناب مولانا سید مودودی مرحوم بھی اپنی اعلیٰ درجہ کی صلاحیت و بصیرت کے مطابق تفسیروں سے اس طرح کی تمام روایات کو ایک مستقل کتاب "تفہیم الحدیث" کی شکل میں علیحدہ کر کے تصنیف کرتے تو یہ ان کا بہت بڑا مثبت اور تعمیری کام قبولیت کا شرف حاصل کرتا اور قابلِ تعریف ہوتے لائق مبارکباد قرار دیئے جاتے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ آپ نے یہ خدمت انجام دینے کے بجائے کچھ ایسے طریقۂ استدلال کو اپنایا ہے جس سے ایک بے لاگ محقق کس طرح یہ نتیجہ اخذ نہ کرے کہ آپ کی تفہیم بھی شعوری یا لاشعوری طور پر یہودیوں کی زبردست سازش کا شکار ہو چکی ہے، کیونکہ شروع سے لیکر آج تک قرآن پاک کی سب سے زیادہ مخالفت یہودیوں ہی نے کی ہے۔ اس وجہ سے تمام امت مسلمہ نے اسلام کا اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن یہودیوں ہی کو سمجھا ہے قرآن پاک نے صاف

لفظوں میں فرمایا لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا (پ۷) اسی عداوت کی بنیاد پر مغضوب یہودیوں نے ہمیشہ ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اس بات کی کوشش کی ہے کہ کسی بھی طرح سے قرآنِ پاک کی حقانیت کو مجروح کر کے داغدار کر دیا جائے مگر وہ اب تک اس غیر معمولی کوشش میں نہ کامیاب ہوئے ہیں اور نہ ان شاء اللہ کبھی کامیاب ہو سکتے ہیں کیونکہ اللہ پاک کا وعدہ ہے کہ ہم اس قرآنِ پاک کی حفاظت کریں گے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ ہاں انھوں نے قرآن پاک کے متعلق کئی طرح کی محیر العقول سازشیں کی ہیں منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ قرآن پاک نے جن واقعات کو مختصر بیان کیا ہے ان کی تفصیلات میں جھوٹے قصے، مہمل افسانے اور لغویات و مزخرفات کے انبار کو قرآن کی تفصیلات میں بیان کر دیا جائے اور احادیث پاک کو بنیادی طور سے ناقابلِ قبول قرار دی جائیں، تاکہ ان کی واہیات باتیں قرآنی آیات کے ساتھ مخلوط رہیں۔

ان کی ایک سازش یہ بھی ہے کہ قرآن پاک ہو تو مسلمانوں کے ہاتھوں میں اور اس کا معنی و مطلب مسلمان یا تو اپنے فہم اور ذاتی قیاس سے بیان کریں یا بائبل کے بیان کردہ معنی کو ترجیح دیں۔ اس طرح سے قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کو مجروح کرنے کی سازش بظاہر ان کی کامیاب ہو جائے گی۔ اب ہم نے جب تفہیم کا مطالعہ شروع کیا تو احادیث پاک کو مجروح کرنے اور بائبل کی حقانیت کے سلسلہ میں تو اس کے اکثر مقامات میں مجھے یہودیوں کی یہ سازشیں کامیاب ہوتی نظر آئیں، مثال کے طور پر دیکھئے تفہیم ج۲ ص۹۵ ح۴۳ میں آپ صاف لکھتے ہیں کہ

"لیکن بائبل میں ژالہ باری کے طوفان ہی کا ذکر ہے اس لیے ہم اسی معنی کو ترجیح دیتے ہیں۔"

قارئین کرام! اس مثال کی مزید تفصیلات اسی کتاب میں ملاحظہ فرمائیں کہ آپ نے بھی قرآن کے اجمال کی تفصیلات کو بائبل سے بیان کیا ہے اور جگہ جگہ بائبل سے قرآن کی تشریحات کی ہیں۔

اس ازدرۂ ثبوت اور بنیاد پر اب میرے لیے کچھ بھی کہنا قطعی طور سے مشکل نہیں رہا کہ کسی نہ کسی طرح آپ یہودیوں کی زبردست سازش کی زد میں آ گئے ہیں اسی لیے بائبل کو مستند مانتے ہوئے ان ہی سے قرآن پاک کی یہ تشریحات و تفصیلات و عبارات آپ نے پیش کی ہیں اور تفہیم میں باقاعدہ ان کا اندراج کیا ہے۔ قرآنی نصوص کی تشریح و توضیح ان ہی بائبل کی روایتوں کی روشنی میں آپ نے کی ہے۔

قارئین کرام! اس پر بھی غور فرمائیں کہ تفہیم میں بائبل کی ان روایات کو ذکر کرنے کا مقصد ان یہودی روایات کو بے نقاب کرنا نہیں ہے بلکہ ان سے قرآن کریم کی آیت کے سلسلہ میں کوئی استدلال و استشہاد آپ کو مقصود ہے۔ اگر استدلال و استشہاد نہ ہوتا تو ہم آپ کی اس تحریر کے متعلق کچھ نہ کچھ تاویل کرنے پر مجبور ہو جاتے لیکن آپ کی ان تحریرات سے ہمارے لیے تاویل کے تمام راستے بند ہو گئے ہیں، دور دور تک کوئی گنجائش نہیں معلوم ہوتی کہ کسی بھی طرح سے آپ کے اس طریقۂ استدلال کی تاویل کر کے صحیح اور درست قرار دیا جا سکے۔ کیونکہ آپ نے بائبل کی ان روایتوں کی علی الاطلاق تصدیق و تصحیح کی ہے ان کی تغلیط و تردید نہیں کی ہے۔ اگر آپ کے نزدیک بائبل کی یہ روایات جھوٹی اور مردود ہوتیں تو آپ ان کو تشریحات و تفصیلات قرآن میں پیش ہی کیوں کرتے؟ اب ہمیں دیکھنا ہے کہ جماعت اسلامی کے ارباب حل و عقد اور اہل قلم اس باب میں کیا کریں گے؟ یعنی وہ حضرات تفہیم کی ان عبارات کے متعلق امت مسلمہ کو کیسے مطمئن کریں گے کہ جمال قرآنی اور قرآن کی صحیح تفسیر کیلئے تفہیم میں جناب مولانا سید مودودی صاحب کا یہ طریقۂ استدلال کس طرح بجا اور درست ہے؟ جبکہ حضرت مولانا اسیر ادروی مدظلہٗ اپنی کتاب "تفسیروں میں اسرائیلی روایات" میں اس قسم کی تفسیروں کے دینی نقصان کے متعلق تحریر کرتے ہیں کہ تفسیر قرآن میں اگر ان روایتوں کو نہ ذکر کیا جائے تو شاید یہی مناسب ہوگا کیونکہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں اور نہ قرآن پاک کی تفسیر ان روایتوں کی محتاج ہے۔

آپ کی پوری تفصیلی عبارت یوں ہے:

"اسرائیلی روایتوں میں اگر کوئی ایسی روایت ہے جو اسلامی تعلیمات کی توثیق و تائید کرتی ہے یا روایت ایسی ہے جو صدق و کذب دونوں کا احتمال رکھتی ہے مگر نقل صحیح سے اس کا ٹکراؤ نہیں ہے اور نہ عقل سلیم کے منافی ہے تو اس طرح کی روایتوں کو بیان کرنے کی اجازت حضورؐ سے ثابت ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج۔ اگرچہ اس طرح کی روایتوں سے دین میں کوئی بڑا نقصان نہیں لیکن یہی نقصان کیا کم ہے کہ اس طرح کی روایتیں جمال قرآنی اور قرآن کی صحیح تفسیر کے لیے حجاب ہیں اگر ان روایتوں کو نہ ذکر کیا جائے تو شاید یہی مناسب ہوگا کیونکہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں اور نہ قرآن پاک کی تفسیر ان روایتوں کی محتاج ہے۔

اسی طرح تابعین سے بھی بہت سی اسرائیلی روایات مروی ہیں اگرچہ ان روایتوں کے بارے میں زیادہ گمان یہی ہے کہ انھوں نے یہ صحابۂ کرامؓ سے لی ہوں گی لیکن اس کے ساتھ یہ بھی احتمال ہے کہ انھوں نے خود کسی ایسے اہل کتاب سے لی ہوں جو مسلمان ہو گیا ہو۔ اس طرح کی اصلی روایتوں کا اصلی سرچشمہ تورات اور اس کی شروح ہیں "تالمود اور اس کے حاشیے" اور تعلیقات ہیں جو علماء یہود نے جعل سازی کر کے ان پر لکھ رکھے ہیں، انھیں سے اہل کتاب ان روایتوں کو بیان کرتے ہیں، صحابہ اور تابعین کی اس طرح کی بیشتر روایتیں انہیں کتابوں کی روایتیں ہیں جو کعب احبار، وہب ابن منبہ وغیرہ کے ذریعہ ہمارے یہاں آئی ہیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرامؓ کی ذات گرامی کی طرف ان کو منسوب کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ تابعین کی روایتوں کے بارے میں بھی یہی احتمال ہے کہ کسی ملحد نے فرضی طور پر اس روایت میں تابعی کا نام لے لیا ہو اور

درحقیقت وہ روایت تابعی کی نہ ہو۔ اس طرح کی روایتوں میں بالعموم راوی وضاع کذاب، متہم بالکذب، متہم بالوضع، یا معروف بالزندقہ، یا مجہول یا ضعیف ہیں یا کم از کم ایسے ضرور ہوں گے جن کے عقیدے صحیح نہ ہوں گے۔"

اسرائیلیات کی قسمیں

اسرائیلی روایتوں کی ایک قسم وہ ہے جسے ہم تسلیم کرتے ہیں کیونکہ وہ قرآن وحدیث کی تصدیق کرتی ہیں، چونکہ قرآن نے تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کی ہے اسلئے وہ روایتیں جو قرآنی حقیقتوں کے موافق ہیں وہ صحیح ہیں اور جو قرآن وسنت کے مخالف ہیں وہ یقیناً باطل، غلط اور جھوٹ ہیں۔ اس قسم کو ہم صحیح تسلیم کرتے ہیں مگر ہم قرآن کی تفسیر میں اس سے قطعاً بے نیاز ہیں لیکن اس کا ذکر کرنا جائز سمجھتے ہیں اور بطور شہادت اسکو پیش کرسکتے ہیں اور یہودیوں کے مقابلہ میں بطور حجت بیان کرسکتے ہیں۔ جیسے قرآن پاک میں موسیٰ ؑ کی زندگی کا ایک خاص واقعہ ذکر کیا گیا ہے لیکن جن کے ساتھ یہ واقعہ گذرا ہے ان کا نام قرآن میں مذکور نہیں، بنی اسرائیل کی روایت میں ان کا نام خضر بتایا گیا ہے، ہم اسے تسلیم کرسکتے ہیں کیونکہ حدیث صحیح سے اسکی تائید ہوتی ہے۔ یا توریت کی وہ روایتیں جن میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت ہے یا آپ کی رسالت کے بارے میں ہیں، یا مسئلہ توحید سے متعلق کوئی روایت ہو کیونکہ توحید تمام انبیاء کی متفقہ تعلیم رہی ہے اگرچہ یہودیوں نے اس میں تحریف کردی ہے لیکن ان کی کسی روایت سے اس پر روشنی پڑتی ہے تو ہم اس روایت کو بھی اسی قسم صحیح میں شمار کرسکتے ہیں۔ اسرائیلیات کی اسی قسم کی روایات کے متعلق حضورؐ کا ایک موقعہ پر ارشاد ہے بلّغوا عنّی ولو آیۃ وحدّثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج ومن کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار۔[1] حافظ ابن حجر نے اس سلسلہ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداً ان کی کتابیں پڑھنے اور ان کی روایتوں سے منع فرمایا تھا لیکن جب اسلام

[1] صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء باب ذکر عن بنی اسرائیل۔

کے احکام اور دینی مسائل وقواعد مستحکم ہوگئے اور اصول دین سے ہر شخص واقف ہوگیا، پھر آپ نے اجازت دے دی کیونکہ اب کسی فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ باقی نہیں رہا۔[1]

اسرائیلیات کی دوسری قسم ان روایتوں کی ہے جو صراحتہً جھوٹی اور معتقدات اسلامی کے سراسر خلاف ہیں جیسے عصمت انبیاء کو ہم رسالت کیلئے ضروری مانتے ہیں، ہمارا یہ غیر متزلزل ایمان ہے کہ ہر نبی معصوم ہوتا ہے، اب اگر کوئی روایت ایسی ہے جس سے ہمارے اس عقیدے پر زد پڑتی ہے، یا کسی نبی پر ایسا الزام عائد ہوتا ہے جو عقیدۂ عصمت کے منافی ہے تو وہ روایت قطعاً جھوٹی اور باطل ہے۔ جیسا کہ اسرائیلی روایتوں میں حضرت یوسف، حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام وغیرہم کے واقعات ذکر کیے گئے ہیں، یا موجودہ تورات میں حضرت اسماعیل کے بجائے حضرت اسحٰق کو ذبیح اللہ کہا گیا ہے، اس قسم کی روایتوں کو بیان کرنا جائز نہیں ہے، صرف اس شرط کے ساتھ اس کا ذکر ہوسکتا ہے کہ اسکو صرف تردید کیلئے ذکر کیا جائے، اس کے جھوٹ، باطل اور مردود ہونے کی صاف لفظوں میں صراحت کردی جائے کیونکہ اس طرح کی تمام روایتیں یہودیوں کی دسیسہ کاری، ترمیم وتحریف کی پیداوار ہیں۔ یہودیوں کی اس بد طینتی کو قرآن نے بھی ظاہر کردیا ہے یحرفون الکلم من بعد مواضعہ اس قسم کی روایتوں سے حضورؐ نے بڑی سختی سے منع فرمایا ہے۔

امام مالکؒ نے حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج کے متعلق کہا ہے کہ اس سے مراد امر حسن ہے لیکن جن کا جھوٹ ہونا معلوم ہے تو اس کی ممانعت ہے، ان کا بیان کرنا جائز نہیں ہے، یہ اجازت خاص ہے، عام اسرائیلی روایتوں کیلئے نہیں ہے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے یا معشر المسلمین کیف تسالون اھل الکتاب من شئی وکتابکم الذی انزل علی نبیہ احدث تقرؤنہ محضاً لم یشب وقد حدثکم اللہ ان اھل الکتاب بدلوا کتاب اللہ وغیروہ

[1] فتح الباری ج ۶ ص ۳۸۸

وکتبوا بایدیھم الکتاب وقالوا ھو من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا۔ الا ینھاکم ماجاءکم من العلم عن مسألتھم لا واللہ ما رأینا منھم احدا یسألکم عن الذی انزل علیکم[۱] (۱)

مسلمانو! تم اہل کتاب سے کیسے پوچھتے ہو جبکہ تمہارے پاس تمہارے نبی پر نازل کی ہوئی اللہ کی کتاب موجود ہے جس میں کسی طرح کی آمیزش نہیں ہے اور اللہ تم کو سابقہ آسمانی کتابوں کے بارے میں بتا چکا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ کی کتاب میں ترمیم و تحریف اور تغیر و تبدل کر دیا ہے، خود اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے تاکہ اس سے چند پیسے کما سکیں، تمہارے پاس جو علم ہے وہ تمہیں ان سے پوچھ تاچھ سے روکتا ہے، واللہ میں نے یہ نہیں دیکھا کہ وہ اہل کتاب بھی کبھی تم سے یہ پوچھتے ہوں کہ اللہ نے تمہارے نبی پر کیا نازل کیا ہے۔

اسرائیلیات کی تیسری قسم ان روایتوں کی ہے جو صدق و کذب دونوں کا احتمال رکھتی ہیں ایسی روایتوں کے بارے میں حکم ہے کہ نہ اس کی تصدیق کی جائے اور نہ تکذیب کی جائے، خاموشی بہتر ہے۔ ممکن ہے کہ ہم اسکو سچ کہیں اور اللہ کے نزدیک وہ جھوٹ ہو، یا اُسے جھوٹ کہیں اور خدا کے نزدیک وہ سچ ہو، اسلیے توقف کرنا چاہیے۔ اس طرح کی روایتوں کا ذکر کر دینا جائز ہے جیسا کہ حضورؐ کی طرف سے اس کی اجازت ہے لیکن نہ ان کی تصدیق کی جائے گی اور نہ تکذیب۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کا یہی مطلب ہے۔ ابو ہریرہؓ نے حضورؐ سے کہا کہ توریت عبرانی زبان میں ہے اسلیے عبارت تو وہ عبرانی زبان کی پڑھتے ہیں اور اسکی تشریح عربی زبان میں کرتے ہیں اس وضاحت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لا تصدقوا اھل الکتاب ولا تکذبوھم وقولوا آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الیکم۔

[۱] صحیح بخاری مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۱۰۹۴ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

اہل کتاب کی ان روایتوں کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب بس اتنا کہدو کہ اللہ نے جو ہم پر اتارا ہے اور جو تم لوگوں پر نازل کیا گیا ہے ہم سب پر ایمان لاتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل، ابن ابی شیبہ اور بزاز نے حضرت جابر کی ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت جابر نے کہا کہ عمر فاروقؓ حضورؐ کے پاس ایک کتاب لیکر آئے جو انہیں کسی اہل کتاب سے مل گئی تھی اور وہ پڑھ کر سنانے لگے تھے، حضورؐ کے چہرۂ مبارک پر غضب کے آثار ظاہر ہوئے پھر آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے پاس ایک صاف ستھری شریعت لیکر آیا ہوں، اہل کتاب سے تم کچھ مت پوچھا کرو، کیونکہ وہ تمہیں جو بتائیں گے یا تو صحیح بات ہوگی اور تم اسکو جھٹلاؤ یا خبر باطل بیان کریں اور تم اس کی تصدیق کردو اور سچ مان لو، یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر حضرت موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری ہی اتباع کرنی ہوتی[۱]

اسی طرح بزاز نے عبداللہ بن ثابت انصاری کی روایت نقل کی ہے، انھوں نے کہا کہ عمر فاروقؓ تورات کا کچھ حصہ نقل کر کے حضورؐ کے پاس لے آئے تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ اہل کتاب سے کچھ مت پوچھا کرو۔

حضرت عمر فاروقؓ کا رویہ

حافظ ابو یعلیٰ، خالد بن عرفطہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے پاس قبیلہ عبد القیس کا ایک آدمی لایا گیا جو سوس میں رہتا تھا حضرت عمرؓ نے اس سے کہا کہ تم فلاں ابن فلاں عبدی ہو؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے پھر پوچھا تم سوس میں رہتے ہو؟ اس نے پھر کہا ہاں، اس کے بعد آپ نے اس کے ہاتھ کا نیزہ لے کر اسکو ڈنڈے سے مارا، اس نے حضرت سے پوچھا امیر المومنین! آخر میرا جرم کیا ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا بیٹھو، وہ بیٹھ گیا۔ پھر آپ نے سورۂ یوسف کی ابتدائی آیتیں پڑھیں الٓر تلک آیات الکتاب المبین سے

[۱] فتح الباری ج ۸ ص ۱۳۸

لمن الغافلين تک تین بار پڑھا اور تینوں بار اس کو مارا۔ پھر اس شخص نے حضرت عمرؓ سے یہی سوال کیا کہ میری خطا کیا ہے؟ تب حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم نے دانیال کی کتاب نقل کی ہے (دانیال انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہیں) اس نے کہا ہاں، اس کے بارے میں جو حکم ہو وہ بیں کرو، حضرت عمرؓ نے کہا جاؤ اور ابھی اس کو گرم پانی سے دھوڈالو اور کپڑے سے پونچھ کر صاف کردو، پھر آئندہ نہ تم پڑھنا اور نہ پڑھ کر سنانا اگر اس کے بعد مجھے اطلاع ملی کہ تم اسکو پڑھتے ہو یا کسی دوسرے کو پڑھ کر سنایا ہے تو ایسی سزا دوں گا کہ زندگی بھر یاد کروگے، آپ نے فرمایا، بیٹھ جاؤ۔ وہ آپ کے سامنے آکر بیٹھ گیا تب آپ نے اپنا واقعہ سنایا کہ میں ایک دن اہل کتاب کی ایک کتاب نقل کرکے ایک کھال میں لپیٹ کر حضورؐ کے پاس آیا۔ حضورؐ نے پوچھا عمر! تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ میں نے کہا، یارسول اللہ! میں نے اہلِ کتاب کی ایک کتاب نقل کی ہے تاکہ اس سے کچھ معلومات حاصل کروں، یہ سنکر حضورؐ برہم ہو گئے اور اتنا شدید غصہ ہوئے کہ آپ کے رخسار مبارک سرخ ہو گئے، اسی دوران اذان ہو گئی اور لوگ نماز کے لیے اٹھ گئے، انصار نے کہا کہ آپ نے حضورؐ کو غصہ دلایا، سب لوگوں نے حضورؐ کے منبر کو گھیر لیا، آپ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا یا ایھا الناس، انی اوتیت جوامع الکلم وخواتیمہ واختصرلی اختصارا الخ میں تمہارے پاس صاف ستھری تعلیمات لیکر آیا ہوں تم اسکی طرف سے کسی شک میں مبتلا نہ ہونا اور نہ کوئی اہل کتاب تم کو شک میں مبتلا نہ کرے، یہ سنکر میں کھڑا ہو گیا اور کہا رضیت باللہ ربًّا وبالاسلام دینًا وبک رسولًا اس کے بعد آپ منبر سے اتر آئے۔

حافظ ابوبکر اسمٰعیلی کی روایت ہے کہ جبیر ابن نضیر نے کہا کہ حمص میں دو آدمیوں نے یہودیوں کی کسی کتاب سے کچھ نقل کرکے لکھا تھا، حضرت عمرؓ کو پتہ چلا آپ نے آدمی بھیج کر ان دونوں کو بلوایا، آنے کے بعد آپ نے اُن سے پوچھا کہ تم لوگوں نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے کہا کہ ہم لوگ ایسے علاقے میں رہتے ہیں جہاں اہل کتاب ہی کا ماحول ہے اور وہی ہر جگہ

چھائے ہوئے ہیں ہم لوگ کبھی کبھی ان کی زبانی ایسی باتیں سنتے ہیں کہ ہمارے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آپ فرمائیں کہ ہم ان کی باتیں نوٹ کرلیں یا چھوڑ دیں؟ آپ نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں میرا واقعہ سن لو، حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہودیوں کی بعض باتیں مجھے جچیں تو میں نوٹ کرکے حضورؐ کے پاس لے آیا اور پڑھ کر سنایا آپ سخت برہم ہو گئے اور خود لعاب دہن سے اسکو مٹانے لگے اور کہتے جاتے تھے کہ تم لوگ ان کے چکر میں مت پڑو، وہ خود دین حق کی طرف سے شک و ارتیاب میں گرفتار ہیں اور دوسروں کو بھی ان کے دین کی طرف سے شک وشبہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں پھر آپ نے اس تحریر کا ایک ایک حرف مٹا دیا۔

واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو تنبیہ کی، اگر آج کے بعد میں نے سنا کہ تم لوگوں نے اہل کتاب سے پھر کچھ نقل کیا ہے تو ایسی عبرت ناک سزا دوں گا کہ لوگ ہمیشہ یاد رکھیں گے، دونوں نے قسم کھا کر کہا، ہم کبھی ایسا نہیں کریں گے، پھر دونوں اپنی نقل کردہ کتاب لے کر مجلس سے اُٹھے اور باہر جاکر ایک گڈھا کھودا اور اس میں دفن کردیا، یہ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کا آخری زمانہ تھا۔ کاش حضرت عمرؓ کے بعد بھی اسی طرح اس معاملہ میں سختی برتی جاتی۔"

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ آج تفہیم میں بائبل سے نقل کرنے پر عبرت ناک سزا دینے کی کس کی ہمت ہے؟ سزا تو سزا! تنبیہ کرنے کی اور پھر اس تنبیہ کو قبول کرنے کیلئے کس کا ظرف ہے؟ آج کوئی ہے جو تفہیم میں بائبل کے ان صفحات کو گڈھا کھود کر دفن کردے؟ وہ تو حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا جس میں سب کچھ ہو گیا۔ آج اگر حضرت عمرؓ کے بعد اس طرح کی سختی ہو جائے تو تفہیم کا نقشہ ہی کچھ اور ہو گا۔

(تمت)

بابِ اوّل

تفہیم القرآن میں احادیثِ شریفہ پر جرح و قدح کے بیان میں

جناب مولانا مودودی مرحوم نے علم اسماء الرجال کی انتہائی دقیق بحث کو عوام کیلئے تفہیم میں کیوں بیان کیا؟

معلوم ہے کہ علمِ "اسماء الرجال" احادیث شریفہ کا انتہائی دقیق علم ہے اس میں ہر ہر حدیث کی سند و متن و مضامین و راویوں کے احوال پر تحقیقی کلام کیا جاتا ہے کہ راوی کب اور کہاں پیدا ہوا؟ اس کا حافظہ کیسا تھا؟ اس کے اخلاق کیسے تھے؟ ذریعۂ معاش کیا تھا؟ روایاتِ احادیث شریفہ میں اس کی کیا کیا شرائط ہیں؟ اس کے الفاظ و جملوں میں کوئی ایسی کسر اور خامی تو نہیں جس سے شانِ نبوت کی سطحیت ظاہر ہو کر آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے کسی گوشہ پر بھی فرق آتا ہو۔

اسماء الرجال کے اس فن جرح و تعدیل میں یہ بھی تبلایا جاتا ہے کہ کون سی حدیث کس درجہ کی ہے؟ کون سی حدیث ضعیف یا موضوع ہے؟ کون سی حدیث نصوصِ قرآنی و شرعیات کے باب میں قابلِ استناد ہے اور کون سی نہیں؟

اس علم سے فائدہ اٹھانے کیلئے خاص قسم کی صلاحیت و استعداد کے علاوہ غیر معمولی قوتِ حافظہ اور قوتِ یادداشت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ساری چیزیں عوام الناس کی ذہنی طاقت اور قوتِ فکر سے باہر کی ہیں۔ لہٰذا اب سوال یہ ہے کہ بقول جناب مولانا سید مودودی مرحوم کہ "تفہیم القرآن میں فنی اور اصولی بحثیں جو عوام کے لیے غیر ضروری و غیر مفید ہیں ان سے قطعاً اجتناب کیا گیا ہے" تو پھر آپ نے اسماء الرجال کی دقیق و باریک علمی بحثوں کو اس کتاب میں کیوں بیان کیا؟ عوام کے لیے اور اوسط درجے کے لوگوں کے لیے اس غیر ضروری

بحث کو داخل تفہیم کر کے قرآن فہمی کا کون سا نکتہ، کون سا اصول اور کون سا مقصد آپ نے حل کر کے نمایاں خدمت اور کارنامہ انجام دیا ہے ؟ خود آپ نے اپنے اس اصول اور وعدہ کی خلاف ورزی کیوں کی ؟ سوائے اس کے کہ احادیث پاک کے متعلق عوام الناس کو بھی شکوک و شبہات میں مبتلا کریں، جیسا کہ خود آپ بھی بے اعتمادی کی وجہ سے شک میں گرفتار ہیں۔ چنانچہ خاتمۂ تفہیم کے آخر میں لوگوں کو قرآن سمجھانے کے متعلق تحریر فرمایا ہے :

" جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے اس میں میری کوشش یہ رہی ہے کہ عام پڑھے لکھے لوگوں کو قرآن اس طرح سمجھاؤں جس طرح میں نے تے خود اسے سمجھا ہے۔ "

جناب مولانا مودودی صاحب تفسیر کے جن اصولوں کی پیروی کرتے ہیں گرفت کے ڈر سے آپ نے ان کو تفہیم القرآن میں ایک جگہ نہیں بلکہ کمال ہوشیاری سے پوری تفہیم میں الگ الگ مقامات پر کہیں اجمالاً اور کہیں مفصلاً درج کیا ہے تاکہ پتہ نہ چل سکے کہ جناب والا تفسیر کے کن اصولوں کی پیروی کرتے ہیں اور اس طرح سے آپ کی غلطیوں کی نشاندہی بآسانی نہ ہو سکے گی۔ راقم الحروف صرف آپ کے ہی بیان کردہ ایک اصول سے ثابت کرتا ہے کہ آپ نے اپنے اصولوں کی سخت خلاف ورزی کیوں کی ہے۔ ملاحظہ ہو تفہیم ج ۴ صفحہ ۳۳۴ حاشیہ ۲۵ سورہ ص :

" ہمیں اس طریق تفسیر سے اصولی اختلاف ہے، ہمارے نزدیک قرآن کے الفاظ سے زائد کوئی مطلب لینا چار ہی صورتوں میں درست ہو سکتا ہے۔ یا تو قرآن ہی کی عبارت میں اس کے لیے کوئی قرینہ موجود ہو، یا قرآن میں کسی دوسرے مقام پر اس کی طرف اشارہ ہو، یا کسی صحیح حدیث میں اس اجمال کی تشریح ملتی ہو، یا اس کا اور کوئی قابلِ اعتبار ماخذ ہو مثلاً تاریخ کا معاملہ ہے تو تاریخ میں اس اجمال کی تفصیلات ملتی ہوں، آثارِ کائنات کا ذکر ہے تو مستند علمی تحقیقات سے اس کی تشریح ہو رہی ہو اور احکام شرعیہ کا معاملہ

ہے تو فقہ اسلامی کے ماخذ اس کی وضاحت کر رہے ہوں۔ جہاں ان میں سے کوئی چیز بھی نہ ہو وہاں محض بطور خود ایک قصہ تصنیف کر کے قرآن کی عبارت میں شامل کر دینا ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ "

واضح ہو کہ یہ تفسیر جس کو جناب مولانا سید مودودی صاحب نے ناقابلِ ترجیح وغیرہ واضح قرار دیتے ہوئے اصولی اختلاف کیا ہے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بیان القرآن میں سند صحیح کے ساتھ مرفوعاً عن علیؓ "در منثور" کے حوالے سے نقل فرمایا ہے " کذا فی الدر مرفوعاً بسند حسن عن علیؓ " کی عبارت میں، دراصل اس حدیث پاک کا انکار کر کے جناب مودودی صاحب نے یہ لکھا ہے " اس مفسر کو اپنی طرف سے تین باتیں بڑھانی پڑتی ہیں جن کا کوئی ماخذ نہیں ہے اس میں بطور خود ایک قصہ تصنیف کر کے اپنی طرف سے قرآن کی عبارت میں شامل کر دینا ہے جو ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ "

قارئین کرام ! یہ لکھتے ہوئے جناب مودودی صاحب کی غیرتِ ایمانی رخصت ہو چکی تھی ورنہ ان کو صاف یہ لکھنا چاہیے کہ در منثور کے حوالے سے حضرت علیؓ کی اس روایت کو وہ نہیں مانتے ہیں تو دراصل جناب مودودی صاحب کے اصولِ تفسیر کے اس اقتباس میں یہ سوال کرنا ہے کہ بائبل کی بنیاد پر آپ نے جو قرآن پاک کی تشریح و تفسیر کی ہے یہ آپ کے ہی بیان کردہ چار مذکورہ صورتوں کے بالکل خلاف ہے۔ آپ نے تفہیم القرآن میں بائبل کو مستند ماخذ کی حیثیت سے کیوں پیش کیا ؟

جناب ! ہمیں بھی آپ کے اس طریقۂ تفسیر سے اصولی طور پر سخت اختلاف ہے۔

قارئین کرام ! آپ کے [illegible] استدلال بائبل کی بنیاد پر اس کا نام تو تفہیم بائبل اور تفہیم مودودی ہوا نہ کہ تفہیم القرآن۔ ورنہ تو پھر اس سوال کو تسلیم کر کے ماننا پڑے گا کہ آپ کی سمجھ بعینہٖ وہی ہے جو قرآن کا مقصود اصلی ہے ؟ اور قرآن کے حقیقی مقصود اور اصلی مدعا کو سمجھنے کا دعویٰ نبی کے علاوہ اور کون کر سکتا ہے۔ یہاں اصل سوال یہ ہے کہ آپ نے

قرآن کو کس طرح سے سمجھا ہے ؟ آپ نے اس کی وضاحت کیوں نہ فرمائی ؟ پھر آپ نے جو کچھ سمجھا ہے اس کی کیا ضمانت ہے کہ آپ نے عین منشا خداوندی کو اور روح قرآن ہی کو سمجھا ہے، ہم جیسے طالب علم کو آپ کی سمجھ پر کس طرح اعتماد ہو ؟ ہم کس طرح کہہ دیں کہ آپ کی سمجھ بعینہٖ قرآن کی سمجھ ہے ؟ یہاں دو الگ الگ چیزیں ہیں ۱۔ ایک ہے فہم قرآن اور ۲۔ دوسرا ہے فہم مودودی مرحوم اور فہم بائبل ۔ تو کیا آپ اسکو مان لیں گے کہ فہم قرآن بعینہٖ وہی ہے جو فہم مودودی ہے ۔ یا فہم مودودی وہی ہے جو فہم قرآن ہے ۔ ہم تو نہیں مانیں گے کیونکہ قرآن اللہ کی کتاب ہے جسکو اس نے اپنے آخری نبی حضرت محمد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی ہے اور تفہیم القرآن تو جناب مولانا مودودی کی کتاب ہے جس کو انہوں نے صرف اوسط درجے کے لوگوں کے لیے ہی ۵۵ سال کے مطالعہ کے نچوڑ کے نتیجہ میں تصنیف فرمائی ہے، اس لیے دونوں الگ الگ کتابیں ہیں ۔ قرآن الگ اور تفہیم القرآن الگ ۔
یہاں آپ نے قارئین کرام کو مغالطہ اور سخت تلبیس میں مبتلا کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنی ذاتی تفہیم کو تفہیم القرآن کے نام سے تعبیر کیا ہے ۔ پھر آپ نے یہ جملے اور الفاظ عمداً لکھے ہیں سہواً نہیں، آپ نے جان بوجھ کر قارئین کرام کو غلط فہمی کا شکار بنانے کی کوشش کی ہے آپ واقعتہً یہ سمجھ رہے تھے کہ اس سے قارئین کرام کو غلط فہمی ہوگی، اسی لیے اس غلط فہمی کے ازالہ کے لیے "مقدمہ" کے شروع ہی میں آپ نے یہ فرمایا :

" ان گذارشوں کے عنوان میں لفظ "مقدمہ" دیکھ کر کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ میں قرآن کا مقدمہ لکھ رہا ہوں، یہ قرآن کا نہیں تفہیم القرآن کا مقدمہ ہے ۔ "

قارئین کرام ! غور فرمالیں کہ یہ تفہیم القرآن کا مقدمہ ہے، کیا مطلب ؟
یعنی مودودی مرحوم کے اپنے مزاج وجذبات اور خیالات وتفکرات کا مقدمہ ہے اس سے قرآن کی نہیں بلکہ تفہیم القرآن کی راہ آسان ہو جاتی ہے ۔ چنانچہ اس مقدمہ میں آپ نے

ان سوالات کے جوابات نہیں دیئے ہیں جو لوگوں کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں بلکہ صرف ان سوالات کے جوابات ہیں جو آپ کی ذہنی پیداوار ہیں ۔ آگے چل کر خود آپ نے اس کی صراحت کی ہے کہ :

" میں اس مقدمہ میں صرف اُن سوالات کا جواب دوں گا جو خود میرے ذہن میں اول اول پیدا ہوئے تھے یا جن سے بعد میں مجھ کو سابقہ پیش آیا۔"

قارئین کرام ! آپ غور فرمائیں کہ جناب مولانا مودودی کی عبارات کس قدر پُر پیچ اور مغالطہ آمیز ہوتی ہیں ۔ دو دھاری تلوار کی طرح ذومعنی الفاظ اور جملے استعمال کرتے ہیں تاکہ اگر کوئی گرفت کرے تو بآسانی اس سادھو کی طرح بچ کر نکل جائیں اور آپ کہہ سکیں کہ ہم نے پیشین گوئی میں "لڑکا ! نہ لڑکی " کہا تھا ۔ کہ جب لڑکی پیدا ہوئی تو سادھو نے کہا کہ ہم نے تو کہہ دیا تھا کہ لڑکا نہ ! (آواز آہستہ کرکے) لڑکی ! (آواز بلند کرکے) پیدا ہوگی ۔ اور اگر لڑکا پیدا ہوا تو سادھو نے کہا کہ ہم نے تو کہا تھا لڑکا (بالجہر) پیدا ہوگا نہ لڑکی .. (بالسر) یعنی لڑکا اور لڑکی پر وقف کرکے اور اپنی آواز کی جہر وخفی سے سادھو نے اپنی بات صحیح منوالی ۔ تقریباً یہی حال جناب مولانا مودودی کا ہے ۔ " خاتمہ " میں لکھتے ہیں کہ " جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے (یعنی تفہیم القرآن کے نام سے) اور "مقدمہ" کے شروع میں لکھتے ہیں کہ " یہ قرآن کا نہیں تفہیم القرآن کا مقدمہ ہے " ایک جملہ لکھا مقدمہ میں (تفہیم القرآن) جس سے معلوم ہوا کہ فہم مودودی اور فہم قرآن ایک ہی چیز ہے اور دوسرا جملہ "قرآن کا نہیں تفہیم القرآن کا" لکھا خاتمہ کے آخر میں ۔ جس سے معلوم ہوا کہ قرآن اور تفہیم القرآن دونوں الگ الگ چیز اور الگ الگ کتاب ہیں ۔
اسلیے یہ سوال ہے کہ آپ اس طرح کی مغالطہ آمیز وتلبیسانہ عبارات کیوں استعمال کرتے ہیں ؟ بہرحال خاتمہ کی عبارت کے مطابق اگر مان لیا جائے کہ فہم مودودی ہی در اصل فہم قرآن اور روح قرآن ہے تو اس صورت میں لازم آتا ہے کہ آپ کے فہم کو نبی اور رسول کے

فہم کی طرح تسلیم کیا جائے' العیاذ باللہ۔ کیونکہ فہم رسول ہی کتاب اللہ کے فہم کو پا سکتی اور ہم مودودی صاحب کو ان کے الفاظ میں چھپی ہوئی مافی الضمیر کے مطابق کبھی بھی ان رسول اور نبی ماننے کیلئے تیار نہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے تو یہ تدبیر کی تھی کہ براہ راست خود نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنے اقوال کو حدیث کہا، اس کے متبعین نے حدیث کے پرانے ذخیروں کو پس پشت پھینک کر نیا ذخیرہ جمع کر لیا مگر مولانا مودودی صاحب نے مسٹر غنایت اللہ خاں کے طرز پر اپنی بات کا وہ وزن قائم کر لیا جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے فہم کامل کا تھا۔ نہ آپ نے صاف لفظوں میں نبوت کا دعویٰ کیا "تا کہ تکفیر نہ کی جا سکے اور نہ اپنے فہم کو حدیث کہا بلکہ کمال ہوشیاری سے تمام گرفت کی باتوں سے دامن بچاتے ہوئے اپنے فہم کی وہ حیثیت ضرور قائم کر لی جو نبی کے فہم کی ہوتی ہے "تا کہ ہر قسم کی روشنی جناب مولانا مودودی ہی کے فہم خاص سے حاصل کی جائے۔ نعوذ باللہ۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

جناب مولانا مودودی صاحب نے احادیث شریفہ کی مخالفت کیوں کی؟

تھوڑی دیر کے لیے بات کا رخ دوسری طرف کو ہو گیا۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جناب مولانا مودودی صاحب نے تفہیم میں علم اسماء رجال کی دقیق بحث کو عوام کے لیے کیوں بیان کیا؟ جس سے وہ احادیث کے متعلق شکوک و شبہات میں پڑ جائیں۔ راقم الحروف اپنے اس سوال کی تقویت کے لیے فتاویٰ محمودیہ جلد اول کے بعینہٖ چند صفحات کی نقل پیش کرنا ضروری خیال کرتا ہے (کیونکہ یہ پوری تحریر دراصل مرشدی مفتی محمود حسن گنگوہی رح کے ایک جملہ کی شرح و تفصیل ہے۔) تا کہ صاف معلوم ہو جائے کہ جناب مودودی مرحوم نے جو حدیث پاک کی مخالفت کی ہے اس کے کیا کیا اسباب ہیں؟ اور اس مخالفتِ حدیث کی کیا کیا جہات ہیں۔ فتاویٰ محمودیہ ج اول میں ہے کہ:

"مولانا اصلاحی جس وقت جماعت سے علاحدہ ہوئے ان سے کچھ سوالات

کیے گئے۔

سوال: جو اصحاب ۱۹۴۱ء میں آپ کے ہمراہ جماعت اسلامی سے منسلک ہوئے تھے ان میں اب کتنے جماعت اسلامی میں رہ گئے ہیں۔

جواب: جہاں تک میرا خیال ہے ممکن ہے ان میں سے دو ایک اصحاب بطورِ تبرک ابھی جماعت اسلامی سے منسلک ہوں' باقی سارے دیرینہ کارکن یکے بعد دیگرے علیحدہ ہو چکے ہیں۔

سوال: آپ کا آئندہ پروگرام کیا ہے؟

جواب: میں نے سولہ سال کے بعد ایک گم کردہ راہ قافلہ کا ساتھ چھوڑا ہے الخ یعنی سولہ سال کی طویل مدت تک ایک راہ پر چل کر اس کی غلطی اور گمراہی معلوم کرنے کے بعد بھی علیحدہ ہونے اور اس راہ کی غلطی کا اعتراف و اقرار کرنے میں ننگ و عار نہیں' تو پھر کیوں نہ یہی توقع کی جائے ایسے صاحب قلم سے جو کہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کے فارغ التحصیل ہیں اور بانی جماعت سید ابو الاعلیٰ مودودی کی خدمت میں رہ کر "حقیقت نفاق" تصنیف فرما چکے ہیں اور جن کی زندگی کا شاہکار "معرکۂ اسلام و جاہلیت" ہے جس پر جماعت اسلامی کو بڑا فخر حاصل ہو۔ امید ہے کہ وہاں تو غرور سیادت اپنی غلطی کے اعتراف کرنے سے مانع نہیں ہو گا۔"

اس قدر صاف اور صریح حدیث کی مخالفت اور تردید کا تیسرا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ فاضل مضمون نگار کو اس حدیث میں ہی کلام ہو۔ پھر اس کلام کی چند جہات ہیں ایک جہت یہ ہے کہ عقل سلیم کی کسوٹی پر کسنے سے ان کو اس میں کھوٹ نظر آیا ہو جیسا کہ ایک دوسری زبان زد روایت کے متعلق حق تحقیق ادا کرنے کے لیے خود ایک جگہ لکھا ہے:

حدیث پرکھنے کا طریقہ: مادہ پرستی کے اثر نے جب مسلمانوں میں

وطنیت کے مہلک جراثیم کو پھیلانا چاہا تو نہایت بےباکی سے حُبُّ الوطنِ
من الایمان کی حدیث گھڑ لائے اور اس سنتِ عرب کو سنتِ رسول کی حیثیت
سے مسلمانوں میں براڈ کاسٹ کرنے لگے۔ اصول روایت کو چھوڑیئے کہ اس
دورِ تجدید میں "اگلے وقتوں" کی "بکواس" کون سنتا ہے عقل سلیم اور اصولِ
درایت کی کسوٹی پر کس کر دیکھئے کہ آیا اس چمکتی ہوئی چیز میں سو فیصد کھوٹ
کے علاوہ کوئی اور شئے بھی ہے اھ (ترجمان ج ۱۴ عدد ۲ صـ۱۱۱)

محدثین نے بھی سند "اصول روایت" کے اعتبار سے اسکو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔
چنانچہ علامہ سخاویؒ نے مقاصد حسنہ میں اور ملا علی قاریؒ نے موضوعات کبیر میں اس پر تفصیلی
بحث کی ہے اور اصول درایت کے پیش نظر اس کے بعض معانی کو صحیح بھی قرار دیا ہے مجھے
اس وقت ان معانی سے بحث مقصود نہیں صرف طرز تنقید کا نمونہ پیش کرنا ہے کہ ممکن ہے
اسی جہت سے اس حدیث کو بھی عقل سلیم کی کسوٹی پر کس کر دیکھا ہو اور اصول روایت کو ناقابلِ
التفات سمجھا ہو۔

دوسری جہت یہ ہے کہ اصول روایت "سند" سے بحث کرنے کے باوجود حدیث سے
گمان صحت ہی حاصل ہوتا ہو اور علم الیقین حاصل نہ ہوتا ہو جیسا کہ بانی جماعت مودودی صاحب
فرماتے ہیں:

احادیث مفید یقین نہیں: احادیث چند انسانوں سے چند انسانوں تک پہونچتی
ہوئی آئی ہیں جن سے حد سے حد اگر کوئی چیز حاصل ہوتی ہے تو وہ گمانِ
صحت ہے نہ کہ علم الیقین اھ (ترجمان ج ۲۶ عدد ۳ صـ۲۶۷)

جو چیز مفید یقین نہ ہو اسکی طرف توجہ کرنا یا معرضِ بحث میں لانا غالباً بے سود سمجھا
ہوگا لیکن اسکو رد کرنا تو کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا جب تک اس کے خلاف اس سے
قوی دلیل موجود نہ ہو۔

تیسری جہت یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک اس کی سند تو صحیح ہو لیکن جماعت اسلامی
اپنے اصول کے ماتحت اسکو حدیثِ رسول قرار دینے کے لیے تیار نہ ہو جیسا کہ بانی جماعت
مودودی صاحب نے لکھا ہے:۔

کیا ہر حدیث کو حدیثِ رسول مان لیا جائے۔

"اصل واقعہ یہ ہے کہ کوئی روایت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
منسوب ہو اس کی نسبت کا صحیح و معتبر ہونا بجائے خود زیر بحث ہوتا
ہے آپ کے نزدیک ہر اس روایت کو حدیث رسول مان لینا ضروری ہے
جسے محدثین سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیں لیکن ہمارے نزدیک یہ
ضروری نہیں۔ ہم سند کی صحت کو حدیث کے صحیح ہونے کی لازمی دلیل نہیں
سمجھتے" ہمارے نزدیک سند کسی حدیث کی صحت معلوم کرنے کا واحد ذریعہ
نہیں ہے بلکہ وہ ان ذرائع میں سے ایک ہے جن سے کسی روایت کے حدیثِ
رسول ہونے کا ظن غالب حاصل ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہم یہ بھی ضروری
سمجھتے ہیں کہ متن پر غور کیا جائے، قرآن و حدیث کے مجموعی علم سے دین کا
جو فہم ہمیں حاصل ہوا ہے اس کا لحاظ بھی کیا جائے اور حدیث کی وہ مخصوص
روایت جس معاملہ سے متعلق ہے اس معاملہ میں قوی تر ذرائع سے جو سنتِ
ثابتہ ہم کو معلوم ہو اس پر بھی نظر ڈالی جاوے۔ علاوہ بریں اور بھی
متعدد پہلو ہیں جن کا لحاظ کئے بغیر ہم کسی حدیث کی نسبت نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کی طرف کر دینا درست نہیں سمجھتے۔ (رسائل و مسائل ج ۱ صـ۲۹)

حدیث کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف درست ہونے کے لیے جو متعدد پہلو مبہم
رہ گئے ہیں ان میں بہت وسعت ہے۔

مودودی صاحب کا موقف

اس عبارت میں مودودی صاحب نے اپنا موقف متعین کرلیا ہے کہ وہ محدثین کے مقابلہ میں اپنی ایک مستقل حیثیت رکھتے ہیں کہ جس حدیث کو محدثین نے صحیح کہا ہو، جن کو ہر ہر راوی کی جرح و تعدیل کے متعلق پوری تفصیلی معلومات حاصل ہیں اور جنھوں نے اپنی زندگیاں روایات کی چھان بین کے لیے وقف کردی ہیں ان سب کے مقابلہ کے لیے مودودی صاحب خم ٹھونک کر میدان میں حاضر ہیں اس حدیث کو صحیح کہنا کیا معنی جب تک اپنے فہم کی میزان میں وزن نہ کرلیں اس حدیث کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا ہی درست نہیں سمجھتے۔

آگے تو محدثین پر کیا پڑتی ہے اور پڑھنے والے کے ذہن میں ان کی حیثیت کیا قائم ہوتی ہے یا باقی رہتی ہے وہ ظاہر ہے لیکن شاید زور تنقید میں اس مقام پر مودودی صاحب کو اپنا اصول فراموش ہوگیا جس کے الفاظ یہ ہیں:

"احادیث کی صحت کے باب میں محدثین ہی سند ہو سکتے ہیں نہ کہ غیر محدثین، خواہ وہ بجائے خود کیسی ہی بڑی شخصیت کے بزرگ ہوں" اھ"

(جماعت اسلامی کا پہلا اجتماع صـ ۲۹)

یہ اصول جماعت کی ابتدائی تشکیل کے وقت شعبان سنہ ۶۱ھ تجویز فرمایا گیا تھا اور متعدد تصانیف میں اس اصول کے پیش نظر مختلف روایات پر جرح بھی کی ہے مثلاً روایات ظہور مہدی وغیرہ اور اعتماد بھی کیا ہے مگر اس مقام پر اس کے خلاف زور لگا کر محض محدثین کی تصحیح پر اعتماد کر کے حدیث کو حدیث رسول ہی کہنے کیلئے آمادہ نہیں، اگر اپنا اصول فراموش نہیں ہوا تو شاید تجربہ سے اپنا اصول ہی غلط ثابت ہوا اسلئے اس کے خلاف قلم اٹھایا یعنی تجربہ سے معلوم ہوا کہ فن حدیث اور محدثین میں اتنی کمزوریاں ہیں کہ محدثین کی وثاقت کے باوجود ان پر پورا اعتماد ہی درست نہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

"فن حدیث کی ان کمزوریوں کی بنا پر جن کا میں نے ذکر کیا ہے ہم اس امر کا التزام نہیں کرسکتے کہ محض علم روایت کی بہم پہونچائی ہوئی معلومات پر پورا پورا اعتماد کرکے ہر اس حدیث کو حدیث رسول تسلیم کرلیں جسے اس علم کی رو سے صحیح قرار دیا گیا ہو۔ اھ (رسائل و مسائل، ج ۱ صـ ۲۹۲)

جب فن حدیث اور محدثین کی کمزوریوں کا جائزہ لیا گیا تو بڑے سے بڑے محدث کو نہیں بخشا گیا حتی کہ بخاری شریف کی ایک مرفوع متصل صحیح حدیث کے متعلق ارشاد فرمایا کہ:

"یہ جھوٹ ہے، مہمل افسانہ ہے اھ ملاحظہ ہو (رسائل و مسائل ج ۲ صـ ۳۵)"

حالانکہ بخاری شریف کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے کہ اما الصحیحان فقد اتفق المحدثون علی ان جمیع ما فیہما من المتصل المرفوع صحیح بالقطع وانہما متواتران الی مصنفیہما وان کل من یہون امرہما فہو مبتدع متبع غیر سبیل المومنین۔

(حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ صـ ۱۳۵)

یعنی بخاری اور مسلم کے متعلق محدثین کا اتفاق ہے کہ ان کی تمام متصل مرفوع حدیثیں بالیقین صحیح ہیں اور ان کی سند ان کے مصنفوں تک متواتر ہے اور جو شخص ان کو کمزور اور ہلکا قرار دے وہ مبتدع اور مسلمانوں کے راستے کو چھوڑ کر انکے خلاف راستے پر چلنے والا۔

جب اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا مودودی صاحب کے نزدیک یہ حال ہے کہ اس میں بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سند متصل کے ساتھ جھوٹ اور مہمل افسانہ منسوب کردیا گیا ہے تو پھر مودودی صاحب کیسے اس پر کلی اعتماد کرسکتے ہیں؟ ان حالات میں مودودی صاحب کیوں نہ اپنے لیے ایسا موقف تجویز کرلیں کہ سارے محدثین ایک طرف اور مودودی صاحب ایک طرف۔ اب جس حدیث کو ان کا فہم صحیح بتائے گا وہ اس کی سند پر اعتماد بھی کرلیں گے اور اس حدیث کو حدیث رسول بھی فرمائیں گے اور جو حدیث ان کے فہم کی میزان میں پوری نہیں اترے گی اسکو بے دھڑک رد کردیں گے۔

فن حدیث کی طرح فقہ اور کلام میں بھی ان کا مستقل مسلک ہے وہ کسی کے پابند
نہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

مودودی صاحب کا موقف فقہ اور کلام میں

"فقہ اور کلام کے مسائل میں میرا ایک خاص مسلک ہے جس کو میں نے اپنی
ذاتی تحقیق کی بنا پر اختیار کیا اور پچھلے آٹھ سال کے دوران میں جو اصحاب
ترجمان القرآن کا مطالعہ کرتے رہے ہیں وہ اس کو جانتے ہیں۔ اھ"

(جماعت اسلامی کا پہلا اجتماع صہ ۲)

مودودی صاحب کو علم حدیث میں محدثین پر اعتماد نہیں اس لیے اس میں مستقل
رکھتے ہیں، علم فقہ میں فقہاء پر اعتماد نہیں اس لیے اس میں مستقل مسلک رکھتے ہیں،
کلام میں متکلمین پر اعتماد نہیں اسلیے اس میں خاص ذاتی مسلک رکھتے ہیں۔ فقہاء اور
پر اعتماد نہ کرنے کی وجہ انشاء اللہ قریب ہی مذکور ہوگی۔ غرض ان کی ہر چیز جمہور علم
سے الگ ہے خواہ وہ ایمانیات سے متعلق ہو، خواہ فروعی اعمال سے، خواہ نقل حدیث سے
خواہ تفسیر قرآن اور فہم قرآن سے کسی چیز میں وہ کسی کے متبع اور پابند نہیں۔

چوتھی جہت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حدیث پرانی کتابوں کے ذخیرہ میں سے ہے
اسلیے قابل التفات نہیں۔

تفسیر وحدیث کے پرانے ذخیروں سے قرآن وسنّت کی تعلیم دیجائے

قرآن وسنت رسول کی تعلیم سب پر مقدم ہے مگر تفسیر وسنت کے پرانے
ذخیروں سے نہیں، ان کے پڑھانے والے ایسے ہونے چاہئیں جو قرآن

مگر نہیں معلوم کہ حدیث کا پرانا ذخیرہ چھوڑ کر مودودی صاحب اور ان کے متبعین نئے
حدیثیں کہاں سے اور کیسے پیدا کریں گے اور ان کو حدیث کہنا کس بنا پر درست ہوگا، کیونکہ
نئے رسول پیدا ہونا بند ہوگئے کہ ان کے ارشادات کو حدیث رسول قرار دیا جائے (آج تو ہر
حدیث پر تیرہ چودہ صدیاں گزر چکی ہیں۔ عجیب معمہ ہے قرآن وسنت کی تعلیم تو ضروری مگر
تفسیر وحدیث سے سخت بیزاری۔

محدثین نے کس قدر جانکاہ محنتیں برداشت کر کے ان ذخیروں کو جمع کیا ہے مگر آج
وہ مودودی صاحب کے نزدیک اس قابل نہیں کہ تفسیر قرآن اور تشریح سنت میں ان سے مدد
لی جائے۔

اسی قسم کی تحریرات سے مجبور ہو کر اہل حدیث حضرات کو لکھنا پڑا کہ یہ نظریات تمام ا
اہل حدیث کے خلاف ہیں اور ان میں آج کے جدید اعتزال وتجہم کے جراثیم مخفی ہیں۔ اھ

(جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث صہ ۱۱)

مرزا غلام احمد قادیانی نے تو یہ تدبیر کی تھی کہ براہ راست خود نبوت کا دعوی کیا اور اپنے
اقوال کو حدیث قرار دیا اس کے متبعین نے حدیث کے پرانے ذخیروں کو پس پشت پھینک
نیا ذخیرہ جمع کرلیا۔

مسٹر عنایت اللہ خاں مشرقی نے اتباع سنت پر بہت زور دیا مگر اتباع سنت ک
تشریح کچھ اس طرح کی کہ علماء نے دنیا کو بہکا رکھا ہے۔ سنت اور اتباع سنت کا مفہو
لوگوں کے دلوں میں غلط بٹھا کر ان کو گمراہ کر رکھا ہے، اتباع سنت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ک
بات تیرہ سو سال پہلے فرمادی گئی بس اسی پر ہمیشہ عمل کیا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ حض
صلے اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ میں امیر اور ڈکٹیٹر تھے جس طرح آپ کی بات آپ کے زما
میں بحیثیت امیر مانی جاتی تھی، اسی طرح ہر زمانہ میں اس زمانہ کے امیر کی بات ہے جو ا
... اتباع سنت کا مفہوم ...

اسی تشریح کے ماتحت اپنی بات کا وہ وزن قائم کر لیا جو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا تھا۔ نہ صاف لفظوں میں نبوت کا دعویٰ کیا کہ ختم نبوت کے انکار کی وجہ سے قرآن وسنت سے انحراف ہو کر کفر عائد ہو، نہ سنت کو ناقابلِ اعتماد کہا کہ منکرِ سنت کہلائے، نہ اپنے اقوال کو حدیث قرار دیا۔ غرض اپنے نزدیک ہر قسم کے رخنوں سے دامن بچا کر اپنے اقوال کی وہ حیثیت ضرور قائم کر لی کہ پرانے ذخیرہ حدیث کی طرف توجہ کی ضرورت پیش نہ آئے بلکہ وہ سب کالعدم ہو کر ہر قسم کی روشنی خود مشرقی صاحب کے اقوال سے حاصل کی جائے۔

پانچویں جہت حدیث پر اعتماد نہ کرنے کی یہ ہو سکتی ہے کہ یہ حدیث حافظ ابن کثیر نے نقل کی ہے۔ تفسیر ابن کثیر اور ابن جریر کے متعلق جماعت اسلامی کی طرف سے سخت تنقید کی گئی ہے کہ الامان الحفیظ۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ انکار حدیث کا جو فتنہ آج سر ابھار رہا ہے وہ ان کی جمع کردہ احادیث کا لازمی نتیجہ ہے۔ خود مودودی صاحب کے ارشادات سے اس فتنۂ انکار حدیث کو کس قدر شہ ملتی ہے۔

فرماتے ہیں:

ترکی علماء و مشائخ پر تنقید

"وہ اب بھی اپنی وعظوں میں قرآن کی وہی تفسیریں اور وہی ضعیف حدیثیں سنا رہے تھے جن کو سنکر سو برس پہلے تک کے لوگ تو سر دھنتے تھے مگر آجکل کے دماغ ان کو سن کر صرف ان مفسرین و محدثین ہی سے نہیں بلکہ قرآن و حدیث سے بھی منحرف ہو جاتے ہیں۔" اھ (تنقیحات ص ۷۶)

چھٹی جہت یہ ہو سکتی ہے کہ ان کے نزدیک آیت فما بکت علیھم السماء والارض کا مفہوم بیان کرنے کے لیے مودودی صاحب کی ہدایت کے مطابق نفس تفسیر ہی کی ضرورت نہ ہو پھر اس سے متعلق حدیث کی طرف کیوں التفات کیا جائے۔

فرماتے ہیں:

قرآن کیلئے تفسیر کی حاجت نہیں

"قرآن کے لیے تفسیر کی حاجت نہیں ایک اعلیٰ درجہ کا پروفیسر کافی ہے جس نے بنظرِ غائر قرآن کا مطالعہ کیا ہو جو بطرزِ جدید قرآن پڑھانے اور سمجھانے کی اہلیت رکھتا ہو۔" اھ (تنقیحات ص ۲۱۳)

ان پروفیسر صاحب نے اگر قرآن کا مطالعہ حدیث سے علیحدہ ہو کر کیا ہے تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ انھوں نے قرآن کا مطلب وہی سمجھا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا ہے اور صحابہ کرام کو سمجھایا ہے کیونکہ حدیث کی روشنی ان کے پاس نہیں پھر یہ فہم و تفہیم محض اپنی ذاتی رائے سے ہوگی، حدیث شریف میں ارشاد ہے من فسر القرآن برأیہ فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ اھ کنوز الحقائق ص ۱۵۶ بحوالہ مسند احمد، جو شخص اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرے اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

حدیث و تفسیر سے علیحدہ ہو کر قرآن کو سمجھنے کی کیا صورت ہے۔ حکیم شمس الحسن صدیقی نے بڑی قوی شہادت کے ساتھ مودودی صاحب سے نقل کیا ہے:

قرآن فہمی کا نیا طریقہ

"قرآن کو پوری طرح سمجھنے کی بہترین صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس کا خواہشمند پہلے تو یہ سمجھے کہ یہ الہام اس پر نازل ہو رہا ہے اور پھر وہ یہ سمجھ کر پڑھے کہ وہ خود اس کلام کو نازل کر رہا ہے اور میں نے قرآن کو سمجھنے کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔" اھ (نوائے پاکستان ص ۴ کالم ۳، ۴ ستمبر ۱۹۵۵ء)

اسی طرز قرآن فہمی کی تلقین ترجمان اخبار دعوت دہلی ج ۱۱ شمارہ ۱۹۲۵ سہ روزہ ایڈیشن میں اقبال کے والد محترم کی طرف سے کی گئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

'بیٹا کہنا یہ تھا کہ جب تم قرآن پڑھو تو یہ سمجھو کہ یہ قرآن تم پر اترا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ خود تم سے ہم کلام ہوا۔ اھ

غرض قرآن پاک کو سمجھنے کے لیے حدیث و تفسیر سے استغناء تام ہو بلکہ یہاں تو رسول کا واسطہ بھی ختم کر دیا گیا پھر حدیث شریف کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ جب حدیث کی حیثیت کو اس طرح فنا کر دیا گیا تو پھر اگر جماعت اسلامی کسی جگہ اپنے مقاصد کے لیے حدیث نقل کرتی اور دعوت بھی دیتی ہے تو پڑھنے والوں کے اذہان میں اس کا وزن قائم ہونا دشوار ہوگا اور فطری طور پر اذہان یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ محض تحصیل مقصد کے لیے مسلمانوں کو حدیث رسول کا واسطہ دے کر مرعوب کیا جا رہا ہے۔

جماعت اسلامی کے اس فکر سیال کو شیر مادر کی طرح پی کر پرویز صاحب نے پرورش پائی پروان چڑھے اور حدیث کے مقابلہ میں علم بغاوت لے کر ادھم مچاتے پھر رہے ہیں حتی کہ جماعت اسلامی کو بھی ان کا سنبھالنا دشوار ہو گیا۔ اگر آپ کو طلوع اسلام کے اجراء کی کیفیت اور چودھری پرویز صاحب اور سید مودودی صاحب کے روابط سابقہ کی تاریخ معلوم ہوگی تو آپ میری اس بات کی پوری تصدیق اور تائید کریں گے۔ اب نوبت یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ جب جماعت اسلامی ان کی کسی بات کو ٹوکتی ہے تو وہ فوراً جماعت اسلامی کی عبارت پیش کر دیتے ہیں کہ عالی جاہا! ناراض نہ ہوں ہم جو کچھ حدیث پر اعتماد نہ کرنے کے سلسلہ میں کہتے ہیں اور لکھتے ہیں وہ سب کچھ آپ کا ہی عطا فرمودہ اور آپ ہی کی تعلیم کا ثمرہ ہے۔ دیکھئے فلاں کتاب میں آپ نے یہ لکھا ہے اب اپنے لکھے ہوئے کو ہضم کیوں نہیں کر پاتے؟ آپ نے تو دوسری جماعتوں کے متعلق ارشاد فرمایا تھا:

"ہمیں مسلمانوں کی موجودہ سیاسی اور مذہبی جماعتوں میں سے کسی میں یہ صلاحیت نہیں دیکھتا کہ وہ ہماری بنائی ہوئی گولیوں کو ہضم کر سکے۔" اھ

(ترجمان ج ۲۶ عدد ۳ صفحہ ۱۸۷)

کیا ان اپنی بنائی ہوئی گولیوں کو ہضم کرنے کی صلاحیت سے آپ حضرات خود بھی محروم ہو گئے۔ جماعت اسلامی اپنی عبارات میں نئی نئی تاویلات کرتی اور نئے نئے مطالب ڈالتی ہے مگر ناکام رہتی ہے اور بات بنائے نہیں بنتی۔ ان حالات کو دیکھ کر ہمارا دل اندر سے کڑھتا ہے۔ اے کاش کھلے دل سے اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے اپنی عبارات اور اپنے خیالات کی اصلاح کر لیجاتی تو نقشہ ہی کچھ اور ہوتا اور جماعت اسلامی صحیح معنی میں حق کی [illegible] اور اقامت دین کی علمبردار قرار پاتی مگر جماعت اسلامی کا مزاج ہی کچھ ایسا واقع ہوا ہے اور اس کے اصول ہی کچھ ایسے تجویز ہوئے ہیں کہ اعتراف تقصیر جماعت کے اندر رہتے ہوئے دشوار معلوم ہوتا ہے۔ جسکو اعتراف تقصیر کرنا ہو جماعت سے باہر ہو جائے۔

مودودی صاحب کا مسلک

"(۱) نہ میں مسلک اہل حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیت یا شافعیت ہی کا پابند ہوں۔" اھ۔ (رسائل و مسائل ج ۱ ص ۲۳۵)

یہ تو خود بانی جماعت کا مسلک ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ جماعت میں جتنے آدمی داخل ہوں ان سب کا بھی مسلک ہو کیونکہ انھوں نے امیر ہونے کی حیثیت سے پوری جماعت پر اس مسلک کو لازم نہیں کیا، صرف اپنا ذاتی مسلک بتایا ہے اور سب کو آزادی دی ہے کہ وہ جماعت میں داخل ہونے کے بعد بھی حنفی، شافعی، اہلحدیث جس مسلک پر چاہیں عمل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

پوری جماعت اپنے مسلک میں آزاد ہے

"(۲) لیکن کوئی وجہ نہیں کہ جماعت اسلامی میں جو لوگ شریک ہوں ان کا فقہی مسلک لازماً امیر کے فقہی مسلک کے مطابق یا اس کے تابع ہو، وہ اگر فرقہ بندی کے تعصبات سے پاک رہیں اور حق کو اپنے ہی گروہ میں محدود نہ سمجھیں تو وہ اس جماعت میں رہتے ہوئے اپنے اطمینان کی حد تک حنفی، شافعی، اہلحدیث یا کسی دوسرے فقہی مسلک پر عمل کرنے میں

آزاد ہیں۔" اھ بحوالہ سابق۔

اس میں صاف صاف آزادی دی گئی ہے لیکن اس آزادی پر عمل کرنے کے لیے لٹریچر کی روشنی میں غور کرنے سے چند امور سامنے آتے ہیں:

اول: امیر کا اس قدر کھلا ہوا ذاتی مسلک جماعت پر لازماً اثر انداز ہوگا، خاصکر جبکہ اس مسلک پر دلائل قائم کرنے اور اس کو حق ثابت کرنے کے لیے اور اس کے خلاف کو باطل کرنے کیلئے لٹریچر میں مختلف مقامات پر متعدد طرق سے زور قلم صرف کیا گیا ہے اور جماعت کو اس کے مطالعہ، تفکر، تدبر اور اشاعت کی تاکید کی گئی ہے۔ جب تک کوئی دیکھنے اور اطاعت کرنے کے باوجود متاثر نہیں ہوگا اس کے مقابلہ میں لفظی آزادی محض زینت قرطاس بنکر رہ جائے گی۔ یا خود ان کے الفاظ میں یوں کہیے کہ اس پروانہ آزادی کی حیثیت محتاط طریقہ پر مرتب کیے ہوئے ریزولیوشن اور دفتری اعلان سے زیادہ نہ ہوگی۔ اسکی تاکید خود امیر جماعت کے قلم سے ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

مودودی صاحب کی آزادی مسلک عطا کرنے کی حقیقت

(۳) "جماعتوں کے نفس کا حقیقی اظہار ان کے محتاط طریقے پر مرتب کیے ہوئے ریزولیوشن اور دفتری اعلانات میں نہیں ہوا کرتا بلکہ ان اشخاص کے انتخاب میں ہوتا ہے جنہیں وہ اپنا لیڈر اور کارفرما اور کارکن بناتی ہیں اور جن کے کام کو وہ ایک طویل مدت تک نظر استحسان سے دیکھتی رہتی ہیں۔" اھ

(ترجمان ج ۱۱ عدد ۳ صہ ۱۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری جماعت کے نفس کا حقیقی مظہر بانی جماعت سید ابوالاعلیٰ مودودی ہیں اور وہ اپنا مسلک صاف لکھ چکے ہیں جیسا کہ عبارت ۱ میں موجود ہے۔

دوم: اس آزادی کا فائدہ جماعت کے "بے علم" افراد کو تو شاید کچھ حاصل ہو جائے

مگر جماعت کے "اہل علم" اس سے فائدہ حاصل کرنے کے کسی طرح مجاز نہیں، جیسا کہ امیر جماعت کے اس ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے:

تقلید اہل علم کے لیئے درست نہیں

(۴) "جو لوگ دینی علوم کے لیے باقاعدہ تعلیم حاصل کرتے ہیں ان کے لیے عقلاً اور نقلاً کسی طرح بھی درست نہیں کہ اپنے اوپر تقلید کو لازم کرلیں۔" اھ (ترجمان ج ۱۳ عدد ۱-۲ صہ ۲۲)

لہٰذا جماعت کے بے علم افراد تو حنفی، شافعی (مقلد) رہ سکتے ہیں لیکن اگر جماعت میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنھوں نے علوم دین کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہے اور وہ امیر کی عطا کردہ آزادی کے ماتحت اب تک بھی حنفی، شافعی (مقلد) ہیں یا اہلحدیث ہیں تو نہیں معلوم ان کے پاس اپنے مسلک پر قائم رہنے کے لیے سند جواز کیا ہے اور وہ سند عقل و نقل کی کسوٹی پر کیسے پوری اترتی ہے یا پھر ان کا حنفیت یا شافعیت پر قائم رہنا بالکل عقل و نقل کے خلاف ہے، یا وہ اہل علم جماعت میں داخل ہوتے ہی حنفیت و شافعیت کو خیرباد کہہ چکے ہیں کہ وہ نہ حنفی ہے نہ شافعی نہ اہل حدیث، اگر وہ اس سب سے بیزار دست بردار ہوکر بھی اپنے آپ کو حنفی / شافعی / اہل حدیث کہتے ہیں تو ان کو صادق قرار دینے کے لیے کیا تاویل اختیار کی جاتی ہے نیز اگر وہ نہ حنفی رہے نہ شافعی (مقلد) نہ اہلحدیث بالکل سب سے خارج ہوگئے تو آخر وہ کیا بن گئے، وہ ایسا فرقہ بن گئے جس کے وجود سے اب تک غالباً اسلام کا دامن خالی رہا ہے۔

تنبیہ: واضح رہے کہ مودودی صاحب اہل حدیث کو بھی مقلد ہی قرار دیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

اہل حدیث بھی مقلد ہیں

(۵) "یہ عام اہل حدیث جو ان مسائل پر بحث کرتے پھرتے ہیں ان کا حال عام حنفیوں

سے کچھ زیادہ بہتر نہیں ہے ان کا علم بھی ویسا ہی تقلیدی ہے جیسا حنفیوں کا ہے یہ اپنے علماء وائمہ پر اعتماد کرتے ہیں اور حنفی اپنے علماء وائمہ پر۔ ان میں خود اجتہادی قابلیت نہیں، نہ حدیث کا اتنا علم اور نہ اصول میں اتنی بصیرت رکھتے ہیں کہ احکام کی تحقیق کر سکیں۔ ان کا یہ کہنا کہ فاتحہ خلف الامام یا رفع یدین یا آمین بالجہر حدیث سے ثابت ہے اور اس کا خلاف ثابت نہیں درحقیقت تقلید کی بنیاد پر ہے نہ کہ اجتہاد کی بنیاد پر، لہٰذا ان کے جواب میں خاموشی بہتر ہے۔ اھ (رسائل و مسائل ج ا ص۲۴۴)

یہاں پہونچ کر تو اہلحدیث حضرات بھی انگشت بدنداں ہوں گے کہ یا اللہ تقلید سے بیزاری کا اعلان کرتے کرتے صدیاں گزر گئیں مگر وہ اب تک گلے کا ہار بنی ہوئی ہے

تقلید کا مفہوم اور عدم تقلید کا اثر

اس عبارت میں جناب امیر نے تقلید کا خلاصہ بھی بتادیا کہ تقلید نام ہے ائمہ وعلماء پر اعتماد کرنے کا" مودودی صاحب نہ خود حنفیت کے پابند ہیں نہ شافعیت کے نہ مسلک اہلحدیث کے۔ جس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ مودودی صاحب کو نہ امام ابوحنیفہؒ پر اعتماد ہے نہ امام شافعیؒ پر اعتماد ہے نہ ائمہ حدیث امام بخاریؒ، امام مسلمؒ وغیرہ پر اعتماد ہے۔ یہ حضرات ائمہ اعلام مودودی صاحب کے نزدیک اس قابل نہیں کہ ان پر اعتماد کر کے ان کی تقلید کر سکیں۔

اہل حدیث حضرات کس جرم میں مقلّد قرار پائے؟

محض اس جرم میں کہ ان غریبوں نے حضرت امام بخاریؒ کی جلالت قدر، مہارت فن، خدمت حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے کہہ دیا تھا کہ ان کی بیان فرمودہ حدیث سند کے اعتبار سے زیادہ صحیح اور قابل ترجیح ہے اور انھوں نے بھی براہ راست حضرت امام بخاریؒ کی ویانت تدین کی بلکہ امت مسلمہ نے ان کی جلالت قدر کا اعتراف کرتے ہوئے ان پر اعتماد کیا۔ یہ اعتماد کرنا امر سنگین جرم ہے کہ اس کی پاداش میں یہ لوگ مقلّد گردانے جا رہے ہیں۔

سوم: امیر جماعت سے یہ دریافت کیا گیا کہ کیا کوئی صاحب علم وفضل چار معروف مذاہب (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) چھوڑ کر حدیث پر عمل کرنے کا حقدار ہے یا نہیں اگر نہیں تو کس دلیل سے۔ اس کے جواب میں وہ لکھتے ہیں:

تقلید کرنا گناہ بلکہ اس سے بھی شدید تر چیز ہے

(۶) میرے نزدیک صاحب علم آدمی کے لیے تقلید ناجائز اور گناہ ہے بلکہ اس سے بھی کچھ شدید تر چیز ہے۔ اھ (رسائل و مسائل ج ا ص۲۴۴)

یہاں صاحب علم سے مراد غالباً وہی لوگ ہوں گے جو دینی علوم کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرتے ہیں جیسا کہ عبارت ص۴۲ میں مذکور ہے۔ خیال ہوتا ہے کہ بانی جماعت مودودی صاحب بھی خود ان ہی لوگوں میں سے ہوں گے۔ انھوں نے بھی باقاعدہ دینی علوم کی تعلیم حاصل کی ہوگی ان میں خود بھی اجتہادی قابلیت ہوگی، حدیث میں اتنا علم اور اصول میں اتنی بصیرت رکھتے ہوں گے کہ احکام کی تحقیق کر سکیں، اسی وجہ سے ائمہ وعلماء پر اعتماد کر کے کسی خاص مذہب کے پابند نہیں ہیں اور تقلید کو ناجائز سمجھتے ہیں اور اتنا بلند دعویٰ کرتے ہیں کہ۔

"میرے نزدیک صاحب علم آدمی کے لیے تقلید ناجائز اور گناہ بلکہ اس سے بھی کچھ شدید تر چیز ہے۔" آخر یہ دعویٰ بغیر علم دین حاصل کئے اور بغیر اجتہادی بصیرت تامہ بہم پہونچائے تو نہیں کیا ہوگا لیکن مودودی صاحب کی تحریر سے اس سب کی تردید ہو جاتی ہے۔

اب ہم ناظرین کی بصیرت میں اضافہ کرنے کے لیے "تدوین حدیث کی مختصر تاریخ" اظہار الحق کا اردو ترجمہ " بائبل سے قرآن تک" جلد ۳ سے نقل کرتے ہیں۔

باب دوم

تدوین حدیث کی مختصر تاریخ

تدوینِ حدیث کی مختصر تاریخ

صحیح حدیث مسلمانوں کے یہاں بھی اس طریقے اور شرائط کے مطابق جو عنقریب ہم تفصیل سے بیان کریں گے معتبر ہے اور چونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی :

اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم فمن کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ [1]	مجھ سے حدیثیں صرف وہ نقل کرو جنکے بارے میں تمھیں علم ہو باقی باتیں بیان کرنے سے بچو اس لیے کہ جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے گا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔

حدیث متواتر ہے جس کو ۶۲ صحابہ نے جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں، روایت کیا ہے اس بنا پر قرن اول سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا اہتمام رہا ہے۔ ان کا یہ اہتمام عیسائیوں کے اہتمام سے بہت زیادہ ہے۔ جیسا کہ ان کو ہر زمانے میں حفظ قرآن کا اہتمام عیسائیوں کے کتب مقدسہ کے حفظ کرنے کے اہتمام سے زیادہ رہا ہے مگر صحابہ کرام رض نے اپنے زمانے میں بعض مجبوریوں کی بنا پر ان روایتوں کو کتابی شکل میں جمع نہیں کیا جس کی ایک بڑی مصلحت یہ تھی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کلام قرآن مجید کے

---

[1] یہ حدیث معنًی متواتر ہے (لم اجد ھٰذا اللفظ الذی ذکرہ المصنف و للهدایة طرق کثیرة اخرجها الشیخان والترمذی والبزار عن علیؓ والمغیرةؓ وابن مسعودؓ۔ راجع جمع الفوائد ص ۷ جلد اول۔

ساتھ مخلوط اور مشتبہ نہ ہو جائے[1]۔ البتہ تابعین میں سے امام زہریؒ، ربیع بن صبیحؒ، سعیدؒ وغیرہ رحمہم اللہ جیسے بزرگوں نے اس کی تدوین اور جمع کی ابتداء کی، مگر انہوں نے فقہی ابواب کی ترتیب کے ساتھ ان کو ترتیب نہیں دیا، لیکن چونکہ یہ ترتیب عمدہ اور بہترین تھی اسلئے تبع تابعین نے اسی ترتیب کو اختیار کیا چنانچہ امام مالکؒ نے جن کی پیدائش ۹۵ھ میں ہے مدینہ میں مؤطا تصنیف کی اور مکہ میں ابو محمد عبد الملک بن عبد العزیز بن جریجؒ نے، شام میں عبد الرحمٰن بن اوزاعیؒ نے، کوفہ میں سفیان ثوریؒ نے، بصرہ میں حماد بن سلمہؒ نے حدیث میں کتابیں جمع کیں، پھر بخاریؒ اور مسلمؒ نے اپنی صحیحین تصنیف کیں اور ان میں صرف صحیح حدیثوں کے ذکر پر اکتفاء کیا اور دوسری کمزور اور ضعیف روایتوں کو ترک کر دیا۔

ائمۂ محدثین نے احادیث کے معاملہ میں انتہائی جانفشانی اور محنت کی، چنانچہ "اسماء الرجال" کا ایک عظیم الشان فن قائم کیا جس کے ذریعہ ہر ایک ناقل حدیث کا پورا حال اور کچا چٹھا معلوم ہو سکے کہ اس کی دیانت اور یادداشت کا کیا حال ہے؟ اور صحاح کے مصنفوں میں سے ہر ایک نے ہر روایت کی سند اپنے سے لیکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

---

[1] اس کے باوجود بعض صحابہؓ کے پاس احادیث کے لکھے ہوئے مجموعے موجود تھے جنھیں انھوں نے کامل احتیاط کے ساتھ قرآن کریم سے الگ رکھا ہوا تھا چنانچہ عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ کے بارے میں ابو داؤد کی روایت میں تصریح ہے کہ انھوں نے آنحضرتؐ کے حکم سے احادیث لکھی ہیں (جمع الفوائد ص۲۶ ج ۱) بعض روایات میں ہے کہ انھوں نے اپنے مجموعہ کا نام "الصحیفۃ الصادقۃ" رکھا تھا۔ اسکے علاوہ حال ہی میں ہمام بن منبہ کا جمع کیا ہوا ایک مجموعۂ حدیث دریافت ہوا ہے جو انھیں حضرت ابو ہریرہؓ نے املا کرایا تھا جو اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ اس وقت ہی سے کتابتِ حدیث کی ابتداء ہو چکی تھی، تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ اس مسئلے کی مسلسل اور محققانہ بحث حضرت مولانا احسن صاحب گیلانیؒ کی کتاب "تدوین حدیث" مطبوعہ مجلس علمی کراچی میں ملے گی۔ ۱۲ تقی

تک بیان کرتے ہوئے روایت کی۔ اور بخاری کی بعض حدیثیں ثلاثی ہیں، یعنی صرف تین واسطوں سے براہِ راست حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے مل جاتی ہیں۔

حدیث کی تین قسمیں

پھر صحیح حدیث کی تین قسمیں قرار دی گئیں۔ ۱۔ متواتر، ۲۔ مشہور۔ ۳۔ خبر واحد۔

حدیث متواتر: وہ کہلاتی ہے جس کو ایسی جماعت دوسری جماعت سے نقل کرتی ہے کہ جن سب کا کسی جھوٹی بات پر متفق ہو جانا عقل کے نزدیک محال ہو، اس کی مثال نماز کی رکعتوں والی روایت یا زکوٰۃ کی مقداروں والی روایت وغیرہ۔

خبر مشہور: وہ ہے کہ جو صحابہؓ کے دور میں تو "اخبار احاد" کی طرح تھی پھر تابعین کے زمانے میں یا تبع تابعین کے دور میں مشہور ہو گئی۔ ان دونوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانے میں تمام امت نے اس کو قبول کر لیا اور اب وہ متواتر کے درجہ کی ہو گئی۔ مثلاً سنگساری کا حکم زنا کے سلسلہ میں۔

خبر واحد: وہ ہے کہ جس کو ایک راوی نے دوسرے ایک راوی سے یا ایک جماعت سے، یا ایک جماعت نے ایک شخص سے روایت کیا ہو۔

متواتر حدیث علم یقینی کو مستلزم ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔ حدیث مشہور علم طمانیت کی موجب ہے اس کا انکار بدعت اور فسق ہے۔ خبر واحد دونوں قسم کے علم کی موجب نہیں مگر واجب العمل ہونے کی حد تک معتبر ہے، نہ اس سے عقائد کا اثبات ممکن ہے اور نہ اصولِ دین کا۔ اور اگر دلیل قطعی کے خلاف ہو خواہ وہ عقلی ہو یا نقلی تو اگر تاویل ممکن ہے تو اس میں تاویل کی جاوے گی ورنہ اسے چھوڑ دیا جائے گا اور اس کی جگہ دلیل قطعی پر عمل ضروری ہوگا۔

صحیح حدیث اور قرآن میں فرق

یہ فرق تین طرح سے ہے اول یہ کہ قرآن پورا کا پورا تواتر کے طریقے پر منقول ہے یعنی اسی طرح جس طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ اس کے نقل کرنے والوں نے

اس کے کسی لفظ کو کسی دوسرے لفظ سے نہیں بدلا خواہ وہ اس کے ہم معنی ہی کیوں نہ ہو، اس کے برعکس صحیح حدیث کا روایت[1] بالمعنیٰ کے طور پر نقل کرنا ایسے ناقل کے لیے جائز تھا جو لغت عرب کا ماہر اور ان کے طرزِ کلام سے واقف ہو۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ قرآن چونکہ سارا متواتر ہے اس لیے اس کے کسی جملے کا انکار بھی مستلزمِ کفر ہے، بخلاف حدیث صحیح کے کہ اس کی ایک قسم یعنی متواتر کے علاوہ اور کسی کے انکار سے کفر لازم نہیں[2] آتا۔

تیسرا فرق یہ ہے کہ بہت سے احکام کا تعلق خالص قرآن کے الفاظ سے بھی ہے جیسے نماز کا صحیح ہونا اور اس کی عبارت کا معجز ہونا بخلاف حدیث کے کہ اس کے الفاظ سے احکام کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اب تینوں بیان کردہ فوائد کے بعد آپ کے خوب ذہن نشین ہو گیا ہوگا کہ اس خاص طریقے پر حدیث کا اعتبار کرنے سے مسلمانوں پر کسی قسم کی برائی یا اعتراض لازم نہیں آسکتا۔

---

[1] روایت بالمعنیٰ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو الفاظ ارشاد فرمائے تھے راوی بعینہٖ ان الفاظ کو تو نقل نہیں کرتا مگر ان کا مفہوم پوری طرح ادا کر دیتا ہے۔

[2] یعنی کوئی شخص کسی مخصوص حدیث مشہور یا خبر واحد کے انکار کرنے سے کافر نہیں ہوتا۔ لیکن یہ واضح رہے کہ جو شخص احادیث کو اصولی طور پر ہی حجت تسلیم نہ کرتا ہو وہ تمام مسلمان مکاتبِ فکر کے نزدیک کافر ہے۔ اس کی مثال تقریباً ایسی ہے جیسے کہ نصاریٰ کے یہاں اگر کوئی شخص بائبل کی کسی آیت کو الحاقی قرار دیدے تو وہ ان کے نزدیک عیسائیت سے خارج نہیں ہوتا، چنانچہ بہت سے نصرانی علماء نے بائبل کی بہت سی عبارتوں کو الحاقی تسلیم کیا ہے۔ لیکن جو شخص بائبل کو اصولی طور پر تسلیم

قارئین کرام! ان تفصیلات کے بعد اب ہم آپ کی خدمت میں جناب مولانا مودودی صاحب کی بے اعتمادیٔ حدیث کے متعلق تفہیم کی اصل عبارات پیش کر کے مقدمہ کتاب میں لکھے گئے طریقۂ کار کے مطابق اس پر مختصر تنقید و تبصرہ کرتے ہیں اور جیسا کہ وہاں عرض کیا جا چکا ہے کہ اس سے ہمارا مقصدِ اصلی یہ ہے کہ مولانا سید مودودی کی بے اعتمادیٔ حدیث کو بین السطور میں نہیں بلکہ انہی کے الفاظ اور انہی کی اردوئے مبین کی صحافت میں آپ ملاحظہ کر لیں۔ کہ گوشۂ اخفا میں رہنے کے باوجود ان کی یہ تحریرات بہ بانگِ دہل کہہ رہی ہیں کہ جناب مولانا مودودی صاحب نے شعوری طور پر اپنی دانست میں احادیث پاک اور اسناد کے متعلق سخت بے انصافی اور شدید ظلم کیا ہے اور آپ کی اس بے انصافی اور ظلم عظیم کا کبھی بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن پاک میں احادیث شریفہ کا درجہ استناد

۱-﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾

[پ ١٤ "النحل"، آیت: ٤٤].

۲-﴿مَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ ["الحشر"، آیت: ۷].

۳-فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾

[پ ۵ "النساء"، آیت: ٦۵].

باب سوم

تفہیم القرآن میں احادیث شریفہ سے بے اعتمادی

مضمون نمبر ①

بخاری و مسلم کی احادیث پر جرح و قدح و بے اعتمادی

تفہیم القرآن ۳ — ۱۶۷ — الانبیاء: ۲۱

" ۶۰ یہ آخری فقرہ خود ظاہر کر رہا ہے کہ پہلے فقرے میں حضرت ابراہیم نے بت شکنی کے اس فعل کو بڑے بت کی طرف جو منسوب کیا ہے اس سے ان کا مقصد جھوٹ بولنا نہ تھا بلکہ وہ اپنے مخالفین پر حجت قائم کرنا چاہتے تھے۔ یہ بات انھوں نے اس لیے کہی تھی کہ وہ لوگ جواب میں خود اس کا اقرار کریں گے کہ ان کے یہ معبود بالکل بے بس ہیں اور ان سے کسی فعل کی توقع تک نہیں کی جاسکتی۔ ایسے مواقع پر ایک شخص استدلال کی خاطر جو خلافِ واقعہ بات کہتا ہے اس کو جھوٹ قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ نہ وہ خود جھوٹ کی نیت سے ایسی بات کہتا ہے اور نہ اس کے مخاطب ہی اسے جھوٹ سمجھتے ہیں۔ کہنے والا اسے حجت قائم کرنے کے لیے کہتا ہے اور سننے والا بھی اُسے اسی معنی میں لیتا ہے۔

[1] بدقسمتی سے حدیث کی ایک روایت میں یہ بات آگئی ہے کہ حضرت ابراہیم اپنی زندگی میں تین مرتبہ جھوٹ بولے ہیں، ان میں سے ایک "جھوٹ" تو یہ ہے اور دوسرا "جھوٹ" سورۂ صافات میں حضرت ابراہیم کا قول اِنِّی سَقِیْمٌ ہے اور تیسرا "جھوٹ" ان کا اپنی بیوی کو بہن کہنا ہے جس کا ذکر قرآن میں نہیں بلکہ بائبل کی کتاب پیدائش میں آیا ہے۔ [2] ایک گروہ روایت پرستی میں غلو کر کے اس حد تک پہونچ جاتا ہے کہ اُسے بخاری و [3] مسلم کے چند راویوں کی صداقت زیادہ عزیز ہے اور اس بات کی پرواہ نہیں کہ اس سے ایک نبی پر جھوٹ کا الزام عائد ہوتا ہے۔ دوسرا گروہ اس ایک روایت کو لے کر پورے [4] ذخیرۂ حدیث پر حملہ آور ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ [5] ساری ہی حدیثوں کو اٹھا کر

پھینک دو کیونکہ ان میں [6] ایسی ایسی روایتیں پائی جاتی ہیں۔ حالانکہ [7] نہ ایک یا چند روایات میں کسی خرابی کے پائے جانے سے یہ لازم آتا ہے کہ ساری ہی روایات ناقابلِ اعتماد ہوں اور نہ فنِ حدیث [8] کے نقطۂ نظر سے کسی روایت کی سند کا مضبوط ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ اس کا متن خواہ کتنا ہی قابلِ اعتراض ہو مگر اسے ضرور آنکھیں بند کر کے صحیح مان لیا جائے۔ سند [9] کے قوی اور قابلِ اعتماد ہونے کے باوجود بہت سے اسباب ایسے ہو سکتے ہیں جس کی وجہ سے ایک متن غلط صورت میں نقل ہو جاتا ہے اور [10] ایسے مضامین پر مشتمل ہوتا ہے جن کی قباحت خود پکار رہی ہوتی ہے کہ یہ باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی نہیں ہو سکتیں، اسلئے [11] سند کے ساتھ ساتھ متن کو بھی دیکھنا ضروری ہے [12] اور اگر متن میں واقعی کوئی قباحت ہو تو پھر خواہ مخواہ اس کی صحت پر اصرار کرنا صحیح نہیں ہے۔

یہ حدیث [13] جس میں حضرت ابراہیم کے تین جھوٹ بیان کیے گئے ہیں صرف [14] اس وجہ قابلِ اعتراض نہیں ہے کہ یہ ایک نبی کو جھوٹا قرار دے رہی ہے بلکہ [15] اس بنا پر بھی غلط ہے کہ اس میں جن تین واقعات کا ذکر کیا گیا ہے وہ تینوں ہی محلِ نظر ہیں ان میں سے ایک "جھوٹ" کا حال آپ ابھی دیکھ چکے ہیں کہ کوئی معمولی عقل و خرد کا آدمی بھی اس سیاق و سباق میں حضرت ابراہیم کے اس قول پر لفظ "جھوٹ" کا اطلاق نہیں کر سکتا کجا کہ ہم نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے معاذ اللہ اس سخن ناشناسی کی توقع کریں۔ رہا اِنِّی سَقِیْمٌ والا واقعہ تو اس کا جھوٹ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ حضرت ابراہیم فی الواقع اس وقت صحیح و تندرست تھے اور کوئی ادنیٰ سی شکایت بھی ان کو نہ تھی۔ [16] یہ بات نہ قرآن میں کہیں بیان ہوئی ہے اور نہ اس زیرِ بحث روایت کے سوا کسی دوسری معتبر روایت میں اس کا ذکر آیا ہے۔ اب رہ جاتا ہے بیوی کو بہن قرار دینے کا واقعہ [17] تو وہ بجائے خود ایسا مہمل ہے کہ ایک شخص اس کو سنتے ہی یہ کہہ دے گا کہ یہ ہرگز واقعہ نہیں ہو سکتا۔ قصہ اس وقت کا بتایا جاتا ہے جب حضرت ابراہیم اپنی بیوی کی

سارہ کے ساتھ مصر گئے ہیں۔[18] بائبل کی رو سے اس وقت حضرت ابراہیم کی عمر ۷۵ اور حضرت سارہ کی عمر ۶۵ برس سے کچھ زیادہ ہی تھی اور اس عمر میں حضرت ابراہیمؑ کو یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ شاہِ مصر اس خوبصورت خاتون کو حاصل کرنے کی خاطر مجھے قتل کر دے گا چنانچہ وہ بیوی سے کہتے ہیں کہ جب مصری تمہیں پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے جانے لگیں تو تم بھی مجھے اپنا بھائی بتانا اور میں بھی تمہیں اپنی بہن بتاؤں گا تاکہ میری جان تو بچ جائے۔ (پیدائش، باب ۱۲) حدیث کی زیرِ بحث روایت میں تیسرے "جھوٹ" کی بنیاد اسی صریح لغو اور مہمل اسرائیلی روایت پر ہے۔ کیا یہ کوئی معقول بات ہے کہ جس[19] حدیث کا متن ایسی باتوں پر مشتمل ہو اسکو بھی ہم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے رہیں صرف اسلیے اصرار کریں کہ اس کی سند مجروح نہیں ہے،[20] اسی طرح کی افراط پسندیاں پھر معاملہ کو بگاڑ کر اس تفریط تک نوبت پہونچا دیتی ہے جس کا مظاہرہ منکرینِ حدیث کر رہے ہیں۔"

تفہیم کی ان عبارات پر نمبر وار تنقید و تنبیہ

قارئین کرام! راقم الحروف جناب سید ابوالاعلیٰ مولانا مودودی مرحوم کے ان سطورِ مذکورہ کے متعلق عرض کرتا ہے کہ حضرات محدثین کرام و شراحِ حدیثِ پاک اس روایت کو اور اس میں ذکر کردہ تمام باتوں کو لفظ توریہ سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ خود جناب سید مودودی صاحب نے بھی تفہیم جلد ۲ صفحہ ۴۲۵ سورۂ یوسف حاشیہ ۶۳ میں لکھا ہے کہ:

"شرعاً اس جیسی بات کو توریہ کہتے ہیں اور توریہ شرع و اخلاق میں جائز ہے۔"

لہٰذا یہاں بھی آپ کو حدیثِ پاک کی اس روایت میں صاف صاف دیانۃً وامانۃً یہی توریہ والی بات کہنی چاہیے تھی مگر حضرت ابراہیمؑ کی عظمت و عقیدت کے عنوان

سے بخاری و مسلم کی اس حدیث کو اور اس کے راویوں کو مجروح و بے اعتماد کرنا مقصود تھا۔ اسلیئے یہاں آپ نے توریہ کی بات نہیں کہی۔

اب ہم آپ ہی کی تحریر کردہ ان عبارات سے ۲۰ عنوانات قائم کر کے حدیث پاک سے بے اعتمادی کے آپ کے الفاظ و جملوں کو اُبھارتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی مختصر تبصرہ بھی کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ جناب سید مودودی صاحب مرحوم نے منکرینِ حدیث کی صف میں شامل ہو کر دین کی جڑ کھودنے کی کوشش کی ہے یا نہیں؟

۱۔ "بدقسمتی سے حدیثِ پاک کی ایک روایت میں یہ بات آگئی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنی زندگی میں تین مرتبہ جھوٹ بولے۔"

تنبیہ: اس جملہ سے آپ نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ احادیثِ پاک اور روایات کی باتوں سے حضرات انبیاء کرام کی کردار کشی ہوتی ہے۔ العیاذ باللہ۔

۲۔ "ایک گروہ اگر روایت پرستی میں غلو کرتا ہے۔" تو جناب مودودی مرحوم بائبل پرستی میں غلو کرتے ہیں۔ پھر یہ تبلائیے کہ وہ کون سا گروہ ہے جو روایت پرستی میں غلو کرتا ہے؟ آپ نے اس جملہ سے حضرات محدثین پر چوٹ کی ہے۔

۳۔ "ایک گروہ کو بخاری و مسلم کے چند راویوں کی صداقت عزیز ہے۔" تو جناب مودودی صاحب کو بائبل اور یہودی لٹریچر کے بیانات زیادہ عزیز ہیں۔ پھر یہ بھی غور فرمائیں کہ یہ جملہ تمام امتِ مسلمہ کی تعریض کے لیے نہیں تو اور کیا ہے؟ کیونکہ باتفاق جمہور مسلمین و محدثین قرآن پاک کے بعد مستند ترین کتاب بخاری و مسلم ہی ہے۔

۴۔ سید مودودی مرحوم کے بعد اب ارباب جماعت اسلامی بتلائیں کہ وہ کون سا گروہ ہے "جو پورے ذخیرۂ احادیث پر حملہ آور ہو جاتا ہے" اور خود جناب سید مودودی صاحب اور جماعت اسلامی بھی اس گروہ میں شامل ہے یا نہیں؟

۵۔ جو گروہ کہتا ہے کہ "ساری حدیثوں کو اٹھا کر پھینک دو" اس گروہ میں خود جناب

مودودی مرحوم بھی شامل ہیں یا نہیں ؟

۶ — "کیونکہ اس میں ایسی ایسی روایتیں پائی جاتی ہیں جن سے نبی کی سخن ناشناسی کی توقع کرنی پڑتی ہے ۔"

یعنی سید مودودی کے علاوہ نبی کا سخن شناس یا مزاج شناسِ نبوت کوئی اور شاید پیدا ہی نہیں ہوا ۔ صرف اور صرف آپ ہی ماشاء اللہ نبی کے سخن شناس ہیں ۔ سبحان اللہ کیا کہنا آپ کی سخن شناسی کا ۔

۷ — "حالانکہ نہ ایک یا چند روایات میں کسی خرابی کے پائے جانے سے یہ لازم آتا ہے کہ ساری ہی روایات ناقابل اعتماد ہوں ۔"

اس طرح کی تمام خراب روایات کو کسی دوسری کتاب میں مستقل طور سے بالتفصیل آپ بیان کر دیتے تو یہ آپ کا بڑا کارنامہ ہوتا ۔ تفہیم میں ان روایات سے بحث کرنا جن میں آپ کے نزدیک خرابیاں ہیں یہ تو کسی طرح سے بھی درست نہیں ، چونکہ آپ نے دیباچۂ تفہیم میں اپنا وعدہ اور اصول بیان کیا ہے کہ " ان تفسیری مباحث کو آپ نے سرے سے ہاتھ ہی نہیں لگایا جو اوسط درجے کے تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے غیر ضروری ہیں ۔"

پھر آپ نے اپنے وعدہ اور اصول کے خلاف اسماء رجال کی دقیق بحث کو اس طبقہ کیلئے کیوں ذکر کیا ؟ کیا یہ خاص علمی اور فنی بحث ان کے لیے ضروری تھی ؟ کہ اس کے بغیر ان کو قرآن کا مفہوم و مدعا بالکل صاف صاف سمجھ میں نہ آتا ؟

۸ — " اور نہ فن حدیث کے نقطۂ نظر سے کسی روایت کی سند کا مضبوط ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ اس کا متن خواہ کتنا ہی قابلِ اعتراض ہو مگر اسے ضرور آنکھیں بند کر کے صحیح مان لیا جائے ۔"

کسی روایت کی سند مضبوط ہونے کے باوجود متن کا قابل اعتراض ہونے کی وجوہات

میں سے ایک وجہ بھی آپ بیان کر دیتے تو پھر اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھا جاتا کہ متن حدیث پر اعتراض کی جو وجہ آپ بیان کر رہے ہیں اس کی کیا حیثیت ہے ؟ اور کیوں اُسے آنکھیں بند کر کے صحیح ماننے پر آپ مجبور نہیں ہیں ؟ آپ نے متنِ حدیث پر اعتراض کے پہلو کو مبہم کیوں چھوڑا ؟ یہی بات دعویٰ بلا دلیل آپ اگلی سطروں میں مؤکد کر کے بیان کرتے ہیں ، مگر وہاں بھی ابہام ہی رکھا تھوڑی بھی وضاحت نہیں کی ۔

۹ — " سند کے قوی اور قابلِ اعتماد ہونے کے باوجود بہت سے اسباب ایسے ہو سکتے ہیں جن کی وجہ سے ایک متن غلط صورت میں نقل ہو جاتا ہے ۔"

عالیجاہا ! آپ کے نزدیک وہ کون سے اسباب ایسے ہو سکتے ہیں ؟ اس کی کچھ تو تفصیل بیان کر دیتے ۔ پھر "ہو سکنے" کا یہ جملہ خود ہی بتلا رہا ہے کہ آپ نے کس طرح سند و متنِ حدیث پر بے اعتمادی پیدا کرانے کی کوشش کی ہے ۔ اسلیے سوال ہے کہ یہ لفظ "ہو سکنا" کیا چیز ہے ؟ معاف کیجیے گا اگر متنِ حدیث کے غلط صورت میں نقل ہونے کے بہت سے ایسے اسباب ہو سکتے ہیں تو کیا یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ ملعونِ زمان سلمان رشدی کی طرح بہت سے اسباب ایسے ہو سکتے ہیں کہ جناب مولانا سید مودودی صاحب نے بھی یہودیوں کی زد میں آ کر ان کی وکالت کرتے ہوئے احادیثِ پاک سے بے اعتمادی اور بائبل کی حقانیت تفہیم القرآن کے ذریعے سے مسلمانوں کے قلوب میں پیدا کرنے کی کوشش کی ہو ؟ اس کے ساتھ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ قرآنِ پاک میں ہے کہ حواریوں نے کہا تھا اے عیسیٰ ابن مریم ! کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے کھانے کا ایک خوان اتار سکتا ہے ؟

اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ (پ : مائدہ)

قارئین کرام! جناب سید مودودی صاحب کے جملہ (ایسے اسباب ہو سکتے ہیں) سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر بھی انہی حواریوں کے اثرات ہیں ورنہ آپ اس جگہ "سکتے" کا لفظ استعمال نہ کرتے۔ مزید لطف یہ ہے کہ آپ نے اس آیت پاک کے حاشیہ ۱۲۸ میں بھی ایک ایسا ہی جملہ تحریر کیا ہے کہ "یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے"۔ آپ کے اس جملہ سے ہمارا خیال یقین میں بدل جاتا ہے کہ واقعتہً آپ پر ان ہی عیسائی حوارین کے اثرات ہیں۔ جس کی بنیاد پر آپ نے یہاں وہاں "سکتے" کا لفظ استعمال کیا ہے کہ آپ پر بھی عیسائی حوارین کے اثرات ہونے کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر آپ متنِ حدیث کے غلط صورت میں نقل ہو سکنے کے اسباب کی وضاحت کر دیتے تو ہمیں آپ کے اس لفظ "سکتا" استعمال کرنے کی بنیاد کی طرف متوجہ نہ ہونا پڑتا۔ آپ کی اس عدمِ وضاحت ہی سے مجھے قرآن کریم کی روشنی میں آپ کے مزاج و افتادِ طبع کا پتہ چل گیا۔

اس کے علاوہ جناب سید مودودی صاحب نے یہی بات تفہیم ج ۵ ص ۴۳۷ سلہ ۱۴ کے اخیر میں کہی ہے کہ "الآیہ کہ کچھ دوسرے قرائن ایسے موجود ہوں جو کسی روایت کے قبول کرنے میں موانع ہوں۔"

وہاں بھی آپ نے ان قرائن کی وضاحت نہیں کی ہے، تو کیوں نہیں کی؟

نیز رسائل و مسائل ج ا ص ۲۹۰ میں آپ نے اسی طرح کی مبہم بات کہی ہے کہ "علاوہ بریں اور بھی متعدد پہلو ہیں جن کا لحاظ کیے بغیر ہم کسی حدیث کی نسبت نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف کر دینا درست نہیں سمجھتے۔"

حدیث کی نسبت نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف درست ہونے کے لیے جو متعدد پہلو مبہم رہ گئے ہیں ان میں تو بہت وسعت ہے۔ آپ نے یہاں بھی ان کو

متعین و مشخص کرنے کی زحمت گوارہ نہ کی۔ اب ہمیں آپ کی کتابوں میں تلاش و جستجو کے باوجود کہیں بھی یہ بات نہیں ملی کہ متن حدیث کے غلط صورت میں نقل ہو جانے کے اسباب آپ نے بیان کیے ہوں تو ہم آپ کی اس علمی خیانت کے متعلق اور کیا عرض کریں۔

۱۰۔ "اور ایسے مضامین پر مشتمل ہوتا ہے جن کی قباحت خود پکار رہی ہوتی ہے کہ یہ باتیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی نہیں ہو سکتیں۔"

العیاذ باللہ کہ قباحتِ حدیث کی اس پکار کو جناب سید مودودی مرحوم کے علاوہ کسی اور نے بھی سنا ہے؟

۱۱۔ "اسلیے سند کے ساتھ ساتھ متن کو بھی دیکھنا ضروری ہے۔"

کیا اوسط درجے کے تعلیم یافتہ لوگوں میں تفہیم کے مطالعہ کے بعد یا تفہیم کو ہاتھ میں لیتے ہی اتنی صلاحیت پیدا ہو گئی کہ وہ سند کے ساتھ ساتھ متن حدیث کو بھی جناب مولانا مودودی کی طرح دیکھ کر حدیثِ پاک کی صحت و عدم صحت کا پتہ چلا سکیں؟

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ جناب سید مودودی صاحب کے ان جملوں سے سند و متن حدیث پر بے اعتمادی نہیں پیدا ہو گی؟

۱۲۔ "اگر متن میں واقعی کوئی قباحت ہو تو پھر خواہ اس کی صحت پر اصرار کرنا صحیح نہیں ہے۔"

یعنی جناب سید مودودی صاحب ہی کو متن حدیث کی قباحت نظر آتی ہے یا آئیگی اور حضرات محدثین کرام کو تو متنِ حدیث کی قباحت نہ نظر آتی ہے اور نہ آئے گی؟ سبحان اللہ! کیونکہ محدثین کرام ہی متن حدیث کی صحت پر اصرار کرتے ہیں۔

۱۳۔ "یہ حدیث جس میں حضرت ابراہیم کے تین جھوٹ بیان کیے گئے ہیں۔" تفہیم ج ۲ ص ۴۲۵ سورہ یوسف سلہ ۶۲ کی طرح یہاں بھی آپ نے "درست دانی

بات کیوں نہیں کہی ؟ ایک آنکھ میں کاجل اور ایک آنکھ میں سرمہ کا کیا مطلب ہے ؟

۱۴ــ " صرف اس وجہ سے (یہ حدیث) قابل اعتراض نہیں کہ یہ حدیث ایک نبی کو جھوٹا قرار دے رہی ہے۔ "

یہ جملہ حدیث پاک کی مخالفت کے لیے کتنا عمدہ اور بلیغ ہے دیکھنے والا یہی سمجھیگا کہ جناب مودودی صاحب کو نبی سے بے پناہ عقیدت ومحبت ہے اور آپ کی اس عقیدت ومحبت کو حدیث پاک سے چوٹ پہنچتی ہے۔ العیاذ باللہ! اس لیے نبی کی عظمت وعقیدت کی وجہ سے آپ نے حدیث پر اعتراض کیا ہے کیونکہ اب آپ نبی کی عظمت کا خیال کریں ؟ یا حدیث پاک کی سند اور اس کے مضمون کی طرف توجہ رکھیں ؟

حالانکہ نگاہِ بصیرت رکھنے والا ہر شخص معمولی توجہ سے یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ نبی کی عظمت کے بہانہ سے آپ نے صاف طور پر حدیث پر اعتراض کیا ہے۔ احادیث پر اعتراض کی نوعیت تو آپ نے دیکھ ہی لی اور انشاء اللہ آئندہ بھی جناب مودودی صاحب ہی کی عبارت میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا واقعی آپ کو حضرات انبیاء کرام سے عقیدت ومحبت ہے ؟ کیا واقعۃً آپ ان حضرات ذی شان وتقدس کی عظمت کے قائل ہیں ؟ اس سلسلہ میں راقم الحروف نے تفہیم ہی کی عبارات سے ایک مستقل کتاب تیار کرلی ہے جس میں بتلایا ہے کہ مودودی صاحب نے کس کس طرح سے حضرات انبیاء کرام کی شان میں گستاخیاں کر کے ان کی کردار کشی کی ہے ؟ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔ مجھے یہاں پر استیعاب مقصود نہیں ہے بلکہ صرف دو تین اقتباسات تفہیم سے نقل کرتا ہوں تاکہ قارئین کرام کو معلوم ہوجائے کہ آپ نے تفہیم ج ۳ ص ۱۶۷ حاشیہ نمبر ۶۰ کی انیسویں سطر میں جو لکھا ہے کہ " یہ حدیث ایک نبی کو جھوٹا قرار دے رہی ہے۔ " اس سے بظاہر آپ کی جو

عقیدت ومحبت کا اندازہ ہوتا ہے مگر تفہیم ہی کی دوسری عبارات سے واضح ہو جائے گا کہ آپ نے انبیاء کرام کے متعلق حقیقۃً ان چیزوں کا انتساب کیا ہے جو باتیں جمہور اہلسنت کے مذہب کے مطابق قرآن سے اسلام سے خارج ہیں۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

آپ لکھتے ہیں :

" یہ وہ تنبیہ ہے جو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کرنے اور بلندیٔ درجات کی بشارت دینے کے ساتھ حضرت داؤد کو فرمائی۔ اس سے یہ بات خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے کہ جو فعل ان سے صادر ہوا تھا اس کے اندر خواہش نفس کا کچھ دخل تھا اس کا حاکمانہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرمانروا کو زیب نہ دیتا تھا۔ (تفہیم ج ۴ ص ۳۲۷ حاشیہ نمبر ۲۸)

اسی سلسلہ میں تفہیمات میں آپ کی عبارت یوں ہے :

" کہ اس تاویل کو قبول کرنے میں لوگوں نے صرف اس بنا پر تامل کیا ہے کہ انبیاء کی طرف اس قسم کی لغزشوں کا انتساب عصمتِ انبیاء کے خلاف معلوم ہوتا ہے حالانکہ ان حضرات نے شاید اس امر پر غور کیا نہیں کہ عصمت دراصل انبیاء کے لوازم ذات سے نہیں " الخ (تفہیمات ج ۲ ص ۹۵)

اسی مضمون سے ملتا جلتا مضمون تفہیم ج ۲ ص ۳۴۳ حاشیہ نمبر ۵۰ میں بھی ہے :

" اس ارشاد کو دیکھ کر کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ حضرت نوح کے اندر روح ایمان کی کمی تھی یا ان کے ایمان میں جاہلیت کا کوئی شائبہ تھا، اصل بات یہ ہے کہ انبیاء بھی انسان ہی ہوتے ہیں اور کوئی انسان بھی اس پر قادر نہیں ہو سکتا کہ ہر وقت اس بلند ترین معیارِ کمال پر قائم رہے جو مومن کیلئے مقرر کیا گیا ہے۔ بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر نبی جیسا اعلیٰ و

اشرف الانسان بھی تھوڑی دیر کے لیے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب
ہوجاتا ہے الخ "

نیز تفہیم جلد ۳ ص ۱۸۲ حاشیہ ۸۴ آیت پاک وذالنون اذ ذھب مغاضبا کے ذیل میں صاف طور پر حضرت یونس علیہ السلام کی طرف ناجائز کام کرنے کا الزام موجود ہے۔ فرماتے ہیں :

" یعنی وہ اپنے قوم سے ناراض ہوکر چلے گئے قبل اس کے کہ خدا کی طرف سے
ہجرت کا حکم آتا اور ان کے لیے ڈیوٹی چھوڑنا جائز ہوتا۔ "

(تفہیم ج ۳ ص ۱۸۲ حاشیہ ۸۴ صفحہ کے آخر میں)

نیز تفہیم ج ۳ ص ۱۳۳ حاشیہ ۱۰۳ میں حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق ہے کہ آپ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جاگرے۔ پوری عبارت یوں ہے :

" یہاں اس بشری کمزوری کی حقیقت کو سمجھ لینا چاہیے جو آدم علیہ السلام
سے ظہور میں آئی " (پھر سطروں کے بعد لکھتے ہیں :

" بس ایک فوری جذبہ نے جو شیطانی تحریص کے زیر اثر ابھر آیا تھا ان پر
ذہول طاری کر دیا اور ضبط نفس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ طاعت کے
مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جاگرے۔ (تفہیم ج ۳ ص ۱۳۳ حاشیہ ۱۰۳ سورۂ طٰہٰ)

قارئین کرام ! ان اقتباسات تفہیم سے مجھکو یہ دکھلانا اور ثابت کرنا ہے کہ جناب مولانا مودودی صاحب نے جو نبی کی عظمت وعصمت وعقیدت کے عنوان سے احادیث شریفہ پر اعتراض کیا ہے آپ کے اس عظمت وعقیدت کی حقیقت کیا ہے ؟ آپ ان ہی کی ان عبارات تفہیم میں ملاحظہ کیجئے کہ آپ نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے افعال حسنہ میں "خواہشات نفس" کا بھی دخل مانا ہے۔ ان کے لیے العیاذ باللہ کئی اقتدار کے نامناسب استعمال کا نام بھی دیا ہے۔ مومن کیلئے مقرر کردہ بلند ترین

مقام پر قائم نہ رہ سکنے "کا عنوان بھی دیا ہے" بشری کمزوریوں سے "مغلوبیت کی بات بھی کہی ہے۔ ان کے افعال پر "ناجائز" ہونے کا سخت ترین لفظ بھی استعمال کیا ہے "شیطانی تحریص" کے زیر اثر بھی قرار دیا ہے "معصیت کی پستی میں گرنے کی" وحشت ناک تعبیر بھی اختیار کی ہے اور کہیں بھی ایسے لفظ کا وجود نہیں ہے جس سے مفہوم ہوسکے کہ آپ کے قلب میں نبی کی عظمت وعقیدت اور محبت وعصمت کا کوئی ذرہ ہے۔ پھر حضرت ابراہیمؑ کی عظمت نبوت کی بنیاد پر حدیث پاک پر اعتراض کرنا خواہ مخواہ کی فضول حرکت نہیں تو اور کیا ہے ؟

خلاصہ یہ نکلا کہ آپ کو نہ تو احادیث شریفہ ہی پر اعتماد ہے اور نہ ہی نبی کی عظمت و عصمت کا پاس ولحاظ ہے بلکہ آپ نے اپنی عبارات تفہیم میں سب سے زیادہ کوشش اسی بات کی فرمائی ہے کہ امت مسلمہ میں جو احادیث شریفہ کے ایک متفقہ پوزیشن حاصل کی ہے جس کے سامنے سارے مستشرقین کی زبان گنگ ہوجاتی ہے آپ نے اپنے عبارات وتحریرات سے حدیث پاک کی اس حیثیت مسلمہ کو مختلف فیہ بنانا چاہا ہے اور ایڑی چوٹی کا زور لگاکر اس کے چہرے کو داغدار کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ قاتلہم اللہ۔

کسی بھی جذبات سے مغلوب ہوئے بغیر راقم الحروف صاف لکھتا ہے اور بلاخوف لومۃ لائم لکھتا ہے کہ مجھے آپ کی ان تحریرات کے پس منظر میں یہودی لابی کی تصویر نظر آتی ہے۔ یہ یہودیوں ہی کی کوشش ہے کہ ایسے افراد جو مغربی طرز فکر سے متاثر ہوں اور یہودی روایات کو بھی قرآن کے ساتھ پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں وہ اپنے اصول وقواعد، طرز زندگی، افکار ونظریات، خیالات وجذبات مغرب سے حاصل کریں اور اسپر اسلام کا، قرآن کا لیبل لگاکر تفہیم القرآن کے نام سے پیش کریں۔ اُن ہی یہودیوں کی کوشش ہے کہ ایسے افراد کو آگے بڑھایا جائے اور ان کے نام نہاد

اسلامی تحریکات میں داخل ہو کر قرآن وحدیث کی شکلیں بگاڑتے ہوئے ان کے چہرۂ صافی کو غبار آلود کرنے کی کوششیں اعلیٰ سطح پر کی جائیں جیسا کہ آج یہ سب کچھ ہمارے سامنے نظر میں بھی ہے۔

راقم الحروف جناب مولانا مودودی کی احادیث شریفہ کے خلاف ان تحریرات وعبارات کو یہودیوں کی سازش کا ایک حصّہ سمجھنے پر مجبور ہو چکا ہے اور امید کرتا ہے کہ امت محمدیہ کے مخلصین ومجاہدین حضرات علماء حقانیین کا یہ عظیم طبقہ ہمیشہ ہی ان کے خلاف سربکف برسرپیکار رہا ہے اور ان شاء اللہ رہے گا۔

ہم اپنی اس کتاب کے ذریعے ساری دنیا کو آگاہ اور خبردار کرتے ہیں کہ قرآن و حدیث کے خلاف سازش کرنے میں نہ پہلے کوئی کامیاب ہوا ہے اور نہ آئندہ کبھی کامیاب ہوگا۔ کیونکہ اس کا محافظ تو اللہ علیم وخبیر ہے۔ وہ اللہ جل شانہٗ محض اپنے لطف وکرم سے اس کی حفاظت کیلئے ہم سب کو قبول فرمالے اور سب ہی کو توفیق عنایت فرمادے کہ یہودیوں کی ہر سازش کو، ان کے ہر خواب کو ناکام بنا کر کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہونے دے۔ قارئین کرام! اب ہم پھر اپنے قائم کردہ عبارات تفہیم سے بقیہ عنوانات کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

۱۵۔ "بلکہ اس بنا پر بھی (وہ حدیث) غلط ہے کہ اس میں (حدیث میں) جن تین واقعات کا ذکر کیا گیا ہے وہ "تینوں ہی محلِّ نظر" ہیں۔"

پہلے تو صرف جناب مولانا سید مودودی کو حدیث پر اعتراض ہی تھا اب وہ حدیث آپ کے محل نظر ہونے کی وجہ سے غلط بھی ہو گئی، سبحان اللہ کیا کہنا آپ کی نظر کا۔

۱۶۔ "حدیث کی یہ بات نہ قرآن میں کہیں بیان ہوئی ہے اور نہ اس زیر بحث روایت کے سوا کسی دوسری معتبر روایت میں اس کا ذکر آیا ہے۔"

تو کیا حدیث کی جو بات قرآن میں کہیں نہیں بیان ہوگی تو وہ غلط ہوگی؟ اور اسکو

نہیں مانا جائے گا؟ یہی تو اہلِ قرآن کہتے ہیں جن کی ترجمانی جناب سید مودودی صاحب نے اس جملہ میں کی ہے۔ پھر آپ کے نزدیک معتبر روایت کا معیار کیا ہے؟ جبکہ محدثین کی نقل کردہ احادیث شریفہ میں سند اور متن دونوں حیثیت سے آپ کو اعتراض ہے کہ انہوں نے (بخاری اور مسلم نے) دونوں ہی کو غلط صورت میں نقل کیا ہے۔

۱۷۔ "اس حدیث میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے تو وہ بجائے خود ایسا مہمل ہے کہ ایک شخص اس کو سنتے ہی کہدیگا کہ یہ ہرگز واقعہ نہیں ہو سکتا۔"

مضمونِ حدیث بخاری کو مہمل کہنے والے شخص خود جناب مودودی کے علاوہ منکرینِ حدیث ہی ہو سکتے ہیں جو یہ کہدیں کہ ہرگز یہ واقعہ نہیں ہو سکتا۔ ہم یہاں بالیقین کیسے نہ کہدیں کہ حدیث پاک کو مہمل کہنے والے شخص کے مصداق خود سید مودودی مرحوم ہی ہیں۔

۱۸۔ حدیث پاک پر تمام قباحتیں نکالنے کے بعد بائبل کی صریح لغو اور مہمل اسرائیلی روایات پر اعتماد کر کے حضرت ابراہیمؑ وحضرت سارہؓ کی عمروں کی تعیین آپ نے کی ہے۔ یہ بائبل پرستی پر غلو نہیں تو اور کیا ہے؟ بائبل کا کوئی بیان آپ کے نزدیک نہ قابلِ اعتراض ہے اور نہ غلط اور نہ ہی اس کی سند ومتن میں آپ کو کوئی قباحت نظر آتی ہے کیونکہ احادیث شریفہ کے مقابلہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ بائبل کی روایات کو آپ بلاشک وشبہ قوی ترین اور اعلیٰ درجہ کی مضبوط روایات تسلیم کرتے ہیں۔ سبحان اللہ!

۱۹۔ "کیا یہ کوئی معقول بات ہے کہ جس حدیث کا متن ایسی باتوں پر مشتمل ہو اسکو بھی ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے پر مصرف اسلیے اصرار کریں کہ اس کی سند مجروح نہیں ہے۔"

یہاں بھی آپ نے ماقبل کی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ نبوت کے مجروح ہونے کے عنوان سے متن حدیث پر بے اعتمادی کرکے حدیثِ پاک کو مجروح کرنے کی کوشش کی ہے اور قارئین کرام کے سامنے تفہیم ہی کی عبارات سے راقم الحروف یہ ثابت کرچکا ہے کہ آپ نے حضرات انبیاء کرام کے لیے جو جو الفاظ استعمال کیے ہیں ان میں گستاخی اور کردار کشی کے علاوہ کچھ بھی نہیں کہ نہ آپ کو حضرات انبیاء سے عقیدت ہے اور نہ ہی احادیثِ شریفہ پر اعتماد ہے۔

۲۔ " اس طرح کی افراط پسندیاں پھر معاملہ کو بگاڑ کر اس تفریط تک نوبت پہنچا دیتی ہیں جس کا مظاہر منکرینِ حدیث کر رہے ہیں۔ "

قارئین کرام! راقم الحروف جناب سید مودودی صاحب کی ان تحریروں کے بعد یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہے کہ آپ بھی اُن منکرینِ حدیث کے مظاہرہ میں داخل ہیں۔ کیا ان تحریرات کے باوجود جناب مولانا سید مودودی اس تفریط تک نہیں پہونچے جس کا مظاہرہ منکرینِ حدیث کیا کرتے ہیں۔ مزید اسکی ایک اور واضح مثال آپ ہی کی عبارت میں مجھکو ملی ہے جس میں آنجناب نے صاف لفظوں میں بخاری، نسائی، ابن جریر اور دیگر محدثین کی نقل کردہ احادیث کو ماننا ضروری اور لازم نہیں سمجھا ہے۔

"یہ روایت اگرچہ بخاری، نسائی، ابن جریر اور دوسرے محدثین نے ابن عباس رض سے نقل کی ہے لیکن یہ ابن عباس کی اپنی رائے کوئی حدیث مرفوع نہیں ہے کہ اُسے ماننا لازم ہو۔" (تفہیم ج ۳ ص ۱٦۷ حاشیہ ۱۰۸)

کیا تفہیم القرآن کے مخاطب اوسط درجے کے لوگ حدیث مرفوع کو سمجھتے ہیں؟ پھر ابن عباس رض کی رائے ماننا لازم نہیں تو مودودی صاحب کی رائے ماننا کس طرح لازم ہوگا؟

مضمون نمبر (۲)

احادیث وروایات پر تنقید کرنے کا صحیح طریقہ

تفہیم القرآن ۳ ۲۳۹ الحج ۲۲

" یہ ہے وہ صاف اور سیدھا مفہوم جو سیاق وسباق کی روشنی میں ان آیات سے حاصل ہوتا ہے۔ (۱) مگر افسوس ہے کہ ایک روایت نے ان کی تفسیر میں اتنا بڑا گھپلا ڈال دیا کہ نہ صرف ان کے معنی کچھ سے کچھ ہو گئے بلکہ سارے دین کی بنیاد ہی خطرے میں پڑ گئی۔ ہم اس کا ذکر یہاں اس لئے کرتے ہیں کہ قرآن کے طالب علم (۲) فہم قرآن میں روایات سے مدد لینے کے صحیح اور غلط طریقوں کا فرق اچھی طرح سمجھ سکیں اور انہیں معلوم ہو جائے کہ (۳) روایت پرستی میں نا روا غلو کیا نتائج پیدا کرتا ہے اور (۴) قرآن کی غلط تفسیر کرنے والی روایات پر تنقید کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے"

تنبیہ

اے کاش! سید مودودی مرحوم بائبل کے بارے میں بھی طالب قرآن کو اسی طرح کی ہدایات دیتے اور تنقید کا صحیح طریقہ بتلاتے جب آپ بار بار بائبل کے حوالے دیتے ہیں تو اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ حضرات کے لئے روایات بائبل سے بھی مدد لینے کے صحیح اور غلط طریقوں کا فرق اچھی طرح سمجھاتے کہ قرآن کی غلط تفسیر کرنے والی روایات بائبل، پر تنقید کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

ہمیں افسوس اور تعجب اس پر ہے کہ احادیث شریفہ کی سند ومتن وطرق روایات کے متعلق آپ نے سختی اور بائبل کی روایات کے بارے میں نرمی کیوں اختیار کی ہے؟ اس کے علاوہ احادیث وروایات پر تنقید کا یہ طریقہ اگر علماء ومحققین کے لئے آپ کی طرف سے پیش کیا جاتا یا ان لوگوں کو آپ کی طرف سے ہدایت ہوتی جو عربی زبان اور علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد قرآن مجید کا گہرا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تو گنجائش تھی کہ

مولانا مودودی کی ان عبارات کی تاویل کر کے باقی ان تحریرات کا رُخ موڑ دیا جاتا کہ واقعی حضرات علماء کرام اور محققین کے نئے علم ۔۔۔ جال کی یہ دقیق بحث تفہیم میں ضروری ہے اور یہ حضرات اپنی گوناگوں صلاحیتوں کی وجہ سے اس سے بھرپور استفادہ بھی کریں گے مگر آپ نے اس قسم کی گنجائش نکالنے اور تاویل کی راہ تلاش کرنے کے مواقع خود ہی بند کر دیئے ہیں جیسا کہ دیباچہ تفہیم میں لکھا بھی ہے۔

"اس کام میں میرے پیش نظر علماء اور محققین کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ان لوگوں کی ضروریات ہیں جو عربی زبان اور علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد قرآن مجید کا گہرا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے حضرات کی پیاس بجھانے کے لئے بہت کچھ سامان پہلے سے موجود ہے"۔

مضمون نمبر (۳)

اختلافات الفاظ دکھلا کر احادیث شریفہ سے بے اعتمادی کی ایک اور واضح مثال

تفہیم القرآن ۳   ۲۳۰   الحج ۲۲

یہ قصہ ابن جریر اور بہت سے مفسرین نے اپنی تفسیروں میں ابن سعد نے طبقات میں ابن اسحاق نے سیرت میں اور ابن ابی حاتم ابن المنذر بزار اور ابن مردویہ اور طبرانی نے اپنے احادیث کے مجموعوں میں نقل کیا ہے جن سندوں سے یہ نقل ہوا ہے وہ محمد بن قیس محمد بن کعب قرظی ابوالعالیہ سعید بن جبیر ضحاک ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث قتادہ مجاہد سدی ابن شہاب زہری اور ابن عباس پر ختم ہوتی ہیں۔ (ابن عباس کے سوا ان میں سے کوئی صحابی نہیں ہے) قصے کی تفصیلات میں چھوٹے چھوٹے اختلافات کو چھوڑ کر دو بہت بڑے اختلافات ہیں۔ ایک یہ کہ بتوں کی تعریف میں جو کلمات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کئے گئے ہیں وہ قریب قریب ہر روایت میں دوسری روایت سے مختلف ہیں۔ ہم نے ان کا استقصاء کرنے کی کوشش کی تو وہ عبارتیں الگ الگ الفاظ میں پائیں۔ دوسرا بڑا اختلاف یہ ہے کہ کسی

روایت کی رو سے یہ الفاظ دوران وحی میں شیطان نے آپ پر القا کر دیئے اور آپ سمجھے کہ یہ بھی جبرئیل لائے ہیں۔ کسی روایت میں ہے کہ یہ الفاظ اپنی اس خواہش کے زیر اثر سہواً آپ کی زبان سے نکل گئے۔ کسی میں ہے کہ اس وقت آپ کو اونگھ آگئی تھی اور اس حالت میں یہ الفاظ نکلے۔ کسی کا بیان ہے کہ آپ نے یہ قصداً کہے مگر استفہام انکاری کے طور پر کہے۔ کسی کا قول ہے کہ شیطان نے آپ کی آواز میں آواز ملا کر یہ الفاظ کہہ دیئے اور سمجھا یہ گیا کہ آپ نے کہے ہیں اور کسی کے نزدیک کہنے والا مشرکین میں سے کوئی شخص تھا۔

ابن کثیر، بیہقی، قاضی عیاض، ابن خزیمہ، قاضی ابوبکر ابن العربی، امام رازی وغیرہ حضرات اس قصے کو بالکل غلط قرار دیتے ہیں۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ "جتنی سندوں سے یہ روایت ہوا ہے سب مرسل اور منقطع ہیں، مجھے کسی صحیح متصل سند سے یہ نہیں ملا" بیہقی کہتے ہیں کہ "از روئے نقل یہ قصہ ثابت نہیں ہے" ابن خزیمہ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ "یہ زنادقہ کا گھڑا ہوا ہے" قاضی عیاض کہتے ہیں کہ "اس کی کمزوری اسی سے ظاہر ہے کہ صحاح ستہ کے مؤلفین میں سے کسی نے بھی اس کو اپنے ہاں نقل نہیں کیا اور نہ یہ کسی صحیح متصل بے عیب سند کے ساتھ ثقہ راویوں سے منقول ہوا ہے" امام رازی، قاضی ابوبکر اور آلوسی نے اس پر مفصل بحث کر کے اسے بڑے پُرزور طریقے سے رد کیا ہے۔ لیکن دوسری طرف حافظ ابن حجر جیسے بلند پایہ محدث اور ابوبکر جصاص جیسے نامور فقیہ اور زمخشری جیسے عقلیت پسند مفسر، اور ابن جریر جیسے امام تفسیر و تاریخ و فقہ اس کو صحیح مانتے ہیں اور اس کو آیت زیر بحث کی تفسیر قرار دیتے ہیں۔ ابن حجر کا محدثانہ استدلال یہ ہے کہ:-

"سعید بن جبیر کے طریق کے سوا باقی جن طریقوں سے یہ روایت آئی ہے وہ یا تو ضعیف ہیں یا منقطع، مگر طریقوں کی کثرت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کی کوئی اصل ہے ضرور۔ علاوہ بریں یہ ایک طریقہ سے متصلاً بسند صحیح بھی نقل ہوا ہے جسے بزار نے نکالا ہے (مراد ہے یوسف بن حماد عن امیہ بن خالد عن شعبہ عن ابی بشر عن سعید بن جبیر عن ابن عباس) اور دو طریقوں سے یہ اگرچہ مرسل ہے مگر اس کے راوی صحیحین کی شرط کے مطابق ہیں۔ یہ دونوں روایتیں طبری نے نقل کی ہیں ایک بطریق یونس بن یزید عن ابن شہاب، دوسری بطریق معتمر بن سلیمان و حماد بن سلمہ عن داؤد بن ابی ہند عن ابی العالیہ"

تنبیہ

یہ ص ۲۴۰ بھی عام لوگوں کو احادیث شریفہ سے بے اعتماد کرنے کی ایک اور واضح مثال ہے۔ قصے کی تفصیلات میں الفاظ کے اختلافات وسندوں کے اظطر ابات کو دکھلانا چہ معنی دارد؟

حضرات قارئین کرام! غور کریں کہ اس سے اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ حضرات کو کیا فائدہ ہوگا؟ جن کے لئے تفہیم لکھی گئی ہے کیا اسماء رجال کی اس خالص علمی ودقیق بحث کو ان کے قلوب واذہان قبول کریں گے؟ بتلایا جائے کہ اس بحث کو تفہیم جیسی عوامی کتاب سے کیا مناسبت اور جوڑ ہے؟ سوائے اس کے کہ جناب مودودی صاحب کے استقصاء اور ذوق تحقیق کی داد دی جائے اور آپ کو محققین کی فہرستِ اول میں شمار کیا جائے۔

مضمون نمبر (۳)

"المرء یؤخذ باقرارہ" کے تحت آپ خود ہی اپنی تحریر کی گرفت میں (یعنی احادیث پر تنقید کا حق اور تنقید کا صحیح طریقہ کیا ہے؟)

تفہیم القرآن ۳ ۲۳۱ الحج ۲۲

جہاں تک موافقین کا تعلق ہے وہ تو اسے صحیح مان ہی بیٹھے ہیں۔ (۱) لیکن مخالفین نے بھی بالعموم اس پر تنقید کا حق ادا نہیں کیا ہے (۲) ایک گروہ اسے اس لئے رد کرتا ہے کہ اس کی سند اس کے نزدیک قوی نہیں ہے۔ (۳) اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر سند قوی ہوتی تو یہ حضرات اس قصے کو مان لیتے۔ (۴) دوسرا گروہ اسے اس لئے رد کرتا ہے کہ اس سے تو سارا دین ہی مشتبہ ہو جاتا ہے اور دین کی ہر بات کے متعلق شک پیدا ہو جاتا ہے کہ نہ معلوم اللہ کہاں کہاں شیطانی اغوا یا نفسانی آمیزشوں کا دخل ہو گیا ہو۔ (۵) حالانکہ اس نوعیت کا استدلال ان لوگوں کو تو مطمئن کر سکتا ہے جو ایمان لانے کے

عزم پر قائم ہوں' (۶) مگر دوسرے لوگ جو پہلے ہی شکوک میں مبتلا ہیں' یا بجائے تحقیق کرکے فیصلہ کرنا چاہتے ہیں کہ ایمان لائیں یا نہ لائیں' ان کے دل میں تو یہ جذبہ پیدا نہیں ہو سکتا کہ جن جن چیزوں سے یہ دین مشتبہ قرار پاتا ہو انہیں رد کر دیں وہ تو کہیں گے کہ جب کم از کم ایک نامور صحابی اور کثرت تابعین وتبع تابعین' اور متعدد معتبر راویانِ حدیث کی روایت سے ایک واقعہ ثابت ہو رہا ہے تو اسے صرف اس بنا پر کیوں رد کر دیا جائے کہ ان سے آپ کا دین مشتبہ ہو جاتا ہے؟ اس کے بجائے آپ کے دین کو مشتبہ کیوں نہ سمجھا جائے جب کہ یہ واقعہ اسے مشتبہ ثابت کر ہی رہا ہے؟

(۷) اب دیکھنا چاہئے کہ تنقید کا وہ صحیح طریقہ کیا ہے جس سے اگر اس قصے کو پرکھ کر دیکھا جائے تو یہ ناقابل قبول قرار پاتا ہے خواہ اس کی سند کتنی ہی قوی ہو یا قوی ہوتی۔

(۸) پہلی چیز خود اس کی اندرونی شہادت ہے جو اسے غلط ثابت کرتی ہے"

تنبیہ

یہ بتلایا جائے کہ جناب مولانا مودودی مرحوم کن لوگوں میں داخل تھے؟ (۱) ان لوگوں میں جو ایمان لانے کے عزم پر قائم ہیں: (۲) یا ان دوسرے لوگوں میں جو پہلے ہی شکوک میں مبتلا ہیں؟ یا جواب تحقیق کرکے فیصلہ کرنا چاہتے ہیں کہ ایمان لائیں یا نہ لائیں؟ الخ۔ پھر یہ بھی ملاحظہ کیجئے کہ اس حدیث پر مخالفین نے بھی بالعموم تنقید کا حق ادا نہیں کیا ہے اس لئے جناب مولانا مودودی صاحب کس طرح تنقید کا حق ادا کر رہے ہیں؟ یعنی سند کے قوی ہونے کے باوجود اندرونی شہادت سے حدیث کا متن ومضمون ہی غلط ثابت ہے۔

راقم الحروف مولانا سید مودودی کو ماہنامہ الحسنات کے یادگار مودودی نمبر کے ص ۲۵۸ کی بنیاد پر ان دوسرے ہی لوگوں میں بالیقین جانتا ہے کیونکہ یادگار مودودی نمبر میں آپ کے خود کا اعتراف ہے کہ:

> "قرآن مجید' احادیث پاک' وسیرت پاک' وحی' ورسالت میں آپ کو شک پڑ چکا تھا اس لئے ان سب کے مطالعہ سے (ایمان لانا مقصود نہیں تھا) (بلکہ) آپ کے پیش نظر (ان سب پر اور ان کے مضامین پر) بے لاگ تنقید تھی"۔ (نوٹ) قوسین کی عبارت راقم الحروف کی ہے۔

اس وجہ سے آپ ہر ایک کے دین کو مشتبہ سمجھتے ہیں جیسا کہ یہاں تفہیم ج ۳ کے ص ۲۴۰ میں آپ نے لکھا بھی ہے۔

"المرء یؤخذ باقرارہ" مستند اصول کے تحت جناب مودودی صاحب خود ہی اپنی تحریر و اعتراف سے گرفت میں آ گئے۔ اس لئے اب کوئی کیا کرے؟ کہ آنجناب تحقیق کر کے فیصلہ کرنا چاہتے ہیں کہ ایمان لائیں یا نہ لائیں۔ واللہ اعلم کہ آپ دنیا سے متن حدیث کو غلط ثابت کر کے ایمان کی حالت میں؟ یا بے ایمانی کی حالت میں؟ کس طرح گئے ہیں؟ اس کا فیصلہ قیامت میں ہوگا۔

مضمون نمبر (۴)

(۱) تاریخی روایتوں کے فرق سے (۲) اپنی عقل و قیاس سے (۳) اور قصوں کی اندرونی شہادت نکال کر محدثین کرام اور احادیثِ شریفہ کو مجروح کرنے کی ناکام کوشش

تفہیم القرآن ۳ ۲۳۲ الحج ۲۲

اب ذرا تاریخوں کا فرق ملاحظہ کیجئے:

۱۔ ہجرت حبشہ معتبر تاریخی روایتوں کی رو سے رجب ۵ نبوی میں واقع ہوئی اور مہاجرین حبشہ کا ایک گروہ مصالحت کی غلط خبر سن کر تین مہینے بعد (یعنی اسی سال تقریباً شوال کے مہینے میں) کے واپس آ گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ لامحالہ ۵ نبوی کا ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل جس کی ایک آیت کے متعلق بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل پر بطور عتاب نازل ہوئی تھی معراج کے بعد اتری ہے اور معراج کا زمانہ معتبر ترین روایت سے ۱۱ یا ۱۲ نبوی ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس فعل پر پانچ چھ سال سے گزر چکے تب اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا۔

اور زیر بحث آیت جیسا کہ اس کا سیاق و سباق صاف بتا رہا ہے۔ ۱ ہجری میں نازل ہوئی ہے۔ یعنی عتاب پر بھی جب مزید دو ڈھائی سال گزر لیے تب اعلان کیا گیا کہ یہ آمیزش تو القائے شیطانی سے ہو گئی تھی اللہ نے اسے منسوخ کر دیا ہے۔

۲۔ کیا کوئی صاحب عقل آدمی باور کر سکتا ہے کہ آمیزش کا فعل آج ہو عتاب چھ سال بعد اور آمیزش کی تنسیخ کا اعلان ۹ سال بعد؟

پھر اس قصے میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ آمیزش سورۂ نجم میں ہوئی تھی اور اس طرح ہوئی کہ ابتداء سے آپ اصل سورہ کے الفاظ پڑھتے چلے آ رہے تھے یکایک مناۃ الثالثۃ الاخری پر پہنچ کر آپ نے بطور خود یا شیطانی اغواء سے یہ فقرہ ملایا اور آگے پھر سورۂ نجم کی اصل آیات پڑھتے چلے گئے۔ اس کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ کفار مکہ اسے سن کر خوش ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ اب ہمارا اور محمد کا اختلاف ختم ہو گیا۔ مگر سورۂ نجم کے سلسلہ کلام میں اس الحاقی فقرے کو شامل کر کے تو دیکھئے۔

"پھر تم نے غور بھی کیا ان لات اور عزی پر اور تیسری ایک اور (دیوی) مناۃ پر؟ <u>یہ بلند پایہ دیویاں ہیں ان کی شفاعت ضرور متوقع ہے۔</u> کیا تمہارے لئے تو ہوں بیٹے اور اس (یعنی اللہ) کے لئے ہوں بیٹیاں؟ یہ تو بڑی بے انصافی کی تقسیم ہے۔ دراصل یہ کچھ نہیں ہیں مگر چند نام جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے کوئی سند نازل نہیں کی۔ لوگ محض گمان اور من مانے خیالات کی پیروی کر رہے ہیں حالانکہ ان کے رب کی طرف سے صحیح رہنمائی کی گئی ہے"۔

دیکھئے اس عبارت میں خط کشیدہ فقرے نے کیسا صریح تضاد پیدا کر دیا ہے۔ ایک سانس میں کہا جاتا ہے کہ واقعی تمہاری یہ دیویاں بلند مرتبہ رکھتی ہیں ان کی شفاعت ضرور متوقع ہے۔ دوسرے ہی سانس میں پلٹ کر ان پر چوٹ کی جاتی ہے کہ بے وقوفو یہ تم نے خدا کے لئے بیٹیاں کیسی تجویز کر رکھی ہیں اچھی دھاندلی ہے کہ تمہیں تو ملیں بیٹے اور خدا کے حصے میں آئیں بیٹیاں! یہ سب تمہاری من گھڑت ہے جسے خدا کی طرف سے کوئی سند اعتبار حاصل نہیں ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے اس سوال کو جانے دیجئے کہ یہ صریح بے تکی باتیں کسی مرد عاقل کی زبان سے نکل بھی سکتی ہیں یا نہیں مان لیجئے کہ

شیطان نے غلبہ پا کر یہ الفاظ زبان سے نکلوا دیے۔ مگر کیا قریش کا وہ سارا مجمع جو اسے سن رہا تھا' بالکل ہی پاگل ہو گیا تھا کہ بعد کے فقروں میں ان تعریفی کلمات کی کھلی کھلی تردید سن کر بھی وہ یہی سمجھتا رہا کہ ہماری دیویوں کی واقعی تعریف کی گئی ہے؟ سورۂ نجم کے آخر تک کا پورا مضمون اس ایک تعریفی فقرے کے بالکل خلاف ہے کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ قریش کے لوگ اسے آخر تک سننے کے بعد یہ پکار اٹھے ہوں گے کہ چلو آج ہمارا اور محمد کا اختلاف ختم ہو گیا؟"

تنبیہ

قارئین کرام! یہ تفہیم ج ۳ کا ص ۲۴۲ بھی تاریخی روایتوں کے فرق سے اپنی عقل و قیاس سے اور اپنی طرف سے قصوں کی اندرونی شہادت نکال کر محدثین کرام اور احادیث شریفہ کو مجروح کرنے کی ایک اور مثال ہے۔ یہاں بھی وہی سوال ہے کہ اس طریقہ تنقید سے اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ لوگوں میں احادیث شریفہ اور ان کے رواۃ سے بے اعتمادی کے علاوہ اور کیا نتیجہ برآمد ہوگا؟ یہ چھان بین کی صلاحیت اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ حضرات میں کہاں ہو گی؟ یا ہے؟ یہ تو جناب سید مودودی صاحب مرحوم ہی کی شانِ قابلیت ہے کہ آیت پاک کے سیاق و سباق کو دیکھ کر صاف معلوم کر لیں کہ صریح تضاد کہاں پر واقع ہوا؟ بہر حال آپ نے دیباچہ تفہیم میں جو اپنا معا بیان کیا ہے یہ تحریرات اس کے بھی خلاف ہیں اس لئے آپ کی گزارش کے مطابق راقم الحروف نے آپ کی غلطیوں سے آگاہ کر دیا ہے تا کہ مولانا مودودی مرحوم کے وصال کے بعد آپ کے پسماندگان و ارباب جماعت تفہیم القرآن کو مفید و مستند بنا لیں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ ان تحریرات میں جو بے اعتمادیٔ حدیث کی ذہن سازی ہے اس کے اثر سے اُمت مسلمہ کی حفاظت ہو۔ کیونکہ احادیث پر جرح و قدح کر کے مجروح کرنے کو ہر شخص حل نہیں کر پاتا، جو اہل علم ہیں وہ صحیح اور غلط میں فرق کر سکتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ:

"ہر ناظر سے میری درخواست ہے کہ جہاں کوئی تشنگی محسوس ہو یا کسی سوال کا

جواب نہ ملے یا مدعا اچھی طرح واضح نہ ہو رہا ہو اس سے مجھے مطلع کیا جائے تا کہ میں اس خدمت کو زیادہ سے زیادہ مفید بنا سکوں۔ علماء کرام سے بھی میں گزارش کرتا ہوں کہ مجھے میری غلطیوں سے آگاہ فرمائیں"۔ (دیباچہ تفہیم ص ۶)

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس آگاہی کے بعد ارباب جماعت کیا کرتے ہیں؟ یعنی ان تحریرات کے متعلق کس طرح سے امت مسلمہ کو مطمئن کریں گے؟ تاویل کر کے یا باتیں بنا کر؟ یا مولانا مودودی کی غلطیوں کو تسلیم کر کے؟ کس طرح ان تحریرات تفہیم کی تلافی و تدارک کیا جائے گا؟

مضمون نمبر (۵)

قرآن کی ترتیب اور قرآن کے سیاق و سباق کے نام پر احادیث شریفہ کو قبول کرنے سے صاف انکار

تفہیم القرآن ۳ ۲۴۳ الحج ۲۲

"یہ تو ہے اس قصے کی اندرونی شہادت جو اس کے سراسر لغو اور مہمل ہونے کی گواہی دے رہی ہے۔ اس کے بعد دوسری چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ اس میں تین آیتوں کی جو شانِ نزول بیان کی جا رہی ہے (۱) آیا قرآن کی ترتیب بھی اس کو قبول کرتی ہے؟ قصے میں بیان یہ کیا جا رہا ہے کہ آمیزش سورۂ نجم میں کی گئی تھی' جو ۵ نبوی میں نازل ہوئی اس آمیزش پر سورۂ بنی اسرائیل والی آیت میں عتاب فرمایا گیا' اور پھر اس کی تنسیخ اور واقعہ کی توجیہ سورۂ حج کی زیر بحث آیت میں کی گئی۔ اب لامحالہ دو صورتوں میں سے کوئی ایک ہی صورت پیش آئی ہو گی۔ یا تو عتاب اور تنسیخ والی آیتیں بھی اسی زمانے میں نازل ہوئی ہوں جب کہ آمیزش کا واقعہ پیش آیا یا پھر عتاب والی آیت سورۂ بنی اسرائیل کے ساتھ اور تنسیخ والی آیت سورۂ حج کے ساتھ نازل ہوئی ہو۔ اگر پہلی صورت ہے تو یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ یہ دونوں آیتیں سورۂ نجم ہی میں نہ شامل کی گئیں بلکہ عتاب والی آیت کو چھ سال تک یوں ہی ڈالے رکھا گیا اور سورۂ بنی اسرائیل جب نازل ہوئی تب کہیں اس میں لا کر چپکا دیا گیا۔ پھر تنسیخ والی آیت مزید دو ڈھائی برس تک پڑی رہی اور سورۂ حج

کے نزول تک اسے کہیں نہ چسپاں کیا گیا۔ کیا قرآن کی ترتیب اسی طرح ہوئی ہے کہ ایک موقع کی نازل شدہ آیتیں الگ الگ بکھری پڑی رہتی تھیں اور برسوں بعد کسی کو کسی سورت میں اور کسی کو کسی دوسری سورت میں ٹانک دیا جاتا تھا؟ لیکن اگر دوسری صورت ہے کہ عتاب والی آیت واقعہ سے ۶ سال بعد اور تنسیخ والی آیت آٹھ نو سال بعد نازل ہوئی تو علاوہ اس بے تکے پن کے جس کا ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ حج میں ان کے نزول کا موقع کیا ہے۔

یہاں پہنچ کر نقد صحیح کا تیسرا قاعدہ ہمارے سامنے آتا ہے یعنی یہ کہ کسی آیت کی جو تفسیر بیان کی جارہی ہو اسے دیکھا جائے کہ (۲) آیا قرآن کا سیاق وسباق بھی اسے قبول کرتا ہے یا نہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل کا آٹھواں رکوع پڑھ کر دیکھئے اور اس سے پہلے اور بعد کے مضمون پر بھی نگاہ ڈال لیجئے۔ اس سلسلۂ کلام میں آخر کیا موقع اس بات کا نظر آتا ہے کہ چھ سال پہلے کے ایک واقعہ پر نبی کو ڈانٹ بتائی جائے (قطع نظر اس سے کہ آیت اِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ میں نبیؐ پر کوئی ڈانٹ ہے بھی یا نہیں، اور آیت کے الفاظ کفار کے فتنے میں نبی کے مبتلا ہوجانے کی تردید کررہے یا تصدیق) اسی طرح سورۂ حج آپ کے سامنے موجود ہے۔ آیت زیر بحث کے پہلے کا مضمون بھی پڑھئے اور بعد کا بھی دیکھئے۔ کیا کوئی معقول وجہ آپ کی سمجھ میں آتی ہے کہ اس سیاق وسباق میں یکایک یہ مضمون کیسے آگیا کہ "اے نبیؐ ۹ سال پہلے قرآن میں آمیزش کر بیٹھنے کی جو حرکت تم سے ہوگئی تھی اس پر گھبراؤ نہیں پہلے انبیاء سے بھی شیطان یہ حرکتیں کراتا رہا ہے، اور جب بھی انبیاء اس طرح کا فعل کرجاتے ہیں تو اللہ اس کو منسوخ کرکے اپنی آیات کو پھر پختہ کردیتا ہے"۔

۳۔ ہم اس سے پہلے بھی بارہا کہہ چکے ہیں، اور یہاں پھر اس کا اعادہ کرتے ہیں کہ کوئی روایت خواہ اس کی سند آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہو ایسی صورت میں قابل قبول نہیں ہوسکتی جب کہ اس کا متن اس کے غلط ہونے کی کھلی کھلی شہادت دے رہا ہو اور قرآن کے الفاظ، سیاق وسباق، ترتیب، ہر چیز اسے قبول کرنے سے انکار کررہی ہو۔ "یہ دلائل تو ایک متشکک اور بے لاگ محقق کو بھی مطمئن کردیں گے کہ یہ قصہ قطعی غلط ہے"۔

تفہیم ج ۳ ص ۲۴۳ کے بالکل آخری سطر میں جناب مولانا مودودی صاحب نے فرمایا کہ

"یہ دلائل تو ایک متشکک اور بے لاگ محقق کو بھی مطمئن کردیں گے، کہ یہ قصہ قطعی غلط ہے"

تنبیہ

قارئین کرام! سوال یہ ہے کہ یہ بے لاگ محقق کون ہیں؟ یعنی اس جملہ کے مصداق کون ہیں؟ تو ہمیں ماہنامہ الحسنات کے یادگار مودودی نمبر ص ۲۵۸ سے پتہ چلتا ہے کہ "یہ متشکک اور بے لاگ محقق" خود سید جناب مودودی مرحوم ہی ہیں جیسا کہ ماقبل میں بھی عرض کیا جاچکا کہ اس میں آپ نے خود ہی اعتراف کیا ہے کہ

"قرآن مجید، احادیث پاک، وسیرت پاک، وحی ورسالت میں آپ کو شک پڑ چکا تھا اس لئے ان سب کے مطالعہ سے آپ کے پیش نظر بے لاگ تنقید تھی"۔

(یعنی ایمان لانا مقصود نہیں تھا بلکہ ان سب پر اور ان کے حاملین پر کیچڑ ڈالنا مقصود تھا اور بھرپور انداز سے آپ نے یہ نمایاں کارنامہ انجام بھی دیا! سبحان اللہ) کس طرح کہہ دیا جائے کہ جناب مولانا مودودی مرحوم نے اس قصے کی جو اندرونی شہادت بیان کی ہے اس میں منکرین حدیث اور جدید تجہم واعتزال کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔

مضمون نمبر (۶)

(۱) احادیث شریفہ قرآن کی بیسیوں آیتوں سے ٹکراتی ہیں اور راویوں پر جرح وقدح

(۲) سند کا اتصال یا راویوں کی ثقاہت یا طرق روایت کی کثرت دیکھ کر مسلمان خدا کی کتاب اور اس کے رسول کے بارے میں کیسی سخت باتیں تسلیم کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں

تفہیم القرآن ۳ ۲۲۳ الحج ۲۲

(۱) ''رہا مؤمن تو ہو اسے ہرگز نہیں مان سکتا جب کہ وہ علانیہ یہ دیکھ رہا ہے کہ یہ روایت قرآن کی ایک نہیں بیسیوں آیتوں سے ٹکراتی ہے۔ (۲) ایک مسلمان کے لئے یہ مان لینا بہت آسان ہے کہ خود اس روایت کے راویوں کو شیطان نے بہکا دیا' (۳) بہ نسبت اس کے کہ وہ یہ مان لے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنی خواہش نفس سے قرآن میں ایک لفظ بھی ملا سکتے تھے' یا حضورؐ کے دل میں کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال آسکتا تھا کہ توحید کے ساتھ شرک کی کچھ آمیزش کر کے کفار کو راضی کیا جائے' یا آپ اللہ تعالیٰ کے فرامین کے بارے میں کبھی یہ آرزو کر سکتے تھے کہ کاش اللہ میاں ایسی کوئی بات نہ فرما بیٹھیں جس سے کفار ناراض ہو جائیں' یا یہ کہ آپ پر وحی کسی ایسے غیر محفوظ اور مشتبہ طریقے سے آتی تھی کہ جبریلؑ کے ساتھ شیطان بھی آپ پر کوئی لفظ القا کر جائے اور آپ اسی غلط فہمی میں رہیں کہ یہ بھی جبریل ہی لائے ہیں۔ ان میں سے ایک ایک بات قرآن کی کھلی کھلی تصریحات کے خلاف ہے اور ان ثابت شدہ عقائد کے خلاف ہے جو ہم قرآن اور محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کے بارے میں رکھتے ہیں۔ خدا کی پناہ اس روایت پرستی سے جو شخص سند کا اتصال یا راویوں کی ثقاہت یا طرق روایت کی کثرت دیکھ کر کسی مسلمان کو خدا کی کتاب اور اس کے رسول کے بارے میں ایسی سخت باتیں بھی تسلیم کرنے پر آمادہ کر دے۔

۴۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس شک کو بھی دور کر دیا جائے جو راویان حدیث کی اتنی بڑی تعداد کو اس قصے کی روایت میں مبتلا ہوتے دیکھ کر دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ ایک شخص سوال کر سکتا ہے کہ اگر اس قصے کی کوئی اصلیت نہیں ہے تو نبیؐ اور قرآن پر اتنا بڑا بہتان حدیث کے اتنے راویوں کے ذریعہ سے جن میں بعض بڑے نامور ثقہ بزرگ ہیں' اشاعت کیسے پا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ (۵) اس کے اسباب کا سراغ ہم کو خود حدیث ہی کے ذخیرے میں مل جاتا ہے۔ بخاری' مسلم' ابوداؤد' نسائی اور مسند احمد میں اصل واقعہ اس طرح آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم کی تلاوت فرمائی اور خاتمے پر جب آپ نے سجدہ کیا تو تمام حاضرین' مسلم اور مشرک سب' سجدے میں گر گئے۔ واقعہ بس اتنا ہی تھا اور یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ اول تو قرآن کا زور کلام اور انتہائی پر تاثیر انداز بیان پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس کا ایک ملہمانہ شان کے ساتھ ادا ہونا' اس کو سن کر اگر پورے مجمع پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی ہو اور آپ کے ساتھ سارا مجمع سجدے میں گر گیا ہو تو کچھ بعید نہیں ہے۔ یہی تو وہ چیز تھی جس پر قریش کے لوگ کہا کرتے تھے کہ یہ شخص جادوگر ہے البتہ معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں قریش کے لوگ اپنے اس وقتی تاثر پر کچھ پشیمان سے ہوئے ہوں گے اور ان میں سے کسی نے یا بعض لوگوں نے اپنے اس فعل کی یہ توجیہ کی ہوگی کہ صاحب' ہمارے کانوں نے تو محمد کی زبان سے اپنے معبودوں کی تعریف میں کچھ کلمات سنے تھے اس لئے ہم بھی ان کے ساتھ سجدے میں گر گئے۔ دوسری طرف یہی واقعہ مہاجرین حبشہ تک اس شکل میں پہنچا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان صلح ہو گئی ہے' کیونکہ دیکھنے والے نے آپ کو اور مشرکین ومؤمنین سب کو ایک ساتھ سجدہ کرتے دیکھا تھا۔ یہ افواہ ایسی گرم ہوئی کہ مہاجرین میں سے تقریباً ۳۳ آدمی مکے میں واپس آ گئے۔ ایک صدی کے اندر یہ تینوں باتیں' یعنی قریش کا سجدہ' اس سجدے کی یہ توجیہ' اور

مہاجرین حبشہ کی واپسی مل جل کر ایک قصے کی شکل اختیار کر گئیں اور بعض ثقہ لوگ تک اس کی روایت میں مبتلا ہو گئے' انسان آخر انسان ہے بڑے سے بڑے نیک اور ذی فہم آدمی سے بھی بسا اوقات لغزش ہو جاتی ہے اور اس کی لغزش عام لوگوں کی لغزش سے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ (۶) عقیدت میں بے جا غلو رکھنے والے ان بزرگوں کی صحیح باتوں کے ساتھ ان کی غلط باتوں کو بھی آنکھیں بند کر کے ہضم کر جاتے ہیں۔ (۷) اور بدطینت لوگ چھانٹ چھانٹ کر ان کی غلطیاں جمع کرتے ہیں اور انہیں اس بات کے لئے دلیل بناتے ہیں کہ سب کچھ جو ان کے ذریعہ سے ہمیں پہنچا ہے نذرِ آتش کر دینے کے لائق ہے"۔

معزز قارئین کرام! راقم الحروف تفہیم ج ۳ ص ۲۴۴ کی عبارات کو اُبھارنے کے لئے ۷ رعنوانات قائم کرتا ہے اور اس پر مختصر تنقید و تنبیہ بھی کرے گا تاکہ کتاب ضخیم نہ ہو جائے:۔

۱۔"رہا مومن تو وہ اسے ہرگز نہیں مان سکتا جب کہ وہ علانیہ دیکھ رہا ہے کہ یہ روایت قرآن ایک نہیں بیسیوں آیتوں سے ٹکراتی ہے"

بتلایا جائے کہ آپ کی اس عبارت سے روایات واحادیث کے متعلق کیا ذہنیت بنے گی؟ آپ نے اپنی ان عبارات سے کس بات کی ذہن سازی کی ہے؟ کہ احادیث شریفہ قرآن کی بیسیوں آیتوں سے ٹکراتی ہیں۔ ایک طرف حدیث پاک' اور دوسری جانب قرآن کی بیسیوں آیات تو عام مسلمان اس تقابل کی روشنی میں قرآن کی بیسیوں آیات کو ترجیح دے گا اور حدیث پاک کو نہیں یہی مقصودِ اعظم ہے جناب مودودی صاحب کا! کہ عام مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ جب ایک روایت کا یہ حال ہے' تو پھر دوسری روایات واحادیث کا کیا حال ہوگا؟ وہ سب کی سب قرآن سے ٹکراتی ہوں گی خلاصہ یہ ہے کہ قرآنی آیت کے عنوان پر حدیث پاک سے بے اعتمادی کی کوشش کی گئی ہے۔

۲۔"ایک مسلمان کے لئے یہ مان لینا بہت آسان ہے کہ خود اس روایت کے راویوں کو شیطان نے بہکا دیا ہے"۔

حسب سابق اس جملہ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت وعظمت نبوت کے بہانے سے راویانِ حدیث کو مطعون کیا گیا ہے جیسا کہ چھ سطروں کے بعد کی عبارت میں صاف صاف تحریر ہے۔ لیکن یہ مسلمان تو جناب سید مودودی صاحب اور ان کے ہمنوا منکرینِ حدیث ہی جیسے ہیں جو راویانِ حدیث کے بارے میں یہ باتیں لکھیں کہ ان کو شیطان نے بہکا دیا العیاذ باللہ۔ چونکہ جناب مودودی صاحب اور منکرینِ حدیث کے پاس شیاطین جاتے ہی نہیں تو پھر انہیں بہکانے کا سوال کہاں؟ سبحان اللہ شیاطین تو صرف راویانِ حدیث کو بہکاتے ہیں؟

۳۔اس کے بعد آپ نے نسبۃً وتقابلاً اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے حضور ﷺ کی "تبلیغ رسالت کی ادائیگی کو ماننے" کے عنوان سے اسناد اور حضرات محدثین پر چوٹ کی ہے یعنی بظاہر ایک طرف نبی کی عقیدت ومحبت کا اظہار ہے تو دوسری طرف روایت کے راویان پر جرح وقدح کر کے بے اعتمادی کی ہے، تحریر کرتے ہیں

کہ وہ ایک مسلمان کے لئے یہ مان لینا نہایت آسان ہے، خود اس روایت کے راویوں کو شیطان نے بہکا دیا، بنسبت اس کے کہ وہ یہ مان لے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی اپنی خواہش نفس سے قرآن میں ایک لفظ بھی ملا سکتے تھے الخ

چار باتیں بیان کی ہیں جو شیعہ علماء کی کتابوں میں موجود ہیں، ان سے شیعوں کے "عقیدہ تحریف قرآن" کی ترجمانی ہوتی ہے اور شیعوں کی باتیں صحیح معلوم ہونے لگتی ہیں، العیاذ باللہ، آپ فرماتے ہیں

ان میں سے ایک ایک بات قرآن کی کھلی تصریحات کے خلاف ہے اور ان ثابت شدہ عقائد کے خلاف ہے، جو ہم قرآن اور محمد ﷺ کے بارے میں رکھتے ہیں۔

واضح رہے کہ جناب مودودی صاحب مرحوم جو باتیں مسلمانوں سے ماننے اور نہ ماننے کی کر رہے ہیں۔ وہ "کلمة حق ارید بها الباطل" کے قبیل سے ہے اور سخت قسم کی تلبیسات بھی ہیں

ان باتوں کے بارے میں آپ کا فرمان ہے کہ ایک مسلمان کے لئے ان کا مان لینا بہ ت

آسمان تو نہیں البتہ روایت کے راویوں کو شیطان نے بہکا دیا بہ نسبت اس کے ان باتوں کا مان لینا ایک مسلمان کے لئے آسان ہے۔ واضح رہے کہ جملہ "ایک مسلمان کے لئے یہ مان لینا بہت آسان ہے" اس کا مصداق بھی خود جناب مولانا مودودی صاحب کی ذات ہی ہے ورنہ بتلایا جائے کہ دنیا کا وہ کون سا ایک مسلمان ہے؟ جس کے لئے یہ مان لینا بہت آسان ہے کہ روایت کے راویوں کو شیطان نے بہکا دیا۔

۴۔ "خدا کی پناہ اس روایت پرستی سے جو محض سند کا اتصال یا راویوں کی ثقاہت یا طرق ہدایت کی کثرت کو دیکھ کر کسی مسلمان کو خدا کی کتاب اور اس کے رسولؐ کے بارے میں ایسی سخت باتیں بھی تسلیم کرنے پر آمادہ کرے"۔

۵۔ "قرآن پر اتنا بڑا بہتان حدیث کے اتنے راویوں کے ذریعہ سے جن میں بعض بڑے نامور ثقہ بزرگ ہیں اشاعت کیسے پا گیا؟"

آپ نے اپنے اس معصومانہ جملہ دعائیہ وسوالیہ میں بڑے نامور ثقہ بزرگ کے ذریعہ سے قرآن پر بڑا بہتان لگانے کی ذہن سازی نہیں کی تو پھر کس بات کا تاثر قائم کرانا چاہتے ہیں؟ چنانچہ آپ نے

۶۔ ذخیرۂ حدیث کے نام پر محض اپنے قیاس سے بعض بڑے نامور ثقہ بزرگ کے قرآن اور نبیؐ پر بہتان لگانے کے اسباب کا سُراغ لگایا ہے۔ یعنی ان بڑے نامور ثقہ بزرگوں نے تو العیاذ باللہ قرآن پر اور نبی پر بڑا بہتان لگایا ہے جس کا سراغ جناب مولانا مودودی مرحوم کو بخاری و مسلم ابوداؤد و نسائی اور مسند احمد کے ذخیرۂ احادیث میں مل گیا سبحان اللہ! مطلب یہ ہے کہ اگر قرآن اور نبی پر بڑا بہتان کسی نے نہیں لگایا تو وہ صرف اور صرف جناب مولانا مودودی کی ذات ہے۔ اب اس کا سُراغ تو قارئین کرام کو پوری کتاب پڑھنے کے بعد ہی ملے گا۔ جناب مودودی صاحب نے کیا کارنامہ انجام دیا ہے۔

۷۔ "عقیدت میں بے جا غلو رکھنے والے ان بزرگوں کو صحیح باتوں کے ساتھ ان کی غلط باتوں کو بھی آنکھیں بند کر کے ہضم کر جاتے ہیں"۔

اور ماشاء اللہ آپ تو ان عقیدت میں بے جا غلو رکھنے والے لوگوں میں ہیں نہیں؟ بلکہ آنجناب کی حالت تو یہ ہے کہ احادیث شریفہ کی سند و متن کی مضبوطی دیکھنے

کے بعد اپنی عقل اور اپنے قیاس کی گواہی بھی تلاش کرتے ہیں۔ اگر آپ کی عقل نے گواہی دے دی تو پھر سب باتوں کو آنکھیں بند کر کے ہضم کر جاتے ہیں خواہ وہ باتیں خوارج کی ہوں یا معتزلہ کی ہوں یا شیعوں کی ہوں یا منکرین حدیث کی ہوں ان سے کوئی سروکار نہیں بس معیارِ حدیث اصل میں یہ ہے کہ آپ کے دائرۂ عقل میں وہ بات آ جائے تو آنکھیں بند کر کے اس کو ہضم کر لیں گے ورنہ پھر کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا خواہ وہ بخاری اور مسلم ہی کی احادیث کیوں نہ ہوں؟

۷۔ "اور بدطینت لوگ چھانٹ چھانٹ کر ان کی غلطیاں جمع کرتے ہیں اور انہیں اس بات کے لئے دلیل بناتے ہیں کہ سب کچھ جو ان کے ذریعہ سے ہمیں پہنچا ہے نذرِ آتش کر دینے کے لائق ہے"۔

ان بدطینت لوگوں میں خود جناب سید مودودی مرحوم بھی ہیں یا نہیں؟ جو اس سے قبل یہ تک لکھنے سے نہیں چوکے کہ "راویانِ حدیث کو شیطان نے بہکا دیا"

مجھے اب یہ بتلایا جائے کہ تفہیم القرآن میں جماعتِ اسلامی میں شامل حضراتِ زعماء و فضلاء و وکلاء ڈاکٹرس انجینیرس اپنے روحِ رواں کی ان تحریرات کو پڑھیں گے تو وہ بدطینتی کریں گے یا نہیں؟ یا کرتے ہیں یا نہیں؟ اور کیا ہے یا نہیں؟

راقم الحروف کو تو اپنے علمی و تبلیغی اسفار میں ہند و بیرونِ ہند میں کئی ایسے حضرات سے ملاقات و گفتگو کی نوبت بارہا آ چکی ہے جو تفہیم کے فدائی و شیدائی بھی ہیں بزعم خود جماعت کے قیم بھی ہیں اور اپنے اپنے علاقوں کے بڑے ذمہ دار بھی ہیں وہ صاف لفظوں میں اکابر محدثین کا نام لے کر تضحیک و تعریض کرتے ہیں۔ جب میں نے ان سے تضحیک و تعریض کی بنیاد معلوم کرنا چاہی تو پتہ چلا کہ تفہیم کی ان عبارات ہی نے ان کی اس طرح کی ذہن سازی کی ہے فالی اللہ المشتکی۔ ان حضرات کی زبانوں پر کچھ اسی قسم کے الفاظ و جملے تھے کہ محدثین کرام کے ذریعہ سے جتنی احادیثِ شریفہ یا جو چیزیں بھی پہونچی ہیں وہ سب نذرِ آتش کر دی جائیں۔ تو میں نے ان کی خدمت میں مؤدبانہ وسائلانہ عرض کیا کہ عالیجاہا! لیکن صرف تفہیم کو نذرِ آتش نہ کیا جائے؟ کیونکہ یہ جناب

مولانا مودودی مرحوم کی فاضلانہ تحقیق انیق ہونے کی وجہ سے خالص روح قرآن ہے؟
میں نے تفہیم ج ۳ ص ۴۴۲ کی یہی عبارات ان کے سامنے پیش کی جس میں آپ لکھتے
ہیں کہ:

"بعض ثقہ لوگ تک اس کی روایت میں مبتلا ہو گئے انسان آخر انسان ہے
بڑے سے بڑے نیک اور ذی فہم آدمی سے بھی بسا اوقات لغزش ہو جاتی ہے
اور اس کی لغزش عام لوگوں کی لغزش سے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتی ہے"

میں نے ان سے عرض کیا کہ اس میں حضرات محدثین کرام کی لغزش کی آپ نے وضاحت فرما دی لیکن خود اپنی ذات کے متعلق نہیں بتلایا کہ ان جیسے نیک اور ذی فہم وبصیرت کو کہیں بھی اپنی لغزش کا احساس ہوا یا نہیں؟ پھر آپ کی لغزش امت مسلمہ کے لئے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوئی یا حضرات محدثین کرام کی؟ میرا خیال یہ ہے کہ جناب مولانا مودودی مرحوم تو انسان ہیں مگر شاید انسان ہونے کے باوجود آپ سے کبھی بھی لغزش نہیں ہوئی ہوگی؟ کیونکہ آپ نے ہمیشہ ہی دوسروں کی لغزش پر نگاہ تنقید ڈالی ہے۔ بھلا جس کی نگاہ عمیق و نظر بصیرت دوسروں کی لغزش پر ہو ان سے کس طرح لغزش ہو سکتی ہے نیز وہ اپنی لغزش کو کس طرح تسلیم کریں گے؟ شاید جناب ڈاکٹر علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے اس موقع کے لئے فرمایا تھا ؎

بُرا سمجھوں انہیں، مجھ سے ایسا ہو نہیں سکتا
کہ میں خود بھی تو ہوں اقبال اپنے نکتہ چینوں میں

مضمون نمبر (۷)

روایات میں تذبذب پیدا کرنے کا بہترین انداز

تفہیم القرآن ا ۴۳۱ النساء ۴

حاشیہ ۲۱۹۔ "یہ آیت اس سورہ کے نزول سے بہت بعد نازل ہوئی ہے بعض روایات سے تو یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن کی سب سے آخری آیت

ہے۔ یہ بیان اگر صحیح بھی نہ ہو تب بھی کم از کم اتنا تو ثابت ہے کہ یہ آیت ۹ ہجری میں نازل ہوئی۔ اور سورہ نساء اس سے بہت پہلے ایک مکمل سورہ کی حیثیت سے پڑھی جا رہی تھی۔ اسی وجہ سے اس آیت کو ان آیات کے سلسلہ میں شامل نہیں کیا گیا جو احکام میراث کے متعلق سورہ کے آغاز میں ارشاد ہوئی ہیں بلکہ اسے ضمیمہ کے طور پر آخر میں لگا دیا گیا"

"بعض روایات کا یہ بیان اگر صحیح نہ بھی ہو"

اس جملہ پر غور کیجئے کہ روایات سے اعتماد اٹھا کر تذبذب پیدا کرانے کا کیا اس سے بہتر انداز بھی ہوگا؟ نہیں۔ چونکہ جناب مولانا مودودی کا اسلوب صحافی اور خطابی ہے علمی وفقہی نہیں۔ اس لئے وہ کمال ہوشیاری سے ایسی اصطلاح ہر جگہ استعمال نہیں کرتے جن سے باسانی وہ گرفت میں آسکیں اس طرح اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ حضرات کی نگاہوں میں ان کی غلطی پر پردہ پڑا رہتا ہے۔

مضمون نمبر (۸)

مستند روایات کے مقابلہ میں آپ کا گمان وقیاس

تفہیم القرآن ا ۴۴۳ المائدہ ۵

ا۔ مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع کے موقع پر ۱۰ھ ہجری میں نازل ہوئی تھی۔ لیکن جس سلسلہ کلام میں یہ واقع ہوئی ہے وہ صلح حدیبیہ سے متصل زمانہ ۶ھ کا ہے اور سیاق عبارت میں دونوں فقرے کچھ ایسے پیوستہ نظر آتے ہیں کہ یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ ابتداء میں یہ سلسلہ کلام ان فقروں کے بغیر نازل ہوا تھا۔ اور بعد میں جب یہ نازل ہوئے تو انہیں یہاں لا کر نصب کر دیا گیا۔ میرا قیاس یہ ہے "والعلم عنداللہ" کہ ابتداء یہ آیت اسی سیاق کلام میں نازل ہوئی تھی اس لئے اس کی حقیقی اہمیت لوگ نہ سمجھ سکے بعد میں جب تمام عرب مسخر ہو گیا اور اسلام کی طاقت اپنے شباب پر پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ یہ فقرے اپنے نبیؐ پر نازل فرمائے اور ان کے اعلان کا حکم دیا"۔

تنبیہ

قارئین کرام! دیکھئے مستند روایات کے مقابلہ میں کس طرح آپ نے گمان وقیاس کر کے ان روایات پر جرح وقدح کی کوشش کی ہے پھر انتہائی دلیری سے تحریر کرتے ہیں کہ "اس کی (آیت کی) حقیقی اہمیت لوگ نہ سمجھ سکے" یعنی آیت کی حقیقی اہمیت کو اگر کسی نے سمجھا ہے تو وہ جناب سید مودودی صاحب کی ذات ہے کیونکہ آپ نے براہ راست قرآن وحدیث کا مطالعہ کر کے سب پر تنقید کی ہے اور دیگر لوگوں نے تو چند سندوں کے ذریعہ علوم حاصل کئے ہیں۔ آپ نے لکھا ہے کہ

> ہم اس سے پہلے بھی بارہا کہہ چکے ہیں اور یہاں پھر اس کا اعادہ کرتے ہیں کہ کوئی روایت خواہ اس کی سند آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہو۔ ایسی صورت میں قابل قبول نہیں ہو سکتی، جبکہ اس کا متن اس کے غلط ہونے کی شہادت دے رہا ہو۔ تفہیم جلد ۳ صفحہ ۲۴۳

مضمون نمبر (۹)

مدارس اور یونیورسٹیاں جاہلیت کی تعریف میں

تفہیم القرآن ا ۴۸۰ المائدہ ۵

۸۳۔ "جاہلیت کا لفظ اسلام کے مقابلہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اسلام کا طریقہ سراسر علم ہے کیونکہ اس کی طرف خدا نے رہنمائی کی ہے جو تمام حقائق کا علم رکھتا ہے اور اس کے برعکس ہر وہ طریقہ جو اسلام سے مختلف ہے جاہلیت کا طریقہ ہے۔ عرب کے زمانہ قبل اسلام کو جاہلیت کا دور اسی معنی میں کہا گیا ہے کہ اس زمانہ میں علم کے بغیر محض وہم یا قیاس وگمان یا خواہشات کی بنا پر انسانوں نے اپنے لیے زندگی کے طریقے مقرر کر لیے تھے۔ یہ طرز عمل جہاں جس دور میں بھی انسان اختیار کریں اسے بہر حال جاہلیت کا طرز عمل کہا جائے گا مدرسوں اور یونیورسٹیوں میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے وہ محض ایک جزوی علم ہے اور کسی معنی میں بھی انسان کی رہنمائی کے لیے کافی نہیں ہے۔ لہذا خدا کے دیے ہوئے علم سے بے نیاز ہو کر جو نظام زندگی اس جزوی علم

کے ساتھ ظنون واوہام اور قیاسات وخواہشات کی آمیزش کر کے بنائے گئے ہیں وہ بھی اسی طرح "جاہلیت" کی تعریف میں آتے ہیں جس طرح قدیم زمانے کے جاہلی طریقے اس تعریف میں آتے تھے"۔

تفہیم ج اول ۴۸۰ کی ان عبارات سے ہم نے ۵/عنوانات قائم کئے ہیں تا کہ تفہیم کے متعلق کچھ سوالات کے جوابات معلوم ہو جائیں۔

۱۔ "مدرسوں اور یونیورسٹیوں میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے وہ محض ایک جزوی علم ہے"

۲۔ "(مدارس اور یونیورسٹیوں کا جزوی علم بھی) کسی معنی میں بھی انسان کی رہنمائی کے لئے کافی نہیں ہے"

۳۔ "(مدارس اور یونیورسٹیوں کا) نظام زندگی خدا کے دیے ہوئے علم سے بے نیاز ہو کر (ہے)"

۴۔ "مدارس اور یونیورسٹیوں میں اس جزوی علم کے ساتھ ظنون اوہام قیاسات وخواہشات کی آمیزش کر کے جزوی نظام بنائے گئے ہیں"

۵۔ "(مدارس اور یونیورسٹیاں بھی) اسی طرح "جاہلیت" کی تعریف میں آتے ہیں جس طرح قدیم زمانے کے جاہلی طریقے اس تعریف میں آتے تھے"

قارئین کرام! مدارس اسلامیہ اور جدید یونیورسٹیوں کو جاہلیت کی تعریف میں داخل کرنے کے بعد یہ اس عظیم شخص کی تنقیدات ہیں جو خود ہی اقرار کرتے ہیں کہ دینی علوم کی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی اور نہ ہی کسی یونیورسٹی میں جا کر مکمل تعلیم حاصل کی بلکہ قدیم اور جدید کے ان مراکز علمیہ سے تھوڑی تھوڑی تعلیم حاصل کر کے اپنا الگ مطب شروع کر دیا۔ مزید طرہ یہ ہے کہ دینی اصول کے ماہر اور مزاج شناس نبوت بھی کہلانے لگے۔ حالانکہ بیچ کے راس کے آدمی (ماڈرن مولوی) ہیں ملاحظہ کیجئے ترجمان ج ۱۴ عدد ۳ ص ۲۲۷ میں آپ لکھتے ہیں کہ

> "مجھے گروہ علماء میں شامل ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے میں ایک بیچ راس کا آدمی ہوں جس نے جدید اور قدیم دونوں طریقہائے تعلیم سے کچھ کچھ حصہ پایا ہے دونوں کوچوں کو خوب چل پھر کر دیکھا ہے" ترجمان ج ۱۴ عدد ۳ (۲۲۷)

اسی ترجمان میں لکھتے ہیں کہ

''اپنی بصیرت کی بناء پر نہ تو قدیم گروہ کو سراپا خیر سمجھتا ہوں اور نہ جدید گروہ کو دونوں کی خامیوں پر میں نے آزادی کے ساتھ تنقید کی۔ (حوالہ سابق)

اس لئے جناب مولانا مودودی صاحب اپنی ہی ان تحریرات میں اعتراف حقیقت کی بنیاد پر ''نیم ملا اور نیم حکیم'' کے مصداق قرار پاتے ہیں کہ آپ سے جان کا بھی خطرہ اور ایمان کا بھی خطرہ۔ جب دونوں گروہ کو آپ سراپا خیر نہیں سمجھتے تو کیا سمجھتے ہیں؟ اور کس کو سراپا خیر سمجھتے ہیں؟ یہی کہ مدارس اور یونیورسٹیاں جاہلیت کی تعریف میں ہیں؟ علاوہ ازیں جب مدارس اور یونیورسٹیوں میں جزوی علم ہے اور وہ بھی علوم الٰہیہ سے بے نیاز ہو کر جاہلیت کی طرح ہے تو کلی علم کہاں ملے گا؟ تفہیم میں؟ اس میں آپ نے ۵۵ سالہ مطالعہ کے نچوڑ میں جو نایاب تحقیقات پیش کی ہیں کیا وہ ہر معنی میں انسان کی رہنمائی کے لئے کافی ہیں؟ کیا ۵۵ سالہ مطالعہ کے نچوڑ میں علوم تفہیم القرآن خدا کے دیئے ہوئے علم سے بے نیاز ہو کر نہیں ہیں؟ کیا تفہیم میں ظنون اوہام قیاسات وخواہشات کی آمیزش نہیں ہے؟ کیا تفہیم میں آپ کے اس طرز تحقیق کو اب جاہلیت کے عمل سے تعبیر نہ کیا جائے؟ اگر ان سوالوں کے جوابات اثبات کے بجائے نفی میں ہیں اور ان سے ارباب جماعت کو تکلیف ہوگی تو پھر مدارس اسلامیہ اور ان میں پڑھائی جانے والی تعلیمات کے متعلق اس طرح کی زہر افشانی کر کے تخریبی ذہن سازی کون سی شرافت وانسانیت کہلائے گی؟ اور جناب سید مودودی نے مدرسوں اور یونیورسٹیوں کو جاہلیت کی تعریف میں شامل کر دیا تو اوسط درجہ کے عوام الناس اور قارئین تفہیم روح قرآن تک پہونچ گئے؟

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ آپ کے قلم سے کیا کیا ناقابل قبول اشتعال انگیز تحریرات وجود میں آئی ہیں کاش تفہیم کو بھی تحقیقی وتنقیدی نظر سے دیکھ کر مکمل جائزہ لیا جاتا تو معلوم ہوتا کہ اس میں علم وتحقیق کے نام پر کیا کیا گل کھلائے گئے ہیں؟ اگر اسی کا نام علم وتحقیق ہے تو لعنت ہے ایسے علم وتحقیق پر۔

مضمون نمبر (۱۰)

بائبل کی کتاب تلمود سے مزید تفصیل بیان کرنیکا کیا مطلب؟

تفہیم القرآن ۱ ۳۱۹ النساء ۴

حاشیہ ا۔ ''اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا'' اس کی تفصیلی کیفیت ہمارے علم میں نہیں ہے۔ عام طور پر جو بات اہل تفسیر بیان کرتے ہیں اور جو بائبل میں بھی بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ آدم کی پسلی سے حوا کو پیدا کیا گیا تلمود میں مزید تفصیل یہ ہے کہ دائیں جانب کی تیرھویں پسلی سے پیدا کیا گیا تھا۔ لیکن کتاب اللہ اس بارے میں خاموش ہے۔ (۲) اور جو حدیث اس کی تائید میں پیش کی جاتی ہے اس کا مفہوم وہ نہیں ہے جو لوگوں نے سمجھا ہے۔ لہٰذا یہ بہتر ہے کہ بات کو اسی طرح مجمل رہنے دیا جائے جس طرح اللہ نے اسے مجمل رکھا ہے اور اس کی تفصیلی کیفیت متعین کرنے میں وقت ضائع نہ کیا جائے''۔

ا۔ ''عام طور پر جو بات اہل تفسیر بیان کرتے ہیں اور جو بائبل میں بھی بیان کی گئی ہے''

تنبیہ

یہاں آپ نے اہل تفسیر کے بیان کی توثیق کیوں کی؟ اس لئے کہ بائبل میں بھی وہی بات بیان کی گئی ہے۔ لیکن پھر اس کی مزید تفصیل بائبل کی کتاب تلمود سے بیان کرنے کا کیا مطلب؟ کیونکہ کتاب اللہ اس کے متعلق خاموش ہے تو بائبل سے تفصیل پیش کرنا اس کی قباحت کو اور زیادہ مؤکد کر دیتا ہے۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ بائبل سے اگر کوئی بات اہل تفسیر نے بیان کی ہے تو آپ اس پر تنقید کرتے کہ (۱) اسرائیلی روایتوں کی وہ قسمیں جو قرآنی حقیقتوں کے موافق ہیں وہ صحیح ہیں (۲) اور جو قرآن وسنت کے مخالف ہیں وہ یقیناً باطل غلط اور جھوٹ ہیں (۳) اور اسرائیلی روایتوں کی تیسری قسم کے متعلق حکم شرعی یہ ہے کہ مکمل سکوت اختیار

کیا جائے نہ اس کی تصدیق کی جائے نہ اس کی تکذیب کیونکہ اگر ہم اس کو سچ مان لیں اور وہ اللہ کے نزدیک جھوٹی ہو۔ اور اگر وہ جھوٹ مان لیں پھر وہ اللہ کے نزدیک سچی ہو تو دونوں صورتوں میں آفت کا سامنا ہے اس قسم کی اسرائیلی روایتوں سے ہم قرآن کی تفسیر میں قطعاً بے نیاز ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اسلام کے احکام و مسائل سے ہر شخص بخوبی واقف ہو اور اصول دین کے بارے میں مسلمانوں کو کسی غلط فہمی میں پڑ جانے کا اندیشہ نہ ہو تو اس شرط کے ساتھ اسرائیلیات کو نقل کرنے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اجازت ہے کہ مسلمان کسی دینی فتنہ کے شکار نہ ہو جائیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۸۸)

اور سیدنا امام مالکؒ نے حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج کے متعلق فرمایا ہے کہ اس سے "امر احسن" مراد ہے یعنی جھوٹی باتوں کو اور جن باتوں کے متعلق قرآن وحدیث خاموش ہیں ان کو نقل کرنا ممنوع ہے اس حدیث میں جو اسرائیلیات کے نقل کرنے کی بظاہر اجازت ہے وہ عام نہیں بلکہ خاص امر مستحسن کی اجازت ہے۔

قارئین کرام! مولانا مودودی اسرائیلیات کے متعلق تحقیق و تنقید کیا کرتے؟ انہوں نے تلمود سے مزید تفصیل پیش کرتے ہوئے فیصلہ بھی اپنے ان الفاظ میں فرمادیا کہ

> ۲۔ "لیکن کتاب اللہ اس بارے میں خاموش ہے اور جو حدیث اس کی تائید میں پیش کی جاتی ہے اس کا مفہوم وہ نہیں ہے جو لوگوں نے سمجھا ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ بات کو اسی طرح مجمل رہنے دیا جائے جس طرح اللہ نے اسے مجمل رکھا ہے اور اس کی تفصیلی کیفیت متعین کرنے میں وقت ضائع نہ کیا جائے"۔

اب خط کشیدہ عبارات قابل گرفت ہونے کی وجہ سے انتہائی قابل غور ہیں سب سے پہلی بات یہ ہے جب کتاب اللہ اس بارے میں خاموش ہے اور تمام اہل تفسیر نے اس موقع پر تقلیل و اختصار سے ہی کام لیا ہے تو آنجناب نے بائبل کی کتاب تلمود سے مزید اس کی تفصیل کیوں پیش کی؟

دوسری بات قابل گرفت یہ ہے کہ مودودی مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ

> "جو حدیث اس کی تائید میں پیش کی جاتی ہے اس کا مفہوم وہ نہیں ہے جو لوگوں نے سمجھا ہے"

یعنی مفہوم صرف اور صرف جناب سید مودودی صاحب نے ہی سمجھا ہے اب اس میں بھی غور طلب سوالات یہ ہیں کہ لوگوں نے کیوں نہیں اس حدیث کا مفہوم سمجھا؟ اور جناب مودودی صاحب نے جو کچھ سمجھا تو کیا سمجھا؟ اور کیوں سمجھا؟ اور جو کچھ سمجھا تھا اس کو یہاں مفصلاً بیان کرنے کے بجائے اس کی تفصیلی کیفیت سمجھنے سے اپنے ان الفاظ میں کیوں منع فرمادیا کہ

> ۳۔ "اس کی تفصیلی کیفیت کو متعین کرنے میں وقت ضائع نہ کیا جائے"

لہٰذا اب تو ہم اس حقیقت کی تفصیلی کیفیت کی طرف ضرور جائیں گے تاکہ مذکورہ سوالوں کا سراغ مل سکے اور جناب سید مودودی مرحوم کی علمی و دینی و اعتقادی خیانت ظاہر ہو جائے

اصل بات کیا ہے؟

اس آیت پاک میں پیدائش کی تین صورتوں کا بیان ہے جس میں دوسری صورت کو بعض لوگوں نے تو ہم پرستی کی بنیاد پر نہیں مانا ہے بلکہ صاف انکار کردیا ہے اور جناب مودودی مرحوم نے بھی ان ہی بعض تو ہم پرستوں کی اتباع میں لکھ مارا کہ "اس کی تفصیلی کیفیت ہمارے علم میں نہیں ہے" بلکہ "اس کی تفصیلی کیفیت متعین کرنے میں وقت ضائع نہ کیا جائے" یہاں دراصل بخاری شریف کی حدیث "انھن خلقن من ضلع وان اعوج شی من ضلع اعلاہ" کو ہی مودودی صاحب نے انکار فرما کر ظلم عظیم کیا ہے۔

چونکہ بخاری و مسلم کی یہ حدیث آپ کی سمجھ میں نہیں آئی اسی لئے آپ نے تحریر کیا کہ

> "جو حدیث اس کی تائید میں پیش کی جاتی ہے اس کا مفہوم وہ نہیں ہے جو لوگوں نے (یعنی محدثین و مفسرین نے) سمجھا ہے"

تو غور طلب بات یہ ہے کہ اگر آپ نے حدیث پاک کا صحیح مفہوم سمجھا تھا تو اس کو کیوں نہیں بیان کیا؟

آیئے سمجھیں کہ اس موقع پر جناب مودودی صاحب نے کتنی بڑی غلطی کی ہے

اس کی تفصیلی وضاحت کے لئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمہ نے بیان القرآن میں اس آیت پاک کے ذیل میں جو فائدہ تحریر فرمایا ہے راقم الحروف اس کو من وعن نقل کرنا ضروری سمجھتا ہے تاکہ قارئین کو معلوم ہو جائے کہ جناب سید مودودی مرحوم نے آیت پاک کی تائید میں بخاری و مسلم کی اس حدیث کا کیوں انکار کیا ہے؟ اور اس کے علاوہ آیتِ پاک ''ان اللہ علی کل شیء قدیر'' کو بھی ماننے سے انکار کیا ہے۔ فیا حسرتاہ ویا اسفاہ۔

دیکھئے بیان القرآن میں ہے:

اس آیت میں پیدائش کی تین صورتوں کا بیان ہے ایک تو جاندار کا بے جان سے پیدا کرنا کیونکہ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے ہیں دوسرے جاندار کا جاندار سے بلا طریقہ توالد متعارف پیدا ہونا کیونکہ حضرت حوا حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہوئی ہیں جیسا حدیث شیخین وغیرہما میں ہے "انھن خلقھن من ضلع وان اعوج شیٔ من ضلع اعلاہ" اور تیسرے جاندار کا جاندار سے بطریق توالد متعارف پیدا ہونا جیسا اور آدمی آدم و حوا سے اس وقت تک پیدا ہوتے آرہے ہیں۔ اور فی نفسہ عجیب ہونے میں اور قدرت کے سامنے عجیب نہ ہونے میں تینوں صورتیں برابر ہیں پس بعد ثبوت بالدلیل کسی صورت کا محض بناپر توہم پرستی کے انکار کرنا جیسا کہ بعضے صورت ثانیہ کے منکر ہیں (راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ جیسے مودودی صاحب نے ہی انکار کیا ہے) نہایت ہی ظلم ہے رہا یہ سوال کہ اس صورت کے اختیار کرنے سے کیا فائدہ ہوا؟ بدیں وجہ مدفوع ہیکہ اول تو ہم تعیین فوائد و اسرار کا دعویٰ نہیں کرتے نہ اس کی کچھ ضرورت دوسرے ممکن ہے کہ ایک حکمت یہ بھی ہو کہ اللہ تعالیٰ کا سب طرح کی پیدائش پر قادر ہونا محقق ہو جائے تیسرے ہم پوچھ سکتے ہیں کہ جو صورت اس وقت متعارف ہے اس میں کیا اسرار و فوائد ہیں؟ جب یہ معلوم نہیں وہ بھی سہی اور یہ شبہ کہ پھر آدم کی وہ پسلی بدن سے

غائب ہوگئی ہوگی تو اول تو یہ ضرور نہیں کیا اس کہنے سے کہ کوئی چیز مٹی سے بنی کسی عاقل کے نزدیک لازم آتا ہے کہ پھر مٹی عالم سے غائب ہوگئی ہوگی۔ بلکہ ہر شخص کے نزدیک مطلب اس کا یہ ہوتا ہے کہ مٹی کے بعض اجزاء سے وہ چیز بنائی گئی پس اگر اس طرح یہاں بھی کہا جاوے کہ کسی جزو خاص نہایت قلیل المقدار کو لے کر اس کو اصل قرار دیا اور اپنی قدرت سے اس کو بڑھا کر ایک خاص صورت بنادی تو اس میں کیا اشکال ہے؟ دوسرے اگر بلا دلیل اس لازم کو کوئی مان لے تو اس میں کون سا محال لازم آتا ہے کہ آدم کے بدن میں ایک ہڈی کم ہوگئی ہو رہا یہ کہ اس کے نکالنے سے ان کو تکلیف ہوئی ہوگی محض طفلانہ وہم ہے ان اللہ علی کل شیٔ قدیر"۔

خلاصہ: یہ کہ محض توہم پرستی کی بنیاد پر جناب سید مودودی صاحب نے مذکورہ حدیث پاک اور آیت پاک کا انکار کیا کیونکہ اس حدیث مذکور سے اس آیت کی تفصیلی کیفیت معلوم ہوتی ہے لہٰذا جناب مودودی مرحوم کی ہدایت کے مطابق اگر بات کو مجمل رہنے دیا جائے تو یہ قباحات شدیدہ و خبیثہ و کفریہ لازم آتی ہیں فنعوذ باللہ من ھذہ الخرافات ونقول ان اللہ علی کل شیٔ قدیر۔

قارئین کرام! آپ غور فرمائیں کہ علم تفسیر میں یہ تفصیلات کتنی اہمیت رکھتی ہیں اگر ان کو نہ بیان کی جائیں تو کس قدر نقصان لازم آتا ہے مگر جناب سید مودودی مرحوم کے نزدیک ان تفصیلات کو بیان کرنا غالباً اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے غیر ضروری ہوں۔ قطع نظر اس سے کہ حدیث پاک ہی کا انکار کر دیا جائے اور صاف کہہ دیا جائے کہ ''ان تفصیلات کو متعین کرنے میں وقت کو ضائع کرنا ہے'' کیا یہی ہے قرآن کا مفہوم و مدعا؟ اور قرآن پاک کا وہ اثر جو تفہیم کے ذریعہ سے آپ نے اپنے قارئین پر ڈالنا چاہا ہے؟ کیا اس طریقہ کار و انداز تحریر سے جناب سید مودودی صاحب کا مقصد پورا ہو گیا جس کے بارے میں آپ نے تحریر کیا ہے:

''جو مقصد میں نے اس کام میں رکھا ہے وہ یہ ہے کہ ایک عام ناظر اس کتاب کو پڑھتے ہوئے قرآن کا مفہوم و مدعا بالکل صاف صاف سمجھتا چلا جائے اور اس سے وہی اثر قبول کرے جو قرآن اس پر ڈالنا چاہتا ہے''

(دیباچہ تفہیم)

کسی نے سچ کہا ہے کہ۔

بڑی شور سنتے تھے پہلو میں جن کا
جو چیرا تو ایک قطرۂ خوں بھی نہ نکلا

شاید اسی لئے آنجناب مودودی نے نصیحت فرمائی تھی اگر کسی نے تفصیلی کیفیت کو متعین کرنے میں وقت لگایا تو ان کا راز فاش ہو کر بند پٹارہ کھل جائے گا کہ ان کو انکار حدیث بخاری کے ساتھ ساتھ قدرتِ خداوندی کا بھی انکار ہے۔ اور یہ کہ آنجناب والا تو ہم پرستی کے شکار ہیں لیکن جناب مودودی نے جن امکانی توہمات وسوالات کی بنیاد پر زیر بحث مسئلہ میں آیت پاک " ان الله علی کل شیء قدیر "کا انکار اور آیت پاک "خلقکم من نفس واحدة " کی تائید میں بخاری ومسلم کی حدیث کا انکار کیا ہے اس کے بارے میں جناب کی ایک دوسری تحریر کی بنیاد پر راقم الحروف صاف صاف عرض کرتا ہے کہ آنجناب کو اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے کا یقین نہیں تھا۔ ہمارے اس دعوے کی دلیل تفہیم القرآن ج ۲ ص ۵۸۷ بنی اسرائیل حاشیہ نمبر ۱ معراج کے بیان میں آپ ہی کی تحریر ہے۔

"لیکن جب ذکر یہ ہو کہ خدا نے فلاں کام کیا تو پھر امکان کا سوال وہی شخص اٹھا سکتا ہے جسے خدا کے قادر مطلق ہونے کا یقین نہ ہو"

لہٰذا آپ ہی کے اس اصول وقاعدہ اور بیان کردہ اٹل ضابطہ سے ثابت ہوا کہ خلقکم من نفس واحدة میں آپ نے صورت ثانیہ یعنی جاندار کا جاندار سے بطریقہ توالد وتناسل متعارف پیدا ہونا جیسا کہ حدیث شیخین میں حضرت حواء کے متعلق ہے وہ حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا ہوئیں اور جب اللہ نے ان کو پیدا کیا تو اس کے انکار کرنے کا صاف واضح مطلب یہی ہوا کہ جناب مودودی صاحب کو خدا کے قادر مطلق ہونے کا یقین نہیں تھا۔ العیاذ باللہ ورنہ اس صورت ثانیہ کے آپ منکر نہ ہوتے۔

قارئین کرام! یہ جناب کی وہی مذبذبانہ وکافرانہ کیفیت ہے جس کے متعلق ماہنامہ الحسنات یادگار مودودی نمبر ص ۱۶۸ کے حوالہ سے راقم الحروف لکھ چکا ہے

"آپ کو توحید، رسالت، وحی، احادیث پاک، سیرت پاک، سب سے یقین اٹھتا چلا گیا تشکک اور ارتیاب سے ایمان وایقان کی بنیادیں منہدم ہو گئیں خدائی وجود سمجھ میں نہ آتا تھا.....الخ"

العیاذ باللہ تفہیم القرآن کی ان عبارات کی بنیاد پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسی بے ایمانی وبے یقینی کی حالت میں آپ دنیا سے رخصت ہو گئے؟ یا پھر یہ تحریرات ان ہی ڈیڑھ سالہ کافرانہ کیفیت ہی میں لکھی گئی ہیں اس کے علاوہ اور کوئی تیسری صورت سمجھ میں نہیں آتی ہے۔

مضمون نمبر (۱۱)

قرآن اور بائبل کا باہم مقابلہ اور احادیث وتفاسیر یقینی ذریعہ معلومات نہیں نعوذ باللہ

تفہیم القرآن ۱ ۴۱۹ النساء ۴

حاشیہ ۱۹۳۔ یہ آیت تصریح کرتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر چڑھائے جانے سے پہلے اٹھا لیے گئے تھے اور یہ کہ مسیحیوں اور یہودیوں دونوں کا یہ خیال کہ مسیح نے صلیب پر جان دی، محض غلط فہمی پر مبنی ہے۔ (۱) قرآن اور بائبل کے بیانات کا متقابل مطالعہ کرنے سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ غالباً پیلاطس کی عدالت میں تو پیشی آپ ہی کی ہوئی تھی، مگر جب وہ سزائے موت کا فیصلہ سنا چکا، اور جب یہودیوں نے مسیح جیسے پاک نفس انسان کے مقابلہ میں ایک ڈاکو کی جان کو زیادہ قیمتی ٹھہرا کر اپنی حق دشمنی وباطل پسندی پر آخری مُہر بھی لگا دی، تب اللہ تعالیٰ نے کسی وقت آنجناب کو اٹھا لیا۔ بعد میں یہودیوں نے جس شخص کو صلیب پر چڑھایا وہ آپ کی ذات مقدس نہ تھی بلکہ کوئی اور شخص تھا جس کو نہ معلوم کس وجہ سے ان لوگوں نے عیسیٰ ابن مریم سمجھ لیا۔ تاہم ان کا جرم اس سے کم نہیں ہوتا، کیونکہ جس کو انہوں نے کانٹوں کا تاج پہنایا، جس کے منہ پر تھوکا اور جسے ذلت کے ساتھ صلیب پر چڑھایا اس کو وہ عیسیٰ بن مریم ہی سمجھ رہے تھے۔ (۲) اب یہ معلوم

کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ معاملہ کس طرح ان کے لئے مشتبہ ہوگیا۔ چونکہ اس باب میں کوئی یقینی ذریعہ معلومات نہیں ہے (۳) اس لئے مجرد قیاس وگمان اور افواہوں کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس شبیہ کی نوعیت کیا تھی جس کی بنا پر یہودی یہ سمجھے کہ انہوں نے عیسیٰ بن مریم کو صلیب دی ہے درآں حالیکہ عیسیٰ بن مریم ان کے ہاتھ سے نکل چکے تھے"۔

ا۔" قرآن اور بائبل کے بیانات کا متقابل مطالعہ کرنے سے ہم یہ سمجھتے ہیں ......الخ"

محترم قارئین کرام! عالم اسلام کی ایک مایہ ناز شخصیت مفکر اسلام مخدومی ومشفقی جناب مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "مطالعہ قرآن اور اس کے اصول ومبادی" ص ۱۲۹ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

"کہاں صحیفوں اور قرآن کا موازنہ ہی سرے سے غلط ہے اور ناواقفیت پر مبنی ہے۔ کیونکہ مقابلہ اور موازنہ ایک درجہ کی چیزوں میں ہوتا ہے"

اب آپ خود ہی غور فرمالیں کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحقیقی فیصلہ کے بعد جناب مودودی کے لئے قرآن اور بائبل کے بیانات کا باہم متقابل مطالعہ کرنا اور اس سے قرآنی حقیقت کو سمجھنا یہ قرآن اور بائبل کو ایک درجہ کی چیز قرار دینا ہے یا نہیں؟۔ پھر بائبل کے بیان سے اپنے قیاس کی بنیاد پر قرآن پاک کی کسی چیز کو سمجھنے کی کوشش کس قدر غلط اور ناواقفیت پر مبنی ہے"۔

۲۔" اب یہ معلوم کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ معاملہ کس طرح ان کے لئے مشتبہ ہوا چونکہ اس باب میں کوئی یقینی ذریعہ معلومات نہیں ہے اس لئے مجرد قیاس وگمان اور افواہوں کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس شبیہ کی نوعیت کیا تھی.....الخ"

یہاں آپ نے حدیث وتفسیر کی کتابوں میں لکھی ہوئی شبہ کی نوعیت کو قیاس وگمان اور افواہوں کی بنیاد سے تعبیر کی ہے اور بائبل کے بیان کے مطابق پیلاطیس کی عدالت کے واقعہ کو اپنے قیاس کی بنیاد پر صحیح مانا اور یہودیوں کی اپنی اٹکل سے نکلی ہوئی مختلف باتوں کی تصدیق کی ہے۔ شبہ کی نوعیت کے متعلق ترجمہ شیخ الہندؒ کے فوائد عثمانی ص ۱۳۲ میں ہے۔

"قصہ یہ ہوا کہ جب یہودیوں نے حضرت مسیح کے قتل کا عزم کیا تو پہلے ایک آدمی ان کے گھر میں داخل ہوا حق تعالیٰ نے ان کو تو آسمان پر اٹھالیا اور اس شخص کی صورت حضرت مسیح علیہ السلام کی صورت میں مشابہ کردی جب باقی لوگ گھر میں گھسے تو اس کو مسیح سمجھ کر قتل کردیا پھر خیال آیا تو کہنے لگے کہ اس کا چہرہ تو مسیح کے چہرہ کے مشابہ ہے اور باقی بدن ہمارے ساتھی کا معلوم ہوتا ہے کسی نے کہا کہ یہ مقتول مسیح ہے تو ہمارا آدمی کہاں گیا؟ اور ہمارا آدمی ہے تو مسیح کہاں ہے؟ اب صرف اٹکل سے کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ کہا علم کسی کو بھی نہیں۔ حق یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ ہرگز مقتول نہیں ہوئے بلکہ آسمان پر اللہ نے اٹھالیا اور یہود کو شبہ میں ڈال دیا"

لیکن محدث جلیل حضرت استاذی المکرم مشفقی ومخدومی مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری زید مجدہ محدث دارالعلوم دیوبند نے اپنی کتاب العون میں ابن کثیرؒ کے حوالہ سے بسند صحیح حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک دوسری روایت نقل فرمائی ہے۔

"جس کا ماحصل یہ ہے کہ ایک مکان میں بارہ حوارئین تشریف فرما تھے حضرت مسیح کے رفع کا وقت قریب آیا تو حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام بھی اسی حجرہ میں قیام فرما تھے تو آپ نے فرمایا کہ میری جگہ تم میں سے کوئی ہے؟ جو مقتول ہونا پسند کرے؟ اگر ایسا ہوجائے تو وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا ایک کم سن نوجوان نے اس سعادت وخوش قسمتی کو حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے بیٹھ جانے کا حکم فرمایا پھر آپ نے تین مرتبہ اسی طرح اعلان فرمایا لیکن ہر دفعہ وہی خوش قسمت نوجوان نے اس سعادت عظمیٰ کو حاصل کرنے کی کوشش کی تو آپ نے تیسری دفعہ اس کو منظور فرمالیا۔ بس اسی وقت وہ نوجوان اللہ کی قدرت سے حضرت عیسیٰ کے مشابہ ہوگیا اور آپ کو حجرہ کے روشندان سے اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھالیا۔ اس کے بعد یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مشابہت رکھنے والے نوجوان کو قتل کرکے صولی پر چڑھایا" (العون ص ۱۱۰)

بہر حال نوعیت اشتباہ کی روایات صحیحہ مختلف ہیں جن روایات کو مودودی صاحب یقینی ذریعہ معلومات میں نہیں مانتے ہیں چونکہ وہ کہتے ہیں کہ

احادیث سے حد سے حد اگر کوئی چیز حاصل ہوتی ہے تو وہ گمان صحت ہے نہ کہ

علم یقین" (ترجمان ج ۲۶ عدد ۳ ص ۲۶۷)

توجو چیز مفید یقین نہ ہو اس کی طرف توجہ کرنا یا معرض بحث میں لانا غالباً جناب سید مودودی نے بے سود سمجھا لیکن اس کو رد کرنا تو کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے خلاف اس سے قوی دلیل موجود نہ ہو،

قارئین کرام! بائبل کے بیانات کو یقینی ذریعہ معلومات میں سے اور احادیث و تفسیر کو غیر یقینی ذریعہ معلومات میں سے ماننے کا صاف مطلب کیا ہے؟ اب کس طرح کوئی کہہ دے کہ جناب سید مودودی صاحب بھی کھلم کھلا اعلانیہ طور پر تو نہیں بلکہ اپنی تحریرات و عبارات تفہیم القرآن کے چھپے ہوئے صفحات میں یہودیوں کے اور محرف بائبل کے وکیل و ترجمان نظر آ رہے ہیں۔ اسی لئے تنقیحات ص ۱۲۶ میں آپ نے تحریر کیا ہے کہ:

"قرآن و سنتِ رسول کی تعلیم سب پر مقدم ہے مگر تفسیر و سنت کے پرانے ذخیروں سے نہیں۔ ان کے پڑھانے والے ایسے ہونے چاہئیں کہ جو قرآن و سنت کے مغز کو پا چکے ہوں"۔ (تنقیحات ص ۱۲۶)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن و سنتِ رسول کی تعلیم پرانے ذخیروں سے نہ دی جائے تو پھر کس سے دی جائے؟ نئی حدیثیں کہاں سے اور کیسے پیدا کی جائیں گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نئے ذخیروں میں سے جس طرح بائبل کے بیانات کی بنیاد پر جناب سید مودودی صاحب نے تعلیم دی ہے اس طرح تعلیم دی جائے۔ چونکہ بائبل کے مطالعہ کرنے کے بعد ہی آپ نے قرآن و حدیث کے مغز کو پایا ہے۔ لہٰذا تعلیم دینے والے بھی کو آپ کی طرح بائبل کا تقابلی مطالعہ کرنا چاہئے اور تفسیر و سنت کے پرانے ذخیروں کو نذر آتش کرنا چاہئے؟ فالی اللہ المشتکی واللہ المستعان علی ماتصفون.

قارئین کرام! جناب سید مودودی صاحب کے طریقہ اور استدلال کی حقیقت جاننے کے لئے الفوز الکبیر کی اس عبارت پر نظر ڈال لینا کافی ہوگا کہ دراصل نصاریٰ کی اجتنابی میں آپ انجیل کی عبارتوں سے استدلال کرتے ہیں۔

وکانوا یتمسکون فی ھذالباب ببعض نصوص الانجیل ..الخ۔

یعنی نصاری انجیل کی عبارتوں سے مختلف طریقوں پر استدلال۔

حضرت عیسیٰ کے "رفع الی السماء" کے بعد ہی نصاری اصل انجیل

محروم ہو گئے تا دیر اس کی حفاظت نہ کر سکے اور حضرت کے بجائے پولوس طرسوی کی تعلیمات کی پیروی کر لی اور رفتہ رفتہ ایک انجیل کی جگہ بہت ساری انجیلوں نے لے لی اور پہلی صدی عیسوی سے چوتھی صدی عیسوی کے اوائل تک اکیس سے زائد اناجیل کی بھرمار ہو گئی تھی کیونکہ "انجیل" کی گمشدگی کے بعد "انجیل" کا مدار کشف والہام پر ہو گیا تھا لہٰذا "ہر کہ آمد عمارت نو ساخت" انجیل کی اس بڑھتی ہوئی تعداد کو دیکھ کر ارباب نصرانیت کو تشویش ہوئی تو ۳۲۵ء میں "نائسیا کونسل" نے بقول علامہ مناظر احسن گیلانی ساری انجیلوں کو اکٹھا کر کے "جھوٹی گر جائے سچی رہ جائے" کے ورد و دعا کے ذریعہ چار کا انتخاب کیا اور باقی نظر انداز کر دی گئیں تاہم ان کا حال بھی اناجیل کے قدیم ڈھیر سے کچھ زیادہ مختلف نہیں رہا اور تفہیم القرآن کا سچا تبصرہ "انھا کتب تاریخیۃ مضطرب المصادر منھا ماھو کذب ومنھا ماھو متناقض" حرف بحرف صادق آتا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے اظہار الحق ج اول ص ۱۳۵ پر۔

اس صورت حال میں اسے آسمانی کتاب کہنا اور قرآن کریم کے مقابلہ میں عیسائیوں کی طرح جناب مودودی صاحب کو اختیار کرنا کیا نفسانیت و نادانی کے سوا کچھ اور ہو سکتا ہے؟ (مستفاد الفوز العظیم ج اول ص ۱۳۳) واللہ اعلم کہ حضرات محدثین کی اتباع میں استدلال نہ کر کے نصاریٰ کی طرح استدلال کرنے میں جناب مودودی صاحب کا کون سا مخفی راز ہے؟

مضمون نمبر (۱۲)

ترمذی شریف کی حدیث بھی آپ کے نزدیک معتبر ذریعہ میں نہیں

تفہیم القرآن ۵۱۶ المائدہ ۵

حاشیہ ۱۲۹۔ "قرآن اس باب میں خاموش ہے کہ یہ خوان فی الواقع اتارا گیا

یا نہیں۔ دوسرے کسی معتبر ذریعہ سے بھی اس سوال کا جواب نہیں ملتا ممکن ہے کہ یہ نازل ہوا ہو اور ممکن ہے کہ حواریوں نے بعد کی خوفناک دھمکی سن کر اپنی درخواست واپس لے لی ہو"۔

حاشیہ ۱۳۰۔ عیسائیوں نے اللہ کے ساتھ صرف مسیح اور روح القدس ہی کو خدا بنانے پر اکتفا نہیں کیا' بلکہ مسیح کی والدہ ماجدہ حضرت مریم کو بھی ایک مستقل معبود بنا ڈالا۔ حضرت مریم علیہا السلام کی الوہیت یا قدوسیت کے متعلق کوئی اشارہ تک بائبل میں موجود نہیں ہے مسیح کے بعد ابتدائی تین سو برس تک عیسائی دنیا اس تخیل سے بالکل نا آشنا تھی"۔

قارئین کرام! دیکھئے تفہیم ج اول ص ۵۱۶ کے اس حاشیہ ۱۲۹ میں آپ حدیث پاک کو معتبر ذریعہ نہیں مانتے ہیں۔ کیونکہ اگر آپ حدیث پاک کو معتبر ذریعہ مانتے تو نزول مائدہ (یعنی خوان فی الواقع اتارا گیا یا نہیں) کے باب میں ترمذی شریف کی حدیث عمار بن یاسرؓ کو ذکر کرتے۔ جس کو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اس آیت پاک کے فوائد میں تحریر فرمایا ہے:

"اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ مائدہ آسمان سے نازل ہوا اس میں روٹی اور گوشت تھا اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ ان لوگوں نے (یعنی بعض نے) خیانت کی اور اگلے دن کے لئے اٹھا کر رکھا پس بندر اور خنزیر کی صورت میں مسخ ہوئے نعوذ باللہ من غضبہ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس میں سے کھاتے بھی تھے جیسا کہ تاکل میں ان کی یہ غرض بھی مذکور ہے البتہ رکھ کر کھانا ممنوع تھا"

لیکن مودودی صاحب نے "خوان فی الواقع اترا یا نہیں؟" اس سوال کے جواب میں حدیث پاک کی اس تفصیل مذکور کو معتبر ذریعہ میں داخل نہیں مانا اور یہ کہتے ہوئے حدیث پاک کی تفصیل کو رد کر دیا کہ "کسی معتبر ذریعہ سے بھی اس سوال کا جواب نہیں ملتا" ہاں آپ کے نزدیک معتبر ذریعہ میں بائبل ضرور داخل ہے اسی لئے حاشیہ ص ۱۳۰ ہی کی اگلی سطروں میں حضرت مریم کی الوہیت یا قدوسیت کے متعلق آپ کو بائبل کے اشارہ کی تلاش و جستجو ہے ورنہ بائبل کے اشارہ کو تلاش کرنے کا کیا مطلب؟ یعنی حاشیہ ۱۲۹ میں ہے کہ احادیث شریفہ معتبر ذریعہ میں نہیں اور متصلاً حاشیہ ۱۳۰ میں ثبوت ہے کہ اس کے مقابل بائبل کو معتبر ذریعہ میں داخل مانتے ہیں فالی اللہ المشتکی۔

مضمون نمبر (۱۳)

آپ اہل قرآن کا لباس زیب تن فرما کر منکرین حدیث کی صف میں

تفہیم القرآن ۲ ۴۹ الاعراف ۷

حاشیہ ۵۸۔ "مگر قرآن اس امر کی کوئی تصریح نہیں کرتا کہ یہ اونٹنی کیسی تھی اور کس طرح وجود میں آئی۔ کسی حدیث صحیح میں بھی اس کے معجزے کے طور پر پیدا ہونے کی کیفیت بیان نہیں کی گئی ہے۔ اس لیے ان روایات کو تسلیم کرنا کچھ ضروری نہیں جو مفسرین نے اس کی کیفیت پیدائش کے متعلق نقل کی ہیں۔ لیکن یہ بات کہ وہ کسی نہ کسی طور پر معجزے کی حیثیت رکھتی تھی قرآن سے ثابت ہے"۔

۱۔ مگر قرآن اس امر کی کوئی تصریح نہیں کرتا کہ یہ اونٹنی کیسی تھی؟ اور کس طرح وجود میں آئی"

لہٰذا جب قرآن میں اس کی کیفیت وکمیت کی تصریح نہیں تو جناب سید مودودی صاحب حدیث پاک کی بنیاد پر اونٹنی کی معجزانہ کیفیت پیدائش کو کس طرح تسلیم کریں گے؟ کیا یہ جملہ صاف نہیں بتلا رہا ہے کہ اس جگہ مودودی صاحب اہل قرآن کے علاوہ معتزلہ کے لباس میں بھی زیب تن ہیں اور منکرین حدیث کی تائید و وکالت بھی کر رہے ہیں۔

یہاں آپ محمد بن اسحاق کی روایت کو حدیث صحیح نہیں قرار دیتے (جب کہ انہیں محمد بن اسحاق کے بیان کو ایک مستدل کی حیثیت سے تفہیم ج ۴ ص ۶۱۵ حاشیہ ۲۵ سورہ الاحقاف میں ذکر کیا ہے فیا للعجب) نیز تفہیم ج ۶ ص ۴۶۳ تا ۴۶۹ کی مکمل تحریرات کی بنیاد ہی محمد بن اسحاق کی روایات پر ہے"۔

۲۔ "کسی حدیث صحیح میں بھی اس کے معجزے کے طور پر پیدا ہونے کی کیفیت نہیں بیان کی گئی ہیں اسی لئے ان روایات کو تسلیم کرنا کچھ ضروری نہیں جو مفسرین نے اس کی کیفیت پیدائش کے متعلق نقل کی ہیں"۔

قارئین کرام! بیان القرآن میں اس حدیث صحیح کو محمد بن اسحاق کی روایت سے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اس آیت پاک کی تفسیر میں نقل کی ہے آپ بین القوسین تحریر فرماتے ہیں:

"انہوں نے ایک خاص معجزہ کی درخواست کی کہ اس پتھر میں ایک اونٹنی پیدا ہو تو ہم ایمان لاویں۔ چنانچہ آپ کی دعا سے ایسا ہی ہوا کہ وہ پتھر پھٹا اور اس کے اندر سے ایک بڑی اونٹنی نکلی۔ رواہ محمد بن اسحٰق"

مولانا مودودی یہاں پر اونٹنی کو حدیث کی بنیاد پر معجزہ تسلیم کرتے ہیں یا نہیں؟ یہ ایک باریک بنیادی فرق ہے یعنی کہ قرآن کی بنیاد پر؟ کہ حدیث پاک کی بنیاد پر؟ آپ اونٹنی کے معجزہ کو تسلیم کرتے ہیں؟ کس بنیاد پر تسلیم کرتے ہیں؟ تو اس باب کے اخیر میں آپ نے تحریر کیا ہے کہ

"لیکن یہ بات کہ وہ کسی نہ کسی طور پر معجزہ کی حیثیت رکھتی تھی قرآن سے ثابت ہے"

یعنی اونٹنی کے معجزہ ہونے کی کیفیت کو پورے طور سے نہیں بلکہ کسی نہ کسی طور پر مبہم طریقہ سے آپ قرآن کی بنیاد پر تسلیم کرتے ہیں لیکن حدیث کی بنیاد پر نہیں۔ یہ ہے وہ باریک سوال و فرق جس کی بناء پر کھل کر اب کوئی نہیں بظاہر کہہ سکتا کہ آپ معجزہ کو مطلقاً نہیں مانتے ہیں۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ جمہور اہل سنت کی طرح صاف صراحت کے ساتھ آپ حدیث کی بنیاد پر حضرت صالحؑ کی دعا کی وجہ سے اونٹنی کی اس کیفیت پیدائش کو معجزہ ہونا کیوں نہیں تسلیم کرتے ہیں؟

اسی لئے کہ یہاں آپ اہل قرآن کا لباس زیب تن فرما کر منکرین حدیث کی صف میں کھڑے ہیں۔

☆☆☆☆

مضمون نمبر (۱۴)

آپ کے نزدیک جنگِ بدر کے سلسلہ کی تمام احادیث شریفہ کیوں نا قابلِ اعتماد ہیں؟

تفہیم القرآن ۲ — ۱۲۶ — الانفال ۸

حاشیہ ا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ (۱) جنگ بدر کے بیان میں تاریخ وسیرت کے مصنفین نے ان روایات پر اعتماد کرلیا ہے جو حدیث اور مغازی کی کتابوں میں وارد ہوئی ہیں لیکن ان روایات کا بڑا حصہ قرآن کے خلاف ہے اور قابل اعتماد نہیں ہے (۲) محض ایمان ہی کی بناء پر ہم جنگ بدر کے متعلق قرآن کے بیان کو سب سے زیادہ معتبر سمجھنے پر مجبور نہیں ہیں بلکہ تاریخی حیثیت سے بھی آج اس جنگ کے متعلق اگر کوئی معتبر ترین بیان موجود ہے تو وہ یہی سورۂ انفال ہے' کیونکہ یہ لڑائی کے بعد ہی متصلاً نازل ہوئی تھی اور خود شرکائے جنگ اور مخالف وموافق سب نے اس کو سنا اور پڑھا تھا۔ معاذ اللہ اس میں کوئی ایک بات بھی خلاف واقعہ ہوتی تو ہزاروں زبانیں اس کی تردید کر ڈالتیں"

ا۔ "جنگ بدر کے بیان میں تاریخ وسیرت کے مصنفین نے ان روایات پر اعتماد کرلیا ہے جو حدیث اور مغازی کی کتابوں میں وارد ہوئی ہیں لیکن ان روایات کا بڑا حصہ قرآن کے خلاف ہے اور قابل اعتماد نہیں ہے"۔

العیاذ باللہ اس جملہ سے ثابت ہوا کہ حضرات محدثین نے قرآن کے خلاف روایات نقل کی ہیں ثم العیاذ باللہ اسی لئے محدثین کی روایات پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔ اسی وجہ سے یہاں آپ نے تاریخ وسیرت کے مصنفین پر بھی تنقیدی عتاب فرمایا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ محض یہ ہے کہ انہوں نے حدیث ومغازی کی کتابوں میں وارد شدہ احادیث پاک پر کیوں اعتماد کیا؟

اس عبارت سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ جناب مولانا مودودی صاحب حدیث

کے مقابلے میں تاریخ پر اور محدثین کے مقابلے میں مؤرخین پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔ اور تواریخ کو نصوص پر ترجیح دیتے ہیں حالانکہ خود تاریخ وسیرت کے مصنفین۔ نے بھی حضرات محدثین کی روایات پر اعتماد کیا ہے جیسا کہ آپ کی تحریر میں بھی ہے۔

اب غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ وہ کون کون سی روایات ہیں جن کے بڑے حصے کو جناب مولانا مودودی صاحب قرآن کے خلاف اور نا قابلِ اعتماد سمجھتے ہیں؟

بیان القرآن میں سورہ انفال کی شروع تفسیر میں ان کو حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے ذکر فرمایا ہے۔ بیان القرآن کی اس تفسیر سے مولانا مودودی کے حدیث پر اعتراض کا جواب مل جاتا ہے وہاں آپ نے اس سلسلہ کے اہم مسائل بھی بیان فرمائے ہیں۔ میں طوالت کی وجہ سے ان کو نقل کرنے سے معذور ہوں اور آپ کو براہ راست اس کے مطالعہ کی زحمت برداشت کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ البتہ اس جگہ ترجمہ شیخ الہندؒ سے فوائد عثمانی کو ضرور نقل کروں گا کیونکہ علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کے اس تفسیری فوائد سے اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ جناب سید مولانا مودودی صاحب نے جنگ بدر کے بیان کے سلسلہ میں حدیث ومغازی کی کتابوں میں وارد شدہ تمام احادیث کو نا قابلِ اعتماد بتلا کر ان روایات کے بڑے حصے کو قرآن کے خلاف کیوں بتلایا ہے؟ ملاحظہ کیجئے فوائد عثمانیہ میں ہے:

"ہجرت کے بعد پہلے سال ابواء بواط عشیرہ وغیرہ چھوٹے چھوٹے غزوات ہوئے جن کی تفصیل کتب احادیث وسیر میں ہے اسی سلسلہ میں وقوع پذیر ہوئے ۲ھ میں آپ کو معلوم ہوا کہ ایک بھاری تجارتی مہم ابوسفیان کی سرکردگی میں شام کو روانہ ہوئی ہے ابوسفیان کا یہ تجارتی قافلہ جس کے ساتھ تقریباً ساٹھ قریش ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار کا مال تھا جب شام سے مکہ کو واپس ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی صحیح مسلم کی ایک روایت کے موافق آپ نے صحابہؓ سے مشورہ لیا کہ آیا اس جماعت سے تعرض کیا جائے طبری کے بیان کے موافق آپ نے صحابہؓ سے مشورہ لیا کہ آیا اس جماعت سے تعرض کیا جائے طبری کے بیان کے موافق بہت سے لوگوں نے اس مہم میں جانے سے پہلو تہی کی کیونکہ دوسرے انصار کی نسبت عموماً یہ بھی

[illegible] تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نصرت وحمایت کا معاہدہ صرف اس صورت میں کیا ہے کہ کوئی قوم مدینہ پر چڑھائی کرے یا آپ پر حملہ آور ہو۔ ابتداءً اقدام کر کے جانا خواہ کسی صورت میں ہو ان کے معاہدہ میں شامل نہ تھا مجمع کا یہ رنگ دیکھ کر ابوبکر و عمر اور رئیس انصار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم نے حوصلہ افزا تقریریں کیں آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین سو سے کچھ زائد آدمیوں کی جماعت لے کر قافلہ کی طرف روانہ ہو گئے چونکہ کسی بڑے مسلح لشکر سے مڈبھیڑ ہونے کی توقع نہ تھی اس لئے جمعیت اور سامان اسلحہ وغیرہ کا اہتمام نہیں کیا گیا فی الوقت جو لوگ اکٹھے ہو گئے سرسری سامان کے ساتھ روانہ ہوئے اسی لئے بخاری کی روایت میں حضرت کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ جو لوگ غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے ان پر کوئی عتاب نہیں ہوا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف تجارتی مہم کے ارادے سے نکلے تھے۔ اتفاقاً خدا نے جنگ کی صورت پیدا کر دی ابوسفیان کو آپ کے ارادہ کا پتہ چل گیا اس نے فوراً مکہ آدمی بھیجا وہاں سے تقریباً ایک ہزار کا لشکر جس میں قریش کے بڑے بڑے سردار تھے پورے ساز وسامان کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام صفراء میں تھے جب معلوم ہوا کہ ابوجہل وغیرہ بڑے بڑے ائمۃ الکفر کی کمانڈ میں مشرکین کا لشکر یلغار کرتا چلا آ رہا ہے۔ اس غیر متوقع صورت کے پیش آنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اطلاع کی کہ اس وقت دو جماعتیں تمہارے سامنے ہیں۔ تجارتی قافلہ اور فوجی لشکر خدا کا وعدہ ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک پر تم کو مسلط کرے گا تم بتلاؤ کہ کس جماعت کی طرف بڑھنا چاہتے ہو چونکہ اس لشکر کے بارے میں تیاری کر کے نہ آئے تھے اس لئے اپنی تعداد وسامان وغیرہ کی قلت دیکھتے ہوئے بعض لوگوں نے یہ رائے دی کہ تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا زیادہ مفید اور آسان ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس رائے سے خوش نہ تھے حضرت ابوبکر و عمر و مقداد بن الاسود نے ولولہ انگیز جوابات دئے اور اخیر میں حضرت سعد بن معاذؓ کی تقریر کے بعد یہی فیصلہ ہوا کہ فوجی مہم کے مقابلہ میں جوہر شجاعت دکھلائے جائیں۔ چنانچہ مقام بدر میں دونوں فوجیں مڈبھیڑ ہوئیں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عظیم عنایت فرمائی کافروں کے ۷۰ بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ۷۰ قید ہوئے اس طرح کفر کا زور ٹوٹا۔

اس سورہ میں عموماً اسی واقعہ کے اجزاء اور متعلقات کا بیان موجود ہے۔ (مودودی صاحب کی طرح از ناقل) جن لوگوں کا خیال ہے کہ اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم شروع ہی سے فوجی لشکر کے مقابلہ میں نکلے تھے جو "مدینہ" پر از خود اقدام کرتا ہوا چلا آرہا تھا۔ تجارتی قافلہ پر حملہ کی نیت آپ نے اول سے آخر تک کسی وقت نہیں کی وہ فی الحقیقہ اپنے ایک خود ساختہ اصول پر تمام ذخیرۂ حدیث و سیر و اشارات قرآنیہ کو قربان کرنا چاہتے ہیں یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ کفار و محاربین کی دستبرد سے مسلمانوں کی جان و مال کوئی چیز نہ بچی اور نہ آئندہ بچنے کی توقع تھی ان کو جانی و بدنی نقصان پہونچانا تو جائز سمجھا جائے لیکن تجارتی و مالی نقصان پہونچانا خلاف تہذیب و انسانیت ہو یعنی ان کی جانیں تو ظلم و شرارت اور کفر و طغیان کی بدولت محفوظ نہیں رہیں۔ مگر اموال بدستور محفوظ ہیں گویا زندگی کے حق سے محروم ہو جائیں تو ہو جائیں پر سامان زندگی سے محروم نہ ہوں" اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ" باقی یہ دعویٰ کہ جو لوگ حملہ آور نہ ہوئے ہوں ان پر مسلمانوں کو حملہ کرنا از خود جائز نہیں کیونکہ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ کے خلاف ہوگا۔ قطع نظر اس سے کہ یہ مسئلہ موجودہ واقعہ سے بے تعلق ہے کیونکہ کفار مکہ پہلے ہر قسم کے مظالم اور حملے مسلمانوں پر کر چکے تھے اور آئندہ کے لئے باقاعدہ دھمکیاں دے رہے تھے بلکہ اس بارے میں بھی ان کی سازشیں اور مراسلتیں جاری تھیں فی نفسہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ آیت ابتداء ہجرت میں اتری تھی جس کے بعد دوسری آیات جن میں قتال کا حکم ہے نازل ہوئیں۔ پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ صرف اتنا کہنے سے کہ حملہ آوروں کی مدافعت کرو یہ لازم نہیں آتا کہ کسی حالت میں حملہ کرنے کی اجازت نہیں اس مسئلہ کی تفصیل میرے عزیز مولوی محمد یحیٰ سلمہ نے جو تحریر فوائد میں میرے معین ہیں اپنے رسالہ "الجہاد الکبیر" میں لکھی ہے اور احقر نے کچھ خلاصہ رسالہ "الشہاب" میں درج کیا ہے۔ اور موقع بموقع فوائد میں بھی لکھا جائے گا انشاء اللہ"

قارئین کرام! ہمیں امید ہے کہ فوائد عثمانی کی ان تفصیلات و خط کشیدہ عبارات سے آپ پر واضح ہو گیا ہوگا کہ جناب مودودی صاحب سیر و مغازی کی ان احادیث پر

کیوں اعتماد نہیں کرتے؟ ان کو یہ روایات قرآن کے خلاف کیوں نظر آتی ہیں انہوں نے کس خود ساختہ اصول پر تمام ذخیرۂ احادیث و سیر و اشارات قرآنیہ کو قربان کئے ہیں؟ کہ مولانا مودودی صاحب کفار محاربین کو جانی و بدنی نقصان پہونچانا تو جائز سمجھتے ہیں لیکن تجارتی و مالی نقصان پہونچانا خلاف تہذیب و انسانیت تصور کرتے ہیں۔

ناظرین کرام! کیا یہی ہے وہ کوشش! جس کے متعلق دیباچہ تفہیم ص ۱۱ پر لکھا گیا ہے کہ

"حواشی میں میری انتہائی کوشش یہ رہی ہے کہ کوئی ایسی بحث نہ چھیڑ دی جائے جو ناظر کی توجہ قرآن شریف سے ہٹا کر کسی دوسری چیز کی طرف پھیر دے"۔

اس عبارت میں لفظ "کسی دوسری چیز" کا مصداق کیا چیز ہوگی؟ آپ کی ان تحریرات مذکورہ کی روشنی میں یہی احادیث شریفہ ہی دوسری چیز کا مصداق قرار پاتی ہیں۔ ظاہری بات ہے کہ جنگ بدر کے بیان کے سلسلہ میں یا دوسرے مواقع میں بار بار جناب سید مودودی صاحب احادیث پاک کی تفصیلات کو بیان کرتے تو ان کی کوشش کے خلاف ناظر کی توجہ قرآن کے بجائے حدیث کی طرف بھی ہو جاتی اور آپ قطعاً یہ نہیں چاہتے کہ ناظر کی توجہ حدیث پاک کی طرف بھی ہو جائے ورنہ وہ تفہیم میں جگہ جگہ یہ جملے نہیں لکھتے کہ "قرآن کا صریح بیان ان روایات کو قبول کرنے میں مانع ہے" "وہ روایات جو حدیث و مغازی کی کتابوں میں وارد ہوئی ہیں ان روایات کا بڑا حصہ قرآن کے خلاف ہے اور قابل اعتماد نہیں ہے وغیرہ وغیرہ (نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من ھذہ الخرافات)"

۲۔ "محض ایمان ہی کی بنا پر ہم جنگ بدر کے متعلق قرآن کے بیان کو سب سے زیادہ معتبر سمجھنے پر مجبور نہیں ہے۔ بلکہ تاریخی حیثیت سے بھی آج اس جنگ کے متعلق اگر کوئی معتبر ترین بیان موجود ہے تو وہ یہی سورۂ انفال ہے"۔

میرے معزز قارئین کرام! ابھی تک تو بات تھی جنگ بدر کے بیان کے سلسلہ میں احادیث شریفہ کے ناقابل اعتماد ہونے کی۔ مگر اب تو جناب سید مودودی صاحب نے اپنی تحریر کی نوعیت کسی دوسرے ہی رُخ پر پھیر دیا۔ جس سے سخت تعجب ہوتا ہے کہ آپ نے قرآن کے بیان کو سب سے زیادہ معتبر کس حیثیت سے سمجھا؟ اپنی ایمانی

حیثیت سے؟ یا تاریخی حیثیت سے؟ اس کی بناء کیا ہے؟ فرماتے ہیں کہ

"محض ایمان ہی کی بناپر نہیں بلکہ تاریخی حیثیت سے قرآن کے سب سے زیادہ بیان کو معتبر سمجھنے پر مجبور ہوں"

کیونکہ احادیث کو تو پہلے ہی ناقابل اعتماد ٹھہرا چکے ہیں۔ کیا یہ تاریخ کو نصوص پر ترجیح دینا نہیں ہے؟ علاوہ ازیں تاریخی حیثیت پر اس قدر اعتماد؟ اور احادیث پاک پر مکمل بے اعتمادی کا کیا مطلب ہے؟ جب کہ احادیث پاک کے لئے حضرات محدثین نے اسماء رجال کے اصول وقواعد کے تحت جتنی چھان بین کی ہے اس کا عشر عشیر بھی مؤرخین نے تاریخ کے بارے میں چھان بین نہیں کی۔ مجھے جناب مولانا مودودی صاحب کے علم پر حد درجہ افسوس ہوتا ہے کہ آپ نے اسلامی اصول کو نظر انداز کر کے حضرات محدثین وحضرات صحابہؓ کے بارے میں وہی طریقہ کار اختیار کیا جس کو مستشرقین نے اپنی سوچی سمجھی تدبیر سے اسلام اور اسلاف اسلام حضراتِ محدثین کے خلاف اختیار کیا تھا کہ صرف تاریخ کی بے سند اور غلط سلط روایات کو موضوع تحقیق اور بنیاد بنا کر قرآن وسنت کی نصوص قطعیہ اور مستند روایات سے آنکھیں بند کر لی جائیں اور صرف تاریخی روایات کی بناء پر حضرات محدثین اور ان کی اسناد کے متعلق غلط قسم کی ذہن سازی کی جائے۔

واضح رہے کہ تاریخی روایات سے ان کو جرح والزام کا نشانہ بنانا دین اسلام، شریعت، قانون، اخلاق، ضابطہ، عقل ودیانت سبھی کے خلاف ہے۔

فن تاریخ کا قطعاً یہ درجہ نہیں ہے کہ حضراتِ صحابہ کرام کی ذات اور حضراتِ فقہاء ومحدثین کی شخصیات کو قرآن واحادیث سے بالکل صرفِ نظر کر کے صرف اور صرف تاریخی روایات ہی کے آئینہ میں دیکھا جائے اور اس پر عقیدہ کی بنیاد رکھی جائے جس طرح فن طب کی کتابوں سے اشیاء کے حلال وحرام یا پاک وناپاک ہونے کے مسائل واحکام ثابت نہیں کئے جاسکتے اگرچہ طب کی یہ کتابیں اکابر علماء کی تصنیف ہوں۔ اس لئے بہر حال یہ مسئلہ انتہائی غور طلب ہے کہ تاریخ کی بنیاد پر مستند احادیث وروایات کے متعلق جناب مولانا مودودی صاحب کی جو تحریرات ہیں اس کے پسِ منظر کیا چیز ہے؟

کیونکہ آپ کی ان تحریرات سے یہودی لابی کے مقاصد پورے ہوتے نظر آرہے ہیں خوب سمجھ لیجئے کہ تاریخی روایات کا مجموعہ کس قدر قابلِ اعتماد ہوسکتا ہے؟ کب تاریخ کا وہ حصہ جن سے احادیثِ شریفہ اور محدثین کرام کی بیان کردہ اسناد کا تعلق ہے خواہ اس کے لکھنے والے کتنے بڑے ثقہ اور معتمد علماء ہوں ان کے اعتبار واعتماد کا وہ درجہ ہرگز باقی نہیں رہتا جو احادیث شریفہ اور ان کی اسناد کا ہے یہ جناب مودودی صاحب ہی جیسے لوگ ہوں گے جو بخاری ومسلم کی مستند احادیث شریفہ کے مقابلہ میں اور آیات قرآنیہ کے بابت تاریخی روایت کو ترجیح دیں اور اسلام کی ہر چیز کی ہر حقیقت کو تاریخ کی بنیاد پر سمجھنے پر مجبور ہوں۔ جمہور محدثین ومسلمین کے خلاف آپ کا یہ طریقہ ہے (ماخوذ مقام صحابہ مؤلفہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ صاحب فرماتے ہیں:

حدیث قابل وثوق ہے تاریخ نہیں؟

بعض خودرو مصنفین پر افسوس ہے کہ وہ محدثین پر اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے واقعات میں اپنی رائے کو شامل کیا ہے لیکن جو شخص محدثین کے حالات سے واقف ہے وہ خوب جانتا ہے کہ محدثین علیہم الرحمہ نے کس تدین سے کام لیا ہے البتہ یہ اعتراض مطابق واقعہ کے مؤرخین پر ضرور ہوسکتا ہے۔

صاحبو! محدثین کا تدین اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ ایک باب کی حدیث سے ایک بات کو ثابت کرتے ہیں تو اس کے بعد ہی دوسرا باب اس کا معارض صوری بیان کرتے ہیں اور اس میں بھی حدیث پیش کرتے ہیں پس معلوم ہوا کہ ان حضرات کا مقصود محض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا جمع کرنا ہے نہ کہ اپنی رائے کو ثابت کرنا یا اس پر زور دینا' کیونکہ جب ایک حدیث کے ساتھ دوسری حدیث جو پہلی سے صورتاً معارض ہے موجود ہے اور ظاہر ہے کہ اس محدث کی رائے کسی ایک جانب ہوگی تو بصورت ایراد معارض کوئی خاص رائے کیونکر مقصود ثابت ہوسکتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان کو اپنی اغراض کی تائید مقصود نہیں ہے بلکہ ان کا مقصود تمام احادیث کا لوگوں کے سامنے پیش کردینا ہے کہ دیکھیں اور خوب سمجھ لیں۔

ہاں تاریخ میں اس قسم کے واقعات پائے جاتے ہیں کہ ایک مؤرخ نے اپنے خیال کے مؤید واقعات کو لیا اور دوسرے نے اپنے خیالات کے مؤیدات کو پس جب حدیث و تاریخ میں یہ تفاوت ہے تو حدیث قابل وثوق ہوئی اور اس کے بالمقابل تاریخ قابل وثوق نہیں ہوئی۔ تو جو واقعات تاریخ میں حدیث کے خلاف ہوں گے اور حدیث ان کو باطل کرتی ہوگی وہ تو محض ہیچ ہیں ہرگز قابل قبول نہیں (اشرف الجواب حصہ چہارم ص ۹۱۔۹۲)

حضرت مخدوم ومکرم مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سنبھلی (صاحبزادہ حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رح) اپنی کتاب (واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر ص ۲۱۔۲۲۔۲۳) میں تحریر فرماتے ہیں:

تاریخی روایتوں کا حال اور اس کی مثال

میں نہ تاریخ کا طالب علم رہا نہ کسی اور حیثیت سے تاریخ دانی کا دعویٰ بالکل ممکن ہے کہ میں نے اس مطالعہ میں جو کچھ محسوس کیا اور جو نتائج نکالے وہ اہل فن کی نگاہ میں قابل اتفاق نہ ہوں مگر میرا احساس بالکل اسی نوعیت کا احساس ہے جیسے کسی بدیہی چیز کا احساس ہوتا ہے اور اس نوعیت کے احساسات کو آدمی نہ رد کر سکتا ہے نہ خواہ مخواہ شک کی نگاہ سے دیکھ سکتا ہے میرا احساس یہ ہے کہ ہماری تاریخ کا ایسا نازک حصہ جس قدر احتیاط اور جس قدر احساس ذمہ داری کے ساتھ قلم بند کئے جانے کی ضرورت تھی اسی قدر بے احتیاطی اور غیر ذمہ داری یہاں کارفرما نظر آتی ہے ایک مثال ملاحظہ ہو:

طبری جلد ۶ ص ۲۳۲ پر ایک روایت بتاتی ہے کہ حضرت حسینؓ کربلا میں اترے تو وہ جمعرات کا دن اور محرم ۶۱ھ کی دوسری تاریخ تھی۔ پھر ص ۲۳۷ پر ایک روایت آتی ہے کہ جمعرات کے دن اور محرم کی ۹ تاریخ تھی کہ مخالف لشکر کے سالار عمر بن سعد، عبید اللہ بن زیاد کے ایک فوری حکم کے ماتحت، عصر کے بعد اپنے کیمپ سے اٹھ کر حضرت حسینؓ پر چڑھائی کرنے کے لئے پہنچ

گئے مگر پھر مفاہمت ہوگئی اور آئندہ صبح تک کے لئے کارروائی روک دی گئی ظاہر ہے کہ اس کے بعد آئندہ صبح جو آئے گی تو وہ جمعہ کی صبح ہوگی جب ۲ محرم کو بھی جمعرات بتائی گئی پھر ۹ محرم کو بھی جمعرات ہی بتائی گئی تو ۱۰ محرم کو سوائے جمعہ کے اور کوئی دن نہیں ہو سکتا مگر آگے ص ۲۴۰ پر دوسری صبح کو عمر بن سعد کی کارروائی (یعنی اپنے لشکر کو حرکت میں لانے) کا بیان آتا ہے تو ہمیں یہ الفاظ ملتے ہیں کہ:

قال فلما صلى عمر بن سعد الغداة يوم السبت وقد بلغنا ايضا انه كان يوم الجمعة وكان ذلك اليوم يوم عاشوراء، خرج فى من معه من الناس.

راوی کہتا ہے کہ پھر جب ہفتہ کو عمر بن سعد نے فجر کی نماز پڑھ لی۔ اور ہمیں یہ بھی روایت ملی ہے کہ وہ جمعہ کا دن تھا اور وہ دن عاشوراء (۱۰ محرم) کا تھا ابن سعد اپنے لوگوں کو لے کر نکلا

فرمایئے کہ ص ۲۳۲ اور ص ۲۳۷ والی روایتوں کے پس منظر میں جن میں ۲ تاریخ کو جمعرات کا دن اور پھر ۹ تاریخ کو جمعرات کا دن بتایا گیا ہے کوئی تک اس طور پر ص ۲۴۰ کی اس روایت کو لینے کی ہے جس میں ۱۰ تاریخ کو ہفتہ کا دن بتایا گیا ہے ہمیں نہیں معلوم کہ " وقد بلغنا ایضا " (اور ہمیں یہ بھی روایت ملی ہے کہ یہ جمعہ کا دن تھا) یہ الفاظ طبری کے ہیں یا راوی کے اگر راوی کے ہیں اور طبری نے کچھ کہا ہی نہیں تب تو کہنا ہی کیا اور اگر راوی کے نہیں طبری کے ہیں تب بھی ایک مؤرخ کی ذمہ داری کے لحاظ سے اس انداز کلام کو کوئی ذمہ دارانہ انداز نہیں کہا جا سکتا جس سے ۱۰ محرم کو جمعہ کا دن ایک مشکوک دن بن جاتا ہے حالانکہ گزشتہ بیانات کی رو سے وہ قطعی جمعہ کا دن ہے۔ کہنے کی بات یہ تھی کہ " یہ دن ہفتہ کا نہیں جمعہ کا ہونا چاہئے " اور اگر ہفتہ ہی ثابت ہے تو پھر اگلے دونوں بیانات غلط ہیں۔

طبری کا اپنا اعتراف

یہ مثال سامنے لاکر ہم طبری کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں کہہ رہے ہیں کہ اگر ان کی زندگی میں کہی جاتی تو شاید وہ کوئی صفائی دے سکتے۔ ان کا خود

اپنا اعتراف ہے کہ ان کے قاری کو ایسی روایات مل سکتی ہیں جو کسی طرح صحیح نہ ہو سکتی ہوں، جو کسی طرح سمجھ میں نہ آ سکتی ہوں۔ کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

میں نے اس کتاب میں جو کچھ ذکر کیا ہے اس میں میرا اعتماد اپنی اطلاعات اور روایوں کے بیانات پر رہا ہے نہ کہ عقل وفکر کے نتائج پر۔ کسی قاری کو اگر میری جمع کردہ خبروں اور روایتوں میں کوئی چیز بایں وجہ ناقابل فہم اور ناقابل قبول نظر آئے کہ نہ کوئی اس کی تک بیٹھتی ہے نہ کوئی معنی بنتے ہیں تو اسے جاننا چاہئے کہ ہم نے یہ سب اپنی طرف سے نہیں لکھا ہے بلکہ اگلوں سے جو بات ہمیں جس طرح پہنچی ہے ہم نے اسی طرح نقل کردی ہے (جلد اول ص ۵)

پھر کون سی بات بعید ہے؟

مؤرخ کا دامن جب اتنا وسیع ہو کہ اتنی موٹی اور دور سے نظر آنے والی اعجوبگی کے ساتھ بھی جیسی کہ مذکورہ بالا مثال میں پائی جاتی ہے ایک روایت کو اس کے یہاں بے چوں چرا جگہ مل سکتی ہے تو پھر راویوں کی کون سی غلطی مبالغہ آرائی یا غلط بیانی رہ جاتی ہے۔ جس کی توقع ہمیں اپنے ان مؤرخین کی کتابوں میں نہیں کرنی چاہئے خاص کر کربلا کے جیسے واقعات میں کہ جن سے جذبات متعلق ہوتے ہیں، تعصبات متعلق ہوتے ہیں اور مثبت و منفی (Positve & Nigative) مفادات بھی متعلق ہو جاتے ہیں۔ (اس پر مولانا کا حاشیہ ہے میں نے کتاب کی طوالت کی وجہ سے اسے نہیں لکھا)۔

"اسی کتاب کے ص ۲۱۴ پر فرماتے ہیں،

حیرت اپنے مؤرخین پر ہے یہ باہم متضاد اور ناممکن الوقوع قسم کی حکایتیں قطار در قطار انہوں نے اپنی کتابوں میں جمع کرلی ہیں" اھ۔ پھر کچھ آگے چل کر ص ۲۱۵ پر فرماتے ہیں کہ "ان متضاد اور عجوبہ روایتوں کے جنگل میں تقریباً دس ماہ پہلے داخل ہو کر یہ راقم الحروف جس حیرت میں مبتلا ہوا تھا آج تک اس حیرت کا وہی عالم بلکہ اس سے بھی کچھ سوا ہے اب تک یہ معمہ حل نہیں ہو پایا کہ ہمارے مؤرخین نے کیسے اس جنگل کو اپنی کتابوں میں سجایا ہے؟"۔ اسی کتاب کے ص ۳۷ اور ۱۷۴ میں فرماتے ہیں کہ "ہماری تاریخ کی جو کتابیں ہیں وہ صرف روایات اور بیانات کا مجموعہ ہیں۔ ان روایات

میں بہت سے پہلو ایسے آجاتے ہیں جن پر کچھ گفتگو یا توضیح و توجیہ کی ضرورت ہوتی ہے یہ چیز (توضیح وتوجیہ ۱۲ ساجد) ان کتابوں میں کہیں مشکل ہی سے اور وہ بھی بس نام کو ملتی ہے۔

مضمون نمبر (۱۵)

آپ نے پھر دوبارہ جنگِ بدر کے سلسلہ کی روایات کی ضمناً تردید کیوں کی؟

تفہیم القرآن ۲ — ۱۳۱ — الانفال ۸

حاشیہ ۸۔ "یعنی جس طرح اس وقت یہ لوگ خطرے کا سامنا کرنے سے گھبرا رہے تھے حالانکہ حق کا مطالبہ اس وقت یہی تھا کہ خطرے کے منہ میں چلے جائیں۔ اسی طرح آج انہیں مالِ غنیمت ہاتھ سے چھوڑنا ناگوار ہو رہا ہے حالانکہ حق کا مطالبہ یہی ہے کہ وہ اسے چھوڑیں اور حکم کا انتظار کریں۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر اللہ کی اطاعت کروگے اور اپنے نفس کی خواہش کے بجائے رسول کا کہنا مانو گے تو ویسا ہی اچھا نتیجہ دیکھو گے جیسا ابھی جنگِ بدر کے موقع پر دیکھ چکے ہو کہ تمہیں لشکر قریش کے مقابلہ پر جانا سخت ناگوار تھا اور اسے تم ہلاکت کا پیغام سمجھ رہے تھے لیکن جب تم نے حکمِ خدا ورسول کی تعمیل کی تو یہی خطرناک کام تمہارے لیے زندگی کا پیغام ثابت ہوا۔ قرآن کا یہ ارشاد ضمناً ان روایات کی بھی تردید کررہا ہے جو جنگ بدر کے سلسلے میں عموماً کتب سیرت ومغازی میں نقل کی جاتی ہیں"۔

خط کشیدہ جملہ کے متعلق ہم نے فوائد عثمانی کے ذریعہ سے ماقبل میں تنقید کی ہے اور وہاں وجہ بھی بیان کردی ہے کہ جناب مودودی صاحب نے یہ کیوں کہا کہ "قرآن کا یہ ارشاد ضمناً ان روایات کی بھی تردید کررہا ہے، جو جنگ بدر کے سلسلہ میں عموماً کتب سیرت ومغازی میں نقل کی جاتی ہیں"۔

یعنی جناب مولانا سید مودودی صاحب کی منطق یہ ہے کہ کفار محاربین کی جانیں تو ظلم وشرارت کی وجہ سے اور کفر وطغیان کے باوجود محفوظ نہ رہیں البتہ ان کے اموال وجائیداد بدستور محفوظ رہیں۔ چونکہ جنگ بدر کے سلسلہ کی احادیث ان کی اس منطق کی

تائید نہیں کرتی ہیں اس لئے آپ صراحتہً وضمناً دونوں طرح سے ان احادیث شریفہ کی تردید کرتے ہیں اور ان کو نا قابلِ اعتماد بتلاتے ہیں فیا عجباہ ویا حسرتاہ۔

مضمون نمبر (۱۶)

حدیث پاک کو چھوڑ کر لغت سے آزاد ترجمانی کرنا قرآن فہمی کا کون سا اصول ہے؟

تفہیم القرآن ۲ — ۲۴۰ — التوبہ ۹

حاشیہ ۱۰۹۔ (۱) ''متن میں لفظ السائحون استعمال ہوا ہے جس کی تفسیر بعض مفسرین نے الصائمون (روزہ رکھنے والے) سے کی ہے۔ لیکن سیاحت کے معنی روزہ مجازی معنی ہیں۔ اصل لغت میں اس کے یہ معنی نہیں ہیں۔ (۲) اور جس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس لفظ کے یہ معنی ارشاد فرمائے ہیں، اس کی نسبت حضور کی طرف درست نہیں ہے۔ اس لئے ہم اس لفظ کو اصل لغوی معنی ہی میں لینا زیادہ صحیح سمجھتے ہیں۔ پھر جس طرح قرآن میں بکثرت مواقع پر مطلقاً انفاق کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی خرچ کرنے کے ہیں اور مراد اس سے راہ خدا میں خرچ کرنا ہے اسی طرح یہاں بھی سیاحت سے مراد محض گھومنا پھرنا نہیں ہے بلکہ ایسے مقاصد کے لئے زمین میں نقل وحرکت کرنا ہے جو پاک اور بلند ہوں اور جن میں اللہ کی رضا مطلوب ہو مثلاً اقامتِ دین کے لئے جہاد کفر زدہ علاقوں سے ہجرت، دعوت دین، اصلاح خلق، طلب علم صالح، مشاہدۂ آثار الٰہی اور تلاشِ رزق حلال۔ اس صفت کو یہاں مؤمنین کی صفات میں خاص طور پر اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ ایمان کا دعوٰی کرنے کے باوجود جہاد کی پکار پر گھروں سے نہیں نکلے تھے ان کو یہ بتانا مقصود ہے کہ حقیقی مؤمن ایمان کا دعوٰی کر کے اپنی جگہ چین سے بیٹھا نہیں رہ جاتا بلکہ وہ خدا کے دین کو قبول کرنے کے بعد اس کا بول بالا کرنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اس کے تقاضے پورے کرنے کیلئے دنیا میں دوڑ دھوپ اور سعی وجہد کرتا پھرتا ہے''۔

تنبیہ

۱۔ ''متن میں لفظ السائحون استعمال ہوا ہے جس کی تفسیر بعض مفسرین نے الصائمون (روزہ رکھنے والے) سے کی ہے لیکن سیاحت کے معنی روزہ مجازی معنی ہیں اصل لغت میں اس کے معنی نہیں ہیں''

قارئین کرام! حضراتِ مفسرین نے حدیث کی بنیاد پر السائحون کی تفسیر الصائمون سے کی ہے تو کون سی غلطی کی ہے؟ کیا اس لئے کہ جناب مودودی صاحب نے حدیث پاک کو چھوڑ کر لغت سے السائحون کی آزاد ترجمانی کی ہے؟ پھر آپ نے السائحون کے لغوی معنی بھی یہاں نہیں بیان کئے۔ اور حدیث شریف کو چھوڑ کر لغت سے آزاد ترجمانی کرنا کون سا قرآن فہمی کا اصول ہے؟ حدیث پاک کو چھوڑنے کی وجہ آپ نے اگلی سطروں میں نہیں بیان کی ہے بلکہ صرف دعوٰی کر دیا کہ

''جس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس لفظ کے یہ معنی ارشاد فرمائے ہیں اس کی نسبت حضور کی طرف درست نہیں''

کیوں درست نہیں؟ اس حدیث کی خرابیاں تو بیان کر دیتے حسب سابق سند ومتن کے اعتبار سے یا کم از کم اپنی عقل وفہم کے اعتبار سے اس حدیث پر بھی کلام کرتے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس حدیث کی وجہ سے جناب سید مودودی صاحب کا خود ساختہ معنی ہی مجروح ہو رہا ہو؟ اس لئے حدیث شریف کے معنی ہی کو آپ نے خیر باد کہہ دیا۔ العیاذ باللہ۔

۳۔ ''اس لئے ہم اس لفظ کو اصل لغوی معنی ہی میں لینا زیادہ صحیح سمجھتے ہیں''۔

تو کیا اکثر مفسرین سے ہٹ کر کٹ کر حدیث پاک کے بجائے لغت کی بنیاد پر آزاد ترجمانی کرنا کوئی معقول ومنقول بات ہے؟

دراصل بات کیا ہے؟

اصل میں لفظ سائحون کے ترجمہ میں کئی اقوال ہیں لیکن جناب مودودی صاحب نے پہلے تو صرف اپنی شانِ تفرد کو باقی رکھنے کے لئے ایک علیحدہ ہی مفہوم بیان کیا ہے اور ساتھ ہی بعد میں مفسرین کے اقوال ومرادات کو بھی ذکر کر دیا ہے مگر اس طریقہ پر کہ جیسے یہ ان کی

ذاتی تحقیق ہو۔ اور یہ علمی خیانت ہے اس کو انتحال کہتے ہیں جیسا کہ فوائد عثمانی میں ہے

”بعض نے سائحون سے مراد روزہ دار لئے ہیں کیونکہ روزہ دار کھانے پینے وغیرہ لذائذ ومرغوبات سے بے تعلق ہو کر روحانی مدارج اور ملکوتی مقامات کی سیر کرتا ہے بعض کے نزدیک اس لفظ کا مصداق مہاجرین ہیں جو اپنے گھر بار سے بے تعلق ہو کر ”دارالاسلام“ میں سکونت پذیر ہوتے ہیں بعض نے مجاہدین کا ارادہ کیا ہے کہ مجاہد اپنی جان تک سے بے تعلق ہو کر خدا کے راستے میں قربان ہونے کے لئے نکلتا ہے بعض کی رائے میں یہ لفظ طلبہ علوم کے لئے ہے۔ جو وطن، کنبہ، راحت و آسائش وغیرہ سب کو خیرباد کہہ کر طلب علم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ بہر حال مترجم محقق نے جو ترجمہ (بے تعلق رکھنے والے) کیا ہے اس میں ان سب اقوال کی گنجائش ہے مگر اکثر سلف کے نزدیک پہلی تفسیر (روزہ رکھنے والے) مختار ہے“

معزز قارئین کرام! اس مقام کے علاوہ یہ لفظ قرآن پاک کی سورہ تحریم آیت ۵ میں سنحت موجود ہے اس لئے ہم نے تفہیم ج ٦ ص ۲۹ میں دیکھا تو آپ نے سنحت کا ترجمہ روزہ دار کیا ہے اس وقت ہمارے تعجب کی انتہا نہ رہی کہ سائحون اور سنحت کا مادہ ومصدر سیاحت ہی تو ہے صرف تذکیر وتانیث کا فرق ہے پارہ ۱۰ سورہ توبہ کے شروع میں آیت پاک ”فسیحوا فی الارض اربعة اشھر“ ہے وہاں آپ نے ترجمانی کی ہے کہ پس تم لوگ ملک میں چار مہینے اور چل پھر لو۔ جب لغوی معنی ہی سے آزاد ترجمانی کرنی تھی تو ہر جگہ وہی معنی لیتے جو تفہیم ج ۲ ص ۲۴۰ حاشیہ ۱۰۹ میں لینا زیادہ صحیح سمجھا ہے۔ لیکن چونکہ اس جگہ حدیث پاک کا انکار کرنا مقصود تھا اور سلف سے ہٹ کر کٹ کر اپنی منفردانہ تحقیقی شان بھی دکھلانی تھی اس لئے صرف یہاں اس مثال میں ”زمین میں گردش کرنے والے“ دیگر مفسرین کے علاوہ ذکر کردہ سات مقاصد بھی مراد لے لئے کیا یہ ”ایک آنکھ میں کاجل اور ایک آنکھ میں سرمہ“ کا مصداق نہیں؟ اور کیا اس میں انتحال نہیں کہ دوسروں کی تحقیق اس طرح پیش کی گئی ہے کہ جیسے خود ان ہی کی تحقیق ہو؟

اور پھر صائمون سے حدیث کی بنیاد پر حضرات مفسرین نے سائحون کا ترجمہ کر دیا تو آپ نے بلا دلیل اس حدیث ہی کا انکار کر دیا کہ اس کی نسبت حضور کی طرف درست نہیں ہے۔ ایسا کیوں کیا گیا؟

مضمون نمبر (۱۷)

مفسرین کی نقل کردہ احادیث شریفہ سنداً اقوی ہونے کے باوجود ناقابلِ ترجیح ہیں

تفہیم القرآن ۳ ۲۰۰ الحج ۲۲

(۱) ”اگرچہ بعض مفسرین نے اس زلزلے کا وقت وہ بتایا ہے جب کہ مردے زندہ ہو کر اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے' اور اس کی تائید میں متعدد احادیث بھی نقل کی ہیں' لیکن قرآن کا صریح بیان روایات کو قبول کرنے میں مانع ہے۔ قرآن اس کا وقت وہ بتا رہا ہے جب کہ مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلاتے پلاتے چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوں گی' اور پیٹ والیوں کے پیٹ گر جائیں گے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ آخرت کی زندگی میں نہ کوئی عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہوگی اور نہ کسی حاملہ کے وضع حمل یا اسقاط کا کوئی موقع ہوگا' کیونکہ قرآن کی واضح تصریحات کی رو سے وہاں سب رشتے منقطع ہو چکے ہوں گے اور ہر شخص اپنی انفرادی حیثیت سے خدا کے سامنے حساب دینے کے لئے کھڑا ہوگا۔ (۲) لہٰذا قابل ترجیح وہی روایت ۲ ہے جو ہم نے پہلے نقل کی ہے۔ اگرچہ اس کی سند ضعیف ہے مگر قرآن سے مطابقت اس کے ضعف کو دور کر دیتی ہے۔ اور یہ دوسری روایات گو سنداً اقوی تر ہیں لیکن قرآن کے ظاہر بیان سے عدم مطابقت ان کو ضعیف کر دیتی ہے“۔

خلاصہ یہ ہوا کہ مفسرین کی ذکر کردہ احادیث شریفہ ناقابل اعتماد اور ناقابل ترجیح وناقابلِ استدلال ہیں اور جناب مولانا مودودی صاحب کی ذکر کردہ احادیث انتہائی ضعیف ہونے کے باوجود ہر طرح سے مکمل اعتماد واستدلال کے لائق ہیں سبحان اللہ

! کیونکہ قرآن وحدیث کی مطابقت کو حضرات مفسرین نے تو کبھی بھی نہیں سمجھا ہاں اگر کسی نے قرآن وحدیث کی مطابقت کو بہت زیادہ صحیح سمجھا ہے تو وہ جناب مودودی صاحب کی ذاتِ والا گرامی صفات ہے۔ سبحان اللہ!

جیسا کہ آپ کی ان تحریرات سے یہی نتیجہ ومفہوم برآمد ہو رہا ہے اور یہی آپ کا عین مقصد بھی ہے کہ سب میں کیچڑ ڈال کر اپنی پاکیزگی وعلمی تحقیق کی برتری کا اظہار کریں۔ کہ امت سب سے ٹوٹ کر صرف اور صرف آپ ہی کے دینی فہم پر اعتماد کرنے لگے۔ اسی لئے بیان کرتے ہیں کہ

> ’’محدثین ومفسرین کی ذکر کردہ احادیث سنداً قوی تر ہونے کے باوجود قرآن کے صریح خلاف ہیں اور آپ کی انتخاب کردہ احادیث شریفہ ضعیف ہونے کے باوجود قرآن کے عین مطابق ہیں‘‘

"فالی اللہ المشتکی اور انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ."

قارئین کرام! آپ یہیں سے یہ بات بھی خوب ذہن نشین کر لیجیے اور اصولی طور پر اس بات کو گرہ باندھ لیجیے کہ جناب سید مودودی صاحب اول تو احادیث شریفہ پر اعتماد ہی نہیں کرتے ہیں اور اگر کہیں احادیثِ شریفہ کو ذکر کریں گے جیسا کہ یہاں ہے تو اس سے اپنے ذہنی پیداوار کے متعلق استدلال کرنا مقصود ہو گا جیسا کہ تفہیم ۳ ص ۲۰۰ کی یہ تحریرات بھی شاہد عدل ہیں۔ اور بیان القرآن میں حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے محدثین کی ذکر کردہ احادیث شریفہ (جو مودودی صاحب کے اعتراف کے مطابق سنداً قوی تر ہیں) ذکر کیں ہیں اور فوائد عثمانی میں بھی اس آیت میں ہونے والے اشکال کو حل فرمایا گیا ہے تفصیل کے لئے وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔ ہم نے طوالت کے خوف سے ان دونوں کو نقل نہیں کیا بلکہ مقصود کو ذکر کرنے پر اکتفاء کیا کہ محدثین کی ذکر کردہ احادیث پر جناب مودودی صاحب کو اعتماد نہیں وہ ناقابلِ ترجیح ہیں۔

☆☆☆☆

مضمون نمبر (۱۸)

کوئی شخص اگر احادیث پاک کی تفصیلات کو نہ مانے تو اس کی تکفیر کی جائے یا نہیں؟

تفہیم القرآن ۲ ۵۸۶۔۵۸۷ بنی اسرائیل ۱۷

’’نیز معتبر روایات یہ بھی بتاتی ہیں کہ دوسرے روز جب آپ نے اس واقعہ کو لوگوں سے ذکر کیا تو کفارِ مکہ نے اس کا بہت مذاق اڑایا اور مسلمانوں میں سے بھی بعض کے ایمان متزلزل ہو گئے۔

حدیث کی یہ زائد تفصیلات قرآن کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس کے بیان پر اضافہ ہیں' اور ظاہر ہے کہ اضافے کو قرآن کے خلاف کہہ کر رد نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم اگر کوئی شخص ان تفصیلات کے کسی حصے کو نہ مانے جو حدیث میں آئی ہیں تو اس کی تکفیر نہیں کی جا سکتی' البتہ جس واقعے کی تصریح قرآن کر رہا ہے اس کا انکار موجب کفر ہے۔

اب اگر ایک رات میں ہوائی جہاز کے بغیر مکہ سے بیت المقدس جانا اور آنا اللہ کی قدرت سے ممکن تھا' تو آخر ان دوسری تفصیلات ہی کو ناممکن کہہ کر کیوں رد کر دیا جائے جو حدیث میں بیان ہوئی ہیں؟ ممکن اور ناممکن کی بحث تو صرف اس صورت میں پیدا ہوتی ہے جب کہ کسی مخلوق کے باختیار خود کوئی کام کرنے کا معاملہ زیر بحث ہو۔ لیکن جب ذکر یہ ہو کہ خدا نے فلاں کام کیا' تو پھر امکان کا سوال وہی شخص اٹھا سکتا ہے جسے خدا کے قادر مطلق ہونے کا یقین نہ ہو۔ اس کے علاوہ جو دوسری تفصیلات حدیث میں آئی ہیں ان پر منکرین حدیث کی طرف سے متعدد اعتراضات کیے جاتے ہیں' مگر ان میں سے صرف دو ہی اعتراضات ایسے ہیں جو کچھ وزن رکھتے ہیں۔

ایک یہ کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا کسی خاص مقام پر مقیم ہونا لازم آتا ہے' ورنہ اس کے حضور بندے کی پیشی کے لئے کیا ضرورت تھی کہ اسے سفر کرا کے ایک مقام خاص تک لے جایا جاتا؟

دوسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دوزخ اور جنت کا مشاہدہ اور بعض لوگوں

کے مبتلائے عذاب ہونے کا معائنہ کیسے کرا دیا گیا جب کہ ابھی بندوں کے
مقدمات کا فیصلہ ہی نہیں ہوا ہے؟ یہ کیا کہ سزا و جزا کا فیصلہ تو ہونا ہے قیامت
کے بعد اور کچھ لوگوں کو سزا دے ڈالی گئی ابھی سے؟"

ا۔"واقعہ معراج کو سن کر مسلمانوں میں سے بھی بعض کے ایمان متزلزل ہو گئے"

تنبیہ

کب متزلزل ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں؟ یا چودہ سو سال
...بعد اب؟ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں ایمان متزلزل ہو گئے تھے تو وہ
...ی مسلمان صحابی تھے؟ اور اگر چودہ سو سال کے بعد ایمان متزلزل ہوئے ہیں جیسا کہ
...ے قبل ماہنامہ الحسنات کے یادگار مودودی نمبر سے راقم الحروف نے ان ہی کی تحریر
...یاد پر ثابت کر چکا ہے کہ جناب مودودی صاحب ہی کا ایمان متزلزل ہو چکا تھا اور
...کو ہر چیز میں شک پڑ چکا تھا تو یہاں صاف صاف لکھ دینا چاہئے۔ کہ اس واقعہ
...ج کو سن کر میرا ایمان متزلزل ہو گیا' نعوذ باللہ۔

لیکن آپ نے ایسی مبہم اور گنجلک دو دھاری عبارت لکھی ہے۔ جس سے یہ سمجھ
...یں آیا کہ کس وقت میں بعض مسلمان کے ایمان متزلزل ہوئے تھے یا ہوئے ہیں؟
...سب سابق اس عبارت کا مصداق بھی خود جناب مودودی صاحب ہی کی ذات
...ی ہے۔

۲۔" تاہم اگر کوئی شخص ان تفصیلات کے کسی حصہ کو نہ مانے جو حدیث میں آئی
ہیں تو اس کی تکفیر نہیں کی جا سکتی"

عالم اسلام کے مشہور و مستند ترین عالم دین جناب محترم مخدومی و محترمی حضرت
...مفتی محمد تقی صاحب عثمانی زید مجدہ و مدظلہ کتاب "اظہار الحق ج ۲ باب پنجم ص ۳۶۱
...شیہ ۲ میں فرماتے ہیں:

"لیکن یہ واضح رہے کہ جو شخص احادیث کو اصولی طور پر ہی حجت تسلیم نہ کرتا
ہو وہ تمام مسلمان مکاتب فکر کے نزدیک کافر ہے اس کی مثال تقریباً ایسی ہے
جیسے کہ نصاریٰ کے یہاں اگر کوئی شخص بائبل کی کسی آیت کو الحاقی قرار دیدے

تو وہ ان کے نزدیک عیسائیت سے خارج نہیں ہوتا چنانچہ بہت سے نصرانی علماء
نے بائبل کی بہت سی عبارتوں کو الحاقی تسلیم کیا ہے لیکن جو شخص بائبل کو اصولی
طور پر تسلیم نہ کرے اسے وہ عیسائیت سے خارج قرار دیتے ہیں (۱۲ تقی)"۔

قارئین کرام! آپ جناب مولانا مودودی کی وہ تمام تحریرات و عبارات (جو
احادیث شریفہ اور اس کے اسناد و روایات سے متعلق ہیں) کو پڑھ جایئے تمام عبارات
میں یہی پائیں گے کہ آپ احادیث شریفہ کو اصولی طور پر حجت تسلیم کرنے میں بے اعتماد
ہیں کیونکہ احادیث شریفہ کی جو اصل بنیاد ہے یعنی (۱) اسناد و (۲) متون و (۳) مضمون
حدیث ہی پر آپ کو اعتماد نہیں ہے اور اگر احادیث شریفہ سے آپ کہیں استدلال بھی
کرتے ہیں تو اس سے محض اپنی خاص ذہنی و فکری رائے کی تقویت مقصود ہوتی ہے۔ یعنی
اگر احادیث شریفہ حجت ہیں تو صرف آپ کی ذہنی تائید کے لئے اس لئے بہر حال تمام
مسلمان مکاتب فکر کے لئے یہ ایک مستقل قابل توجہ مسئلہ ہے کہ کیا واقعی جناب سید مولانا
مودودی صاحب احادیث کو اصولی طور پر حجت تسلیم کرتے ہیں؟

ہم جس آخری و حتمی رائے پر پہونچے ہیں کہ کہیں تو جناب مودودی صاحب کو
احادیث شریفہ کی سندوں پر اعتراض ہے، کہیں آپ کو متونِ احادیث ہی کا انکار ہے،
کہیں مضامینِ احادیث آپ کی عقل و فہم کے رینج سے باہر ہیں، اور کہیں احادیث پاک
کی تفصیلات کو ('ملاحظہ کیجئے تفہیم جلد ۳ ص ۲۲۳، ۲۲۲ سورہ حج تفہیم جلد ۳
ص ۱۳، ۱۴، ۱۷، حاشیہ ۹۱ تفہیم جلد ۴ ص ۳۲۷، حاشیہ ۳۶) اور بعض جگہ ان تفصیلات کے
کسی حصہ کو آپ نہیں مانتے ہیں اور پھر خود ہی حکم بھی تحریر کرتے ہیں جیسا کہ اس زیر بحث
تفہیم ج ۲ ص ۵۸۶۔۵۸۷ سورۂ بنی اسرائیل کے ذیل میں ہے۔

" تاہم اگر کوئی شخص ان تفصیلات کے کسی حصہ کو نہ مانے جو حدیث میں آئی
ہیں تو اس کی تکفیر نہیں کی جا سکتی"۔

سوال یہ ہے کہ اگر حدیث کی تفصیلات کا وہ حصہ عقیدہ سے متعلق ہو اور جناب سید مودودی
صاحب اور ان جیسے حضرات اس کو نہ مانیں تو ایسے شخص کے متعلق تکفیری حکم نہیں ہوگا تو
پھر کیا ہوگا؟ اس کو خارجی، رافضی، شیعی، معتزلی، یہودی، نصرانی، نفس پرست، متبع شیطان،

کس چیز سے تعبیر کریں گے؟ جو بھی حکم لگاتا ہوا رباب جماعت اسلامی خود تجویز کر لیں یا بغیر کسی حکم شرعی ہی کے ایسے شخص کو چھوڑ دیا جائے گا؟ چونکہ مودودی صاحب کا مسئلہ ہے؟

مضمون نمبر (۱۹)

ایک تفسیر کے متعلق آپ کا غلط فیصلہ اور علامہ ابن جریر طبری اور علامہ ابن کثیر دمشقی کی رائے سے خواہی نخواہی آپ کے استدلال کی حقیقت

تفہیم القرآن ۲   ۴۰۵   ف ۱۲

(۱) ''اس سلسلہ میں ایک حدیث بھی پیش کی جاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اگر یوسف علیہ السلام نے وہ بات نہ کہی ہوتی جو انہوں نے کہی تو وہ قید میں کئی سال نہ پڑے رہتے'' لیکن علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ''یہ حدیث جتنے طریقوں سے روایت کی گئی ہے وہ سب ضعیف ہیں بعض طریقوں سے یہ مرفوعاً روایت کی گئی ہے اور ان میں سفیان بن وکیع اور ابراہیم بن یزید راوی ہیں جو دونوں ناقابل اعتماد ہیں۔ اور بعض طریقوں سے یہ مُرسلاً روایت ہوئی ہے (۲) اور ایسے معاملات میں مرسلات کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا'' علاوہ بریں درایت کے اعتبار سے بھی یہ بات باور کرنے کے قابل نہیں ہے کہ ایک مظلوم شخص کا اپنی رہائی کے لئے دنیوی تدبیر کرنا خدا سے غفلت اور توکل کے فقدان کی دلیل قرار دیا گیا ہوگا''۔

قارئین کرام! تفہیم ج ۲ ص ۴۰۴ کے اس حاشیہ ۳۵ ہی میں اس سے قبل آپ نے بعض مفسرین کی ایک تفسیر نقل کی ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

ا۔ ''شیطان نے حضرت یوسفؑ کو اپنے رب (یعنی اللہ تعالیٰ) کی یاد سے غافل کر دیا اور انہوں نے ایک بندے سے چاہا کہ وہ اپنے رب (یعنی شاہ مصر) سے ان کا تذکرہ کر کے ان کی رہائی کی کوشش کرے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ سزا دی کہ وہ کئی سال تک جیل میں پڑے رہے در حقیقت یہ تفسیر بالکل غلط ہے''۔

غالباً آپ نے شرم وحیا لحاظ وادب کی وجہ سے ان مفسرین (ابن جریر و بغوی) کا نام لینا پسند نہیں فرمایا اور تُف یہ ہے کہ اخیر میں بلا دلیل یہ فیصلہ بھی تحریر کر دیا ''در حقیقت یہ تفسیر بالکل غلط ہے'' حالانکہ بات ایسی نہیں جیسا کہ آپ نے فیصلہ کیا ہے تفسیر یہ ہے ملاحظہ کیجئے ترجمہ شیخ الہندؒ میں فوائد عثمانی کی اس آیت پر حاشیہ ۴ کو اس سے آپ کو اس تفسیر کی عمدگی بھی معلوم ہو جائے گی اور حضرات مفسرین کے نام کا (ابن جریر و بغوی) بھی پتہ چلے گا کہ ان مفسرین کے مقابلہ میں مولانا مودودی کی کوئی بھی دینی وعلمی حیثیت نہیں۔ حضرت مولانا علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ فرماتے ہیں:

''بھلانے کی نسبت شیطان کی طرف اس لئے کی گئی کہ وہ القاء وساوس وغیرہ کا ذریعہ ہے۔ جو سبب بنتا ہے نسیان کا حضرت موسیٰؑ کے رفیق سفر نے کہا تھا "وما انسانیہ الا الشیطان ان اذکرہ" لیکن ہر شر میں اللہ تعالیٰ کوئی خیر کا پہلو رکھ دیتا ہے یہاں بھی گو اس نسیان کا نتیجہ تطویل قید کی صورت میں ظاہر ہوا تاہم حضرت شاہ صاحبؒ کی نکتہ آفرینی کے موافق اس میں یہ تنبیہ ہوگئی کہ ایک پیغمبر کا دل ظاہری اسباب پر نہیں ٹھہرنا چاہئے بلکہ ابن جریر اور بغوی وغیرہ نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ وہ" فانساہ الشیطان ذکر ربہ" کی ضمیر یوسفؑ کی طرف راجع کرتے ہیں۔ گویا" اذکرنی عند ربک" کہنا ایک طرح کی غفلت تھی جو یوسف علیہ السلام کو عارض ہوئی انہوں نے قیدی کو کہا کہ اپنے رب سے میرا ذکر کرنا۔ حالانکہ چاہئے تھا کہ سب ظاہری سہارے چھوڑ کر وہ خود اپنے رب سے فریاد کرتے بے شک کشف شدائد کے وقت مخلوق سے ظاہری استعانت اور اسباب کی مباشرت مطلقاً حرام نہیں ہے لیکن ابرار کی حسنات مقربین کی سیأت بن جاتی ہے جو بات عامۃ الناس بے کھٹکے کر سکتے ہیں انبیاء علیہم السلام کے منصب عالی کے اعتبار سے وہ ہی بات ایک قسم کی تقصیر بن جاتی ہے امتحان وابتلاء کے موقع پر انبیاء کی شان رفیع اسی کو مقتضی ہے کہ رخصت پر نظر نہ کریں۔ انتہائی عزیمت کی راہ چلیں چونکہ حضرت یوسفؑ کا " اذکرنی عند ربک" کہنا عزیمت کے خلاف تھا اس لئے عتاب آمیز تنبیہ ہوئی کہ کئی سال تک مزید قید اٹھانی پڑی اور اس لئے "انساہ" کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی واللہ اعلم بالصواب زیادہ تفصیل روح المعانی میں ہے''۔

قارئین کرام! واقعہ درحقیقت کیا ہے؟

کیوں اس تفسیر کو مولانا مودودی نے غلط بتلایا؟ اس لئے کہ اس تفسیر سے حدیث پاک کی تائید ہوتی تھی اور صاف معلوم ہوتا تھا کہ احادیث شریفہ قرآن کے عین مطابق ہیں لیکن مولانا مودودی صاحب قطعاً یہ نہیں چاہتے ہیں کہ تفسیر سے حدیث پاک کی تائید ہو اور حدیث پاک کی یہ تصویر سامنے آجائے کہ وہ قرآن کے عین مطابق ہے اسی لئے آپ نے فیصلہ کردیا کہ

''درحقیقت یہ تفسیر غلط ہے''

اور اسی لئے یہ حدیث شریف ہی آپ کو متکلم فیہ نظر آئی اور علامہ ابن کثیر کے حوالہ سے طرق حدیث پر نقد و جرح کر ڈالا۔ تاکہ آپ کی گرفت نہ ہو سکے اور ساری بات علامہ ابن کثیر کی ذمہ داری پر رہے کہ وہی اصل ''ناقد حدیث'' ہیں اور جناب مولانا مودودی صاحب تو صرف ''ناقل محض'' ہیں۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ علامہ ابن کثیر نے احادیث پاک پر صرف اور صرف جرح کیا ہے؟ یا تعدیل بھی کی ہے؟ یعنی احادیث شریفہ سے اعتماد کو ختم ہی کیا ہے؟ یا احادیث شریفہ کی توثیق و تعدیل کر کے اعتماد بھی کیا کرایا ہے؟ جناب مودودی صاحب ہر جگہ علامہ بن کثیر کے جرح کو ذکر کرتے ہیں اور انہوں نے جو احادیث شریفہ کی تعدیل و توثیق کی ہے اس کو نہیں ذکر کرتے۔ اس کا کیا مطلب؟ فتاویٰ محمودیہ کے مطابق واقعہ یہ ہے کہ علامہ ابن کثیر اور ابن جریر کے متعلق جماعتِ اسلامی کی طرف سے جو سخت تنقید کی گئی ہے کہ انکار حدیث کا فتنہ ان کی جمع کردہ احادیث کا لازمی نتیجہ ہے یہ ان پر بہتان ہے افتراء ہے اور خلاف واقعہ ہے۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں نے احادیث شریفہ پر اعتماد بھی فرمایا ہے اور جماعت اسلامی اپنی گندگی و بے اعتمادی حدیث کو خواہی نخواہی ان کی طرف منسوب کرتی ہے۔ کیونکہ علامہ ابن کثیر نے احادیث شریفہ پر صرف جرح ہی نہیں کیا ہے بلکہ تعدیل بھی فرمائی ہے۔

پھر اگر ان کی تصویر ایسی ہی گندی اور بے اعتمادیٔ حدیث کی ہے تو پھر ان کی رائے سے استدلال و استشہاد کرنا یہاں پر جناب مودودی صاحب کے لئے کس طرح صحیح ہوگا؟ اس لئے میرے نزدیک آپ کا طریقہ تنقید ایک دیہاتی مقولہ ''کھیت کھائے گدھا اور مارا جائے کتا'' کا مصداق ہے کہ بے اعتمادیٔ حدیث تو مودودی صاحب کو اور بدنام کریں ابن کثیر و ابن جریر کو؟ اسی وجہ سے آپ نے اس پر تفصیلی جرح و قدح کے بعد اپنی عقل و درایت سے بھی ان الفاظ میں فیصلہ فرمایا کہ

''علاوہ بریں درایت کے اعتبار سے بھی یہ بات باور کرنے کے قابل نہیں کہ الخ''

کیا جناب سید مودودی صاحب کی عقل و درایت بھی حجتِ شرعیہ ہے؟ آپ کو تو دلائل شرعیہ سے اس تفسیر کی غلطی کی وضاحت کرنی چاہئے تھی کیونکہ ابن کثیر کے حوالہ سے حدیث پر بے اعتمادی ایسا ہی ہے کہ جیسا کہ بعض ہوشیار لوگ دوسرے کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلاتے ہیں۔

قارئین کرام! اب آپ علامہ ابن کثیر اور علامہ ابن جریر کی صحیح تصویر ملاحظہ فرمائیں۔ جس کو مخدومی و محترمی جناب مولانا نظام الدین زید مجدہ و مدظلہ نے اپنی کتاب ''تفسیروں میں اسرائیلی روایات'' میں کھینچی ہے آپ فرماتے ہیں:

''تیسری صدی کے آخر میں محمد ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے قدیم طرز تحریر سے ہٹ کر فن تفسیر میں ایک نئی راہ نکالی۔ انہوں نے ۳۰ جلدوں میں ایک مبسوط اور ضخیم تفسیر لکھی جس میں طرز قدیم کے خلاف صرف صحابہ اور تابعین کے اقوال نقل کر دینے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ان پر اضافہ کیا ابن جریر ہی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے تفسیر میں اقوال کی توجیہ کی بعض کو بعض پر ترجیح دی اعراب و قراءت پر بحث کی الفاظ و معانی کی تعیین میں کلام عرب سے استشہاد کیا اس لحاظ سے فن تفسیر میں باقاعدہ پہلی کتاب یہی علامہ ابن جریر طبری کی تفسیر ''جامع البیان فی تفسیر القرآن'' ہے'' پھر آپ ص ۳۳ پر فرماتے ہیں کہ ''متقدمین اور بعض متاخرین علماء کی جن تفسیروں کو قبولیت عامہ حاصل ہوئی اور جو آج بھی دستیاب ہے اور متداول ہیں اور

اسلامی لائبریریوں میں پائی جاتی ہیں ان کی ایک مختصر فہرست پیش ہے'' پھر آپ نے ص ۴۴ پر پندرہ معتمد و مستند ترین کتب تفاسیر و حضرات مفسرین کے نام تحریر فرمائے ہیں جن میں نمبر ایک پر ان ہی محمد بن جریر طبری کا نام ذکر فرمایا ہے۔ اور اسی سلسلہ کتب تفاسیر معتبرہ میں گیارہویں نمبر پر حافظ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ کی ''تفسیر القرآن العظیم'' کو ذکر فرمایا جو صرف ابن کثیر کے نام سے مشہور ہے پھر آپ نے ص ۴۵ پر تحریر فرمایا ہے کہ ''مذکورہ بالا مفسرین میں حافظ ابن کثیر نے سب سے زیادہ اسرائیلیات کی تردید پر توجہ کی ہے کیونکہ وہ محدث بھی ہیں، علم اسماء الرجال اور فن جرح و تعدیل سے بھی واقف ہیں ان کی ہر تردید علمی استدلال لئے ہوئے ہے''

قارئین کرام! اب آپ اس حقیقت واقعہ کے آئینہ میں علامہ ابن جریر اور علامہ ابن کثیر کی صحیح تصویر کو ملاحظہ فرمائیں تو صاف معلوم ہوگا کہ جماعت اسلامی نے ان دونوں معتمد مفسرین کرام کی تصویر بگاڑ کر پیش کی ہے اور اپنی بے اعتمادیٔ حدیث کو ان دونوں کی جانب غلط طور سے منسوب کر کے اپنی گندگی وغلاظت کو چھپا کر ان عظیم شخصیات کو مجروح کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ قیامت میں تو اس کا حساب ہوگا ہی مگر دنیا میں جماعت اسلامی سے کون باز پرس کرے؟ ہاں اس کے متعلق سیدی و مرشدی مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے اپنے فتاوی محمودیہ ج اول میں مولانا مودودی کی مخالفت احادیث کی جہات و اسباب پر گرفت کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے جزاھم اللہ خیرا۔

خلاصہ یہ کہ جناب مودودی صاحب کے اس حاشیہ میں تین غلطیاں ہیں ایک محض اپنے دعوی کی بنیاد پر اس تفسیر کو بلا دلیل شرعی غلط قرار دیا دوسرے اس حدیث شریف پر علامہ ابن کثیر کے حوالہ سے خواہی نخواہی تفہیم جیسی عوامی کتاب میں جرح وقدح کر کے عامۃ الناس کے قلوب میں احادیث شریفہ سے بے اعتمادی پیدا کرائی تیسری غلطی یہ کہ اس تفسیر کو غلط قرار دینے کے نتیجے میں قرآن کریم کی آیات وَمَا اَنْسَانِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ (پ ۱۶) اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ

الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ (پ ۹ اعراف) اور اس جیسی دیگر آیات شریفہ کا انکار لازم آتا ہے۔ جس میں بتلایا گیا ہے کہ متقین کو بھی شیطانی اثر پہنچتا ہے۔ مگر وہ اپنے صحیح طریقہ کار کے لئے چوکنا رہتے ہیں پھر وہ حدیث بھی سامنے رکھئے جس میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ شیطان ہے تو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا کہ آپ کے ساتھ بھی؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں! لیکن میرا شیطان مسلمان ہوگیا ہے یا مجھ کو وہ غلط بات کا مشورہ نہیں دیتا ہے یا میں اس کی غلط بات سے محفوظ ہوں۔

خلاصہ یہ ہے کہ فانساہ ذکر ربہ کی جو تفسیر ابن جریر اور بغوی وغیرہ نے نقل کیا ہے اس کے بارے میں جناب مودودی صاحب کا فیصلہ کرنا کہ

''درحقیقت یہ تفسیر بالکل غلط ہے''

بالکل بے بنیاد ولاحاصل ہے اور ناواقفیت وجہالت پر مبنی ہے۔

مضمون نمبر (۲۰)

(۱) یہ منکرینِ حدیث کی حجت ''سرّ دلبراں در حدیث دیگراں'' کے قبیل سے ہے یا نہیں؟

(۲) احادیث شریفہ کے متعلق سید مودودی مرحوم عباراتِ تفہیم میں اپنے بیان کردہ چوتھی بات کہ قائل نظر آتے ہیں یا نہیں؟

تفہیم القرآن ۲ — ۵۴۴ — النحل ۱۶

حاشیہ ۴۰۔ ''یہ آیت جس طرح ان منکرین نبوت کی حجت کے لئے قاطع تھی جو خدا کا ''ذکر'' بشر کے ذریعہ سے آنے کو نہیں مانتے تھے اسی طرح آج یہ ان

منکرین حدیث کی حجت کے لئے بھی قاطع ہے جو نبی کی تشریح وتوضیح کے بغیر صرف ''ذکر'' کو لے لینا چاہتے ہیں (۱) وہ خواہ اس بات کے قائل ہوں کہ نبی نے تشریح وتوضیح کچھ بھی نہیں کی تھی صرف ذکر پیش کردیا تھا (۲) یا اس کے قائل ہوں کہ ماننے کے لائق صرف ذکر ہے نہ کہ نبی کی تشریح' (۳) یا اس کے قائل ہوں کہ اب ہمارے لئے صرف ذکر کافی ہے نبی کی تشریح کی کوئی ضرورت نہیں' (۴) یا اس بات کے قائل ہوں کہ اب صرف ذکر ہی قابل اعتماد حالت میں باقی رہ گیا ہے۔ نبی کی تشریح یا تو باقی ہی نہیں رہی یا باقی ہے بھی تو بھروسے کے لائق نہیں' غرض ان چاروں باتوں میں سے جس بات کے بھی وہ قائل ہوں' ان کا مسلک بہرحال قرآن کی اس آیت سے ٹکراتا ہے۔ اگر وہ پہلی بات کے قائل ہیں تو اس کے معنی یہ ہے کہ نبی نے اس منشا ہی کو فوت کردیا جس کی خاطر ذکر کو فرشتوں کے ہاتھ بھیجنے یا براہ راست لوگوں تک پہنچادینے کے بجائے اسے واسطہ تبلیغ بنایا گیا تھا۔

اور اگر وہ دوسری یا تیسری بات کے قائل ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ میاں نے (معاذ اللہ) یہ فضول حرکت کی کہ اپنا ''ذکر'' ایک نبی کے ذریعہ سے بھیجا کیونکہ نبی کی آمد کا حاصل بھی وہی ہے جو نبی کے بغیر صرف ذکر کے مطبوعہ شکل میں نازل ہوجانے کا ہوسکتا تھا۔

اور اگر وہ چوتھی بات کے قائل ہیں تو دراصل یہ قرآن اور نبوت محمدیؐ دونوں کے نسخ کا اعلان ہے جس کے بعد اگر کوئی مسلک معقول باقی رہ جاتا ہے تو وہ صرف ان لوگوں کا مسلک ہے جو ایک نئی نبوت اور نئی وحی کے قائل ہیں۔ اس لئے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید کے مقصد نزول کی تکمیل کے لئے نبی کی تشریح کو ناگزیر ٹھہرا رہا ہے اور نبی کی ضرورت ہی اس طرح ثابت کررہا ہے کہ وہ ذکر کے منشا کی توضیح کرے اب اگر منکرین حدیث کا یہ قول صحیح ہے کہ نبی کی توضیح وتشریح دنیا میں باقی نہیں رہی ہے تو اس کے دو نتیجے کھلے ہوئے ہیں۔ پہلا نتیجہ یہ ہے کہ نمونہ اتباع کی حیثیت سے نبوت محمدی ختم ہوگئی اور ہمارا تعلق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف اس طرح کا رہ گیا جیسا ہود اور صالح اور شعیب علیہم السلام کے ساتھ ہے کہ ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں' ان پر ایمان لاتے ہیں مگر ان کا کوئی اسوہ ہمارے پاس نہیں ہے جس کا ہم اتباع کریں۔ یہ چیز نئی نبوت کی ضرورت آپ سے آپ ثابت کردیتی ہے'

صرف ایک بے وقوف ہی اس کے بعد ختم نبوت پر اصرار کرسکتا ہے۔ دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ اکیلا قرآن نبی کی تشریح وتبیین کے بغیر خود اپنے بھیجنے والے کے قول کے مطابق ہدایت کے لئے ناکافی ہے' اس لئے قرآن کے ماننے والے خواہ کتنے ہی زور سے چیخ چیخ کر اسے بجائے خود کافی قرار دیں' مدعی سُست کی حمایت میں گواہان چُست کی بات ہرگز نہیں چل سکتی اور ایک نئی کتاب کے نزول کی ضرورت آپ سے آپ خود قرآن کی رو سے ثابت ہوجاتی ہے' قاتلہم اللہ' اس طرح یہ لوگ حقیقت میں انکار حدیث کے ذریعہ سے دین کی جڑ کھود رہے ہیں''

قارئین کرام! ''سرِّ دلبراں در حدیث دیگراں'' کے انداز میں یہاں آپ نے منکرین حدیث کی حجت نقل کی ہے جس کی چوتھی وجہ پوری طرح سے آپ ہی پر چسپاں ہوتی ہے اس لئے کہ احادیث شریفہ کے متعلق آپ ہی کی تمام تحریرات تفہیم وغیر تفہیم کی بنیاد پر ہم یہ قطعی فیصلہ کرنے پر مجبور ہیں کہ جناب سید مودودی صاحب بھی منکرین حدیث کی صف میں داخل ہیں اور اپنے مافی الضمیر کے مطابق ان کی باتوں کو نقل کرکے آپ نے بھی ماڈرن طریقے پر منکرین حدیث کی طرح دین کی جڑ کھودنے کی کوشش کی ہے۔ قارئین کرام غور فرمائیں کہ تفہیم میں آپ نے منکرین حدیث کی ملحدانہ لغویات نقل فرما کر ان کو تقویت پہنچائی ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ یہی ملحدانہ لغویات آپ کی تحریروں میں بھی ہیں قاتلھم اللہ کیونکہ منکرین حدیث کی ملحدانہ لغویات میں سے ایک عدم وثوق ذرائع ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال تمام امت مسلمہ کے لئے حجت اور ضروری ہیں مگر چونکہ ہمارے زمانے تک احادیث شریفہ قابل اعتماد ذرائع سے نہیں پہنچیں اس لئے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ ایک جامعیت قرآن ہے یعنی قرآن ایک جامع کتاب ہے لہٰذا حدیث وسنت رسول ﷺ کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ سنت کا ماخذ دین ہونا قرآن کی جامعیت کے منافی ہے ایک روایت بالمعنی ہے یعنی بہت سی احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعینہ الفاظ مروی نہیں ہیں بلکہ راویوں کے اپنے الفاظ ہیں اور صحابہؓ کرامؓ کے الفاظ سے احادیث شریفہ کی صحت کا یقین نہیں۔ ایک خلاف عقل ہے یعنی

بعض احادیث میں خلاف عقل باتیں ہیں اور خلاف عقل کوئی حکم بھی قابل قبول نہیں ہوتا۔

اب آپ غور فرمالیجئے کہ جناب مولانا مودودی صاحب نے بے اعتمادیٔ حدیث کے لئے جو تحریرات ثبت فرمائی ہیں ان کی بنیاد یہی مذکورہ چار ملحدانہ لغویات ہیں نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا۔ علماء کرام نے منکرین حدیث کی ان لغویات کا جواب اپنی اپنی کتابوں میں دے دیے ہیں۔

مضمون نمبر (۲۱)

حدیث شریف کو مجروح کرنے کے بعد خود اس کی تفصیلات پر غور کرنا

تفہیم القرآن ۳ ۳۴ الکھف ۱۸

حاشیہ ۵۷۔ حضرت موسیٰ کو یہ واقعہ کب اور کہاں پیش آیا؟ اس کی کوئی تصریح قرآن نے نہیں کی ہے۔ حدیث میں عوفی کی ایک روایت ہمیں ضرور ملتی ہے جس میں وہ ابن عباس کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا تھا جب فرعون کی ہلاکت کے بعد حضرت موسیٰ نے مصر میں اپنی قوم کو آباد کیا تھا لیکن ابن عباسؓ سے جو قوی تر روایات بخاری اور دوسری کتب حدیث میں منقول ہیں وہ اس بیان کی تائید نہیں کرتیں اور نہ کسی دوسرے ذریعے سے ہی یہ ثابت ہوتا ہے کہ فرعون کی ہلاکت کے بعد حضرت موسیٰ کبھی مصر میں رہے تھے بلکہ قرآن اس کی تصریح کرتا ہے کہ مصر سے خروج کے بعد ان کا سارا زمانہ سینا اور تیہ میں گزارا۔ اس لئے یہ روایت تو قابل قبول نہیں ہے۔ البتہ جب ہم خود اس قصے کی تفصیلات پر غور کرتے ہیں" الخ....

ا۔ "لیکن ابن عباسؓ سے جو قوی تر روایات بخاری اور دوسری کتب حدیث میں...... الخ"

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ جب ابن عباس سے قوی تر روایات بخاری اور

دوسری کتب حدیث میں منقول ہیں اور وہ روایات عوفی کے بیان کی تائید نہیں کرتیں تو عوفی کی حدیث غلط نہیں ہوئی؟ تو پھر کیا ہوئی؟

یہی مقصود ہے جناب مولانا مودودی صاحب کا کہ کسی نہ کسی طرح سے حدیث کی تغلیط کر کے مجروح کریں اس صفحہ ۳۴ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کو یہ واقعہ کب اور کہاں پیش آیا؟ اس کے متعلق حدیث پاک میں بیان کردہ باتوں کو نہ مان کر آپ نے اپنی سمجھ و درایت سے دو باتیں بنا کر قیاس کیا کہ اس واقعہ کا تعلق کس دور سے ہے؟ حدیث پاک اور روایت کو مجروح کر کے اپنی سمجھ وفہم سے کوئی قیاس کیا جائے تو اس کو کس چیز سے تعبیر کی جائے گی؟ آپ مزید آگے لکھتے ہیں

"اگر ہمارا یہ قیاس درست ہو تو پھر یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ غالباً حضرت موسیٰ کا یہ سفر سوڈان کی جانب تھا"

قارئین کرام! آپ نے غور کیا؟ کہ حدیث پاک کے مقابلہ میں پہلے تو آپ نے دو باتیں بنانے کی وجہ قائم کی۔ پھر اس پر قیاس کیا۔ پھر اس قیاس کے درست ہونے کی شرط پر ادنی سے اعلیٰ کی طرف ترقی فرماتے ہوئے گمان کیا۔ سوال یہ ہے کہ یہ سب کیوں؟ اس کا جواب آپ نے ہی خود بعد کی سطروں میں یوں دیا ہے چونکہ

"بائبل اس واقعہ کے باب میں بالکل خاموش ہے البتہ تلمود میں اس کا ذکر موجود ہے"

اس جملہ میں ثبوت ہے اس بات کا کہ آپ کی تمام باتیں بائبل ہی کی بنیاد پر نہیں بلکہ تلمود کے ذکر و بیان کی بنیاد پر ہیں۔ اس کے ساتھ ہی قارئین کرام اس پر بھی غور فرمائیں کہ آپ نے بات کہاں سے شروع کی تھی؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کردہ عوفی کی حدیث سے اور بات ختم کہاں کی؟ بائبل کی کتاب تلمود پر۔ بتلایا جائے کہ حدیث پاک اور تلمود کا کیا جوڑ ہے کہ احادیث شریفہ کی باتوں کو بائبل و تلمود میں تلاش کیا جائے پھر آپ نے اپنے قیاس وگمان اور تلمود کے بیان کا تجزیہ کر کے قطعی فیصلہ بھی نہیں کیا تھا کہ اچانک بات ہی دوسری شروع کردی اور سارا الزام مسلمانوں پر رکھ دیا کہ

"تلمود کی اسی روایت سے متاثر ہو کر مسلمانوں میں سے بعض لوگوں نے یہ

کہہ دیا کہ قرآن میں اس مقام پر موسیٰ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نہیں بلکہ کوئی اور موسیٰ ہیں"

قارئین کرام! یہ دونوں باتیں (حضرت موسیٰ کو یہ واقعہ کب اور کہاں پیش آیا؟ اور اس مقام پر موسیٰ سے کون مراد ہیں؟) الگ الگ موضوع بحث ہیں۔ ایک سوال کا جواب علمی و تحقیقی طور پر مکمل ہو جاتا تو دوسری بحث کو شروع کرتے یہ غلط بحث نہیں تو اور کیا ہے؟ علاوہ ازیں تلمود کا بیان و حوالہ یہاں آپ نے ہی دیا مگر مسلمانوں پر الزام رکھتے ہوئے تحریر کر دیا

"کسی مسلمان کے لئے تلمود کا بیان لائق التفات نہیں"

حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر بھی اپنے اس جملہ کے مصداق حسب سابق خود جناب سید مودودی صاحب ہی ہیں کیونکہ ہم نے ص ۳۵ پر دیکھا کہ آپ نے پہلے خود قیاس کیا' پھر اس قیاس کی درستگی کی شرط پر گمان کیا' پھر اپنے اس قیاس و گمان کے بارے میں فرمایا کہ

"بائبل اس واقعہ کے بارے میں بالکل خاموش ہے البتہ تلمود میں اس کا ذکر موجود ہے"

تو تلمود کے بیان کو تو لائق التفات خود آنجناب مودودی صاحب نے ہی سمجھا جب ہی تو اس کا ذکر بھی کیا یہ الگ مسئلہ ہے کہ ذکر کریں خود۔ اور الزام رکھیں مسلمانوں پر تو آپ کا یہ طریقہ کار آیت قرآنی وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا (پ ۵ سورۃ نساء آیت ۱۱۲) کے ذیل میں آئے گا۔

مضمون نمبر (۲۲)

اپنے دیکھنے پر اور غیروں کی روایات پر اعتماد مگر احادیث شریفہ پر نہیں

تفہیم القرآن ۳ — ۶۲۶ — پارہ ۲۰ القصص ۲۸

حاشیہ ۳۳۔ "یہ مقام جہاں حضرت موسیٰ پہنچے تھے عربی روایات کے مطابق

خلیج عقبہ کے غربی ساحل پر مقنا سے چند میل بجانب شمال واقع تھا۔ آج کل اسے البدع کہتے ہیں اور وہاں ایک چھوٹا سا قصبہ آباد ہے۔ (۱) میں نے دسمبر ۱۹۵۹ء میں تبوک سے عقبہ جاتے ہوئے اس جگہ کو دیکھا ہے۔ (۲) مقامی باشندوں نے مجھے بتایا کہ ہم باپ دادا سے یہی سنتے چلے آئے ہیں کہ مدین اسی جگہ واقع تھا۔ (۳) یوسیفوس سے لے کر برٹن تک قدیم و جدید (۴) سیاحوں اور (۵) جغرافیہ نویسوں نے بھی بالعموم مدین کی جائے وقوع یہی بتائی ہے۔ اس کے قریب تھوڑے فاصلے پر وہ جگہ ہے جسے اب مغائر شعیب یا مغارات شعیب کہا جاتا ہے۔ اس جگہ ثمودی طرز کی کچھ عمارات موجود ہیں اور اس سے تقریباً میل ڈیڑھ میل کے فاصلے پر کچھ قدیم کھنڈر واقع ہیں جن میں دو اندھے کنویں ہم نے دیکھے۔ مقامی باشندوں نے ہمیں بتایا کہ یقین کے ساتھ تو ہم نہیں کہہ سکتے' لیکن ہمارے ہاں روایات یہی ہیں کہ ان دونوں میں سے ایک کنواں وہ تھا جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بکریوں کو پانی پلایا ہے۔ (۶) یہی بات ابوالفداء (متوفی ۷۳۲ھ) نے تقویم البلدان میں (۷) اور یاقوت نے معجم البلدان میں ابو زید انصاری (متوفی ۲۱۶ھ) کے حوالہ سے لکھی ہے کہ اس علاقے کے باشندے اسی مقام پر حضرت موسیٰ کے اس کنویں کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت صدیوں سے وہاں کے لوگوں میں متوارث چلی آ رہی ہے اور اس بنا پر اعتماد کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں جس مقام کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہی ہے مقابل کے صفحہ پر اس مقام کی کچھ تصاویر ملاحظہ ہوں۔

حاشیہ ۳۴۔ یعنی ہم عورتیں ہیں' ان چرواہوں سے مزاحمت اور کشمکش کر کے اپنے جانوروں کو پانی پلانا ہمارے بس میں نہیں ہے۔ والد ہمارے اس قدر سن رسیدہ ہیں کہ وہ خود یہ مشقت اٹھا نہیں سکتے۔ گھر میں کوئی دوسرا مرد بھی نہیں ہے۔ اس لیے ہم عورتیں ہی یہ کام کرنے نکلتی ہیں اور جب تک سب چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلا کر نہیں جاتے' ہم کو مجبوراً انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اس سارے مضمون کو ان خواتین نے صرف ایک مختصر سے فقرے میں ادا کر دیا جس سے ان کی حیاداری کا اندازہ ہوتا ہے کہ ایک غیر مرد سے زیادہ بات بھی نہ کرنا چاہتی تھیں' مگر یہ بھی پسند نہ کرتی تھیں کہ یہ اجنبی ہمارے

خاندان کے متعلق کوئی غلط رائے قائم کرلے اور اپنے ذہن میں یہ خیال
کرے کہ کیسے لوگ ہیں جن کے مرد گھر بیٹھے رہے اور اپنی عورتوں کو اس کام
کے لیے بھیج دیا۔

۲۔ان خواتین کے والد کے متعلق ہمارے ہاں کی روایات میں یہ بات مشہور
ہوگئی ہے کہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے لیکن قرآن مجید میں اشارۃً
وکنایۃً بھی کوئی بات ایسی نہیں کہی گئی ہے جس سے یہ سمجھا جاسکے کہ وہ حضرت
شعیبؑ ہی تھی۔ شعیب علیہ السلام قرآن میں ایک معروف شخصیت ہیں۔اگر
ان خواتین کے والد وہی ہوتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ یہاں اس کی تصریح نہ
کردی جاتی۔

۳۔بلاشبہ بعض احادیث میں ان کے نام کی تصریح ملتی ہے لیکن علامہ ابن
جریر اور ابن کثیر دونوں اس پر متفق ہیں کہ ان میں سے کسی کی سند بھی صحیح نہیں
ہے۔ اسی لیے ابن عباس، حسن بصری، ابو عبیدہ اور سعید بن جبیر جیسے اکابر
مفسرین نے بنی اسرائیل کی روایات پر اعتماد کرکے ان بزرگ کے وہی نام
بتائے ہیں جو تلمود وغیرہ میں آئے ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر نبی ﷺ سے
اسم شعیب کی تصریح ہوتی تو یہ حضرات کوئی دوسرا نام نہ لے سکتے تھے۔

۴۔بائبل میں ایک جگہ ان بزرگ کا نام رعوایل اور دوسری جگہ یترو بیان
کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ مدین کے کاہن تھے۔ (خروج باب
۲:۱۶۔۱۸۔باب ۳:۱۔باب ۱۸:۵)

قارئین کرام! یہاں آپ نے نمبر وار بالترتیب تبوک سے عقبہ جاتے ہوئے
(۱) خود دسمبر ۱۹۵۹ء میں اس جگہ کو دیکھنے پر (۲) مقامی باشندوں کے بتانے
پر (۳) یوسیفوس سے لے کر برٹن تک (۴) قدیم وجدید سیاحوں پر (۵) جغرافیہ نویسوں
پر (۶) ابوالفداء کی تقویم البلدان (۷) یاقوت کی معجم البلدان پر ان سات روایات پر
اعتماد کیا ہے۔ جیسا کہ خود ہی آگے کی سطر میں لکھا بھی ہے کہ:

"اس بنا پر اعتماد کے ساتھ کہا جاسکتا ہے"

مگر افسوس صد افسوس کہ کوئی بات اگر آپ اعتماد کے ساتھ نہیں کہہ سکتے ہیں تو حضرات
محدثین کی روایات اور ان کی سندوں کی بنیاد پر جس کی مثال گزشتہ اوراق کی طرح اس

تفہیم صفحہ ۶۲۷ حاشیہ ۳۴۔ میں حضرت شعیبؑ کے نام کی تصریح کے بارے میں آپ
ملاحظہ فرمالیجیے۔

۲۔"ان خواتین کے متعلق ہمارے یہاں کی روایات میں یہ بات مشہور ہوگئی
ہے کہ وہ حضرت شعیب تھے لیکن قرآن مجید میں اشارۃً وکنایۃً بھی کوئی بات
ایسی نہیں کہی گئی ہے جس سے یہ سمجھا جاسکے کہ وہ حضرت شعیبؑ ہی تھے"

کیا جس بات کو قرآن پاک میں اشارۃً وکنایۃً نہیں بیان کیا گیا ہو اس کو
احادیث وآثار صحابہ کے ذریعہ سے نہیں سمجھا جاسکتا ہے....؟

یہ تو اہل قرآن کہتے ہیں کہ ہر بات کا ثبوت قرآن ہی سے ہونا چاہیئے وہ
حدیث پاک کو حجت نہیں تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح جناب سید مودودی مرحوم کی اس
عبارت سے معلوم ہوا کہ آپ بھی اہل قرآن کی طرح حجیت حدیث کو نہیں مانتے ہیں
کیونکہ حضرت شعیبؑ کے نام کے متعلق آپ کو حدیث پاک کی سند صحیح نہیں معلوم ہوئی
ہے اور قرآن پاک ہی سے حضرت شعیبؑ کے نام کو سمجھنا چاہتے ہیں۔

۳۔"بلاشبہ بعض احادیث میں ان کے نام کی تصریح ملتی ہے لیکن علامہ ابن
جریر اور ابن کثیر دونوں اس پر متفق ہیں کہ ان میں سے کسی کی سند بھی صحیح نہیں ہے"

قارئین کرام! حضرت تھانویؒ اس آیت پر فائدہ کے تحت فرماتے ہیں:

"ف۔ جو مضامین از قسم روایت ترجمہ کے درمیان لکھے ہیں سب درمنثور
سے ہیں اور یہ بزرگ شعیب علیہ السلام تھے کذا فی الدر عن ابن ماجہ مرفوعاً"

اب بتلایا جائے کہ جناب مودودی صاحب نے جو بائبل کے بیان پر اعتماد
کرکے حضرت شعیبؑ کا نام رعوایل اور یترو بتلایا ہے اس کو مانا جائے؟ یا حضرت تھانویؒ
نے جو احادیث پاک پر اعتماد کرکے فرمایا ہے کہ وہ بزرگ شعیبؑ تھے اس کو مانا جائے....؟

ظاہر ہے کہ حدیث پاک کا شیدائی حدیث پاک کو مانے گا اور بائبل کا فدائی
بائبل کی بات مانے گا۔

پھر بائبل کے بیان کے مطابق مودودی صاحب نے رعوایل اور یترو نام بتلایا
ہے ذکیا اس کے بارے میں ابن کثیر اور ابن جریر دونوں متفق ہیں کہ آپ کا بائبل، سے

بیان کردہ حضرت شعیبؑ کے نام کی تصریح کی سند بالکل صحیح اور درست ہے؟ یا بائیبل کے اس بیان کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صراحت موجود ہے؟

قارئین کرام! غور فرمالیجئے کہ جو بات جناب سید مودودی صاحب کو قرآن میں کہیں بھی اشارۃً وکنایۃً نہیں ملی تو آپ نے اس کی تفصیل بائیبل میں صراحۃً تلاش کرلی۔ بڑے لطف کی بات یہ ہے کہ اس جگہ پر آپ نے علامہ ابن جریر اور ابن کثیر کی عدم اتفاق کی رائے کو ذکر فرما کر ان سے استدلال کیا ہے کہ ان احادیث میں سے کسی کی سند بھی صحیح نہیں ہے حالانکہ ابن کثیر اور جریر کے متعلق جماعت اسلامی کی طرف سے سخت تنقید کی گئی ہے کہ الامان الحفیظ۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ انکار حدیث کا جو فتنہ آج ابھر رہا ہے وہ ان کی جمع کردہ احادیث کا لازمی نتیجہ ہے۔

حالانکہ خود مودودی صاحب کی ان تحریرات نے اس فتنہ انکار حدیث کو پروان چڑھایا ہے۔ پھر ابن کثیر اور علامہ بن جریر کی رائے سے استدلال کا کیا حق رہا؟......

ع الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اس لئے خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ آپ احادیث شریفہ کی سندوں کی تو ماشاء اللہ خوب جانچ پڑتال کرتے ہیں مگر بائیبل کے بیانات کی سندوں کی طرف توجہ دے کر اس پر جرح وقدح نہیں کرتے۔ آخر کیوں؟

مزید لطف کی بات یہ ہے کہ آنجناب والا نے حضرت شعیبؑ کے نام کی صراحت کے متعلق بائیبل کی کتاب خروج کا حوالہ دینے سے قبل قارئینِ تفہیم کی ذہن سازی کے لئے اور اپنی ذات کو گرفت سے محفوظ رکھنے کے لئے بھی یہ تحریر فرمایا ہے کہ

"ابن عباسؓ، حسن بصریؒ، ابو عبیدہ اور سعید بن جُبیر جیسے اکابر مفسرین نے بھی بنی اسرائیل کی روایات پر اعتماد کیا ہے"

اب جناب مودودی صاحب کی کوئی بھی گرفت نہیں کرسکتا ہے کہ جناب ان حضرات اکابر مفسرین کی اتباع میں اگر آپ نے بھی بنی اسرائیل کی روایات پر اعتماد کرلیا

ہے تو کون سا جرم عظیم ہوگیا؟

اس لئے یہ سوال عرض کرنا ضروری ہے کہ ان حضرات نے کس کتاب میں بنی اسرائیل کی روایات پر مودودی صاحب کی طرح اعتماد کیا ہے؟ آپ نے اس کا حوالہ دینے کی زحمت کیوں نہیں برداشت فرمائی؟ بغیر حوالہ کے یہاں پر ان حضرات مفسرین کی طرف اتنی بڑی بات منسوب کرنا یہ علمی خیانت نہیں تو اور کیا ہے؟ پھر اس میں تعجب ہوتا ہے کہ ان حضرات اکابر مفسرین کی اتباع میں جناب مودودی صاحب نے احادیث شریفہ اور ان کی سندوں پر اعتماد کیوں نہیں کیا؟ صرف باب اسرائیلیات ہی میں ان کی اتباع کیوں؟

یعنی ایک چیز میں ان کی اتباع؟ اور دوسری میں نہیں؟ یہ نفس پرستی نہیں تو اور کیا ہے؟ پھر بنیادی سوال تو یہ ہے کہ کیا ابن جریر اور ابن کثیر کو آپ معتبر بھی مانتے ہیں؟ یا صرف اپنی بات کی تائید مقصود ہے خواہ جہاں سے بھی ہوجائے؟ اس سے بات بالکل واضح اور صاف ہوگئی کہ محض اپنے عمل کے جواز کی خاطر اور عوام الناس کو اپنی علمی تحقیق سے مرعوب کرنے کے لئے ان اکابر مفسرین کے نام آپ نے لئے ہیں۔ کیا اسی کا نام علمی تحقیق ہے؟ اگر یہی علمی تحقیق ہے تو لعنت ہے اس تحقیق پر بھی۔ کیا یہ "کلموا الناس علی قدر عقولھم" کے خلاف نہیں؟ کہ تفہیم میں عوام الناس کے لئے احادیث شریفہ کی سند و متن پر جرح وقدح کرنا ان کی عقل سے بالاتر کی چیز نہیں ہے؟ کیا اوسط درجہ کے قارئین تفہیم اسکو حل کرلینگے؟

مضمون نمبر (۲۳)

خود جناب سید مودودی صاحب نے بھی بائیبل کی روایات سے قرآن کی تشریح کی ہے تو کیا ان کو مستشرقین مغرب خوب نمک مرچ لگا کر نہیں پیش کریں گے؟

تفہیم القرآن ۲ ۳۰۹ النور ۲۲

''اس موقع پر مدینے کے منافقین پروپگنڈا کا ایک طوفانِ عظیم لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر سے یہود و مشرکین نے بھی ان کی آواز میں آواز ملا کر افترا پردازیاں شروع کر دیں۔ انہوں نے عجیب عجیب قصے گھڑ گھڑ کر پھیلا دیے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کس طرح اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی کو دیکھ کر اس پر عاشق ہو گئے اور کس طرح بیٹے کو ان کے عشق کا علم ہوا اور وہ طلاق دے کر بیوی سے دست بردار ہو گیا اور پھر کس طرح انہوں نے خود اپنی بہو سے بیاہ کر لیا۔ یہ قصے اس کثرت سے پھیلائے گئے کہ مسلمان تک ان کے اثرات سے نہ بچ سکے۔ چنانچہ محدثین اور مفسرین کے ایک گروہ نے حضرت زینب اور زید کے متعلق جو روایتیں نقل کی ہیں ان میں آج تک ان من گھڑت قصوں کے اجزا پائے جاتے ہیں اور مستشرقین مغرب ان کو خوب نمک مرچ لگا کر اپنی کتابوں میں پیش کرتے ہیں۔

تنبیہ

اس صفحہ میں تمام محدثین اور مفسرین کے لئے آپ نے حسب سابق ذہن سازی کی ہے کہ ان کی نقل کردہ تمام روایتوں میں آج بھی من گھڑت قصوں کے اجزاء پائے جاتے ہیں۔ لیکن یہ ''بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے'' کے مصداق ہے کہ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک ہی لاٹھی سے سب کو ہانکیں ایک ہی حکم سب پر چسپاں کر دیں۔ کیا آپ کے ان جملوں سے حضرات محدثین کے متعلق بے اعتمادی نہیں ہو گی؟ غور طلب

بات یہ کہ آپ نے اس طرح کی عبارات کیوں تحریر کی ہیں؟ کیونکہ اس میں آپ کو لطف آنے کے علاوہ بظاہر گرفت کا کوئی جواز بھی نہیں نکلتا۔

اس لئے

خوشتر آں باشد کہ سرّ دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

کے ذیل میں آپ ان بدترین الزامات کو نقل کیا کرتے ہیں تا کہ گرفت کئے جانے پر ''نقل کفر کفر نباشد'' کا جواب دے دیا جائے۔ مگر جناب مولانا مودودی صاحب مرحوم اس حقیقت کو فراموش کر گئے کہ آپ کے اس انداز تحریر سے ناظر کی توجہ قرآن پاک سے ہٹ کر کسی دوسری چیز (بائبل) ہی کی طرف پھر جاتی ہے جو حواشی میں آپ کی کوشش کے بالکل خلاف درخلاف ہے۔

پھر یہ بات قابل غور ہے کہ جناب مودودی صاحب نے بائیبل سے قرآن پاک کی تشریح و تفصیل کی ہے جس کو مدلل طریقہ سے قارئین آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمانے والے ہیں تو کیا ان تشریحات کو مستشرقین مغرب خوب نمک مرچ لگا کر نہیں پیش کریں گے؟ محدثین کی نقل پر تنقید؟ اور اپنی خبر نہیں؟ کیوں؟ ''اتأمرون الناس بالبر وتنسون انفسکم''

مضمون نمبر (۲۴)

اپنی ذات کو محققین میں شمار کرانے کی کوشش

تفہیم القرآن ۳ ۴۵۱ الفرقان ۲۸

حاشیہ ۵۲۔ ''اصحاب الرس کے متعلق تحقیق نہ ہو سکا کہ یہ کون لوگ تھے۔ مفسرین نے مختلف روایات بیان کی ہیں مگر ان میں کوئی چیز قابل اطمینان نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ یہی ہے کہ یہ ایک ایسی قوم تھی جس نے اپنے پیغمبر کو کنوئیں میں پھینک کر یا لٹکا کر مارا تھا۔ رس عربی زبان میں پرانے کنوئیں یا اندھے کنوئیں کو کہتے ہیں''۔

تنبیہ

۱۔ ''مفسرین نے مختلف روایات بیان کی ہیں مگر ان میں کوئی چیز بھی قابل اطمینان نہیں ہے''

کیونکہ آپ کو (روح المعانی نے جتنے اقوال نقل کئے ہیں) ان سے زیادہ کا تحقیق نہیں ہوسکا حالانکہ آپ کی انتہائی کوشش یہ رہتی ہے کہ اپنی تحریروں سے ابن حزم اور ابن قیم اور بعض دوسرے محققین کی صف میں خود اپنی ذات کو بھی محققین میں شمار کرائیں۔ ملاحظہ کیجئے تفہیم ج ۳ ص ۳۰۷ درمیان صفحہ میں آپ لکھتے ہیں کہ

''اسی بنا پر ابن حزم اور ابن قیم اور بعض دوسرے محققین محمد بن اسحاق کی روایت ہی کو صحیح قرار دیا ہے اور ہم اسی کو صحیح سمجھتے ہیں'' (چونکہ آپ بھی ماشاء اللہ ان ہی محققین میں ہیں)

اب اس جگہ اصحاب الرس کے متعلق آپ کو تحقیق نہ ہو سکنے کی کیا وجہ ہے؟ اور اس میں کیا راز ہے؟ اس لئے کہ روح المعانی میں اصحاب الرس کے متعلق بہت سے اقوال لکھے ہیں لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ ان اقوال پر آپ کو اطمینان ہی نہیں ہے آپ نے خود ہی فرمایا ہے کہ

''مفسرین نے مختلف روایات بیان کی ہیں مگر ان میں کوئی چیز قابل اطمینان نہیں ہے''

اور غضب یہ ہے کہ ان مفسرین کی تحقیقات سے زیادہ آپ تحقیق بھی نہیں کر سکے۔ ملاحظہ کیجئے ترجمہ شیخ الہند میں اصحاب الرس کے حاشیہ ۹ کو آپ تحریر فرماتے ہیں۔

''اصحاب الرس (کنویں والے) والے کون تھے؟ اس میں سخت اختلاف ہوا ہے روح المعانی میں بہت سے اقوال نقل کر کے لکھا ہے:

"وملخص الاقوال انهم قوم اهلكهم الله بتكذيب من ارسل اليهم"
(یعنی خلاصہ یہ ہوا کہ وہ کوئی قوم تھی جو اپنے پیغمبر کی تکذیب کی پاداش میں ہلاک ہوئی)

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں: ''ایک امت نے اپنے رسول کو کنویں میں بند کیا پھر ان پر عذاب آیا تب وہ رسول خلاص ہوا''

قارئین کرام! یہ ہے وہ حقیقت جس کی بنیاد پر جناب مودودی صاحب کو اصحاب الرس کے متعلق تحقیق نہ ہو سکا کہ یہ کون لوگ تھے؟۔

مضمون نمبر (۲۵)

بخاری و مُسلم کی روایات کے متعلق پوری اُمتِ مسلمہ ایک طرف اور جناب سید مودودی صاحب ایک طرف

تفہیم القرآن ۳   ۱۳ / ۷   العنکبوت ۲۹

حاشیہ ۹۱۔ یعنی امی ہونے کے باوجود تم پر قرآن جیسی کتاب کا نازل ہونا کیا یہ بجائے خود اتنا بڑا معجزہ نہیں ہے کہ تمہاری رسالت پر یقین لانے کے لیے یہ کافی ہو؟ کیا اس کے بعد بھی کسی اور معجزے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ دوسرے معجزے تو جنہوں نے دیکھے ان کے لیے وہ معجزے تھے۔ مگر یہ معجزہ تو ہر وقت تمہارے سامنے ہے تمہیں آئے دن پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔ تم ہر وقت اسے دیکھ سکتے ہو۔

قرآن مجید کے اس بیان و استدلال کے بعد ان لوگوں کی جسارت حیرت انگیز ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواندہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہاں قرآن صاف الفاظ میں حضورؐ کے ناخواندہ ہونے کو آپ کی نبوت کے حق میں ایک طاقتور ثبوت کے طور پر پیش کر رہا ہے۔ (۱) جن روایات کا سہارا لے کر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ حضورؐ لکھے پڑھے تھے۔ یا بعد میں آپؐ نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا وہ اول تو پہلی ہی نظر میں رد کر دینے کے لائق ہیں کیونکہ قرآن کے خلاف کوئی روایت بھی قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ پھر وہ بجائے خود بھی اتنی کمزور ہیں کہ ان پر کسی استدلال کی بنیاد قائم نہیں ہو سکتی۔ ان میں سے ایک بخاری کی یہ روایت ہے کہ صلح حدیبیہ کا معاہدہ جب لکھا جا رہا تھا تو کفار مکہ کے نمائندے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ رسول اللہ لکھے جانے پر اعتراض کیا۔ اس پر حضورؐ نے کاتب (یعنی حضرت علیؓ) کو حکم دیا کہ اچھا رسولؐ اللہ کا لفظ کاٹ کر محمدؐ بن عبد اللہ لکھ دو۔ حضرت علیؓ نے لفظ رسولؐ اللہ کاٹنے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضورؐ نے ان کے ہاتھ سے لے کر وہ الفاظ خود کاٹ دیے اور محمدؐ بن عبد اللہ لکھ دیا۔

لیکن یہ روایت براء بن عازب سے بخاری میں چار جگہ اور مسلم میں دو جگہ

وارد ہوئی ہے اور ہر جگہ الفاظ مختلف ہیں:

(۱) بخاری کتاب الصلح میں ایک روایت کے الفاظ ہیں: "قال لعلی امحه فقال علی ما انا بالذی امحاه فمحاه رسول الله بیده" حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا یہ الفاظ کاٹ دو۔ انہوں نے عرض کیا میں تو نہیں کاٹ سکتا۔ آخرکار حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے انہیں کاٹ دیا۔

(۲) اسی کتاب میں دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں: "ثم قال لعلی امح رسول الله قال لا والله لا امحوك ابدا فاخذ رسول الله الکتاب فکتب هذا ما قاضیٰ علیه محمد بن عبد الله" پھر علیؓ سے کہا "رسول اللہ" کاٹ دو۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم میں آپ کا نام کبھی نہ کاٹوں گا۔ آخر حضورؐ نے وہ تحریر لے کر لکھا یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد بن عبداللہ نے طے کیا۔

(۳) تیسری روایت انہی براء بن عازب سے بخاری کتاب الجزیہ میں ہے: "وکان لا یکتب فقال لعلی امح رسول الله فقال علی والله لا امحاه ابدًا قال فارنیه قال فاراه ایاه فمحاه النبی صلی الله علیه وسلم بیده" حضور خود نہ لکھ سکتے تھے۔ آپؐ نے حضرت علیؓ سے کہا رسول اللہ کاٹ دو۔ انہوں نے عرض کیا خدا کی قسم میں یہ الفاظ ہرگز نہ کاٹوں گا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا مجھے وہ جگہ بتاؤ جہاں یہ الفاظ لکھے ہیں۔ انہوں نے آپ کو جگہ بتائی اور آپ نے اپنے ہاتھ سے وہ الفاظ کاٹ دیے۔

(۴) چوتھی روایت بخاری کتاب المغازی میں یہ ہے: "فاخذ رسول الله صلی الله علیه وسلم الکتاب ولیس یحسن یکتب فکتب هذا ما قاضیٰ محمد بن عبد الله"۔ پس حضورؐ نے وہ تحریر لے لی دراں حالیکہ آپ لکھنا نہ جانتے تھے اور آپؐ نے لکھا یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد بن عبداللہ نے طے کیا۔

(۵) انہی براء بن عازب سے مسلم کتاب الجہاد میں ایک روایت ہے کہ حضرت علیؓ کے انکار کرنے پر حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے "رسول اللہ" کے الفاظ مٹا دیے۔

(۶) دوسری روایت اسی کتاب میں ان سے یہ منقول ہے کہ حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا مجھے بتاؤ رسول اللہ کا لفظ کہاں لکھا ہے، حضرت علیؓ نے آپ کو جگہ بتائی اور آپؐ نے اسے مٹا کر ابن عبداللہ لکھ دیا۔

روایات کا یہ اضطراب بتا رہا ہے کہ بیچ کے راویوں نے حضرت براء بن

عازب رضی اللہ عنہ کے الفاظ جوں کے توں نقل نہیں کیے ہیں؛ (۲) اس لیے ان میں سے کسی ایک کی نقل پر بھی ایسا مکمل اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ یقینی طور پر یہ کہا جا سکے کہ حضورؐ نے محمد بن عبداللہ کے الفاظ اپنے دست مبارک ہی سے لکھے تھے۔

(۳) ہوسکتا ہے کہ صحیح صورت واقعہ یہ ہو کہ جب حضرت علیؓ نے "رسول اللہ" کا لفظ مٹانے سے انکار کر دیا تو آپؐ نے اس کی جگہ ان سے پوچھ کر یہ لفظ اپنے ہاتھ سے مٹا دیا ہو اور پھر ان سے یا کسی دوسرے کاتب سے ابن عبد اللہ کے الفاظ لکھوا دیے ہوں۔ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر صلح نامہ دو کاتب لکھ رہے تھے۔ ایک حضرت علیؓ دوسرے محمد بن مسلمہ (فتح الباری، جلد ۵، ص ۲۱۷) اس لیے یہ امر بعید نہیں ہے کہ جو کام ایک کاتب نے کیا تھا وہ دوسرے کاتب سے لے لیا گیا ہو۔ (۴) تاہم اگر واقعہ یہی ہو کہ حضورؐ نے اپنا نام اپنے ہی دست مبارک سے لکھا ہو تو ایسی مثالیں دنیا میں بکثرت پائی جاتی ہیں کہ ان پڑھ لوگ صرف اپنا نام لکھنا سیکھ لیتے ہیں؛ باقی کوئی چیز نہ پڑھ سکتے ہیں نہ لکھ سکتے ہیں"۔

(تفہیم القرآن ج ۳ ص ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ العنکبوت۔ ۴۹)

تنبیہ

۱۔ جن روایات (بخاری و مسلم کا سہارا لے کر یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ... الخ

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ کس جسارت کے ساتھ بخاری و مسلم کی ان چھ روایات کے متعلق جرح و قدح کر کے ص ۷۱۴ کی تیئسویں سطر میں اپنی امکانی رائے کا اظہار کیا کہ

"ہوسکتا ہے کہ صحیح صورتِ واقعہ یہ ہو کہ...... الخ۔

جن کتابوں کے بارے میں مسند الہند حضرتِ اقدس شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے:

"اما الصحیحان فقد اتفق المحدثون علی ان جمیع مافیها من المتصل المرفوع صحیح بالقطع وانهما متواتران الی مصنفیهما وان کل من یهون امرهما فهو مبتدع متبع غیر سبیل المؤمنین" (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۳)

یعنی بخاری و مسلم کے متعلق محدثین کا اتفاق ہے کہ ان کی تمام متصل مرفوع حدیثیں بالیقین صحیح ہیں اور ان کی سند ان کے مصنفوں تک متواتر ہیں اور جو شخص (مودودی صاحب کی طرح) ان کو کمزور اور ہلکا قرار دے وہ مبتدع اور مسلمانوں کے راستہ کو چھوڑ کر ان کے خلاف راستہ میں چلنے والا ہے۔

دیکھئے! کہ جناب مودودی صاحب نے تفہیم ج ۳، ص ۱۳، ۷ اور ص ۱۴، ۷ حاشیہ ۱۹ میں پوری امتِ مسلمہ اور جملہ محدثین کے خلاف اپنا ایک علیحدہ و شاذ فیصلہ کر کے تحقیق کا کتنا اونچا کارنامہ انجام دیا ہے؟ پوری امتِ مسلمہ ایک طرف اور آپ امتِ مسلمہ سے خارج ہو کر دوسری جانب کیوں کھڑے ہیں؟ اگر روز حشر بھی ان کے ساتھ ان تحریرات کی بناء پر اللہ جل شانہ نے ایسا ہی معاملہ کیا جیسا کہ دنیا میں انہوں نے اپنی منفرد شان تحقیق کے اظہار کے لئے تجویز کیا ہے تو کیا ہوگا؟

مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ بھی آپ کے نزدیک صحیح حدیث ہے یا نہیں؟ اس کی سند و متن میں بھی کوئی خرابی تو نہیں؟ اللہ تعالیٰ جناب مودودی صاحب مرحوم کو جہنم کی دہکتی آگ کا ایندھن بننے سے حفاظت فرمائے اب کیسے کوئی کہہ دے کہ آپ بے اعتمادی حدیث کے جرم میں جہنم ہی رسید کئے جائیں گے؟ الامان الحفیظ۔

۲۔ ''بخاری و مسلم کی ان چھ روایات سے کسی ایک کی نقل پر بھی یقینی طور پر مکمل اعتماد نہیں کیا جاسکتا''

(بلا تبصرہ ہی مطلب واضح ہے) ہاں البتہ مودودی صاحب کی نقل بائبل پر تو یقینی طور پر مکمل اعتماد کیا جانا چاہئے؟

بخاری و مسلم کی روایات پر عدم اعتماد کے بعد جناب مودودی صاحب کا اپنا ذاتی قیاس کہ

۳۔ ''ہوسکتا ہے کہ صحیح صورتِ واقعہ یہ ہو''

اب غور طلب یہ ہے کہ جب حدیث بخاری و مسلم ہی قابلِ قبول اور قابلِ اعتماد نہیں تو پھر آپ کا قیاس کس طرح قابلِ قبول و قابلِ اعتماد ہوگا؟ بلکہ یہاں پر آپ نے انتحال کیا ہے۔ یعنی آپ نے براء ابن عازب سے ص ۱۴، ۷ پر جو تیسری روایت ذکر کی ہے اس روایت میں صاف موجود ہے کہ ''آپ نے علیؓ سے وہ جگہ دریافت فرمانے کے بعد اپنے ہاتھ سے وہ الفاظ کاٹ دیئے''

تو جو بات روایت میں خود موجود ہے اس کو اپنا قیاس اور اپنی تحقیق بتلانا یہ علمی خیانت نہیں تو اور کیا ہے۔ اب کوئی کس طرح کہہ دے کہ جناب سید مودودی مرحوم محقق نہیں بلکہ خائن ہیں۔

۴۔ ''تاہم اگر واقعہ یہی ہو کہ...... الخ''

اس پورے جملہ و مکمل عبارت میں آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لفظ امّی کے بجائے ان پڑھ سے تعبیر کیا ہے۔ اگر اس طرح کا ایک جملہ بنا کر سید مودودی صاحب کی شان میں لکھا جائے تو آپ کی بے ادبی و گستاخی نہیں ہوگی؟ دنیا کے ان پڑھ لوگوں کی مثالوں میں جناب آخر الزماں سید الرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل کرنے کے بعد بھی جناب سید مودودی صاحب کا ایمان و اسلام علی حالہ قائم رہا؟ آپ کی اس عبارت کے بعد راقم الحروف پوری ذمہ داری کے ساتھ لکھتا ہے کہ شروع میں جس طرح آپ کو قرآن و حدیث نبوت و رسالت پر شک پڑا تھا یہ شک تا دمِ آخر آپ کو باقی رہا ورنہ اگر آپ کو رسالت پر شک نہ ہوتا تو تفہیم میں ایمان سوز عبارت کے ذریعہ دنیا کے ان پڑھوں کی مثالوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل نہ کیا جاتا۔ کیا اب بھی کوئی شک رہ گیا کہ مودودی صاحب نے بھی شانِ رسالت میں گستاخی نہیں کی ہے؟

بھلا! جس قرآن کی ابتداء ہی الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ سے ہو۔ اس کی آزاد ترجمانی کرنے والے کی بنیاد ہی شک اور تذبذب پر ہے تو اس کی یہ کوشش ردی کی ٹوکری میں ڈال کر نذر آتش کی جائے گی یا نہیں؟ اس کے لئے روز حشر ہی کا انتظار کیجئے کہ تفہیم کی ان عبارات و تحریرات کے متعلق باری تعالیٰ شانہ کا کیا فیصلہ ہوتا ہے؟

مضمون نمبر (۲۶)

روایت پر جرح و قدح کی ایک اور مثال بلا تبصرہ

تفہیم القرآن ۳   ۱۵، ۷   العنکبوت ۲۹

''دوسری روایت جس کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواندہ ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے مجاہد سے ابن ابی شیبہ اور عمر بن شیبہ نے نقل کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ

ہیں کہ ما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی کتب وقرأ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی وفات سے پہلے لکھنا پڑھنا سیکھ چکے تھے۔ (۱) لیکن اول تو یہ سنداً بہت ضعیف روایت ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں فضعیف لا اصل لہ۔ (۲) دوسرے اس کی کمزوری یوں بھی واضح ہے کہ اگر حضورؐ نے فی الواقع بعد میں لکھنا پڑھنا سیکھا ہوتا تو یہ بات مشہور ہو جاتی' بہت سے صحابہ اس کو روایت کرتے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ حضورؐ نے کس شخص یا کن اشخاص سے یہ تعلیم حاصل کی تھی۔ لیکن سوائے ایک عون بن عبد اللہ کے جن سے مجاہد نے یہ بات سنی' اور کوئی شخص اسے روایت نہیں کرتا۔ اور یہ عون بھی صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں جنہوں نے قطعاً یہ نہیں بتایا کہ انہیں کس صحابی یا کن صحابیوں سے اس واقعہ کا علم حاصل ہوا۔ (۳) ظاہر ہے کہ ایسی کمزور روایتوں کی بنیاد پر کوئی ایسی بات قابل تسلیم نہیں ہو سکتی جو مشہور ومعروف واقعات کی تردید کرتی ہو''

تنبیہ

کیا اوسط درجہ کے قارئین تفہیم روایات کے اس جرح وقدح میں صحیح اور غلط کے درمیان تمیز پیدا کر کے مضمون کو حل کر سکتے ہیں؟ ورنہ بتلایا جائے کہ اس سے بے اعتمادی حدیث کے علاوہ اور کیا نتیجہ برآمد ہوگا۔

مضمون نمبر (۲۷)

سلسلہ روایات پر عدم اعتماد ﴿سورۃ ص﴾

تفہیم القرآن ۴ — ۳۱۶ — ص ۳۸

نام: آغاز ہی کے حرف ص کو اس سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔
زمانہ نزول: جیسا کہ آگے چل کر بتایا جائے گا' بعض روایات کی رو سے یہ سورہ اس زمانے میں نازل ہوئی تھی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں علانیہ دعوت کا آغاز کیا تھا اور قریش کے سرداروں میں اس پر کھلبلی مچ گئی تھی۔ اس لحاظ سے اس کا زمانہ نزول تقریباً نبوت کا چوتھا سال قرار پاتا ہے۔ بعض دوسری روایات اسے حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کے بعد کا واقعہ بتاتی

ہیں' اور معلوم ہے کہ وہ ہجرت حبشہ کے بعد ایمان لائے تھے۔ ایک اور سلسلہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو طالب کے آخری مرض کے زمانے میں وہ معاملہ پیش آیا تھا جس پر یہ سورہ نازل ہوئی۔ اسے اگر صحیح مانا جائے تو اس کا زمانہ نزول نبوت کا دسواں یا گیارھواں سال ہے''۔

تنبیہ

اور اگر ان سلسلہ روایات کو جناب مولانا مودودی صاحب صحیح نہ مانیں تو پھر زمانہ نزول کس سال ہوگا؟

مضمون نمبر (۲۸)

بخاری ومسلم کی یہ حدیث ہر طرح سے صحیح ہونے کے باوجود آپ کی صریح عقل کے خلاف کیوں ہے؟

تفہیم القرآن ۴ — ۳۳۷ — ص ۳۸

حاشیہ ۳۶۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ایک روز قسم کھائی کہ آج رات میں اپنی ستر بیویوں کے پاس جاؤں گا اور ہر ایک سے ایک مجاہد فی سبیل اللہ پیدا ہوگا' مگر یہ بات کہتے ہوئے انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف ایک بیوی حاملہ ہوئیں اور ان سے بھی ایک ادھورا بچہ پیدا ہوا جسے دائی نے لا کر حضرت سلیمانؑ کی کرسی پر ڈال دیا۔ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے (۱) اور اسے بخاری ومسلم اور دوسرے محدثین نے متعدد طریقوں سے نقل کیا ہے۔ خود بخاری میں مختلف مقامات پر یہ روایت جن طریقوں سے نقل کی گئی ہے ان میں سے کسی میں بیویوں کی تعداد ۶۰ بیان کی گئی ہے' کسی میں ۷۰ کسی میں ۹۰ کسی میں ۹۹ اور کسی میں ۱۰۰ جہاں تک اسناد کا تعلق ہے' ان میں سے اکثر روایات کی سند قوی ہے' اور باعتبار روایت اس کی صحت میں کلام نہیں کیا جا سکتا (۲) لیکن حدیث کا مضمون صریح عقل کے خلاف ہے اور پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ہرگز نہ فرمائی ہوگی جس طرح وہ نقل

ہوئی ہے۔ (۳) بلکہ آپ نے غالباً یہود کی بادہ گوئیوں کا ذکر کرتے ہوئے کسی موقع پر اسے بطور مثال بیان فرمایا ہوگا اور سامع کو یہ غلط فہمی لاحق ہوگئی کہ اس بات کو حضور خود بطور واقعہ بیان فرما رہے ہیں۔ (۴) ایسی روایات کو محض صحت سند کے زور پر لوگوں کے حلق سے اتروانے کی کوشش کرنا دین کو مضحکہ بنانا ہے۔ (۵) ہر شخص خود حساب لگا کر دیکھ سکتا ہے کہ جاڑے کی طویل ترین رات میں بھی عشا اور فجر کے درمیان دس گیارہ گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں ہوتا۔ اگر بیویوں کی کم سے کم تعداد ۶۰ ہی مان لی جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اُس رات بغیر دم لیے فی گھنٹہ ۶ بیوی کے حساب سے مسلسل دس گھنٹے یا ۱۱ گھنٹے مباشرت کرتے چلے گئے۔ کیا یہ عملاً ممکن بھی ہے؟ اور کیا یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ حضورؐ نے یہ بات واقعے کے طور پر بیان کی ہوگی؟ پھر حدیث میں یہ بات کہیں نہیں بیان کی گئی ہے کہ قرآن مجید میں حضرت سلیمانؑ کی کرسی پر جس جسد کے ڈالے جانے کا ذکر آیا ہے اس سے مراد یہی ادھورا بچہ ہے۔ اس لیے یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ حضورؐ نے یہ واقعہ اس آیت کی تفسیر کے طور پر بیان فرمایا تھا۔

تنبیہ

۱۔ "اس (حدیث کو) بخاری و مسلم اور دوسرے محدثین نے متعدد طریقوں سے نقل کیا ہے الخ......"

تفہیم میں عامۃ الناس کے لئے بخاری شریف کی روایات کا یہ اضطراب کیوں بیان کیا گیا ہے؟ اپنی شانِ تحقیق کے اظہار کے لئے؟ یا عامۃ الناس کو حدیث پاک سے بے اعتماد کرنے کے لئے؟۔

۲۔ "جہاں تک اسناد کا تعلق ہے ان میں سے اکثر روایات کی سند قوی ہے اور باعتبار روایت اس کی صحت میں کلام نہیں کیا جاسکتا"۔

پھر جناب مولانا مودودی مرحوم نے باعتبار درایت اس کی صحت میں کیوں کلام کیا؟ اسی لئے کہ

۳۔ "حدیث کا مضمون (مولانا مودودی کی) صریح عقل کے خلاف ہے اور (صرف مولانا مودودی کو) پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ

وسلم نے اس طرح ہرگز نہ فرمائی ہوگی جس طرح وہ نقل ہوئی ہے"۔

قارئین کرام! جب ہم نے اس حقیقت کا سراغ لگایا (کہ جناب مودودی صاحب صحت حدیث کے لئے اپنی عقل کے مطابق مضمونِ حدیث کا ہونا کیوں ضروری قرار دیتے ہیں؟ یعنی مضمونِ حدیث جناب مودودی صاحب کی عقل کے خلاف نہیں ہونا چاہئے ورنہ تو وہ لائق اعتماد نہیں رہ سکے گی۔) تو ہمیں معلوم ہوا کہ یہاں آپ نے باطنی فرقہ اور قرامطہ کی وکالت کرتے ہوئے ان ہی کے رنگ ولباس میں ہیں اس فرقہ کا کہنا یہ ہے کہ عقل جو فیصلہ کردے وہ بس آخری ہے جب کہ مذہب اسلام یہ بتاتا ہے کہ عقل سے ماوراء تیسرا ذریعہ وحی الٰہی اور آسمانی تعلیم ہے اس کے بغیر انسان کو نہ کمال علم حاصل ہوگا اور نہ وہ ہدایت پاسکے گا چنانچہ ماضی میں جن لوگوں نے وحی الٰہی سے آزاد ہوکر صرف عقل کی پیروی کی ہے انہوں نے کتنے دھوکے کھائے ہیں اس کا اندازہ ذیل کے اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے آج سے تقریباً آٹھ سو سال قبل ایک شخص گزرا ہے عبید اللہ بن حسن قروانی اس نے ایک فرقہ کی بنیاد رکھی تھی جس کو باطنی فرقہ اور قرامطہ کہتے ہیں اس نے اپنے ماننے والوں کو زندگی گزارنے کے سلسلہ میں جو ہدایات دی ہیں اس میں ایک جگہ وہ لکھتا ہے:

> "میری سمجھ میں یہ بے عقلی کی بات نہیں آتی کہ لوگوں کے پاس اپنے گھر میں ایک بڑی خوبصورت سلیقہ شعار لڑکی بہن کی شکل میں موجود ہے اور بھائی کے مزاج کو بھی سمجھتی ہے اس کی نفسیات سے بھی واقف ہے لیکن یہ بے عقل انسان اس بہن کا ہاتھ اجنبی شخص کو پکڑا دیتا ہے۔ جس کے بارے میں یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کے ساتھ صحیح نباہ ہوسکے گا یا نہیں؟ وہ مزاج سے واقف ہے یا نہیں؟ اور خود اپنے لئے بعض اوقات ایک ایسی لڑکی لے آتے ہیں جو حسن وجمال کے اعتبار سے بھی، سلیقہ شعاری کے اعتبار سے بھی، مزاج شناسی کے اعتبار سے بھی اس کے ہم پلہ نہیں میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اس بے عقلی کا جواز کہاں سے ہے کہ اپنے گھر کی دولت تو دوسرے کے ہاتھ میں دے دی اور اپنے پاس ایک ایسی چیز لے آئے جو اس کو پوری راحت وآرام نہ دے میں اپنے پیروؤں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس بے عقلی سے اجتناب

کریں اور اپنے گھر کی دولت کو اپنے گھر میں رکھیں"۔

دوسری جگہ لکھتا ہے:

"یہ کیا وجہ ہے کہ جب ایک بہن اپنے بھائی کے لئے کھانا پکا سکتی ہے' اس کی بھوک کو دور کر سکتی ہے تو اس کی جنسی تسکین کا سامان کیوں نہ کر سکتی؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ تو عقل کے خلاف ہے"۔ (اصلاحی خطبات حصہ اول ص ۲۷ و ۲۸)

آج کے معاشرہ میں کسی بھی مذہب میں کیا اس کا جواز ملتا ہے؟ ظاہر ہے کہ ہر ذی عقل اور حیادار انسان جو انسانی جوہر رکھتا ہو وہ اس نظریہ پر لعنت ہی بھیجے گا لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ اس پر اور اس کے نظریے پر جتنی چاہے لاحول پڑھیں لعنت بھیج لیں۔ مگر اس نے جو بات کہی ہے وہ عقل کے اعتبار سے بہت بہتر ہے اور آپ قیامت تک اس کے استدلال کا جواب خالص عقل کی بنیاد پر نہیں دے سکتے ہاں اگر وحی الٰہی اور آسمانی تعلیم کو ملا لیا جائے تو جواب دینا نہایت آسان ہے۔

معلوم ہوا کہ بغیر وحی الٰہی کے نہ کمال علم حاصل ہو سکتا ہے اور نہ ہدایت کا راستہ مل سکتا ہے (ماہنامہ مظاہر علوم ماہ مئی ۱۹۹۹ء ص ۱۹ و ۲۰)

تو کیا خیال ہے جناب مودودی صاحب کے متعلق؟ کہ وہ حضرات محدثین سے قطعاً بے نیاز ہو کر صرف اور صرف اپنی عقل کی بنیاد پر مضمونِ حدیث کو پرکھ سکتے ہیں؟ اور ان کا یہ طریقہ استدلال کیا صحیح ہوگا؟ جواب نفی میں ہے تو پھر ان کو فرقہ قرامطہ سے نکل کر یہاں بھی جمہور مسلمین کی طرح مذہب اہل سنت والجماعت کی صف میں داخل ہو کر مضمونِ حدیث کی سند و متن پر اعتبار کر کے تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔ کیونکہ جہاں پر عقل کام کرنا چھوڑ دیتی ہے وہاں پر وحی الٰہی دست گیری کرتی ہے اب ظاہر ہے کہ جہاں سند و متن پر اعتماد کرنے کی بات ہو وہاں ہم عقل سے کام لیں گے تو صحیح جواب نہیں ملے گا۔ صراط مستقیم کی ہدایت نہیں ملے گی۔ علم میں کمال اور خوبی حاصل نہ ہوگی۔ بلکہ "فقد ضل ضلالا بعیدا" کے مصداق ہوں گے۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ عَنْ اَنْ نَضِلَّ اَوْ نُضِلَّ۔

اب مضمونِ حدیث کے متعلق جناب مودودی مرحوم کی عقل کیا کہتی ہے ملاحظہ کیجئے:

۴۔ "بلکہ آپ نے غالباً یہود کی یاوہ گوئیوں کا ذکر کرتے ہوئے کسی موقع پر اسے بطور مثال بیان فرمایا ہوگا اور سامع کو غلط فہمی لاحق ہو گئی کہ اس بات کو حضور بطور واقعہ بیان فرما رہے ہیں"۔

۵۔ "ایسی روایات کو محض سند کے زور پر لوگوں کے حلق سے اتروانے کی کوشش کرنا دین کو مضحکہ بنانا ہے"۔

اور بائبل کے ذریعہ سے اپنے باطل افکار و نظریات کو زور صحافت و زور خطابت پر پیش کرنا اور احادیث شریفہ سے عوام الناس کو خود کی طرح بے اعتماد بنانا اور قرآن کی تشریحات بائبل اور یہودی لٹریچر سے کرنا۔ یہ تو دین کو مضحکہ بنانا نہیں ہے؟ بلکہ آپ کی یہ ساری خرافات پر مشتمل باتیں عین دینِ اسلام ہی ہوں گی........؟

۶۔ "ہر شخص خود حساب لگا کر دیکھ سکتا ہے الخ...

ملاحظہ کیجئے کس طرح باعتبار عقل و درایت روایات کو مجروح کرنے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کی اپنی عقل کی بنیاد پر کردار کشی کر رہے ہیں۔ جس طرح انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق مضمونِ حدیث کو غلط ثابت کرنے کے لئے تریضی و تضحیکی حساب لگایا ہے اگر بعینہ اسی طرح کوئی جناب مودودی صاحب کے بارے میں حساب نہ لگائے بلکہ سوال ہی کر لے کہ انہوں نے اپنی ایک ہی بیوی سے شب و روز کس طرح مباشرت کی ہوگی؟ تو کیسا معلوم ہوگا؟ (واضح ہو کہ اس جگہ حضرات علماء کرام نے اس مضمون حدیث میں تعدد ازواج کا جو واقعہ بیان کیا گیا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے اس کو معجزہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ جناب مودودی مرحوم نے معجزہ کی اس تعبیر سے قطع نظر کیوں فرمایا؟) اسلئے بادل ناخواستہ یہ سوال ہے کہ

آیا مودودی صاحب نے اپنی بیوی سے حدیث کی روشنی میں سنت کے مطابق ہمبستری کی ہوگی؟ یا بائبل کے بیان کردہ یہودی روایات کے مطابق اپنی بیوی سے صحبت کی ہوگی؟ حدیث پر آپ کے عدم اعتماد کی وجہ سے خود اندازہ کر کے ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ دوسری صورت ہی زیادہ قرین قیاس ہوگی۔ اور کیا یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اس دوسری صورت کی صحبت کے نتیجہ میں جو آپ کی اولاد کی نسل چلی ہے تو ان میں بھی جناب

مودودی کی طرح یہودیوں کے خیالات سے متاثر ہونے کی کیفیات ودیعت نہ ہوں گی؟ اس لئے بہر حال یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ آپ حدیث پاک کی روشنی ہی میں اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کرتے چلے گئے ہوں گے یا وقفہ وقفہ سے بائبل کی روشنی کے مطابق مباشرت کرتے چلے گئے ہوں گے۔

قارئین کرام! معاف کیجئے اگر جناب مودودی صاحب نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی کردار کشی نہ کی ہوتی تو ان سطور کی بُر کی کے لئے ہم کبھی بھی قلم برداشتہ نہ ہوتے۔ راقم الحروف کے نزدیک ہماری بحث وگفتگو کا محور صرف جناب مودودی صاحب کی اس تحریر میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق "ہر شخص خود حساب لگا کر دیکھ سکتا ہے" کی عبارت ہے کہ قارئین کرام مودودی صاحب کے متعلق بھی حساب لگا کر دیکھ سکتے ہیں۔ اس لئے آنجناب کی ذاتی عمل وکردار کو بحث میں لانا یا ان کی تربیت ذاتی سے تیار ہونے والی ان کی اولاد کی عمل کردار سے تعرض کرنا مجھے منظور نہیں ورنہ اس پہلو سے بھی اعتراضوں کا طویل سلسلہ شروع کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر اربابِ جماعتِ اسلامی کو ہماری ان تمام تحریرات میں جارحیت محسوس ہو تو انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ جناب مودودی مرحوم کی ان تحریرات میں کتنا پوئیزن اور زہر ہے؟ جس کی وجہ سے ہم ان سطور کو (مجبور ہوئے کہ) سپردِ قرطاس وقلم کیا جائے۔ والعذر عند کرام الناس مقبول۔

اللہ بہتر جانے کہ صحیحین (بخاری ومسلم) کے بارے میں مودودی صاحب کا اتنا سخت موقف اور بائبل کے متعلق اس قدر نرم رویہ اختیار کرنے میں کیا کیا رازہائے سربستہ پوشیدہ ہیں؟ واللہ اعلم بالصواب کہ آپ کے اس طریقۂ استدلال کے پس منظر میں کون سی بات چھپی ہوئی ہے؟۔

امام بخاریؒ کی جلالتِ شان وتبحر علمی کی پوری امت مسلمہ قائل ہے مگر جناب مودودیؒ صاحب کی جسارت حیرت انگیز ہے کہ آپ نے ان کی روایت کردہ احادیث کو بھی نہیں بخشا۔ مزید یہ کہ آپ نے اسی حاشیہ ۳۶، ص ۳۳۸ میں امام رازی کی تفسیر کی تردید کرتے ہوئے تحریر کیا ہے "لیکن یہ تفسیر قرآن کے الفاظ کا ساتھ نہیں دیتی" پھر چار

سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ یہ مقام قرآن مجید کے مشکل ترین مقامات میں سے ہے اور حتمی طور پر اس کی کوئی تفسیر بیان کرنے کے لئے ہمیں کوئی یقینی بنیاد نہیں ملتی"

پھر تو یہ مقام بھی دیگر مشکل ترین مقاماتِ قرآنی کے ساتھ حروف مقطعات کی طرح مبہم ومجمل ہی رہا؟ اور حضور ﷺ نے ان آیات ومقامات کی تشریح وتفسیر نہیں فرمائی؟ اور اگر فرمائی تو محدثین نے نقل نہیں کی؟ اور اگر نقل کی تو وہ قابل اعتماد نہیں؟

لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

یعنی حدیث بھی آپ کے نزدیک یقینی بنیاد میں نہیں ہے کہ جس سے اس مقام کی تفسیر آپ بیان کریں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر آپ کے نزدیک یقینی بنیاد کیا ہے جس سے آپ اس مشکل مقام کی تفسیر کریں؟ اگلی ہی سطر میں اس سوال کا جواب ہے۔ فرماتے ہیں کہ "اگر تاریخ بنی اسرائیل کی روشنی میں پڑھے جائیں تو الخ ...... یعنی سورہ ص کی آیت ۳۴۔۳۵ کے باب میں احادیث شریفہ کو ٹھکرا کر تاریخ بنی اسرائیل کی روشنی میں ان آیات کا مطلب آپ نے سمجھا ہے۔ اسی لئے جناب مودودی صاحب کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی دُعا "رَبِّ اغْفِرْ لِي" یعنی ان کا استغفار کرنا سمجھ میں آگیا مگر آیت پاک میں دعا "وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي" کہ مجھے وہ بادشاہی دے جو میرے بعد کسی کے لئے سزاوار نہ ہو" یہ آیت پاک ہی سمجھ میں نہیں آئی چنانچہ آپ نے تحقیق وتفہیم کے سلسلہ کو روک کر بنی اسرائیل کی تاریخ کی روشنی میں اس کو سمجھا اس کے بعد جب آپ کو اطمینان ہوگیا تو تفہیم میں درج کیا ہے جیسا کہ الحسنات کے یادگار مودودی نمبر میں آپ کا بیان موجود ہے کہ:

"اس کے علاوہ کسی خاص مقام پر پہنچ کر اگر میں کسی آیت یا قرآن کے کسی بیان کو سمجھ نہیں سکا ہوں تو لکھنے کا سلسلہ روک کر اس وقت تحقیق ومطالعہ کرتا رہا (یعنی احادیث کو ٹھکرا کر اسرائیلیات کی تاریخ کی روشنی میں تحقیق کرتا رہا جیسا کہ سورہ ص کے زیر بحث آیت ۳۴۔۳۵ کی تحقیق کی

گئی ہے۔۱۲ ساجد القاسمی) جب تک اطمینان نہیں ہو گیا کہ میں نے قرآن کا مدعا سمجھ لیا ہے۔'' (الحسنات کا یادگار مودودی نمبر ص ۲۵۹)

دیکھ لیجئے کہ اس جگہ آپ نے قرآنی آیت کے بیان کو تاریخ بنی اسرائیل کی روشنی میں سمجھا ہے یا نہیں؟ وہ بھی احادیث پاک بخاری و مسلم وغیرہ کو ٹھکرا کر۔ کیا اب بھی یہی کہا جائے گا کہ جناب مودودی صاحب ''تاریخ'' کو ''نصوص'' پر ترجیح نہیں دیتے ہیں؟ بھلا بتلائیے کہ احادیث پاک کو ٹھکرا کر تاریخ بنی اسرائیل کی روشنی میں تفسیر کرنا یہ قرآن فہمی کا کون سا اصول ہے؟ بقول مودودی صاحب کے امام رازی کی تفسیر تو قرآن کے الفاظ کا ساتھ نہیں دیتی ہے؟ تو کیا بنی اسرائیل کی تاریخ سے جو مودودی صاحب نے تفسیر کی ہے وہ قرآن کے الفاظ کا ساتھ دیتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے آیتِ پاک وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلَىٰ كُرْسِيِّهِ الخ..... کو تاریخ بنی اسرائیل کی روشنی میں پڑھ کر اصولِ تفسیر کے خلاف کیا ہے اور احادیث پاک سے بے اعتمادی کا مکمل ثبوت پیش کیا ہے۔ اور یہودیوں کی سازش کو قرآن میں داخل کیا ہے۔ نعوذ باللہ نعوذ باللہ نعوذ باللہ۔

ملاحظہ کیجئے الفوز الکبیر میں لکھتے ہیں:

" النكة الثانية ان النقل عن بنى اسرائيل دسيسة دخلت فى ديننا و "لا تصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبوهم" قاعدة مقررة فلزم امران الاول ان لا يرتكب النقل عن اهل الكتاب اذا وجد فى سنة نبينا صلى الله عليه وسلم بيان تعريض القرآن مثلاً حينما وجد لقوله تعالىٰ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلَىٰ كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ" محمل فى السنة النبوية وهو قصة ترك "انشاء الله" والمواخذة عليه فاى حاجة الىٰ ذكر قصة صخر المارد۔

ترجمہ: دوسرا نکتہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی روایات ایک خفیہ سازش ہیں جو ہمارے دین میں داخل ہو گئی ہیں جب کہ ''ولا تصدقوا...الخ'' ہمارا ایک مسلمہ اصول ہے لہٰذا دو چیزیں ضروری ہیں ایک تو یہ کہ جب ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہوں 'قرآن کی تعریض (اشارہ) کا بیان موجود ہو تو

اہل کتاب سے ''نقل'' نہ کی جائے مثال کے طور پر جب ارشاد باری تعالیٰ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ.... الخ کا محمل حدیث نبوی میں موجود ہے یعنی "انشاء اللہ" کے ترک اور اس پر مواخذہ کا قصہ "تو داستان صخر مارد" کی کیا ضرورت ہے۔'' (الفوز العظیم ص ۱۴۳)

قارئین کرام! یہاں پر جناب مودودی مرحوم نے تو ''صخر مارد'' کا ذکر نہیں کیا لیکن اسرائیلیات سے دلچسپی ضرور لی اور تاریخ بنی اسرائیل کی روشنی میں اس آیت کو پڑھ کر سمجھنے کی کوشش کی ہے حالانکہ آپ کو جب کسی آیت کی تعریضات و اشارات کی تفسیر احادیث میں مل گئی تھی تو اہل کتاب کے اقوال و بیانات اور ان کی تاریخ کی طرف توجہ ہرگز ہرگز نہ کرنی چاہیے مگر جناب کو محدثین کے بیان کردہ اسناد و متون ہی پر اعتماد نہیں اور حدیث پاک معتبر ذریعہ میں بھی داخل نہیں اور نہ اس کی تفصیل کو ماننا ضروری ہے اس لئے قرآن کو احادیث کی روشنی میں سمجھیں تو کس طرح سمجھیں؟

مضمون نمبر (۲۹)

تفہیم القرآن میں جو اصولِ نقد احادیث شریفہ بیان کئے ہیں وہ اوسط درجہ کے لوگوں کی دسترس سے باہر ہیں البتہ ان سے منکرینِ حدیث کو ضرور فائدہ ہوگا

تفہیم القرآن ۵ ۴۳۳ الممتحنۃ

اس مقام پر احادیث کی روایت بالمعنی سے ایک بڑی پیچیدگی پیدا ہو گئی ہے جسے حل کرنا ضروری ہے صلح حدیبیہ کی شرائط کے متعلق احادیث میں جو روایتیں ہمیں ملتی ہیں وہ اکثر و بیشتر بالمعنی روایات ہیں۔ زیر بحث شرط کے متعلق ان میں سے کسی روایت کے الفاظ یہ ہیں من جاء منکم لم نرده علیکم و من جاء کم منا رددتموه علینا ''تم میں سے جو شخص ہمارے پاس آئے گا اسے ہم واپس نہ کریں گے اور ہم میں سے جو تمہارے پاس جائے گا اسے تم واپس کرو گے'' کسی میں یہ الفاظ ہیں: من اتیٰ رسول اللہ

من اصحابه بغير اذن وليه رده عليه "رسول اللہ کے پاس ان کے
اصحاب میں سے جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر آئے گا اسے وہ واپس
کردیں گے" اور کسی میں ہے
من اتیٰ محمدا من قریش بغیر اذن ولیه رده علیهم ؟ ... الخ

تنبیہ

۱۔ "اس مقام پر احادیث کی روایت بالمعنی سے ایک بڑی پیچیدگی پیدا ہوگئی
ہے جسے حل کرنا ضروری ہے الیٰ آخرہ"

واضح رہے کہ آپ نے جن طریقوں اور اصولوں سے احادیث کی پیچیدگی کو از
ص ۲۴۴ تا ص ۲۴۷ میں کیا ہے وہ آپ ہی کے خود ساختہ اور اپنے وضع کردہ اصول
ہیں۔ اور انتہائی مبہم ہونے کی وجہ سے غیر واضح بھی ہیں۔ ہمارے قارئین کرام ان
صفحات میں ملاحظہ کریں گے کہ آپ نے کس طرح حضرات محدثین کرام کی سمجھ پر
تعریض کی ہے؟ اور آپ کے کن خود ساختہ مبہم اصولوں کے مطابق علم حدیث میں
روایات کو قبول کیا جائے گا؟ نیز آپ یہ بھی ملاحظہ فرمائیں گے کہ قانون شہادت کے
قواعد پر آپ کا علم حدیث کے قانون کو قیاس کرکے اصول وضع کرنا یہ قیاس قیاس مع
الفارق نہیں تو کیا ہے؟۔

ان باتوں کے ساتھ ہمیشہ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ آپ کی یہ چھان بین اور
اصول نقد احادیث شریفہ یعنی آزاد ترجمانی وحواشی ان حضرات کے لئے ہے جو بیچارے
عربی زبان سے بھی واقف نہیں۔ اب ہم تفہیم کا آپ کی گزارش کے مطابق (کہ علماء
کرام سے بھی میں گزارش کرتا ہوں کہ مجھے میری غلطیوں پر متنبہ فرمائیں) تفہیم کا جائزہ
لیتے ہیں تو مجھے یہ آگاہی اور آنجناب کی غلطیوں پر تنبیہ کرنا عوام کی دسترس سے بالکل ہی
باہر معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے روایت بالمعنی کی بات چھیڑ دی مگر عامۃ الناس کو کیا خبر کہ
روایت بالمعنی کس کو کہتے ہیں؟ کس کے لئے روایت بالمعنی جائز تھا؟ روایت بالمعنی کا صحیح
مفہوم اور واضح مطلب کیا ہے؟

حقیقت تو یہ ہے کہ جناب مولانا مودودی صاحب کی اس عبارت نے ہی بڑی
پیچیدگی پیدا کردی ہے کیونکہ آپ نے روایت بالمعنی کے مفہوم ومطلب ہی کو واضح نہیں
کیا۔ اور چل پڑے روایت بالمعنی کی پیچیدگی کو حل کرنے کی طرف اس لئے پہلے قارئین کو
ہم روایت بالمعنی کا مطلب سمجھاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لفظ ارشاد
فرمائے تھے راوی بعینہ ان الفاظ کو تو نقل نہیں کرتا مگر ان کا مفہوم پوری طرح ادا کردیتا ہے
اور یہ ایسے ناقل کے لئے جائز تھا جو لغت عرب کا ماہر اور ان کے طرز کلام سے واقف ہو۔
چونکہ جناب مولانا مودودی صاحب خود کو لغت عرب کا ماہر اور ان کے طرز کلام سے
واقفیت میں سب سے زیادہ جانتے اور سمجھتے ہیں اس لئے غالباً اس کی حقیقت کو واضح نہیں
فرمایا کہ کہیں عامۃ الناس ان کے علاوہ کسی دوسرے کو لغتِ عرب کا ماہر اور ان کے طرز کلام
سے زیادہ واقف نہ سمجھنے لگیں۔ اس کے علاوہ اسی حاشیہ ۱۴ میں آپ نے دقیق بحثیں اور
علمی باریکیاں اپنے قلم سے بیان کی ہیں اس سے منکرین حدیث ہی کو فائدہ ہوگا عوام کو نہیں۔

مزید یہ کہ آپ کی غباوت وغوایت کی بنیاد پر جو یہاں زور تحقیق ہے اس کی
شاباشی اور داد بھی دینی پڑتی ہے چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ:

۲۔ "ان روایات کا طرز بیان خود یہ ظاہر کر رہا ہے کہ ان میں معاہدے کی اس
شرط کو ان الفاظ میں نقل نہیں کیا گیا ہے جو اصل معاہدے میں لکھے گئے تھے"

قارئین کرام! غور کیجئے کہ روایات کا طرز بیان آج تک کسی پر ظاہر نہیں ہوا
تھا؟ چونکہ آپ جیسا محقق اور نقاد اعظم کوئی پیدا ہی نہیں ہوا اسی لئے روایات کا یہ طرز بیان
کسی پر ظاہر بھی نہیں ہوا؟۔

۳۔ "بلکہ راویوں نے ان کا مفہوم خود اپنے الفاظ میں بیان کردیا ہے"۔

یعنی چونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ صحابہ وتابعین وغیرہ کے اپنے
الفاظ ہیں اسی لئے روایات پر اعتماد کس طرح کیا جائے؟ جب کہ صحابہ وتابعین وتبع
تابعین پر بھی آپ کو اعتماد نہیں ہے پھر یہ حال صرف ابھی ایک روایت کا ہے بلکہ آگے
ترقی کرکے تحریر کرتے ہیں کہ:

۴۔ "لیکن چونکہ بکثرت روایات اسی نوعیت کی ہیں اس لئے عام طور پر مفسرین و محدثین نے اس سے یہی سمجھا کہ معاہدہ عام تھا...... الخ"

لہٰذا وللاکثر حکم الکل کے تحت تمام روایات واحادیث عدم اعتماد کی زد میں آگئیں۔

منکرین حدیث کا یہ دعویٰ ہی غلط ہے کہ اکثر احادیث روایات بالمعنی ہیں اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کے مجموعہ کا نام احادیث شریفہ ہیں۔ تو جہاں پر آپؐ کے اقوال ہی نہیں ہیں بلکہ افعال بھی ہیں تو ان پر روایت بالمعنی کا اطلاق کیسے صحیح ہوگا؟ ہاں جو احادیث قولیہ ہیں وہ سب کی سب احادیث قدسیہ اور احادیث کلیہ کی طرح من وعن آپ کے ارشاد فرمائے ہوئے بعینہٖ کلمات ہیں اور روایت بالمعنی تو اقل قلیل ہیں۔ اور ان کے رواۃ حضرات صحابہ ہیں جو واقف مزاج شناس نبوت وسخن سناشِ رسالت ہونے کے علاوہ عربی زبان کے الفاظ ومعانی ومفاہیم سے بھی خوب اچھی طرح واقف تھے اور ان کے اوپر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتماد بھی فرمایا ہے اس لئے مودودی صاحب کا منکرین حدیث کی وکالت وتائید ومشابہت میں یہ دعویٰ ہی سرے سے غلط ہے کہ بکثرت روایات روایت بالمعنی ہیں۔ یہ ناواقفیت پر مبنی ہے۔ اس لئے آپ کے اس جملہ سے بھی پتہ لگ گیا کہ احادیث شریفہ کی صحت کا آپ کو یقین نہیں۔ اور بہر صورت آپ منکرین حدیث سے ملے ہوئے ہیں اُن ہی کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔

۵۔ "تو ان حضرات نے اس کی یہ تاویل کی کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مؤمن عورتوں کی حد تک معاہدہ توڑ دینے کا فیصلہ فرمادیا مگر یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے جس کو آسانی کے ساتھ قبول کرلیا جائے"

ظاہری بات ہے کہ حضراتِ محدثین ومفسرین اور راویوں کی تاویل کو جناب مودودی صاحب آسانی سے کس طرح قبول کریں گے؟ یہ تو آپ کی شانِ تحقیق ہی کے خلاف ہے۔ اسی لئے فرماتے ہیں کہ:

۶۔ "لیکن ہمیں (مولانا مودودی مرحوم کو) کسی روایت میں اس کا شائبہ تک نہیں ملتا کہ انہوں نے (قریش نے) قرآن کے اس فیصلہ پر ذرہ برابر بھی

چون وچرا کی ہو"۔

لہٰذا جب آپ جیسے بصیرت وفہم رکھنے والے محقق اعظم کو کسی بھی روایت میں اس کا شائبہ تک بھی نہیں ملا تو یہ ہے اس قابل کہ آسانی کے ساتھ قبول کرلیا جائے؟ پھر محدثین ومفسرین کے غور وفکر پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کے قائم کردہ سوال سے روایت کی پیچیدگی دور ہوجاتی یعنی جناب مودودی صاحب کا سوال ہی پیچیدگی دور کرنے کا واحد حل ہے۔

۷۔ "یہ ایسا سوال تھا جس پر غور کیا جاتا تو معاہدے کی اصل الفاظ کی جستجو کرکے اس پیچیدگی کا حل تلاش کیا جاتا"

صاف مطلب یہ ہے کہ محدثین ومفسرین نے غور ہی نہیں کیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

۸۔ "مگر بہت سے لوگوں نے اس پر توجہ نہ کی"

یعنی جس طرح ماشاءاللہ جناب مولانا مودودی صاحب نے توجہ کی ہے۔

۹۔ "اور بعض حضرات (مثلاً قاضی ابوبکر بن عربی) نے توجہ کی بھی تو انہوں نے قریش کے اعتراض نہ کرنے کی یہ توجیہ کرنے میں تامل نہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ اس معاملہ میں قریش کی زبان بند کردی تھی تعجب ہے کہ اس توجیہ پر ان حضرات کا ذہن کیسے مطمئن ہوا"۔

بطور معجزہ قاضی ابوبکر بن عربی کی توجیہ پر جناب مودودی صاحب کو تعجب اس لئے ہے کہ آپ پر اعتزال (معتزلہ) کا عنصر غالب ہے اور اگر آپ معتزلہ کی ہمنوائی نہ کرتے تو آپ کو تعجب کیوں ہوتا؟ پھر آپ کو تعجب بھی نہ ہوتا اگر اس پر غور کرلیتے کہ قاضی ابوبکر بن عربی میں مولانا مودودی کی طرح اعتزال کا عنصر بالکل بھی نہیں ہے۔ اگر وہ حضرات معتزلہ ہوتے تو کبھی بھی اس توجیہ پر مطمئن نہیں ہوتے۔

۱۰۔ "معاہدے کے یہ الفاظ بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد والمصالحہ میں قوی سند کے ساتھ نقل ہوئے ہیں"

آپ کے اس جملہ سے بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بخاری میں جو روایت قوی سند کے ساتھ نقل ہوئی ہے مولانا مودودی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ احساس وتاثر

بالکل خلاف واقعہ ہے کیونکہ ابھی آپ نے تفہیم ج ۳ ص ۱۳ ۷۔ ۱۴ ۷۔ حاشیہ ۱۹ اور تفہیم ج ۴ ص ۳۳۷۔ حاشیہ ۳۶ میں ملاحظہ کیا جس میں آپ نے اسی صحیح بخاری شریف کی سندوں کے متعلق یہ جملے لکھے ہیں کہ:

''بخاری و مسلم کی روایات تو پہلی ہی نظر میں رد کر دینے کے لائق ہیں''

''بخاری و مسلم کی روایات قرآن کے خلاف ہیں اس لئے رد کر دینے کے لائق ہیں''

''بخاری و مسلم کی ان چھ روایات میں سے کسی ایک کی نقل پر بھی یقینی طور پر مکمل اعتماد نہیں کیا جاسکتا''

''جہاں تک اسناد کا تعلق ہے ان میں سے اکثر روایات کی سند قوی ہے اور باعتبار رواۃ اس کی صحت میں کلام نہیں کیا جاسکتا لیکن حدیث کا مضمون صریح عقل کے خلاف ہے اور پکار پکار کہہ رہا ہے کہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ہرگز نہ فرمائی ہوگی جس طرح وہ نقل ہوئی ہے...... الخ''

''ایسی روایات کو محض صحت سند کے زور پر لوگوں کے حلق سے اتروانے کی کوشش کرنا دین کو مضحکہ بنانا ہے''

قارئین کرام! اس لئے عرض ہے کہ یہاں تفہیم ج ۵ ص ۳۳۵ میں آپ نے جو بخاری شریف کی روایت اور اس کی سند کو تسلیم کرنے کا تاثر دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا مودودی جہاں کہیں بھی احادیث کو پیش کریں گے تو اس سے ان کو اپنے ذہنی پیداوار کے متعلق استدلال مقصود ہوتا ہے۔

چنانچہ زیر بحث معاہدہ کے اس الفاظ کی جستجو میں مولانا مودودی نے تحریر کی ہے کہ ''وہ لفظ رَحَل تھا جو عربی زبان میں مرد کے لئے بولا جاتا ہے'' اس لئے آپ نے اپنے ذہنی پیداوار کے مطابق لفظ رَحَل کی جستجو میں امام زہری کی روایت بھی لے لی۔ اور بخاری شریف کی قوی سند کے ساتھ نقل ہوئی روایت کو بھی بیان کر کے استدلال فرمایا جب کہ اسی صحیح بخاری شریف کی احادیث کو آپ اس سے قبل رد بھی کر چکے ہیں۔ اور اگر کوئی صاحب علم میری اس بات سے مطمئن نہ ہوں تو وہ ازراہ کرم مجھے یہ بتلانے کی زحمت گوارہ فرمائیں کہ پھر جناب مولانا مودودی کی ان عبارات و تحریرات میں تعارض

وتصادم کیوں ہے؟ کہ آپ بعض جگہ بخاری کی روایت کی قوی سند کو تسلیم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں تو دوسری جانب تفہیم ہی میں بخاری کی روایت کی قوی سند کو صریح قرآن کے خلاف بھی بتلاتے ہیں تو کہیں اپنی عقل کے بھی خلاف ارشاد فرماتے ہیں۔ ایسا کیوں؟ اس کے بعد اسی حاشیہ ۱۴ کے ص ۳۳۶ میں ہے کہ:

۱۱۔ ''اس آیت میں قانون شہادت کا بھی ایک اصولی ضابطہ بیان کر دیا گیا ہے...... الخ''

اس میں آپ کو قانون شہادت کی تین باتوں سے تین قواعد معلوم ہوئے ہیں ان قواعد کو تحریر کرنے کے بعد حاشیہ ۱۴ کے اخیر میں لکھتے ہیں کہ

''انہی قواعد کے مطابق علم حدیث میں بھی ان روایات کو قبول کیا جائے گا جن کے راویوں کا ظاہر حال ان کے راست باز ہونے کی شہادت دے رہا ہو۔ الا یہ کہ کچھ دوسرے قرائن ایسے موجود ہوں جو کسی روایت کے قول میں مانع ہوں''

قانون شہادت کے اوپر قانونِ علم حدیث کو قیاس کرنے کی بنیاد کیا ہے؟ یہ قیاس قیاس مع الفارق نہیں تو کیا ہے؟ علاوہ ازیں جناب مودودی مرحوم نے حسب سابق اس جگہ بھی قرائن کی تفصیل کی وضاحت کیوں نہیں کی؟ جن قرائن کی موجودگی میں آپ کے نزدیک کسی روایت کو قبول کرنا ممنوع ہوتا ہے۔

(مضمون نمبر ۳۰)

مفسرین کبار پر تعجب کہ انہوں نے احادیث پر غور ہی نہیں کیا

تفہیم القرآن ۴ ۵۶۵ الدخان ۴۴

''پس جہاں تک دھوئیں کا تعلق ہے اس کے بارے میں صحیح بات یہی ہے کہ وہ قحط کے زمانے کی چیز نہیں ہے بلکہ علاماتِ قیامت میں سے ہے اور یہی بات احادیث سے بھی معلوم ہوتی ہے تعجب ہے کہ مفسرین کبار میں سے جنہوں نے حضرت ابن مسعود کی تائید کی انہوں نے پوری بات کی تائید کر دی اور جنہوں نے ان کی تردید کی انہوں نے پوری بات کی تردید کر دی حالانکہ آیات اور احادیث پر غور کرنے سے یہ صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا کون سا حصہ صحیح ہے اور کون سا غلط ہے''۔

تنبیہ

ان عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ مفسرین کبار نے مولانا مودودی صاحب کی طرح احادیث شریفہ پر غور ہی نہیں کیا کہ کون سا حصہ صحیح ہے؟ اور کون سا غلط؟ اور بلا سمجھے یا تو انہوں نے پوری بات کی تائید ہی کر دی۔ یا پھر پوری بات کی تردید ہی کر ڈالی۔ لہٰذا ان کی تائید و تردید دونوں ہی غلط ٹھہریں۔ اور احادیث پاک پر صرف اور صرف جناب مودودی صاحب ہی کا غور کرنا صحیح ثابت ہوا۔

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ یہ ہے روح قرآن تک پہنچنے اور قرآن پاک کے حقیقی مدعاء سے روشناس کرانے کی کوشش؟ اور یہ ہے وہ چیز (جو بقول سید مودودی صاحب کے) سابق مترجمین و مفسرین کی قابلِ قدر مساعی کے باوجود ہنوز تشنہ تھی۔ جس کے متعلق آپ کو یہ احساس تھا کہ اس تشنگی کو بجھانے کے لئے کچھ نہ کچھ خدمت وہ کر سکتے ہیں چنانچہ آپ نے ایسی خدمت تفہیم کے ذریعے سے کی ہے کہ مفسرین کبار کے غور و فکر کی تردید کے بعد صرف اپنے ہی غور و فکر کی تائید کی اور احادیث شریفہ جو دین و شریعت کی اساس ہیں ان کو جڑ ہی سے کھود کر باہر پھینکنے کی کوشش کی ہے (نعوذ باللہ من شرور انفسنا)

مضمون نمبر (۳۱)

اپنی عقل و درایت سے حدیث کی یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے

تفہیم القرآن ۶ ۔۔۔ ۱۸۱ ۔۔۔ الدھر ۷۶

مگر ابن مَرْدُوْیَہ نے ابن عباس سے جو روایت نقل کی ہے اس میں صرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ آیت وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ .... حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس قصے کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہ پورا قصہ علی بن احمد الواحدی نے اپنی تفسیر البسیط میں بیان کیا ہے اور غالباً اسی سے زمخشری، رازی اور نیسابوری وغیرہم نے اسے نقل کیا

ہے۔

(۱) یہ روایت اول تو سند کے لحاظ سے نہایت کمزور ہے۔ (۲) پھر درایت کے لحاظ سے دیکھیے تو یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ایک مسکین ایک یتیم اور ایک قیدی اگر آ کر کھانا مانگتا ہے تو گھر کے پانچوں افراد کا پورا کھانا اس کو دے دینے کی کیا معقول وجہ ہو سکتی ہے؟ ایک آدمی کا کھانا اس کو دے کر گھر کے پانچ افراد چار آدمیوں کے کھانے پر اکتفا کر سکتے تھے پھر یہ بھی باور کرنا مشکل ہے کہ دو بچے جو ابھی ابھی بیماری سے اٹھے تھے اور کمزوری کی حالت میں تھے انہیں بھی تین دن بھوکا رکھنے کو حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہ جیسی کامل فہیم دین رکھنے والی ہستیوں نے نیکی کا کام سمجھا ہوگا۔ اس کے علاوہ قیدیوں کے معاملہ میں یہ طریقہ اسلامی حکومت کے دور میں کبھی نہیں رہا کہ انہیں بھیک مانگنے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔

تنبیہ

۱۔ ''ابن مہران، ابن مردویہ، علی بن احمد الواحدی، زمخشری، رازی اور نیسابوری نے جو روایت نقل کی ہے وہ اول تو سند کے لحاظ سے نہایت کمزور ہے''۔

۲۔ ''پھر درایت کے لحاظ سے دیکھیے تو اس روایت کی بات عجیب معلوم ہوتی ہے..... الخ''۔

جناب سید مولانا مودودی کو اپنی عقل و درایت سے روایت و حدیث کی یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے اور غیر معقول بھی نظر آتی ہے کیونکہ آپ کی ان عبارت سے معلوم ہوا کہ روایت و حدیث کی صحت کے لئے جہاں صحتِ سند ضروری ہے بالکل اسی طرح سے وہ حدیث شریف جناب مودودی کی عقل و فہم کے مطابق بھی ہونی ضروری ہے۔ یعنی سند روایت اور آپ کی عقل و فہم باہم لازم ملزوم ہیں حالانکہ ماقبل و ماسبق میں آپ کی بعینہٖ عبارات و تحریرات ہی سے راقم الحروف ثابت کر چکا ہے کہ آپ کو نہ تو روایت کی سند و متن پر اعتبار ہے اور نہ ہی کسی مضمون احادیث پر بلکہ آپ کے نزدیک اصل چیز مدار صحت کی جو کچھ بھی ہے وہ صرف آپ کی اپنی عقل و درایت ہے اور بس! چنانچہ زیر بحث تفہیم ج ۶ ص ۱۸۲ کے اوپر میں لکھتے ہیں کہ:

۳۔ ''تاہم ان تمام نقلی اور عقلی کمزوریوں کو نظر انداز کر کے اگر اس قصے کو بالکل صحیح ہی مان لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ اس سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ الخ.......''۔

اب قابل غور بات یہ ہے کہ جناب مولانا مودودی صاحب کو یہ روایت عقلی ونقلی کمزوریوں سے بھرپور کیوں نظر آئی؟ تو اس کی ایک بنیادی وجہ محض یہ ہے کہ جن مفسرین کو خیال پیدا ہوا کہ یہ سورہ مدنی ہے ان مفسرین کی اس رائے کی بنیاد حضرت ابن عباس کی روایت ہے جس کے راوی حضرت عطاء ہیں تو جناب مودودی صاحب اس روایت کو مجروح کرنے کے ساتھ ساتھ بعض ان حضرات مفسرین کی رائے کی بھی تغلیط وتردید کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی ایک تیر سے دو شکار۔

مضمون نمبر (۳۳)

صحتِ حدیث میں شک کی بنیاد آپ کا قیاس ہے

تفہیم القرآن ۶ ۔۔۔ ۴۸۶ ۔۔۔ الماعون ۱۰۷

ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے کہ ماعون کا اعلیٰ مرتبہ زکوٰۃ ہے اور ادنیٰ ترین مرتبہ یہ ہے کہ کسی کو چھلنی ڈول یا سوئی عاریۃً دی جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہا کرتے تھے (اور بعض روایات میں ہے کہ حضورؐ کے عہد مبارک میں یہ کہا کرتے تھے) کہ ماعون سے مراد ہنڈیا' کلہاڑی' ڈول' ترازو اور ایسی ہی دوسری چیزیں مستعار دینا ہے (ابن جریر' ابن ابی شیبہ' ابوداؤد' نسائی' بزار' ابن المنذر' ابن ابی حاتم' طبرانی فی الاوسط' ابن مردویہ' بیہقی فی السنن' سعد بن عیاض ناموں کی تصریح کے بغیر قریب قریب یہی قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے نقل کرتے ہیں جس کے معنی یہ ہے کہ انہوں نے متعدد صحابہ سے یہ بات سنی تھی (ابن جریر' ابن ابی شیبہ' دیلمی' ابن عساکر اور ابونعیم نے حضرت ابوہریرہ کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ خود رسول ﷺ نے اس آیت کی یہ تفسیر بیان فرمائی کہ اس سے مراد کلہاڑی اور ڈول اور ایسی ہی

دوسری چیزیں ہیں۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو غالباً یہ دوسرے لوگوں کے علم میں نہ آئی ہوگی ورنہ ممکن نہ تھا کہ پھر کوئی شخص اس آیت کی کوئی اور تفسیر کرتا''۔

تنبیہ

''اگر روایت صحیح ہے تو غالباً یہ دوسرے لوگوں کے علم میں نہ آئی ہوگی ورنہ ممکن نہ تھا کہ پھر کوئی شخص اس آیت کی اور تفسیر کرتا''

قارئین کرام! اس جملہ سے بھی جناب مولانا سید مودودی صاحب نے حدیث پاک کے بارے میں بے اعتمادی اور شک پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یعنی ابن عساکر ابونعیم نے حضرت ابوہریرہ کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہوئے اس آیت کی تفسیر میں کلہاڑی اور ڈول اور ایسی ہی دوسری چیزیں مراد لی ہیں۔ تو اس تفسیر کی صحت میں جناب مودودی صاحب کو شک ہے اور شک کی بنیاد آپ نے اپنے قیاس سے یہ بیان کی ہے کہ

''غالباً یہ روایت دوسرے لوگوں کے علم میں نہ آئی ہوگی''۔

یعنی اگر یہ روایت دوسرے لوگوں کے علم میں بھی آجاتی تو اس آیت کی ایک ہی تفسیر نہ ہوتی؟ اس کی دوسری دوسری تفسیر کیوں ہے؟ جس کا خلاصہ یہ نکلا کہ چونکہ اس آیت کی مختلف تفسیریں ہوگئیں اس بنیاد پر اس حدیث کی صحت میں جناب مودودی صاحب کو شک ہوگیا۔ تو ہم قارئین کرام کی توجہ مبذول کرا کر دریافت کرتے ہیں کہ کیا ایک آیت کی تفسیریں مختلف نہیں ہوتی ہیں؟ ہم تو تفہیم میں دیکھتے ہیں کہ آپ ایک آیت پاک کی مختلف تفسیروں کے قائل ہیں چنانچہ تفہیم ج ۶ ص ۱۸۲ میں ہے کہ:

''شان نزول کے بارے میں بہت سی روایات کا حال یہی ہے کہ کسی آیت کے متعلق جب یہ کہا جاتا ہے کہ یہ فلاں موقع پر نازل ہوئی تھی تو دراصل اس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ جب یہ واقعہ پیش آیا اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی بلکہ مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ آیت اس واقعہ پر ٹھیک چسپاں ہوتی ہے۔ امام سیوطی نے حافظ ابن تیمیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ دو راوی جب یہ کہتے ہیں کہ آیت فلاں معاملہ میں نازل ہوئی ہے تو بھی اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہی معاملہ اس کے نزول کا سبب ہوتا ہے اور کبھی اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ معاملہ

اس آیت کے حکم میں داخل ہے اگرچہ وہ اس کے نزول کا سبب نہ ہو آگے چل
کر وہ امام بدرالدین زرکشی کا قول ان کی کتاب البرہان فی علوم القرآن سے
نقل کرتے ہیں کہ:

"صحابہؓ اور تابعین کی یہ عادت معروف ہے کہ ان میں سے کوئی شخص جب یہ
کہتا ہے کہ یہ آیت فلاں معاملہ میں نازل ہوئی تھی تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے
کہ اس آیت کا حکم اس معاملے پر چسپاں ہوتا ہے نہ یہ کہ وہی اس واقعہ کے
نزول کا سبب ہے پس دراصل اس کی نوعیت آیت کے حکم سے استدلال کی
ہوئی ہے نہ کہ بیان واقعہ کی (الاتقان فی علوم القرآن ج ۱ص ۳۱ طبع ۱۹۲۹ء)

الفوز الکبیر اصول تفسیر قرآن کی نہایت مستند کتاب ہے اس کتاب میں مودودی
صاحب کی اس ذہنی کش مکش کا ازالہ کیا گیا ہے یعنی ایک آیت کی تشریح میں کئی اقوال
کیوں؟

"ومما ينبغي ان يعلم ههنا ان الصحابة والتابعين وبما يفسرون
اللفظ بلازم معناه وقد يتعقب المتاخرون التفسير القديم من جهة تتبع اللغة
وتفحص موازر الاستعمال والغرض من هذه الرسالة سرد تفسيرات السلف
بعينها وتنقيحها ونقدها موضع غير هذا الموضع ولكل مقام مقال ولكل
نكتة مقام" (الفوز الكبير الفصل الاول فى شرح غريب القرآن)

"عبارت کا مطلب یہ کہ حضرات صحابہؓ و تابعین کبھی آیات و الفاظِ قرآنی کی
تفسیر میں لغوی اصلی معنی کے بجائے اس کے لازمی مفہوم کو ذکر کر دیتے ہیں جس کو
متاخرین (مودودی صاحب جیسے) مواقع استعمال اور لغوی تحقیقات کی کسوٹی پر پرکھتے
ہیں اور جب ان کی کسوٹی پر وہ تفسیر پوری اور کھری نہیں اترتی ہے تو متقدمین کا تعاقب
اور رد کیا جاتا ہے انہیں تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے غرض یہ ہے کہ قدیم مفسرین کے اختلافی
اقوال کو مقصد کے اعتبار سے بھی جناب مودودی صاحب کا ایک دوسرے کا معارض سمجھنا
محض کم فہمی اور سطحی مطالعہ کا نتیجہ ہوتا ہے ان اقوال مختلفہ کو اگر تحقیقی نظر سے دیکھا جائے تو
معلوم ہوگا کہ یہ تو محض الفاظ و عبارت اور تعبیر کا اختلاف ہے۔ خاص طور پر جو بات اس
عبارت میں کہی گئی ہے وہ یہ کہ اسلاف کی تمام تفسیروں کو بعینہ نقل کی جائیں لیکن اس کی
اصلاح و تنقید کے لئے اس کے علاوہ دوسرا مقام ہے۔" ولکل مقام مقال ولکل

نکتۃ مقام" ہر موقع کے لئے الگ کلام اور ہر نکتہ کے لئے ایک مقام ہوتا ہے"۔ (مستفاد
از الفوز العظیم ص ۲۴۴)

لیکن جناب سید مودودی صاحب کا کیا کہنا کہ قرآن پاک کی تفسیر و تشریح کے
بہانے سے احادیث ہی پر جرح وقدح و کلام کر کے محدثین و مفسرین پر تنقید کرنا تفہیم
القرآن میں ضروری سمجھا۔ حالانکہ تنقید کے لئے آپ کو الگ سے کوئی کتاب لکھنی
چاہئے۔ جس کا موضوع ہی تنقید و تردید ہوتا۔ لہٰذا دوسرے لوگوں کے علم میں نہ آنے کو
بنیاد بنا کر ان روایات و احادیث کے بارے میں شک پیدا کر کے بے اعتمادی کا مظاہرہ
کرنا کس طرح درست ہوگا؟

اہم انتباہ

قارئین کرام! یہاں تک تو راقم الحروف نے جناب مولانا سید مودودی صاحب
کی بے اعتمادیٔ حدیث کو ان ہی کی عبارات و تحریرات سے بیان کیا ہے اب انہوں نے
تفہیم القرآن میں بائبل کو مستند مانتے ہوئے آیات قرآنیہ کی جو (۱) تشریحات
(۲) تفسیرات (۳) توضیحات (۴) تائیدات (۵) تفصیلات بیان کی ہیں اور کس کس
طرح سے بائبل پر اعتماد کیا ہے؟ اور کتب محرفہ کے بارے میں مسلمانوں کے عقائد کے
ساتھ جناب سید مودودی مرحوم کے عقائد کیا ہیں؟ اور اعتراف تحریف بائبل کے باوجود
پھر بائبل پر استناد اور اعتماد کیوں فرمایا ہے؟ اور تفہیم القرآن میں بائبل کے حوالے کن کن
آیات میں ہیں؟ تفہیم القرآن میں بائبل اور قرآن کی بعینہٖ تصویر کیوں ہے؟ اور آپ نے
بائبل ملاحظہ کرنے کی بار بار ترغیب و دعوت کیوں دی ہے اور بائبل کے کن کن بیانات کی
بنیاد پر آپ کے قیاسات و تفہیمات و معلومات ہیں؟ مفصلاً اسکے تمام حقائق کو بھی قید
صفحات و حواشی کے مضبوط حوالوں کے ساتھ بیان کرتا ہے تاکہ قارئین کرام جناب مولانا
مودودی کی "بے اعتمادیٔ حدیث" کے مقابلہ میں "بائبل پر حد درجہ" اعتماد کو بھی
ملاحظہ فرمالیں اور مکمل عبارات ملاحظہ کرنے کے بعد غور فرمائیں کہ اس کا نام تفہیم القرآن
رکھنا زیادہ صحیح ہوگا کہ تفہیم بائبل؟ اور تفہیم مودودی؟

قرآن کے بیان سے بائبل کی جانچ کی جائیگی

(اور جناب مودودی صاحب مرحوم نے بائبل کے بیانات سے

قرآن کی جانچ کی ہے)۔

أعوذ بالله من الشيطن الرجيم

١-﴿إنّ هـذا القرآن يقص على بني إسرآئيل أكثر الذي هم فيه يختلفون﴾(پ ٢٠، النمل آيت: ٧٦).

جناب مودودی صاحب کا طریقۂ کار کے غلط ہونے کی دلیل:

٢-﴿فإن كنت في شك مما أنزلنا إليك فاسئل الذين يقرءون الكتاب من قبلك لقد جاءك الحق من ربك فلا تكونن من الممترين﴾(پ ١١ يونس آيت: ٩٤).

اس آیت کے نزول کے وقت آپ ﷺ نے فرمایا:"لاأشك ولاأسئل"

(أخرجه عبدالرزاق وابن جرير عن قتادة مرفوعاً مرسلاً كذا في الدرّالمنثور).

اس آیت کی وضاحت کے باوجود جناب مودودی مرحوم کا تفہیم القرآن میں موجودہ محرف بائبل سے استناد کر کے تفسیر کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ

میں آپ کا یہی طریقۂ کار ہوتا کہ آپ بھی فرماتے:"لاأشك ولاأسئل".

ظالموں کی طرف میلان کا برا انجام ہے

٣-﴿ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار وما لكم من دون الله من أولياء ثم لا تنصرون﴾(پ ١٢ هود آيت ١١٣)

بائبل کی تفسیر کرتے وقت یہودی قرآن پاک سے استدلال واستناد نہیں کرتے تو قرآن پاک کی تفسیر میں مودودی صاحب نے بائبل سے استدلال واستناد کیوں کیا؟

٤-قال رسول الله ﷺ-ألا ينهاكم ما جاءكم من العلم عن مسئلتهم لا والله ما رأينا منهم عجلاً يسئلونكم عن الذي أنزل إليكم. صحيح بخاری(١٠٩٤).

غالین ومبطلین اور جاہلین کی تردید کرنا علماء حق کا فرض منصبی ہے

٥-قال رسول الله ﷺ-يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتأويل الجاهلين. مشكاة(١/٣٦).

چوتھا باب

کتب محرّفہ کے بارے میں مسلمانوں کے عقائد کیا ہیں؟

ان کتابوں کے بارے میں مسلمانوں کے عقائد:

اب چاروں فصلوں کے بیان سے فراغت کے بعد ہمارا یہ کہنا ہے کہ اصل توریت اور اصلی انجیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دنیا سے مفقود ہو چکی تھیں، آج کل اس نام سے جو دو کتابیں موجود ہیں ان کی حیثیت محض ایک تاریخی کتاب کی ہے، جن میں سچے اور جھوٹے دونوں قسم کے واقعات جمع کر دئے گئے ہیں، یہ بات ہم ہرگز ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ اصل توریت و انجیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں موجود تھیں، پھر بعد میں ان کے اندر تحریف کی گئی، حاشا وکلا! رہے پولس کے خطوط وغیرہ تو اگر ہم مان بھی لیں کہ یہ خطوط واقعۃً اسی کے ہیں تب بھی ہمارے نزدیک وہ قابل قبول نہیں ہیں، کیونکہ ہمارے نزدیک وہ ان جھوٹے لوگوں میں سے ایک شخص ہے جو پہلے طبقہ میں نمایاں تھے، خواہ عیسائیوں کے نزدیک کتنا ہی مقدس کیوں نہ ہو، ہم اس کی بات ایک کوڑی میں خریدنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

رہے وہ حواری جو عیسیٰ علیہ السلام کے عروج آسمانی کے بعد باقی تھے، ان کے حق میں ہم نیک گمان رکھتے ہیں، ان کی نسبت ہم نبی ہونے کا خیال نہیں رکھتے، ان کے اقوال کی حیثیت ہمارے نزدیک مجتہدین صالحین کے اقوال کی سی ہے، جس میں غلطی کا احتمال ہے۔

ادھر دوسری صدی تک سند کا متصل نہ ہونا اور متی کی اصل عبرانی انجیل کا ناپید ہونا اور اس کا صرف وہ ترجمہ باقی رہنا جس کے مؤلف کا نام بھی آج تک یقین کے ساتھ معلوم نہ ہو سکا، پھر اس میں تحریف واقع ہونا، یہ اسباب ایسے ہیں جن کی بنا پر ان کے اقوال سے بھی امن اٹھ گیا۔

یہاں پر ایک تیسرا سبب اور بھی ہے، وہ یہ کہ لوگ اکثر اوقات مسیح کے اقوال سے ان کی مراد سمجھ نہیں پاتے تھے جیسا کہ عنقریب تفصیل سے آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ رہے لوقا اور مرقس سو یہ حواری نہیں ہیں اور نہ کسی دلیل سے ان کا صاحب الہام ہونا معلوم ہوتا ہے، ہمارے نزدیک توریت وہ کتاب ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی گئیں، اور انجیل وہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ — اور بلا شبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی (یعنی توریت)

اور سورۂ مائدہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ارشاد ہے:

وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ — اور ہم نے انہیں انجیل عطا کی'

اور سورۂ مریم میں خود حضرت مسیح کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَاٰتٰنِىَ الْكِتٰبَ' — اور اللہ نے مجھے کتاب دی (یعنی انجیل)

اور سورۂ بقرہ وآل عمران میں ہے:

وَمَاۤ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى — اور وہ (کتابیں) جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دی گئیں (یعنی توریت وانجیل)

رہی یہ تواریخ اور رسالے جو اس زمانہ میں موجود ہیں' ہرگز وہ توریت وانجیل نہیں ہیں' جن کا قرآن میں ذکر ہے' اس لئے وہ واجب التسلیم نہیں ہیں' بلکہ ان دونوں کا اور عہد عتیق کی تمام کتابوں کا حکم یہ ہے کہ ان کی جس روایت کی تصدیق قرآن کرتا ہو وہ یقیناً مقبول ہے' اور اگر اس کی تکذیب کرتا ہے تو یقینی طور پر مردود ہے اور اگر اس کی تصدیق وتکذیب سے قرآن خاموش ہے' تو ہم بھی خاموشی اختیار کریں گے' نہ تصدیق کریں گے اور نہ تکذیب'

سورۂ مائدہ میں خدائے تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ — اور (اے نبی) ہم نے آپ پر یہ کتاب سچائی

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ — کے ساتھ بھیجی ہے اس حالت میں کہ یہ اپنے سے

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ۔ — پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور نگہبان ہے۔

معالم التنزیل میں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں کہا ہے:

''اور قرآن کے امین ہونے کا مطلب جیسا کہ ابن جریج نے کہا ہے یہ ہے کہ

اہل کتاب اگر کوئی خبر اپنی کتاب کی بیان کرتے ہیں' تو اگر قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے تو تم بھی اس کی تصدیق کرو ورنہ پھر اس کو جھوٹا سمجھو' سعید بن مسیبؒ اور ضحاکؒ نے اس کے معنی فیصلہ کنندہ اور خلیلؒ نے نگہبان اور محافظ بیان کئے ہیں' حاصل سب کا یہی ہے کہ جس کتاب کی سچائی کی شہادت قرآن دیتا ہو تو بے شک وہ خدا کی کتاب ہے اور جو ایسی نہیں ہے وہ خدا کی کتاب بھی نہیں ہے''۔

تفسیر مظہری میں یہ کہا گیا ہے کہ:

''اگر قرآن میں اس کی تصدیق موجود ہے تو تم بھی اس کو سچا مانو اور اگر قرآن میں اس کی تکذیب کی ہے تو تم بھی اس کو جھوٹا سمجھو اور اگر قرآن اس سے ساکت ہو تو تم بھی اس سے سکوت اختیار کرو' اس لئے کہ سچ اور جھوٹ دونوں کا احتمال ہے''

امام بخاریؒ نے ایک حدیث ابن عباسؓ کی روایت سے کتاب الشہادات میں مع سند کے بیان کی ہے' پھر کتاب الاعتصام میں دوسری مستقل سند کے ساتھ نقل کی' پھر کتاب الرد علی الجهميين تیسری مستقل سند سے روایت کی ہے۔

ہم اس کو آخری دونوں کتابوں سے نقل کرتے ہیں' اور کتاب الاعتصام میں قسطلانیؒ نے اس کی شرح کرتے ہوئے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بھی ساتھ ہی درج کرتے ہیں:

(كيف تسئلون اهل الكتاب) من اليهود والنصارى والاستفهام انكارى عن شئ من الشرائع (وكتابكم القرآن الذى انزل على رسول الله صلى الله عليه وسلم احدث) اقرب نزولا اليكم من عند الله فا الحدوث بالنسبة الى المنزل عليهم وهو فى نفسه قديم (تقرؤنه محضا) خالصا لم يشب بضم اوله وفتح المعجمة لم يخلط فلا يتطرق اليه تحريف ولا تبديل بخلاف التورة والانجيل' (وقد حدثكم) سبحانه وتعالى (ان اهل الكتاب) من اليهود وغيرهم (بدلوا كتاب الله) التوراة (وغيروه وكتبوا بايديهم الكتاب وقالوا هو من عند الله ليشتروا به ثمنا قليلا الا) بالتخفيف (لاينهاكم ماجاءكم من العلم) بالكتاب والسنة' (عن مسئلتهم)

بفتح المیم وسکون السین ولابی ذر عن الکشم عینی مساء لتھم بضم المیم وفتح السین بعدھا الف (الا واللہ مارأینامنھم رجلایسأ لکم عن الذی انزل علیکم فانتم بالطریق الاولیٰ ان لاتسئلوھم)۔
تم اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ سے کوئی حکم شرعی کیوں پوچھتے ہو؟ (مطلب یہ کہ تمہیں پوچھنا نہیں چاہئے) حالانکہ تمہاری کتاب قرآن سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے تازہ ترین ہے اور اللہ کی طرف سے ابھی ابھی نازل ہوئی ہے (لہٰذا جن پر نازل ہوئی ہے ان کے لحاظ سے جدید اور فی نفسہٖ قدیم ہے) اس کو تم خالص طریقہ سے پڑھتے ہو یعنی اس میں کوئی بیرونی چیز نہیں ملی اور اس میں تحریف وتبدیل راستہ نہیں پا سکتی بخلاف تورات وانجیل کے۔
اور اللہ تعالیٰ تم سے بیان کر چکا ہے کہ اہل کتاب یعنی یہود وغیرہ نے اللہ کی کتاب تورات کو بدل ڈالا ہے اور اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ کر کہنے لگے کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے تاکہ اس کے عوض میں انہیں حقیر معاوضہ ملے' کیا تمہارے پاس کتاب وسنت کا جو علم آیا ہے وہ تمہیں ان سے سوالات کرنے سے نہیں روکتا؟
نہیں! خدا کی قسم ہم نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ تم پر نازل ہونے والے کلام کے بارے میں سوال کرتا ہو' پھر تمہیں تو بطریق اولیٰ ان سے سوال نہ کرنا چاہئے"
اور کتاب الرد علی الجھمیۃ میں حدیث کا مفہوم یہ ہے:
"اے مسلمانو! تم اہل کتاب سے کسی چیز کی نسبت کیونکر پوچھتے ہو! حالانکہ تمہاری کتاب ایسی ہے جس کو خدا نے نازل کیا ہے تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر (جو لفظاً یا نزول کے لحاظ سے یا اللہ کی جانب سے خبر دینے کے اعتبار سے) تازہ اور جدید ہے بالکل خالص ہے' جس میں کسی دوسری چیز کی قطعی آمیزش نہیں ہے اللہ نے اپنی کتاب میں بیان کر دیا ہے کہ اہل کتاب نے خدا کی کتابوں میں تحریف وتبدیلی کر دی ہے اور اپنے ہاتھوں سے لکھ لیا ہے اور دعویٰ کر دیا کہ خدا کے پاس سے آیا ہے تاکہ اس کے عوض میں حقیر معاوضہ لے لیں' کیا جو علم تم تک پہنچ چکا ہے' وہ تم کو ان سے پوچھنے سے نہیں روکتا؟
(اس میں پہونچنے کی اسناد علم کی جانب اسی طرح مجازی ہے' جس طرح

روکنے کی اسناد اس کی طرف مجازی ہے۔ نہیں خدا کی قسم ہم نے کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ وہ تم سے اس چیز کی نسبت دریافت کرتا ہو جو تم پر نازل ہوئی ہے' پھر تم ان سے کس لئے پوچھتے ہو جب کہ تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ محرف ہے"
کتاب الاعتصام میں معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول کعب احبار کی نسبت یہ ہے کہ:
"اگرچہ وہ ان محدثین میں سب سے زیادہ سچے تھے جو اہل کتاب سے حدیثیں بیان کرتے ہیں' مگر اس کے ساتھ ہی ہم نے ان میں جھوٹ بھی پایا ہے"۔
مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات وہ جو کچھ کہتے ہیں اس میں اس لئے غلطی کرتے ہیں کہ ان کی تحریف شدہ کتابیں اور تبدیل کی ہوئی ہیں' اسی لئے ان کی جانب جھوٹ کی نسبت اس بناء پر ہے' نہ اس لئے کہ وہ جھوٹے تھے' کیونکہ وہ تو صحابہؓ کے نزدیک نیک علماء یہود میں شمار کئے جاتے ہیں' ان کا یہ کہنا کہ "اس کے باوجود ہم ان میں جھوٹ پاتے ہیں" صاف اس پر دلالت کر رہا تھا کہ صحابہؓ کا اعتقاد یہ تھا کہ اہل کتاب کی کتابیں محرف ہیں' اور جس مسلمان نے بھی اس تورات اور اس انجیل کا مطالعہ کر کے اہل کتاب کا رد کیا ہے' اس نے یقینی طور سے ان دونوں کا انکار کیا ہے' ان میں سے بیشتر کی تالیفات آج تک موجود ہیں۔
کتاب تخجیل من حرّف الانجیل کا مصنف اپنی کتاب کے باب۔۲۔ میں ان مشہور انجیلوں کی نسبت اس طرح کہتا ہے کہ:
"یہ انجیلیں وہ سچی انجیلیں نہیں ہیں جن کو دے کر سچا رسول بھیجا گیا تھا' اور جو خدا کی جانب سے اتاری گئی تھیں؟
پھر اس مذکورہ باب میں یوں کہتا ہے کہ:
"اور سچی انجیل تو صرف وہی ہے جو مسیح کی زبان سے نکلی"
پھر باب۔۹ میں عیسائیوں کی قباحتوں کے ذیل میں کہتا ہے کہ:
"اس پولس نے ان کو اپنی لطیف فریب کاری سے دین سے قطعی محروم کر دیا' کیونکہ اس نے ان کی عقلوں کو ایسا بودا پایا کہ جس طرح چاہے ان کو بہکا یا جا سکتا ہے اس لئے اس خبیث نے توریت کے نشانوں تک کو مٹا دیا"۔
غور کیجئے! ان انجیلوں کا کیونکر انکار ہو رہا ہے' اور پولس پر کتنی سخت چوٹ ہے میری اور مصنف میزان الحق دونوں کی تقریروں پر ایک ہندی فاضل کا فیصلہ ہے جو رسالۃ المناظرہ مطبوعہ ۱۲۷۰ھ دہلی بزبان فارسی کے آخر میں شامل ہے'

انہوں نے بعض علماء پروٹسٹنٹ کو دیکھا کہ وہ دوسروں کے غلط بتانے کے سبب یا خود غلط فہمی کی وجہ سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مسلمان اس توریت وانجیل کے منکر نہیں' تو مناسب سمجھا کہ اس سلسلہ میں علماء دہلی سے دریافت کریں چنانچہ انہوں نے پوچھا تو علماء نے یہ لکھا کہ یہ مجموعہ جو آج کل عہد جدید کے نام سے مشہور ہے ہم کو تسلیم نہیں ہے' یہ وہ چیز ہرگز نہیں ہے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے' بلکہ ہمارے نزدیک انجیل وہ چیز ہے جو عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔

فتویٰ حاصل ہونے کے بعد ثالث نے اس کو فیصلہ میں شامل کر دیا' اور عوام کی آگاہی کے لئے اس خط کو رسالہ 'مناظرہ' کا جزو بنا دیا گیا ہے تمام ہندوستان کے علماء کا فتویٰ دہلی کے علماء کے اس فتویٰ کے مطابق ہے اور جن لوگوں نے بھی پادریوں کی کتابوں کی تردید کی ہے خواہ وہ اہل سنت میں سے ہوں یا شیعہ' اس سلسلہ میں انہوں نے صاف صاف لکھا ہے' اور موجودہ مجموعہ کا سختی سے انکار کیا ہے۔

امام رازیؒ کا قول

امام رازیؒ اپنی کتاب المطالب العالیہ' کتاب النبوۃ کی قسم ۲ فصل چہارم میں فرماتے ہیں کہ:

"عیسیٰ علیہ السلام کی اصل دعوت کا اثر بہت ہی کم ہوا' یہ اس لئے کہ انہوں نے اس دین کی دعوت ہرگز نہیں دی جس کا دعویٰ ان عیسائیوں کو ہے کیونکہ باپ اور بیٹے اور تثلیث کی باتیں بدترین اور فحش ترین کفر کی اقسام ہیں' اور جہالت پر مبنی ہیں' اس قسم کی چیزیں' جہل الناس کے لئے بھی موزوں نہیں' چہ جائیکہ جلیل القدر اور معصوم پیغمبر' اس سے ہم کو یقین ہو گیا کہ یقیناً انہوں نے ایسے ناپاک مذہب کی دعوت نہیں دی' ان کی دعوت تو صرف دعوت توحید اور تنزیہہ تھی مگر یہ دعوت نمایاں نہ ہو سکی' بلکہ لپٹی ہوئی اور گمنام رہی اور یہ ثابت ہو گیا کہ ان کی دعوت الی الحق کا کوئی اثر نمایاں نہ ہو سکا"۔

امام قرطبیؒ کا ارشاد

امام موصوف اپنی کتاب مسمّی کتاب الاعلام بما فی دین النصاری من الفساد والاوہام باب ۳ میں فرماتے ہیں:

"جو کتاب عیسائیوں کے ہاتھوں میں ہے جس کا نام انہوں نے انجیل رکھ چھوڑا ہے وہ انجیل ہرگز نہیں ہے' جس کا تذکرہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی فرمایا ہے۔ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ (اور اللہ نے اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے تورات اور انجیل اتاری) پھر انہوں نے اس دعویٰ کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ حواری نہ پیغمبر تھے' اور نہ غلطی سے معصوم تھے اور جن کرامات کا انہوں نے دعویٰ کیا ہے ان میں کوئی بھی تواتر کے ساتھ منقول نہیں ہے' بلکہ سب اخبار آحاد ہیں اور وہ بھی صحیح نہیں ہیں اور اگر ان کی صحت مان بھی لی جائے تب بھی تمام واقعات میں حواریوں کی سچائی پر ہرگز دلالت نہیں کر سکتیں' اور نہ ان کی نبوت پر دلالت کر سکتی ہیں' کیونکہ انہوں نے اپنے پیغمبر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا' بلکہ عیسیٰ علیہ السلام کے مبلغ ہونے کے مدعی ہیں پھر فرماتے ہیں کہ:

"اس بحث سے یہ واضح ہو گیا کہ جس انجیل کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ تواتر کے ساتھ منقول نہیں ہے' اور نہ اس کے ناقلوں کے معصوم ہونے پر کوئی دلیل موجود ہے اس لئے ناقلوں میں غلطی اور سہو کا امکان ہے لہٰذا نہ انجیل کی قطعیت ثابت ہو سکتی ہے اور نہ غلبہ ظن' اس لئے نہ وہ قابل التفات ہے' اور نہ استدلال کے لئے قابلِ اعتماد ہے یہ امر اس کے رد کے لئے اور اس میں تحریف کے لئے کافی ہے' مگر اس کے باوجود ہم اس کے چند مقامات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں' جن سے اس کے ناقلوں کی بے پرواہی اور نقل کی غلطی واضح ہو جاتی ہے"۔

اس کے بعد انہوں نے ان مقامات کو نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ:

"اس صحیح بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ توریت وانجیل پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اس لئے دونوں سے استدلال درست نہیں ہے' کیونکہ دونوں غیر متواتر ہیں' اور دونوں میں تحریف کا امکان موجود ہے اور بعض تحریف شدہ کی ہم نے نشاندہی کر دی ہے' پھر جب اس قسم کی تحریف دونوں کتابوں میں بھی واقع ہو سکتا ہے جو ان کے نزدیک سب سے زیادہ عظیم الشان اور مشہور ترین اور دیانت کا شاہکار ہیں' تو آپ ان کے علاوہ عیسائیوں کی دوسری کتابوں کی نسبت خود سے رائے قائم کر لیجئے کہ ان کی کیا پوزیشن ہے؟ جو نہ ان کی طرح مشہور ہیں اور نہ خدا کی طرف منسوب ہیں۔ یقیناً غیر متواتر ہونے میں اور

قبول تحریف میں یہ کتابیں توریت وانجیل سے بڑھی ہوئی ہوں گی''۔
یہ کتاب قسطنطنیہ کے کتب خانہ کوپرلی میں موجود ہے۔

علامہ مقریزی کی رائے

علامہ موصوف آٹھویں صدی کے ہیں' اپنی تاریخ کی جلد اول میں قبطیوں سے قبل کی قوموں کی تواریخ کے بیان میں یوں کہتے ہیں کہ:

''یہودیوں کا گمان ہے کہ جو تورات ہمارے پاس ہے وہ آمیزش سے پاک ہے اس کے برعکس عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ توریت سبعین جو ہمارے پاس ہے اس میں کوئی تغیر وتبدل واقع نہیں ہوا' اور یہودی اس کی نسبت اس کے خلاف کہتے ہیں۔ سامری کہتے ہیں کہ ان کی توریت حق ہے' اور اس کے علاوہ جس قدر توریت ہیں وہ باطل ہیں ان کے اس اختلاف میں شک کو دور کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے' بلکہ مزید شک بڑھانے والی ہے۔

بعینہٖ یہی اختلاف عیسائیوں کے درمیان انجیل کے بارہ میں ہے' وجہ اس کی یہ ہے کہ عیسائیوں کے یہاں انجیل کے چار نسخے ہیں جو ایک ہی مصحف میں جمع کردیئے گئے ہیں' اول متی کی انجیل ہے دوسری مرقس کی' تیسری یوحنا کی چوتھی لوقا کی' ان چاروں میں ہر ایک نے اپنے علاقہ میں اپنی دعوت کے مطابق ایک انجیل تالیف کی' جن میں بے شمار اختلافات ہیں' یہاں تک کہ مسیح کی صفات میں' ان کی دعوت کے زمانہ میں سولی دیئے جانے کے وقت میں ان کے نسب میں یہ اختلاف ناقابل تحمل ہے' اس کے باوجود مرقیون والوں اور ابن دیصان والوں میں ... ہر ایک کے پاس ایک انجیل ہے' جس کے بعض حصے اناجیل کے مخالف ہیں' مانی کے اصحاب کے پاس ایک علیحدہ انجیل ہے جو نصاریٰ کے عقائد کے شروع سے آخر تک مخالف ہے ان کا یہ دعویٰ ہے کہ یہی صحیح ہے اور اس کے علاوہ سب باطل ہیں' ان کے یہاں ایک انجیل اور ہے' جس کا نام انجیل السبعین ہے' جو تلامس کی طرف منسوب ہے' اور عیسائی اور دوسرے لوگ اس کے منکر ہیں' پھر جب اہل کتاب کے درمیان اس قدر شدید اختلاف ہے کہ اس میں حق وباطل میں امتیاز کرنا عقل اور رائے کے بس میں نہیں ہے تو پھر ان کی جانب سے اس کی حقیقت سے آگاہ ہونا ناممکن ہے اور اس سلسلہ میں ان کی کوئی بات بھی لائق اعتماد نہیں ہوسکتی''۔

کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون کے مصنف نے انجیل کے باب میں یوں کہا ہے کہ:

''وہ ایک کتاب تھی جس کو اللہ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر نازل کیا تھا''

پھر ایک طویل عبارت میں ان اناجیل اربعہ کے اصلی انجیل ہونے کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ:

''عیسیٰ جو انجیل لے کر آئے تھے وہ ایک ہی انجیل تھی جس میں اختلاف وتناقض ہرگز نہیں تھا' ان عیسائیوں نے اللہ پر اور اس کے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام پر جھوٹی تہمت رکھ دی''۔

ہدایۃ الحیاریٰ فی اجوبۃ الیہود والنصاریٰ کے مصنف کہتے ہیں کہ:

''یہ توریت جو یہودیوں کے ہاتھوں میں ہے اس میں اس قدر کمی بیشی اور تحریف پائی جاتی ہے' جو ماہرین علم سے' چھپی ہوئی نہیں ہے' ان کو خوب یقین ہے کہ یہ تحریف اور اختلاف اس توریت میں ہرگز نہ تھا جو موسیٰ علیہ السلام پر خدا نے نازل کی تھی اور نہ اس انجیل میں تھا جس کو مسیح علیہ السلام پر نازل کیا گیا تھا ظاہر ہے کہ جو انجیل عیسیٰ پر نازل ہوچکی تھی اس میں ان کو سولی دیئے جانے کا واقعہ کیونکر درج ہوسکتا ہے؟ اسی طرح جو برتاؤ ان کے ساتھ کیا گیا' یا تین روز بعد ان کا قبر سے زندہ ہوکر نکل آنا وغیرہ وغیرہ جو درحقیقت عیسائیوں کے اکابر کا کلام ہے''۔ پھر کہتے ہیں کہ: ''بہت سے علماء اسلام نے اس کی بیشی اور تفاوت واختلاف کو واضح طور پر بیان کیا ہے' اور اگر طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا اور اس سے زیادہ اہم اور ضروری باتیں بیان کرنا نہ ہوتیں تو اس قسم کی کافی مثالیں پیش کرتے''۔ (اظہار الحق جلد اول از ص ۵۷۳ تا ص ۵۸۵)

پانچواں باب

کتب محرّفہ کے متعلق سید مودودی مرحوم کے عقائد کے بیان میں

نوٹ

کتب محرفہ کے متعلق مسلمانوں کے عقائد نقل کرنے کے بعد اب ہم نے تقابلی طور پر جناب سید مولانا مودودی صاحب مرحوم کے عقائد وخیالات کو جاننے کے لئے تفہیم القرآن ہی کی اصل عبارت سے ٢٦ سوالات قائم کئے ہیں اور پھر آپ ہی کی اصل عبارات سے ان کے جوابات دے کر مکمل انٹرویو بنادیا ہے تاکہ قارئین کرام کو سہولت وآسانی سے معلوم ہوجائے کہ مسلمانوں کے عقائد اور جناب مولانا مودودی صاحب کے عقائد میں زمین وآسمان کا فرق ہے انٹرویو میں ہمارے یہ سوالات اور جناب مولانا مودودی صاحب کے جوابات تفہیم القرآن ج اول ص ٢٣١ اور ٢٣٢ سے ماخوذ ہیں۔ قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں۔

کتب محرفہ کے متعلق جناب سید مودودی مرحوم کے عقائد کیا ہیں؟

سوال ١۔ بائبل کے پرانے عہد ناموں کی پانچ کتابیں اور نئے عہد ناموں کی چار مشہور انجیلیں کیا یہ واقعی کلام الٰہی ہیں؟ ٢۔ اور کیا جو کچھ اس میں درج ہے قرآن پاک ان سب باتوں کی تصدیق کرتا ہے؟

جواب۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ تورات بائبل کی پہلی پانچ کتابوں کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ان کے اندر مندرج ہے اور انجیل نئے عہد نامہ کی اناجیل اربعہ کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ان کے اندر پائی جاتی ہیں عام طور سے لوگ توراۃ سے مراد بائبل کے پرانے عہدنامے کی ابتدائی پانچ کتابیں اور انجیل سے مراد نئے عہد نامے کی چار مشہور انجیلیں لے لیتے ہیں اسی وجہ سے یہ الجھن پیش آتی ہے کہ کیا فی الواقع یہ کتابیں الٰہی ہیں اور کیا واقعی قرآن ان سب باتوں کی تصدیق کرتا ہے۔

سوال ۔٣ توراۃ سے کون سے احکام مراد ہیں؟ ٤۔ اور توراۃ کس کتاب کا نام ہے

جواب۔ دراصل توراۃ سے مراد وہ احکام ہیں جو حضرت موسیٰ کی بعثت سے لے کر ان کی وفات تک تقریباً ۴۰ سال کے دوران میں ان پر نازل ہوئے ان میں سے دس احکام تو وہ تھے جو اللہ تعالیٰ نے پتھر کے لوحوں پر کندہ کر کے انہیں دئے تھے باقی ماندہ احکام کو حضرت موسیٰ نے لکھوا کر اس کی ۱۲ نقلیں بنی اسرائیل کے ۱۲ قبیلوں کو دے دی تھیں۔ اور ایک نقل بنی لاوی کے حوالے کی تھی تا کہ وہ اس کی حفاظت کریں اسی کتاب کا نام توراۃ تھا۔

سوال ۵۔ وہ توراۃ ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے کب تک محفوظ تھی؟ ۶۔ اور کہاں رکھی تھی؟ ۷۔ اور بنی اسرائیل اس کو کس نام سے جانتے تھے؟

جواب۔ یہ ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے بیت المقدس کی پہلی تباہی تک محفوظ تھی اس کی ایک کاپی جو بنی لاوی کے حوالے کی گئی تھی اور بنی اسرائیل اس کو توراۃ ہی کے نام سے جانتے تھے۔

سوال ۸۔ اس توراۃ سے بنی اسرائیل کی غفلت کس حد تک پہونچ چکی تھی؟

جواب۔ اس سے ان کی غفلت اس حد تک پہونچ چکی تھی کہ یہودیہ کے بادشاہ یوسیاہ کے عہد میں جب ہیکل سلیمانی کی مرمت ہوئی تو اتفاق سے سردار کاہن (یعنی ہیکل کے سجادہ نشیں اور قوم کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا) خلقیاہ کو ایک جگہ توراۃ رکھی ہوئی مل گئی اور اس نے ایک مجوبے کی طرح اسے شاہی منشی کو دیا اور شاہی منشی نے اسے لے جا کر بادشاہ کے سامنے اس طرح پیش کیا جیسے ایک عجیب انکشاف ہوا ہے۔

سوال ۹۔ ان سوالات کے جوابات میں آپ نے جو کچھ تفہیم القرآن میں ارشاد فرمائے ہیں ان کا ماخذ کیا ہے؟ یعنی کس کتاب کی بنیاد پر آپ نے یہ جوابات دئے ہیں؟

جواب۔ (ملاحظہ ہو سلاطین باب آیت ۸ تا ۱۳) قارئین کرام غور فرمائیے کہ تفہیم القرآن کا ماخذ کیا ہے؟۔

سوال ۱۰۔ بنی اسرائیل نے توراۃ کے اصل نسخے ہمیشہ کے لئے کب گم کردئے؟

جواب۔ جب بخت نصر نے یروشلم فتح کیا اور ہیکل سمیت شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی تو بنی اسرائیل نے توراۃ کے وہ اصل نسخے جو ان کے یہاں طاق نسیان پر رکھے ہوئے

تھے اور بہت ہی تھوڑی تعداد میں تھے ہمیشہ کے لئے گم کردئے۔

سوال ۱۱۔ دوبارہ بنی اسرائیل کی پوری تاریخ کب اور کس نے مرتب کی؟ ۱۲۔ اور وہ کتنی کتابوں پر مشتمل ہے؟

جواب۔ جب عزرا کاہن (عزیر) کے زمانے میں بنی اسرائیل کے بچے کھچے لوگ بابل کی اسیری سے واپس یروشلم آئے اور دوبارہ بیت المقدس تعمیر ہوا تو عزرا نے اپنی قوم کے چند دوسرے بزرگوں کی مدد سے بنی اسرائیل کی پوری تاریخ مرتب کی جو اب بائبل کی پہلی ۱۷ کتابوں پر مشتمل ہے۔

سوال ۱۳۔ بنی اسرائیل کی وہ تاریخ کس بات پر مشتمل ہے؟

جواب۔ اس تاریخ کے چار باب یعنی خروج، احبار، گنتی اور استثناء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت پر مشتمل ہیں۔

سوال ۱۴۔ اس سیرت میں کیا چیز درج کی گئی ہے؟

جواب۔ اس سیرت میں تاریخ نزول کی ترتیب کے مطابق توراۃ کی وہ آیات بھی حسب مواقع درج کردی گئی ہیں جو عزرا اور ان کے مددگار بزرگوں کو دستیاب ہوسکیں۔

سوال ۱۵۔ اب توراۃ کس کا نام ہے؟

جواب۔ دراصل اب توراۃ ان منتشر اجزاء کا نام ہے جو سیرت موسیٰ کے اندر بکھرے ہوئے ہیں۔

سوال ۱۶۔ کیا ہم آپ ان اجزاء کو کسی علامت سے پہچان سکتے ہیں؟

جواب۔ ہم انہیں صرف اس علامت سے پہچان سکتے ہیں کہ اس تاریخی بیان کے دوران جہاں کہیں سیرت موسوی کا مصنف کہتا ہے کہ خدا نے موسیٰ سے یہ فرمایا یا موسیٰ نے کہا کہ خداوند تمہارا خدا یہ کہتا ہے وہاں سے توراۃ کا ایک جز شروع ہوتا ہے اور جہاں پھر سیرت کی تقریر شروع ہو جاتی ہے وہاں وہ جز ختم ہو جاتا ہے۔

سوال ۱۷۔ عام آدمی کے لئے توراۃ کے اس حصہ کو تمیز کرنا آسان ہے یا مشکل؟

جواب۔ بیچ میں جہاں کہیں کوئی چیز بائبل کے مصنف نے تفسیر و تشریح کے طور پر بڑھادی

ہے وہاں ایک عام آدمی کے لئے یہ تمیز کرنا سخت مشکل ہے کہ آیا یہ اصل توراۃ کا حصہ ہے یا شرح وتفسیر؟

سوال ۱۸۔ لیکن خاص طور پر آپ کی طرح جولوگ کتب آسمانی میں بصیرت رکھتے ہیں وہ اگر توراۃ کے ملحق حصہ کو الگ کرنا چاہیں تو کیا وہ کر سکتے ہیں؟

جواب۔ تاہم جولوگ کتب آسمانی میں بصیرت رکھتے ہیں وہ ایک حد تک صحت کے ساتھ معلوم کر سکتے ہیں کہ ان اجزاء میں کہاں کہاں تفسیری وتشریحی اضافے ملحق کردیئے گئے ہیں۔ (قارئین کرام! ان دو سوالوں (۱۷۔۱۸) پر اور ان کے جوابات پر غور کر کے فیصلہ کیجئے پھر جناب مودودی صاحب کا تفہیم القرآن میں بار بار بائبل ملاحظہ کرنے کی دعوت دینا اور قرآن پاک سے مقابلہ وموازنہ کرنا کیسے درست ہے جب کہ آپ ہی کے اعتراف تحریر کے مطابق عام آدمی کے لئے اصل توراۃ کے حصہ میں اور اس کی شرح وتفسیر میں تمیز کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ سخت مشکل ہے)

سوال ۱۹۔ قرآن توراۃ کس کو کہتا ہے اور کس بات کی تصدیق کرتا ہے؟

جواب۔ قرآن انہیں منتشر اجزاء کو توراۃ کہتا ہے اور انہیں کی وہ تصدیق کرتا ہے

سوال ۲۰۔ قرآن پاک اور موجودہ توراۃ کے ان منتشر اجزاء کے درمیان آپ کی کیا رائے ہے کہ آج ان دونوں کتابوں میں اصولاً کوئی فرق ہے یا نہیں؟ ۲۱۔ آنجناب مودودی صاحب نے دونوں کو پڑھ کر کیا محسوس کیا ہے۔ ۲۲۔ نیز جو کچھ آپ نے محسوس کیا ہے کیا وہ ایک عام ناظر بھی محسوس کر سکتا ہے؟ اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب۔ حقیقت یہ ہے کہ ان اجزاء کو جمع کر کے جب قرآن سے ان کا مقابلہ کیا جاتا ہے تو بجز اس کے بعض بعض مقامات پر جزوی احکام میں اختلاف ہے اصولی تعلیمات میں دونوں کتابوں کے درمیان یک سرمو فرق نہیں پایا جاتا آج بھی ایک ناظر صریح طور پر محسوس کر سکتا ہے کہ یہ دونوں چشمے ایک ہی منبع سے نکلے ہوئے ہیں۔

سوال ۲۳۔ انجیل کس کا نام ہے؟

جواب۔ انجیل دراصل نام ہے ان الہامی خطبات کا اور اقوال کا جو مسیح علیہ السلام اپنی

زندگی کے آخری ڈھائی تین برس میں بحیثیت نبی ارشاد فرمائے۔

سوال ۲۴۔ وہ کلمات طیبات آپ کی زندگی میں لکھے اور مرتب کیے گئے تھے یا نہیں؟

جواب۔ اس کے متعلق ہمارے پاس کوئی ذریعہ معلومات نہیں ہے ممکن ہے کہ بعض لوگوں نے انہیں نوٹ کر لیا ہو اور ممکن ہے کہ سننے والے معتقدین نے ان کو زبانی یاد کر رکھا ہو بہر حال ایک مدت کے بعد جب آنجناب کی سیرت پاک پر مختلف رسالے لکھے گئے تو ان میں تاریخی بیان کے ساتھ ساتھ وہ خطبات وارشادات بھی جگہ جگہ حسب موقع درج کر دیئے گئے جو ان رسالوں کے مصنفین زبانی روایات اور تحریری یادداشتوں کے ذریعہ سے پہونچے تھے۔

(قارئین کرام! تفہیم ج اول ۲۳۲ میں تو آپ نے انجیل کی ترتیب کے بارے میں پہلے ایک گول مول امکانی بات تحریر کی ہے اور بعد میں فرمایا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے وہ ارشادات وخطبات عیسائی مصنفین تک زبانی روایات اور تحریری یادداشتوں کے ذریعہ سے پہنچے تھے۔ لیکن بالکل اس کے برخلاف آپ نے تفہیم ج ۵ سورۂ کہف حاشیہ ۸ ص ۴۶۷ پر صاف صاف تحریر کی ہے یہاں نوٹ کرنے اور سننے کی امکانی بات نہیں ہے۔ جیسا کہ تفہیم ج اول ص ۲۳۲ میں ہے۔

"بائبل میں جو چار انجیلیں قانونی اور معتبر قرار دے کر شامل کی گئی ہیں ان میں سے کسی کا لکھنے والا بھی حضرت عیسیٰ کا صحابی نہ تھا اور ان میں سے کسی نے یہ دعویٰ بھی نہیں کیا ہے کہ اس نے آنحضرت کے صحابیوں سے حاصل کردہ معلومات اپنی انجیل میں درج کی ہیں جن ذرائع سے ان لوگوں نے معلومات حاصل کی ہیں ان کا کوئی حوالہ انہوں نے نہیں دیا ہے۔ جس سے یہ پتہ چل سکے کہ راوی نے آیا وہ خود واقعات دیکھے اور وہ اقوال سنے ہیں جنہیں وہ بیان کر رہا ہے یا ایک یا چند واسطوں سے یہ باتیں اسے پہونچی ہیں"

پھر آگے کے صفحات میں آپ نے انجیل برناباس کی غیر معمولی تعریف نہ جانے کس پس منظر میں کی ہے)

لیکن اب بتلایا جائے کہ ان دونوں تحریروں میں آپ کی پہلی امکانی تحریر تفہیم ج اول ص ۲۳۲ والی کو صحیح مانی جائے؟ یا بعد کی اس فنی واصولی صاف صاف تحریر ج ۵ ص ۲۶۷ والی کو صحیح تسلیم کیا جائے؟ کیونکہ ان دونوں تحریروں میں تصادم وتعارض (ٹکراؤ) ہے۔ واذا تعارضا تساقطا لہٰذا دونوں ہی ساقط ہیں)

سوال ۲۵۔ متی مرقس لوقا اور یوحنا کو انجیل کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ اور ہمارے پاس اس انجیل کو پہچاننے کا کوئی ذریعہ ہو تو وہ بھی ارشاد فرمایا جائے؟

جواب۔ آج متی مرقس لوقا اور یوحنا کی جن کتابوں کو اناجیل کہا جاتا ہے دراصل انجیل وہ نہیں ہے بلکہ انجیل حضرت مسیح کے وہ ارشادات ہیں جو ان کے اندر درج ہیں ہمارے پاس ان کو پہچاننے اور مصنفین سیرت کے اپنے کلام سے ان کو ممیز کرنے کا اس کے سوا کوئی ذریعہ نہیں بلکہ جہاں سیرت کا مصنف کہتا ہے کہ مسیح نے یہ فرمایا یا لوگوں کو یہ تعلیم دی صرف وہی مقامات اصل انجیل کے اجزاء ہیں قرآن انہیں اجزاء کے مجموعہ کو انجیل کہتا ہے اور انہیں کی وہ تصدیق کرتا ہے"۔

سوال ۲۶۔ تو آج ان بکھرے ہوئے اجزاء انجیل اور قرآن میں آپ کے نزدیک زیادہ فرق ہے یا بہت ہی کم؟ ایک عام شخص اس کے متعلق کیا کرے؟ آنجناب والا مودودی صاحب کے اس بارے میں کیا احساسات وتاثرات ہیں؟ ان دونوں کتابوں کے فرق کو بآسانی حل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب۔ آج کوئی شخص ان بکھرے ہوئے اجزاء کو مرتب کرکے قرآن سے ان کا مقابلہ کرکے دیکھے تو وہ دونوں میں بہت ہی کم فرق پائے گا اور جو تھوڑا بہت فرق محسوس ہوگا وہ بھی غیر متعصبانہ غور وتامل کے بعد بآسانی حل کیا جاسکے گا"۔

قارئین کرام! ہم نے جناب مولانا مودودی صاحب کے وصال کے بعد ان کی کتاب تفہیم القرآن کی زندہ جاوید تحریرات سے جو انٹرویو لیا ہے اب ہمارے اس انٹرویو کو آپ کی اصل عبارت میں بھی بالترتیب تسلسل کے ساتھ ملاحظہ فرمالیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ الحمدللہ وبفضلہ ہم نے کوئی بھی کتربیونت کرکے علمی خیانت کا ارتکاب نہیں کیا ہے بلکہ من وعن آپ کی مکمل عبارات پوری کی پوری نقل کی ہیں۔

اس انٹرویو کی بالترتیب جملہ عبارات تسلسل کے ساتھ تفہیم میں یوں ہیں

عبارت نمبر ۱

تفہیم القرآن ۱ ۔۔۔ ۲۳۱ ۔۔۔ آل عمران ۳

"عام طور پر لوگ توراۃ سے مراد بائبل کے پرانے عہدنامے کی ابتدائی پانچ کتابیں اور انجیل سے مراد نئے عہدنامے کی چار مشہور انجیلیں لے لیتے ہیں۔ اس کی وجہ سے یہ الجھن پیش آتی ہے کہ کیا فی الواقع یہ کتابیں کلام الٰہی ہیں؟ اور کیا واقعی قرآن ان سب باتوں کی تصدیق کرتا ہے جو ان میں درج ہیں؟ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ توراۃ بائبل کی پہلی پانچ کتابوں کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ان کے اندر مندرج ہے اور انجیل نئے عہدنامہ کی اناجیل اربعہ کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ان کے اندر پائی جاتی ہے۔

دراصل توراۃ سے مراد وہ احکام ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے لے کر ان کی وفات تک تقریباً ۴۰ سال کے دوران میں ان پر نازل ہوئے ان میں سے دس احکام تو وہ تھے جو اللہ تعالیٰ نے پتھر کی لوحوں پر کندہ کرکے انہیں دیے تھے باقی ماندہ احکام کو حضرت موسیٰ نے لکھوا کر اس کی ۱۲ نقلیں بنی اسرائیل کے ۱۲ قبیلوں کو دے دی تھیں اور ایک نقل بنی لاوی کے حوالے کی تھی تاکہ وہ اس کی حفاظت کریں۔ اسی کتاب کا نام "توراۃ تھا ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے بیت المقدس کی پہلی تباہی کے وقت تک محفوظ تھی۔ اس کی ایک کاپی جو بنی لاوی کے حوالے کی گئی تھی پتھر کی لوحوں سمیت عہد کے صندوق میں رکھ دی گئی تھی اور بنی اسرائیل اس کو توریت ہی کے نام سے جانتے تھے۔ لیکن اس سے ان کی غفلت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ یہودیہ کے بادشاہ یوسیاہ کے عہد میں جب ہیکل سلیمانی کی مرمت ہوئی تو اتفاق سے سردار کاہن (یعنی ہیکل کے سجادہ نشین اور قوم کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا) خلقیاہ کو ایک جگہ توریت رکھی ہوئی مل گئی اور اس نے ایک عجوبے کی طرح اسے شاہی منشی کو دیا اور شاہی منشی نے اسے لے جا کر بادشاہ کے سامنے اس طرح پیش کیا جیسے ایک عجیب انکشاف ہوا ہے۔ (ملاحظہ ہو ۲ سلاطین، باب ۲۲۔ آیت ۸ تا ۱۳)

(عبارت نمبر۲)

تفہیم القرآن ا   ۲۳۲   آلِ عمران

یہی وجہ ہے کہ جب بخت نصر نے یروشلم فتح کیا اور ہیکل سمیت شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی تو بنی اسرائیل نے تورات کے وہ اصل نسخے جو ان کے ہاں طاقِ نسیاں پر رکھے ہوئے تھے اور بہت ہی تھوڑی تعداد میں تھے ہمیشہ کے لئے گم کر دیئے پھر جب عزرا کاہن (عزیر) کے زمانے میں بنی اسرائیل کے بچے کھچے لوگ بابل کی اسیری سے واپس یروشلم آئے اور دوبارہ بیت المقدس تعمیر ہوا تو عزرا نے اپنی قوم کے چند دوسرے بزرگوں کی مدد سے بنی اسرائیل کی پوری تاریخ مرتب کی' جو اب بائیبل کی پہلی ۱۷ کتابوں پر مشتمل ہے۔ اس تاریخ کے چار باب یعنی خروج' احبار' گنتی اور استثناء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت پر مشتمل ہیں اور اس سیرت ہی میں تاریخ نزول کی ترتیب کے مطابق تورات کی وہ آیات بھی حسب موقع درج کر دی گئی ہیں جو عزرا اور ان کے مددگار بزرگوں کو دستیاب ہوسکیں۔ پس دراصل اب تورات ان منتشر اجزاء کا نام ہے جو سیرت موسیٰ علیہ السلام کے اندر بکھرے ہوئے ہیں۔ ہم انہیں صرف اس علامت سے پہچان سکتے ہیں کہ اس تاریخی بیان کے دوران میں جہاں کہیں سیرتِ موسوی کا مصنف کہتا ہے کہ خدا نے موسیٰ سے یہ فرمایا یا موسیٰ نے کہا کہ خداوند تمہارا خدا یہ کہتا ہے وہاں سے تورات کا ایک جز شروع ہوتا ہے اور جہاں پھر سیرت کی تقریر شروع ہو جاتی ہے' وہاں وہ جز ختم ہو جاتا ہے۔ بیچ میں جہاں کہیں کوئی چیز بائبل کے مصنف نے تفسیر وتشریح کے طور پر بڑھادی ہے' وہاں ایک عام آدمی کے لئے یہ تمیز کرنا سخت مشکل ہے کہ آیا یہ اصل توراۃ کا حصہ ہے یا شرح وتفسیر۔ تاہم جو لوگ کتب آسمانی میں بصیرت رکھتے ہیں وہ ایک حد تک صحت کے ساتھ یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ ان اجزاء میں کہاں کہاں تفسیری وتشریحی اضافے ملحق کر دیئے گئے ہیں۔

قرآن انہیں منتشر اجزاء کو تورات کہتا ہے' اور انہیں کی وہ تصدیق کرتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان اجزاء کو جمع کر کے جب قرآن سے ان کا مقابلہ کیا جاتا ہے تو بجز اس کے کہ بعض بعض مقامات پر جزوی احکام میں

اختلاف ہے اصولی تعلیمات میں دونوں کتابوں کے درمیان یک سرِ مو فرق نہیں پایا جاتا۔ آج بھی ایک ناظر صریح طور پر محسوس کر سکتا ہے کہ یہ دونوں چشمے ایک ہی منبع سے نکلے ہوئے ہیں۔

اسی طرح انجیل دراصل نام ہے ان الہامی خطبات اور اقوال کا جو مسیح علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری ڈھائی تین برس میں بحیثیت نبی ارشاد فرمائے۔ وہ کلماتِ طیبات آپ کی زندگی میں لکھے اور مرتب کئے گئے تھے یا نہیں اس کے متعلق اب ہمارے پاس کوئی ذریعہ معلومات نہیں ہے۔ ممکن ہے بعض لوگوں نے انہیں نوٹ کر لیا ہو اور ممکن ہے کہ سننے والے معتقدین نے ان کو زبانی یاد کر رکھا ہو' بہرحال ایک مدت کے بعد جب آنجناب کی سیرت پاک پر مختلف رسالے لکھے گئے' تو ان میں تاریخی بیان کے ساتھ ساتھ وہ خطبات اور ارشادات بھی جگہ جگہ حسب موقع درج کر دیئے گئے جو ان رسالوں کے مصنفین تک زبانی روایات اور تحریری یادداشتوں کے ذریعے سے پہنچے تھے۔ آج متی' مرقس' لوقا اور یوحنا کی جن کتابوں کو اناجیل کہا جاتا ہے' دراصل انجیل وہ نہیں ہیں بلکہ انجیل حضرت مسیح کے وہ ارشادات ہیں جو ان کے اندر درج ہیں ہمارے پاس ان کو پہچاننے اور مصنفین سیرت کے اپنے کلام سے ان کو ممیز کرنے کا اس کے سوا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ جہاں سیرت کا مصنف کہتا ہے کہ مسیح نے یہ فرمایا لوگوں کو یہ تعلیم دی' صرف وہی مقامات اصل انجیل کے اجزاء ہیں انہیں اجزاء کے مجموعے کو انجیل کہتا ہے اور انہیں کی وہ تصدیق کرتا ہے۔ آج کوئی شخص ان بکھرے ہوئے اجزاء کو مرتب کر کے قرآن سے ان کا مقابلہ کر کے دیکھے تو وہ دونوں میں بہت ہی کم فرق پائے گا اور جو تھوڑا بہت فرق محسوس ہوگا وہ بھی غیر متعصبانہ غور وتامل کے بعد بآسانی کیا جا سکے گا"۔

اب مسئلہ غور طلب یہ ہے کہ کتب آسمانی کے متعلق آپ کی یہ بصیرت وفراست جملہ مسلمانوں کے اور تمام محدثین ومفسرین کے عقائد کے بالکل خلاف ہے اور آج تک کسی بھی مفسر قرآن نے اس طرح کی بصیرت سے بائبل کی بنیاد پر قرآن پاک کی تشریح وآزاد ترجمانی نہیں کی ہے آپ کے اس نرالے اور انوکھے انداز تحریر سے یہی ثابت ہو رہا ہے کہ العیاذ باللہ قرآن پاک اور موجودہ بائبل محرفہ ایک ہی ہیں جیسا کہ آپ نے ایک اور جگہ صراحت کے ساتھ لکھا بھی ہے کہ:

"پس حقیقت صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ یہ کتابیں ایک دوسرے کی مخالف نہیں
مؤید ہیں۔ تردید کرنے والی نہیں تصدیق کرنے والی ہیں"
اصل حقیقت: اس سے کچھ بڑھ کر ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ سب ایک ہی الکتاب
کے مختلف ایڈیشن ہیں" (تفہیم ج اول ۴۷۶ حاشیہ ۷۸)

قارئین کرام! غور فرمائیے کہ آج کی اصطلاح وعرف میں ایڈیشن کس کو کہتے ہیں؟ ایک مصنف جب کتاب مکمل کر لیتا ہے تو اس کے دیباچہ میں لکھ چکا ہوتا ہے "قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اس کتاب کی غلطیوں سے مجھے مطلع کریں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر لی جائے" کیا العیاذ باللہ قرآن پاک کی بھی یہی حیثیت ہے؟ اللہ تعالیٰ کی بھی یہی شان ہے کہ ثم العیاذ باللہ کہ اس نے "الکتاب" میں غلطی کی تو مودودی صاحب اور ان کی قائم کردہ جماعت سے فرمادیا کہ پچھلی کتابوں توراۃ، زبور، انجیل وصحف وغیرہ میں جو میں نے غلطیاں کی ہیں یا مجھ کو ان غلطیوں سے بعد میں مطلع کیا گیا ہے ان تمام کی اصلاح اس آخری کتاب قرآن نامی لاسٹ ایڈیشن میں کر دی ہے؟ اب اس قرآن میں بھی اگر مودودی صاحب اور ان کی جماعت غلطیاں نکال کر مجھے تنبیہ کرے تو دوبارہ نازل ہونے والی الکتاب کے اگلے ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر لوں گا؟ اور پھر ایک کتاب نازل کروں گا لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ۔ واضح رہے کہ "وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ.... الخ" سورۂ مائدہ حاشیہ ۷۸ میں (آپ نے لفظ الکتاب اللہ تعالیٰ نے کیوں استعمال فرمایا؟) اس راز کا آپ نے انکشاف فرمایا ہے جس کے نتیجہ میں قرآن پاک اور کتب سماوی کو آپ نے لفظ ایڈیشن سے تعبیر کیا ہے مگر پچھلی کتب سماویہ کی تحریف وتبدیل کے متعلق آپ نے کچھ نہیں فرمایا؟ کہ کیا وہ بھی قرآن پاک کی طرح محفوظ ہیں؟ اور نہ یہ فرمایا کہ قرآن، توراۃ کے کس حصہ کی کس قدر تصدیق کرتا ہے؟ اور نہ اس پر کلام کیا کہ یہودیوں نے کتب سماویہ میں سمجھ بوجھ کر دانستہ تحریف کیوں کی؟ اور پچھلی کتابوں میں زبردست اختلاف کس طرح ہوا ہے؟ اس لئے ہم تفہیم القرآن ہی کی دوسرے مواقع کی عبارات سے ان سب چیزوں کو بیان کریں گے انشاء اللہ۔

قارئین کرام! آپ کو اس حاشیہ سورۂ مائدہ ۷۸ میں قرآن اور پچھلی کتابوں کی ایک تصویر دکھلانے کے بجائے قرآن پاک کو اصل قرار دے کر موجودہ بائبل وغیرہ اور یہودی روایات کو قرآن کے ماتحت وتابع کرنا چاہئے۔ اور مذکورہ سوالات کی تشریحات کرنی چاہئے۔ جیسا کہ پ ۲۰ آیت ۷۶ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ" اس آیت پاک کی آزاد ترجمانی آپ نے یہ کی ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ یہ قرآن بنی اسرائیل کو اکثر ان باتوں کی حقیقت بتاتا ہے جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں۔

دیکھئے اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو حاکم وفیصل ارشاد فرمایا ہے کہ یہی اصل ہے۔ پچھلی کتابوں کے متعلق جتنا قرآن نے فرمایا ہے وہی صحیح ہے اور پچھلی کتابیں اور اسرائیلیات قرآن کے تابع ہیں جیسا کہ خود مودودی صاحب نے بھی ایک جگہ تفہیم ج اول ص ۴۷۸۔ حاشیہ ۷۹ میں قرآن کو اصل مان کر بائبل وغیرہ کتب آسمانی کو اس کے تابع کیا ہے مگر افسوس وتعجب ہے کہ پوری تفہیم کے حواشی میں بائبل کو اصل مان کر ان سے استفادہ کرتے ہوئے قرآن پاک کو ان کے تابع کر دیا ہے انا للہ بلکہ اسی حاشیہ ۷۹ میں اپنے ہی لکھے ہوئے مضمون سے آپ نے بھی محسوس کیا کہ اس سے مخاطب کے ذہن میں شدید اضطراب وبے چینی پیدا ہو جائے گی اس لئے وہ فوراً ہی اسی کے متصل حاشیہ ۸۰ میں اپنی ہی لکھی ہوئی سابقہ عبارت کے خلاف نیز واقعہ اور حقیقت کے بھی خلاف آپ کو مخاطب کا ذہن بنانا پڑا ہے کیونکہ آنجناب نے اپنی اسی غلط ذہنیت ورائے کی بنیاد پر پوری تفہیم میں بائبل کو مستند مانتے ہوئے ان سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔

جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ حاشیہ ۷۹ میں آپ نے قرآن کو اصل مان کر بائبل پر پیش کرنے کی بات کہی جو محمود ہے۔ اور حاشیہ ۸۰ میں بائبل کو اصل مان کر قرآن پر پیش کرنے کے لئے سوال قائم کیا ہے جو مذموم ومردود ہے اور حاشیہ ۸۱ میں اس کے تفصیلی جوابات دئے ہیں۔ یعنی حاشیہ ۷۸ کی اپنی بات (قرآن اور بائبل وغیرہ یہ سب ایک ہی

''الکتاب'' کے مختلف ایڈیشن ہیں) کومدلل ومبرہن کرنے کی کوشش کی ہے مگر بات بنائے نہیں بنتی بلکہ یہ اشکال اور مؤکد ہوجاتا ہے کہ تفہیم القرآن میں بائبل کی حقانیت تسلیم کرانے کی کوشش کیوں کی گئی ہے؟ اب راقم الحروف اپنے بیان کردہ اس اجمالی دعویٰ کی تصدیق ودلیل میں علی الترتیب آپ کی صحیح اور غلط دونوں قسم کی عبارات کو پیش کرتا ہے ملاحظہ کیجئے تفہیم ج اول ص ۴۷۸ حاشیہ ۷۸ کے آخر میں ہے:

''پس حقیقت صرف اتنی ہی نہیں کہ یہ کتابیں ایک دوسرے کی مخالف نہیں مؤید ہیں تردید کرنے والی نہیں تصدیق کرنے والی ہیں بلکہ اصل حقیقت اس سے بڑھ کر ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ سب ایک ہی الکتاب کے مختلف ایڈیشن ہیں''

آپ کی اس عبارت پر تبصرہ ہوچکا ہے قارئین کرام سے گزارش ہے کہ پھر دوبارہ اس تبصرہ کو ملاحظہ فرمالیں۔ کہ جناب مودودی صاحب نے لفظ ایڈیشن استعمال کرکے جتلایا ہے کہ العیاذ باللہ نے ''الکتاب'' میں غلطی کی ہے اور یہ کہ قرآن کے اندر جو کچھ بھی ہے وہ پھر سے ایک دوسری کتاب میں نازل کرے گا یعنی یہ ماننا پڑے گا کہ العیاذ باللہ قرآن کریم آخری کتاب ناسخ نہیں ہے۔ پھر ص ۴۷۸ ہی کے حاشیہ ۷۹ میں لفظ ''مہیمن'' کے چھ معانی بیان کرتے ہوئے جناب نے تحریر کیا ہے:

''پس قرآن کو الکتاب پر مہیمن کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے ان تمام برحق تعلیمات کی جو پچھلی کتب آسمانی میں دی گئی تھیں اپنے اندر لے کر محفوظ کردیا ہے وہ ان پر نگہبان ہے اس معنی میں کہ اب ان کی تعلیمات برحق کا کوئی حصہ ضائع نہ ہونے پائے گا وہ ان کا مؤید ہے اس معنی میں کہ ان کتابوں کے اندر خدا کا کلام جس حد تک موجود ہے قرآن سے اس کی تصدیق ہوتی ہے وہ ان پر گواہ ہے اس معنی میں کہ ان کتابوں کے اندر کے کلام اور لوگوں کے کلام کی جو آمیزش ہوگئی ہے قرآن کی شہادت سے اس کو پھر چھانٹا جاسکتا ہے جو کچھ ان میں قرآن کے مطابق ہے وہ خدا کا کلام ہے اور جو قرآن کے خلاف ہے وہ لوگوں کا کلام ہے''۔

حاشیہ ۷۹ کی یہ عبارات بالکل حق اور صحیح ودرست ہیں ان ہی عبارات کی بنیاد پر ہمارے ۵ سوالات ہیں کہ کیا بائبل کی بھی یہی شان وصفات ہیں یعنی مودودی صاحب نے جو قرآن پاک کی صفات ستہ بیان کی ہیں بائبل بھی ان صفات ستہ کی حامل

ہے؟ کیا بائبل کی بھی تمام تعلیمات محفوظ ہیں؟ کیا بائبل کا کوئی حصہ نہ ضائع ہوا ہے؟ اور نہ ضائع ہوگا؟ کیا بائبل بھی قرآن کی تصدیق کرتا ہے یا مترجمین بائبل نے بھی بائبل کی تصدیق قرآن سے کی ہے؟ جس طرح مودودی صاحب نے قرآن کی تصدیق بائبل سے کی ہے؟ کیا جناب مودودی صاحب کی طرح بائبل کے آمیزش کو قرآن کی شہادت سے عامۃ الناس چھانٹ سکتے ہیں؟ چنانچہ مودودی صاحب کے ذہن میں بھی ان ہی سوالات نے الجھن پیدا کیا کیونکہ آپ نے بائبل کو قرآن کی ان صفات ستہ کا حامل مانا ہے اسی وجہ سے پوری تفہیم میں قرآن ہی کی طرح بائبل پر اعتماد کیا ہے نعوذ باللہ اس لئے حاشیہ ۸۰ میں ان سوالات کی توضیح اپنے الفاظ میں اس طرح کی ہے تا کہ ان کے طریقۂ کار اور مخصوص ذہنیت کی تائید ہوجائے۔ لکھتے ہیں کہ

''یہ (یعنی آیت پاک لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا) ایک جملہ معترضہ ہے جس سے مقصود ایک سوال کی توضیح کرنا ہے جو اوپر کے سلسلۂ تقریر کو سنتے ہوئے مخاطب کے ذہن میں الجھن پیدا کرسکتا ہے سوال یہ ہے کہ جب تمام انبیاء اور تمام کتابوں کا دین ایک ہے اور یہ سب ایک دوسرے کی تصدیق وتائید کرتے ہوئے آئے ہیں تو شریعت کی تفصیلات میں ان کے درمیان فرق کیوں ہے؟ کیا بات ہے کہ عبادت کی صورتوں میں حرام وحلال کی قیود میں اور قوانین تمدن ومعاشرت کے فروع میں مختلف انبیاء اور کتب آسمانی کی شریعتوں کے درمیان بہت اختلاف پایا جاتا ہے؟''

پھر حاشیہ ۸۱ میں آپ نے اس سوال کا تفصیلی جواب ۴ نمبرات قائم کرکے دیا ہے لکھتے ہیں'' یہ مذکورہ بالا سوال کا پورا جواب ہے اس جواب کی تفصیل یہ ہے

(۱) محض اختلاف شرائع کو اس بات کی دلیل قرار دینا غلط ہے کہ شریعتیں مختلف ماخذ اور مختلف سرچشموں سے نکلی ہوئی ہیں دراصل وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے مختلف قوموں کے لئے مختلف زمانوں اور مختلف حالات میں ضابطے مقرر فرمائے... الخ۔

اب سوال یہ ہے کہ تمام شرائع وادیان سماویہ کا سرچشمہ ایک ہی ذات اللہ تعالیٰ ہے تو اس سے اس طریقہ کار کا جواز نکالنا کہ قرآن کی تفصیلات ان ہی شرائع سابقہ وادیان منسوخہ وکتب محرفہ سے بیان کی جائیں کہاں صحیح ہے؟ شریعت اسلام میں یہ

استدلال اگر درست ہو اور مودودی صاحب کے علاوہ کسی اور نے کیا ہو تو اس کی نشاندہی کی جائے۔

خود مودودی صاحب ہی کی دوسری تحریرات سے بھی آپ کے اس طریقہ کار (یعنی بائبل سے استفادہ کر کے ان سے قرآن کی تشریحات وتفصیلات بیان کرنا) کی غلطی واضح ہو جاتی ہے کیونکہ بائبل وغیرہ اپنی اصلی حالت اور قابل اعتماد صورت میں موجود نہیں ہے۔

ملاحظہ کیجئے تفہیم ج ۴ ص ۴۹۴ حاشیہ ۲۵ میں تحریر کرتے ہیں کہ

"ان دونوں کتابوں کو اگلی نسلوں نے ان کی اصلی حالت پر ان کی اصل عبارت اور زبان میں محفوظ رکھ کر پچھلی نسلوں تک نہیں پہنچایا ان میں خدا کے کلام کے ساتھ تفسیر وتاریخ اور سماعی روایات اور فقہاء کے نکالے ہوئے جزئیات کی صورت میں انسانی کلام گڈ مڈ کر دیا ان کے ترجموں کو اتنا رواج دیا کہ اصل غائب ہو گئی اور صرف ترجمے باقی رہ گئے ان کی تاریخی سند بھی اسی طرح ضائع کر دی کہ اب کوئی شخص بھی پورے یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ جو کتاب اس کے ہاتھ میں ہے وہ وہی ہے جو حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ کے ذریعہ سے دنیا والوں کو ملی تھی پھر ان کے اکابر نے وقتاً فوقتاً مذہب، انسانیت، فلسفہ، قانون، طبیعات، نفسیات اور اجتماعیات کی آپسی بحثیں چھیڑیں اور ایسے نظام فکر بنا ڈالے جن کی بھول بھلیوں میں پھنس کر لوگوں کے لئے یہ طے کرنا محال ہو گیا کہ ان پیچیدہ راستوں کے درمیان حق کی سیدھی شاہراہ کون سی ہے اور چونکہ کتاب اللہ اپنی اصلی حالت اور قابل اعتماد صورت میں موجود نہ تھی اس لئے لوگ کسی ایسی سند کی طرف رجوع بھی نہ کر سکتے تھے جو حق کو باطل سے ممیز کرنے میں ان کی مدد کرتی"۔

قارئین کرام! ان تمام ناقابل انکار حقائق کے اعتراف واقرار کے باوجود پھر کس طرح سے بائبل پر اعتماد کرتے ہوئے آپ نے تفہیم قرآن کی ہے؟ یہ سوال بہر حال اٹل ہے کہ اتنی بڑی بھاری غلطی آپ نے کیوں کی؟ ایک جگہ آپ لکھتے ہیں

"ذیل میں ہم ان کتابوں کی متعلقہ عبارتیں نقل کرتے ہیں تاکہ قرآن کے اس بیان کی پوری تصدیق ہو جائے" (تفہیم ج ۲ ص ۵۸۶)

"واللہ اعلم کہ جناب مودودی صاحب نے قرآن کی اصلیت سے اعراض کرتے ہوئے بائبل وانجیل وغیرہ کی عبارت سے کیوں تصدیق کی؟ پھر غور فرمائیے کہ اس آیت پاک میں اللہ نے تعالیٰ نے ان هذه التوراة والانجيل يقص على القرآن نہیں فرمایا کہ جس کی وجہ سے آپ بائبل وغیرہ کو اصل حاکم مان کر اس سے قرآن پاک کی تشریحات کرنے لگ جائیں اور ان کتب محرفہ سے قرآن کے بیان کی پوری تصدیق کرنے لگ جائیں بلکہ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ فرمایا ہے یہاں لفظ علیٰ نے قرآن پاک کی اغلبیت اور بائبل کی مغلوبیت کو اور زیادہ واضح فرما دیا کہ قرآن پاک سب سے اوپر اور جملہ کتب آسمانی اس کے نیچے ماتحت میں ہیں۔ لیکن جناب مودودی صاحب نے ان بنیادی واصولی باتوں سے بالکلیہ شعوری طور پر اعراض کرتے ہوئے معلوم نہیں کس پس منظر میں ان کتب محرفہ کو قرآن کے مساوی قرار دے کر ان کے مطالعہ وملاحظہ کی ترغیب عوام الناس کو دی ہے؟ اور کس طرح ان کتابوں پر اعتماد کر کے ان سے استدلال کیا ہے؟ اور کیوں ان کتب محرفہ کی غیر معمولی تعریف بیان کی ہے؟ (ملاحظہ کیجئے آئندہ صفحات میں)

چھٹا باب

تفہیم القرآن میں اعتراف تحریف بائبل

ایک فیصلہ کن انتہائی

اہم سوال

کہ تفہیم میں اجتماعِ ضدین کیوں؟

یعنی

بائبل کو محرف ومبدل تسلیم کرنے کے باوجود

اسی سے قرآن پاک کی

۱۔ تشریح ۲۔ وتفسیر ۳۔ وتفصیل ۴۔ وتائید

کیوں؟

ایک فیصلہ کن انتہائی اہم سوال

قارئین کرام کو ہم نے آئندہ کے صفحات میں جناب مولانا سید مودودی کی وہ تحریرات وعبارات دکھلائی ہیں جن میں آپ نے بائبل کی تمام کتابوں کے محرف ومبدل ہونے کا صاف الفاظ میں اعتراف واقرار کیا ہے اور واضح طور سے تسلیم کیا ہے کہ ان کتابوں میں اتنی اتنی خرابیاں موجود ہیں اور علماء یہود میں کیا کیا عیوب ونقائص ہیں؟ اور انہوں نے بائبل میں کیا کیا گل کھلائے ہیں؟ اس لئے بہرحال آپ کے اعتراف ہی کی بنیاد پر یہ ایک فیصلہ کن اور نہایت ہی اہم سوال ہے کہ قرآن پاک کو سمجھانے کے لئے ان ہی یہودیوں کی تحریف کردہ کتابوں کو حوالے میں پیش کرنا کہاں تک اور کس طرح درست ہوسکتا ہے؟ یہ تضاد اور تعارض نہیں تو اور کیا ہے؟

آنجناب کے اس طریقہ تفسیر اصول تفہیم سے آپ کے متعلق کیا سمجھا جائے؟ کیونکہ یہ کوشش جہاں ایک طرف مضحکہ خیز ہے وہیں دوسری جانب انتہائی افسوس ناک بھی ہے کہ بجائے اس کے قرآن مجید جیسی محکم اور محفوظ کتاب ومستند دستاویز کو بائبل کی کتب محرفہ پر آنجناب پیش کرکے ان کی اختلافی اصلیت کو جانتے جیسا کہ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَقُصُّ عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَكْثَرَ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ

(پ ۲۰ النمل آیت ۷۶)

ترجمہ: بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر ان باتوں کو ظاہر کرتا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں (بیان القرآن)

لیکن جناب سید مودودی صاحب نے الٹے بائبل کی کتابوں جیسی مشتبہ غیر محفوظ بے سند تحریرات کی روشنی میں قرآن مجید کے اصلی بیانات کو جانچنا اور پرکھنا چاہا ہے جو اس آیت مذکورہ کے خلاف ہے۔ پھر کیا یہودی مترجمین ومفسرین بائبل نے بھی بائبل کو سمجھانے کے لئے قرآن پاک سے تفہیم بائبل کی کوشش کی ہے؟ نہیں اور یقیناً نہیں تو آنجناب نے قرآن پاک کی تفہیم بائبل سے کیوں کی؟ حدیث میں ہے کہ جیسا کہ ماقبل

میں گزر چکا ہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے کتاب الاعتصام اور کتاب الرد علی الجھمیہ میں مستقل الگ الگ سندوں سے روایت کی ہے "لا واللہ مارأینا منھم رجلا یسالکم عن الذی انزل علیکم فانتم بالطریق الاولی ان لاتسئلوھم"

(اظہار الحق ج اول)

نہیں خدا کی قسم ہم نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ تم پر نازل ہونے والے کلام کے بارے میں سوال کرتا ہو پھر تمہیں تو بطریق اولیٰ ان سے سوال نہ کرنا چاہئے۔ اس لئے ہم نے تفہیم القرآن سے بڑی محنت کر کے صفحہ، سورہ، جلد اور حواشی کے مضبوط حوالوں کے ساتھ آپ کے "اعتراف تحریف بائبل" کو بھی آئندہ صفحات میں نقل کیا ہے تاکہ قارئین کرام انہیں دیکھ کر جناب سید مودودی صاحب کی امانت و دیانت، اصول وضابطہ، تقویٰ وطہارت اور دعویٰ اسلام کی تضاد بیانی کے بارے میں خود فیصلہ کریں کہ ان کے دعویٰ اور دلیل میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اور کلام اللہ قرآن پاک کے متعلق انہوں نے بائبل سے کیوں استدلال کیا جس کی ممانعت حدیث شریف میں موجود ہے۔

جناب کا دعویٰ ہے قرآن پاک کی تفہیم کا اور دلیل میں اپنے اعتراف تحریف بائبل کے باوجود اسی محرف بائبل ہی سے تفسیر کر رہے ہیں فیا عجباہ ویا حسرتاہ یعنی اوپر سے نام قرآن کی تفہیم کا اور اندر میں بائبل کی تفہیم؟ سبحان اللہ اس لئے یہ ایک بنیادی سوال ہے کہ ایک طرف آنجناب تحریف بائبل کا مختلف مقامات پر علیحدہ علیحدہ اعتراف بھی کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ دوسری جانب عام متوسط درجہ کے لوگوں کو بالکل ہی اس کے خلاف ترغیب بھی دیتے ہیں کیوں؟

"بائبل کے مختلف اجزاء کو مرتب کر سکتے ہیں، پھر ان کا مقابلہ بھی کر سکتے ہیں، پھر غیر متعصبانہ غور و تامل کے بعد حل بھی کر سکتے ہیں،"

کیونکہ آپ کے نزدیک بائبل اور قرآن میں بہت معمولی فرق ہے۔ اسی لئے آنجناب نے تحریر کیا ہے کہ

"ایک حد تک صحت کے ساتھ معلوم کر سکتے ہیں کہ ان اجزاء میں کہاں کہاں تفسیری وتشریحی اضافے کئے گئے ہیں"۔

(تفہیم ج اول ص ۲۳۲ آل عمران)

قرآن پاک کی صفت "مھیمن" کے ۶ معانی بیان کرتے ہوئے آخر میں تحریر کرتے ہیں

"وہ ان پر گواہ ہے اس معنی میں کہ ان کتابوں کے اندر خدا کے کلام کی جو آمیزش ہوگئی ہے قرآن کی شہادت سے اس کو پھر چھانٹا جا سکتا ہے جو کچھ ان میں قرآن کے مطابق ہے وہ خدا کا کلام ہے اور جو قرآن کے خلاف ہے وہ لوگوں کا کلام" (تفہیم ا۔ص ۴۷۸ حاشیہ ۷۹)

سوال یہ ہے کہ مودودی صاحب تو چھانٹ سکتے تھے مگر کیا اوسط درجہ کے لوگ بھی کتب سماویہ کی آمیزش کو چھانٹ لیں گے؟ یا چھانٹ سکتے ہیں؟

قارئین کرام! جناب کا یہ طریقہ استدلال وطریقہ تفسیر جمہور مسلمین کے خلاف ہے۔

نمبر شمار	اعتراف تحریف بائبل	صفحات	سورہ	جلد	حاشیہ
۱	قوم یہود پر خدا کی لعنت و پھٹکار	۸۲	بقرہ	۱	۷۹
۲	حیرت ہے کہ بائبل میں حضرت یعقوب کی وصیت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔	۱۱۴	بقرہ	۱	۱۳۳
۳	قرآن مجید میں ایک مقام پر سرداران بنی اسرائیل کی مذمت نہ کرنے کی وجہ اور بنی اسرائیل کی بزدلی نفسانیت اخلاقی انضباط کی کمی۔	۱۸۷	بقرہ	۱	۲۶۸
۴	بنی اسرائیل کی بے دینی و بداخلاقی	۴۵۱	المائدہ	۱	۳۱
۵	یہودی خدائی سزا کو نافذ کرنا نہیں چاہتے تھے۔	۴۷۳	المائدہ	۱	۷۰
۶	بائبل کے مجموعہ کتب مقدسہ کی عبارات یہودی اور عیسائی مصنفین نے بطور خود لکھی ہیں	۴۸۸	المائدہ	۱	۹۷
۸	بائبل میں مترجموں اور ناسخوں اور شارحوں کی دراندازی اور زبانی راویوں کی غلطی	۴۸۹	المائدہ	۱	۹۷
۹	کیا چیز بنی اسرائیل کی بگاڑ کی موجب ہوئی۔	۴۹۷	المائدہ	۱	۱۰۲
۱۰	توراۃ میں احکام کا اضافہ زبور میں کیا گیا۔	۵۹۴	الانعام	۱	۱۲۲
۱۱	منجانب اللہ باغی یہودیوں پر بناوٹی شارعوں اور جعلی قانون سازوں کو مسلط کیا گیا۔	۵۹۵	الانعام	۱	۱۲۲
۱۲	مصر میں داخلہ کے وقت بنی اسرائیل کی تعداد کتنی تھی؟	۳۳۰	یوسف	۲	۶۸
۱۳	اسرائیلی روایات کی بناء پر عام خیال	۳۳۱	ھود	۲	۳۶

نمبر شمار	اعتراف تحریف بائبل	صفحات	سورہ	جلد	حاشیہ
۱۴	مخالفین کا اعتراض کہ خدا کی کتاب میں تحریف کیسے ہو سکتی ہے؟	۴۶۵	الرعد	۲	۵۸
۱۵	اسرائیلی روایات نقل در نقل ہوتی ہوئی مفسرین سے تفہیم القرآن تک	۴۴۴	یوسف	۲	۶۲
۱۶	تلمود کا بیان زندگی روح فطرت اخلاقیات سے بالکل خالی ہے۔	۳۹۷	یوسف	۲	۲۶
۱۷	تلمود اور بائبل کا بیان حضرت یعقوبؑ کی پیغمبرانہ سیرت سے مناسبت نہیں رکھتا ہے۔	۳۸۵	یوسف	۲	۷
۱۸	اسرائیلی روایات نے غلط فہمی پھیلا دی ہے	۳۴۰	ھود	۲	۴۴
۱۹	حضرت سلیمانؑ کے بعد توراۃ دنیا سے گم ہو گئی تھی۔	۱۸۹	التوبۃ	۲	۲۹
۲۰	اللہ تعالیٰ کے احسانات کا جواب بنی اسرائیل کیسی کیسی مجرمانہ بے باکیوں کے ساتھ دیتے رہے۔	۸۹	الاعراف	۲	۱۲۰
۲۱	قرآن کے واقعہ کا اشارہ یہودیوں کی کتب مقدسہ میں مذکور نہیں	۸۹	الاعراف	۲	۱۳۲
۲۲	بنی اسرائیل کی حرکتیں اور بعض انبیاء کرام کی تشبیہ	۸۰	الاعراف	۲	۱۰۷
۲۳	یہودیوں کا حضرت ہارون پر ایک بڑا الزام	۸۱	الاعراف	۲	۱۰۸
۲۴	بنی اسرائیل کی اخلاقی تاریخ پر غور	۸۰	الاعراف	۲	۱۰۸
۲۵	بائبل یہودیوں کی تحریف کردہ ہے	۵۱	الاعراف	۲	۶۳
۲۶	بنی اسرائیل کی روایات قرآن کے خلاف	۵۶۴	النحل	۳	۲۴
۲۷	اسرائیلی روایات مفسرین سے منتقل ہو کر تفہیم القرآن میں	۹۲	طٰہٰ	۳	۱۵

نمبر شمار	اعتراف تحریف بائبل	صفحات	سورہ	جلد	حاشیہ
۲۸	تلمود کی ہر روایت لازماً صحیح قرار نہیں دی جاسکتی ہے۔	۳۵	الکہف	۳	۵۷
۲۹	تلمود کے قصے بے سروپا ہیں	۶۲۵	القصص	۳	۳۱
۳۰	اصلی زبور کا وہ نسخہ کہیں موجود نہیں ہے	۱۹۱	الانبیاء	۳	۹۹
۳۱	سفر ایوب کے مضامین میں تضاد ہے	۱۷۸	الانبیاء	۳	۷۶
۳۲	تلمود کا بیان بکثرت بے جوڑ اور خلاف قیاس باتوں بھرا ہوا ہے	۱۷۱	الانبیاء	۳	۶۶
۳۳	بائبل کی روایت صریح لغو اور مہمل ہے	۱۶۸	الانبیاء	۳	۶۰
۳۴	بائبل کی اندرونی شہادت خود اس کے سابق بیان کی تردید کرتی ہے۔	۱۱۸	طٰہٰ	۳	۶۹
۳۵	بنی اسرائیل کی روایت مفسرین سے تفہیم القرآن میں	۱۱۶	طٰہٰ	۳	۹۷
۳۶	بائبل اپنی غلط بیانی کا راز کس طرح فاش کر رہی ہے۔				
۳۷	بنی اسرائیل نے اپنا ہی ایک تاریخی واقعہ فراموش کر دیا۔	۳۰۴	المومن	۴	۴۱
۳۸	بائبل کی کتاب گپ اور حقیقت کا مجموعہ ہے۔	۵۳۲	الزخرف	۴	۴۳
۳۹	بائبل خالص کلام الٰہی پر مشتمل نہیں ہے	۵۳۲	الزخرف	۴	۴۳
۴۰	یہودیت اور عیسائیت دونوں بعد کی پیداوار ہیں اور راہ راست سے منحرف ہیں	۱۱۵	البقرہ	۱	۱۳۵
۴۱	یہودیوں کا سازشوں وسوسہ اندازیوں کج بحثیوں اور مکاریوں سے کام لینا	۷۱	البقرہ	۱	۵۶
۴۲	یہودی ظالموں کے فساد عقیدہ کا حال	۸۸	البقرہ	۱	۸۸

نمبر شمار	اعتراف تحریف بائبل	صفحات	سورہ	جلد	حاشیہ
۴۳	یہودیوں کی طرف سے شرارتیں اسلام کے خلاف	۱۰۰	البقرہ	۱	۱۰۷
۴۴	یہودی اور عیسائی تعلیم کے ایک حصے کو بھول گئے جو نہیں دی گئی تھی	۱۰۱	البقرہ	۱	۱۰۹
۴۵	یہودیوں کا اصل مذہب نسل پرستی کا تعصب اور آباؤ و اجداد کی اندھی تقلید ہے	۱۱۶	البقرہ	۱	۱۳۶
۴۶	علماء یہود کا سب سے بڑا قصور	۱۲۸	البقرہ	۱	۱۶۰
۴۷	قوم بنی اسرائیل دنیا پرستی نفاق اور علم وعمل کی ضلالتوں میں مبتلا۔	۱۶۱	البقرہ	۱	۲۲۹
۴۸	تعصب ضد اور دشمنی حق یہودیوں کی پرانی عادت تھی۔	۲۷۱	آل عمران	۱	۷۳
۴۹	علماء یہود کی قانونی موشگافیاں	۲۷۲	آل عمران	۱	۷۵
۵۰	علماء یہود کے فقہی اعتراضات	۲۷۳	آل عمران	۱	۷۶
۵۱	جو حکم بائبل میں لکھا ہے وہ اصل توراۃ کا علم نہیں بلکہ یہودی علماء نے بعد میں اسے داخل کتاب کر دیا ہے۔	۲۷۳	آل عمران	۱	۷۷
۵۲	یہودیوں نے صدیوں کی موشگافیوں سے خدائی شریعت پر ایک بھاری خول چڑھا رکھا تھا	۳۳۳	النساء	۱	۴۹
۵۳	یہودیوں کا دستور	۳۳۵	النساء	۱	۴۹
۵۴	علماء اہل کتاب کی تمام دلچسپیاں	۳۵۶	النساء	۱	۷۱
۵۵	علماء یہود کی ہٹ دھرمی	۳۶۰	النساء	۱	۸۳
۵۶	بنی اسرائیل کی حاسدانہ باتوں کا جواب	۳۶۱	النساء	۱	۸۷
۵۷	یہودیوں کی اخلاقی و دینی حالت پر تبصرہ	۳۶۶	النساء	۱	۹۰
۵۸	اہل کتاب شرک میں مبتلا ہو گئے تھے	۳۵۸	النساء	۱	۷۹
۵۹	علماء یہود کا سارا وقت کہاں گزرتا تھا	۳۵۹	النساء	۱	۸۰

نمبر شمار	اعتراف تحریف بائبل	صفحات	سورہ	جلد	حاشیہ
٦٠	یہودیوں کے اشارہ پر کفار مکہ کا سوال	٣٨٣	النساء	١	٣
٦١	موجودہ توراۃ اول تو پوری نہیں ہے اور جو کچھ ہے وہ خالص کلام الٰہی پر بھی مشتمل نہیں ہے	٢٣٩	التوبہ	٢	١٠٧
٦٢	یہود کے علماء و مشائخ مدینہ کے ساتھ سازباز	١٥٢	الانفال	٢	٤١
٦٣	بنی اسرائیل کی علانیہ خلاف ورزی	٩٠	الاعراف	٢	١٢٣
٦٤	موجودہ توراۃ قرآنی تصور ہی سے خالی ہے	٢٢٨	التوبہ	٢	١٠٧
٦٥	بائبل کی موافقت کرنے والے غلطی پر ہیں	٦٣	مریم	٣	١٤
٦٦	توراۃ و انجیل دونوں کتابوں کی اصلی عبارات اور زباں محفوظ نہیں	٤٩٤	شوریٰ	٤	٢٥
٦٧	بائبل کی تضاد بیانی صاف کھل گئی	٢٩٨	الصٰفٰت	٤	٦٧
٦٨	انجیل میں کوئی مکمل ہدایت نامہ نہیں یعنی مسیحی علماء کی بدعتیں طرح طرح سے	٣٢٦	الحدید	٥	٥٤
٦٩	موجودہ توراۃ محرف ہے	٦٤	الفتح	٥	٥٥
٧٠	یہودیوں پر خدا کی لعنت	٤٨٥	المائدہ	١	٩١
٧١	یہودیوں کے جرائم کی ایک مختصر فہرست	٤١٥	النساء	١	١٨٢
٧٢	یہودیوں کے خیالات و تعصبات	٤١٦	النساء	١	١٨٧
٧٣	یہودیوں کی بداعمالیوں پر ملامت	٤١٧	النساء	١	١٩٠
٧٤	یہودیوں کا تازہ ترین جرم	١٩٩	النساء	١	١٩٩
٧٥	یہودی انحراف و بغاوت کی روش پر قائم	٤٢٣	النساء	١	٢٠٢
٧٦	یہودیوں کا جرم	٤٢٧	النساء	١	٢١١
٧٧	یہودیوں نے خفیہ طور پر سازش کی تھی	٤٥٠	المائدہ	١	٣٠
٧٨	یہودیوں کی سازش پر لطیف طریقہ سے ملامت	٥٢	المائدہ	١	٥٢
٧٩	مفتیان و قاضیان یہود	٤٧٣	المائدہ	١	٦٩

نمبر شمار	اعتراف تحریف بائبل	صفحات	سورہ	جلد	حاشیہ
٨٠	مسیحیوں کی گمراہی	٤٩٦	المائدہ	١	١٠١
٨١	بائبل وغیرہ (کتب مقدسہ کے مجموعہ میں) ظلم و جہالت خودغرضی تنگ نظری تعصّب اور برائیوں کا انبار بھرا ہے	٥٦٣	الانعام	١	٦١
٨٢	علماء یہود کے اشارے پر کفار مکہ کے سوالات	٥٧٧	الانعام	١	٨٦
٨٣	یہودی قوم کے نفسیات و صد ہا برس کی روایات	٢٨٣	الحشر	٥	٤
٨٤	یہودیوں نے توراۃ کو انسانی کلام کے اندر خلط ملط کر دیا تھا	٤٧	البقرہ	١	
٨٥	بائبل میں یہودیوں کی اپنی تفسیریں اپنی قومی تاریخ اپنے اوہام و قیاسات اپنے خیالی فلسفے اپنے اجتہاد سے وضع کیے ہوئے فقہی قوانین ہیں۔	٨٩	البقرہ	١	٩٠
٨٦	یہودیوں کی عام غلطی کا بیان	٨٩	البقرہ	١	٩١
٨٧	آج کی بائبل میں قرآن خداوندی کے قیمتی الفاظ سے خالی ہے۔	٤٦٥	المائدہ	١	٥٣
٨٨	بائبل میں مبالغہ آمیز داستان رنگ آمیزی کے ساتھ ہے	٤١٧	یوسف	٢	٥٢
٨٩	بائبل و تلمود وغیرہ قصوں کی غیر ضروری تفصیلات سے بھری پڑی ہیں	٤٣٣	یوسف	٢	٧١
٩٠	بائبل کی یوناہ نامی صحیفہ چنداں اعتماد کے قابل نہیں	٣١٢	یونس	٢	٩٩

ساتواں باب

تفہیم القرآن میں بائبل کے حوالے کن کن آیات میں ہیں؟

نوٹ: تفہیم القرآن میں بائبل کے حوالوں کی یہ فہرست آیات میری تحقیق کے مطابق ہیں اس سے زائد کا انکار نہیں۔

۱۔ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (پ۱سورہ بقرہ آیت ۵۶)

۲۔ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى (پ۱سورہ بقرہ آیت ۵۷)

۳۔ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ (پ۱سورہ بقرہ آیت ۵۸)

۴۔ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (پ۱سورہ بقرہ آیت ۵۲)

۵۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ (پ۱سورہ بقرہ آیت [illegible])

۶۔ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ (پ۱سورہ بقرہ آیت ۶۱)

۷۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ (پ۱سورہ بقرہ آیت ۶۱)

اس آیت پاک کی تفسیر میں بائبل سے چند واقعات نقل کئے ہیں

۸۔ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ (پ۱سورہ بقرہ آیت ۶۵)

۹۔ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (پ۱سورہ بقرہ آیت ۱۳۳)

۱۰۔ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا (پ۲سورہ بقرہ آیت ۲۴۶)

۱۱۔ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا (پ۲سورہ بقرہ آیت ۲۴۷)

۱۲۔ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ (پ۲سورہ بقرہ آیت ۲۴۸)

۱۳۔ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ (پ۲سورہ بقرہ آیت ۲۵۱)

۱۴۔ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ (پ۳سورہ بقرہ آیت ۲۵۸)

۱۵۔ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ (پ۳سورہ آل عمران آیت ۳)

۱۶۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (پ۳سورہ آل عمران آیت ۳۳)

۱۷۔ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ

مِنِّیْ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (پ۳ سورہ آل عمران آیت ۳۵)

۱۸۔ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکَ بِیَحْیٰی (پ۳ سورہ آل عمران آیت ۳۹)

۱۹۔ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰاۃِ وَلِاُحِلَّ لَکُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْکُمْ وَجِئْتُکُمْ بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ

(پ۳ سورہ آل عمران آیت ۵۰)

۲۰ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ

(پ۳ سورہ آل عمران آیت ۷۵)

۲۱۔ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْھُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (پ۴ سورہ آل عمران آیت ۱۸۳)

۲۲۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَہٗ

(پ۴ سورہ آل عمران آیت ۱۸۷)

۲۳۔ وَقَوْلِھِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ رَسُوْلَ اللّٰہِ

(پ۶ سورہ نساء آیت ۱۵۷)

۲۴ وَاَخْذِھِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُھُوْا عَنْہُ (پ۶ سورہ نساء آیت ۱۶۱)

۲۵۔ وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا (پ۶ سورہ نساء آیت ۱۶۳)

۲۶۔ وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا (پ۶ سورہ نساء آیت ۱۶۴)

۲۷۔ اَلْقٰھَآ اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْہُ (پ۶ سورہ نساء آیت ۱۷۱)

۲۸۔ سُبْحٰنَہٗ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ وَلَدٌ (پ۶ سورہ نساء آیت ۱۷۱)

۲۹۔ وَبَعَثْنَا مِنْھُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا (پ۶ سورہ مائدہ آیت ۱۲)

۳۰۔ وَمِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْا اِنَّا نَصٰرٰی (پ۶ سورہ مائدہ آیت ۱۴)

۳۱۔ قَالَ فَاِنَّھَا مُحَرَّمَۃٌ عَلَیْھِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً یَتِیْھُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ (پ۶ سورہ مائدہ آیت ۲۶)

۳۲۔ مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اَنَّہٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ

(پ۶ سورہ مائدہ آیت ۳۲)

۳۳۔ فَاِنْ جَآءُوْکَ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْھُمْ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْھُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْکَ شَیْئًا (پ۶ سورہ مائدہ آیت ۴۲)

۳۴۔ وَکَتَبْنَا عَلَیْھِمْ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ (پ۶ سورہ مائدہ آیت ۴۵)

۳۵۔ وَاٰتَیْنٰہُ الْاِنْجِیْلَ فِیْہِ ھُدًی وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ

التَّوْرٰاۃِ وَھُدًی وَّمَوْعِظَۃً لِّلْمُتَّقِیْنَ (پ۶ سورہ مائدہ آیت ۴۶)

۳۶۔ وَلَوْ اَنَّھُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰاۃَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْھِمْ

(پ۶ سورہ مائدہ آیت ۶۶)

۳۷۔ قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰاۃَ وَالْاِنْجِیْلَ

(پ۶ سورہ مائدہ آیت ۶۸)

۳۸۔ قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَھْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا کَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ

(پ۶ سورہ مائدہ آیت ۷۷)

۳۹۔ کَانُوْا لَا یَتَنَاھَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ (پ۶ سورہ مائدہ آیت ۷۹)

۴۰۔ وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ

(پ۶ سورہ مائدہ آیت ۱۱۶)

۴۱۔ وَکَذٰلِکَ نُرِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَکُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ (پ۷ سورہ انعام آیت ۷۵)

۴۲۔ ذٰلِکَ جَزَیْنٰھُمْ بِبَغْیِھِمْ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ (پ۷ سورہ انعام آیت ۱۴۶)

۴۳۔ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّکُمْ عَلَیْکُمْ اَلَّا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا

(پ۷ سورہ مائدہ آیت ۱۵۱)

۴۴۔ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ (پ۸ سورہ اعراف آیت ۵۹)

۴۵۔ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِہٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَۃَ (پ۸ سورہ اعراف آیت ۸۰)

۴۶۔ اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا شُعَیْبًا کَانُوْا ھُمُ الْخٰسِرِیْنَ (پ۹ سورہ اعراف آیت ۹۲)

۴۷۔ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ

(پ۹ سورہ اعراف آیت ۱۳۳)

۴۸۔ وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ

(پ۹ سورہ اعراف آیت ۱۳۸)

۴۹۔ وَکَتَبْنَا لَہٗ فِی الْاَلْوَاحِ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَۃً وَّتَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ

(پ۹ سورہ اعراف آیت ۱۴۵)

۵۰۔ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ

(پ۹ سورہ اعراف آیت ۱۵۰)

۵۱۔ وَاخْتَارَ مُوسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا
(پ۹ سورہ اعراف آیت ۱۵۵)

۵۲۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ (پ۹ سورہ اعراف آیت ۱۵۷)

۵۳۔ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا (پ۹ سورہ اعراف آیت ۱۶۰)

۵۴۔ وَاسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ
(پ۹ سورہ اعراف آیت ۱۶۳)

۵۵۔ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا (پ۹ سورہ اعراف آیت ۱۶۸)

۵۶۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ (پ۹ سورہ اعراف آیت ۱۷۲)

۵۷۔ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ
(پ۱۱ سورہ توبہ آیت ۱۱۱)

۵۸۔ فَمَا اٰمَنَ لِمُوْسٰى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ (پ۱۱ سورہ یونس آیت ۸۳)

۵۹۔ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا (پ۱۱ سورہ یونس آیت ۹۰)

۶۰۔ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ (پ۱۲ سورہ ھود آیت ۴۰)

۶۱۔ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ
(پ۱۲ سورہ ھود آیت ۴۴)

۶۲۔ وَهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا (پ۱۲ سورہ ھود آیت ۷۲)

۶۳۔ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ
(پ۱۲ سورہ ھود آیت ۷۴)

۶۴۔ تاریخی وجغرافیائی حالات (تفہیم القرآن ج۲ ص ۳۸۱۔۳۸۲)

۶۵۔ تفہیم ج ۲ میں نقشہ قصہ یوسف (ص ۳۸۲ کے بعد)

۶۶۔ تفہیم القرآن (ج ۲ ص ۳۸۳)

۶۷۔ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (پ۱۲ سورہ یوسف آیت ۶)

۶۸۔ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ
(پ۱۲ سورہ یوسف آیت ۱۱)

۶۹۔ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (پ۱۲ سورہ یوسف آیت ۱۵)

۷۰۔ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ
(پ۱۲ سورہ یوسف آیت ۲۱)

۷۱۔ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا (پ۱۲ سورہ یوسف آیت ۲۱ حاشیہ ۱۸)

۷۲۔ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ
(پ۱۲ سورہ یوسف آیت ۲۸)

۷۳۔ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا
(پ۱۲ سورہ یوسف آیت ۳۱)

۷۴۔ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ (پ۱۲ سورہ یوسف آیت ۳۶)

۷۵۔ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ (پ۱۲ سورہ یوسف آیت ۴۱)

۷۶۔ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ
(پ۱۲ سورہ یوسف آیت ۴۳)

۷۷۔ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ (پ۱۲ سورہ یوسف آیت ۴۵)

۷۸۔ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ
(پ۱۲ سورہ یوسف آیت ۵۰)

۷۹۔ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ
(پ۱۲ سورہ یوسف آیت ۵۱)

۸۰۔ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ
(پ۱۳ سورہ یوسف آیت ۵۵)

۸۱۔ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ (پ۱۳ سورہ یوسف آیت ۷۸)

۸۲۔ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ (پ۱۳ سورہ یوسف آیت ۹۴)

۸۳۔ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ (پ۱۳ سورہ یوسف آیت ۹۹)

۸۴۔ بائیبل کے عربی اردو انگریزی تینوں اڈیشنوں کو سامنے رکھ کر مودودی صاحب نے تفہیم القرآن لکھا ہے ملاحظہ کیجئے۔ (تفہیم ج ۲ ص ۴۳۱۔۴۳۲۔ ص ۴۳۴)

۸۵۔ وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا
(پ۱۳ سورہ یوسف آیت ۱۰۰)

۸۶۔ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ
(پ۱۳ سورہ ابراہیم آیت ۷)

۸۷۔ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَیْثُ تُؤْمَرُوْنَ
(پ۱۴ سورہ حجر آیت ۶۵)

۸۸۔ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِیْنَةِ یَسْتَبْشِرُوْنَ (پ۱۴ سورہ حجر آیت ۶۷)

۸۹۔ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَی الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ
(پ۱۴ سورہ نحل آیت ۱۲۴)

۹۰۔ وَقَضَیْنَآ اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ فِی الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِیْرًا (پ۱۵ سورہ بنی اسرائیل آیت ۴)

۹۱۔ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا (پ۱۵ سورہ بنی اسرائیل آیت ۵)

۹۲۔ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِیَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ
(پ۱۵ سورہ بنی اسرائیل آیت ۷)

۹۳۔ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ اِنَّهُمْ فِتْیَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًی (پ۱۵ سورہ کہف آیت ۱۳)

۹۴۔ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِیْمِ كَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا
(پ۱۵ سورہ کہف آیت ۹)

۹۵۔ وَاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَیْبَ فِیْهَا (پ۱۵ سورہ کہف آیت ۲۱)

۹۶۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓی اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا (پ۱۵ سورہ کہف آیت ۶۰)

۹۷۔ وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ (پ۱۶ سورہ کہف آیت ۸۳)

۹۸۔ قَالُوْا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ
(پ۱۶ سورہ کہف آیت ۹۴)

۹۹۔ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِیَّا (پ۱۶ سورہ مریم آیت ۲)

۱۰۰۔ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ نِ اسْمُهٗ یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا
(پ۱۶ سورہ مریم آیت ۷)

۱۰۱۔ فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ (پ۱۶ سورہ مریم آیت ۱۱)

۱۰۲۔ وَسَلٰمٌ عَلَیْهِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا
(پ۱۶ سورہ مریم آیت ۱۵)

۱۰۳۔ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا (پ۱۶ سورہ مریم آیت ۱۷)

۱۰۴۔ اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ (پ۱۶ سورہ مریم آیت ۳۵)

۱۰۵۔ وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِدْرِیْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا
(پ۱۶ سورہ مریم آیت ۵۶)

۱۰۶۔ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِیًّا (پ۱۶ سورہ مریم آیت ۵۷)

۱۰۷۔ وَاضْمُمْ یَدَكَ اِلٰی جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ اٰیَةً اُخْرٰی
(پ۱۶ سورہ طٰہٰ آیت ۲۲)

۱۰۸۔ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ (پ۱۶ سورہ طٰہٰ آیت ۲۷)

۱۰۹۔ هٰرُوْنَ اَخِی (پ۱۶ سورہ طٰہٰ آیت ۳۰)

۱۱۰۔ اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی
(پ۱۶ سورہ طٰہٰ آیت ۴۸)

۱۱۱۔ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰی (پ۱۶ سورہ طٰہٰ آیت ۷۹)

۱۱۲۔ وَنَزَّلْنَا عَلَیْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی (پ۱۶ سورہ طٰہٰ آیت ۸۰)

۱۱۳۔ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ (پ۱۶ سورہ طٰہٰ آیت ۸۵)

۱۱۴۔ وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِیْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا
(پ۱۶ سورہ طٰہٰ آیت ۸۷)

۱۱۵۔ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْهِ عٰكِفِیْنَ حَتّٰی یَرْجِعَ اِلَیْنَا مُوْسٰی
(پ۱۶ سورہ طٰہٰ آیت ۹۱)

۱۱۶۔ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِی الْحَیٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ
(پ۱۶ سورہ طٰہٰ آیت ۹۷)

۱۱۷۔ فَوَسْوَسَ اِلَیْهِ الشَّیْطٰنُ (پ۱۶ سورہ طٰہٰ آیت ۱۲۰)

۱۱۸۔ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ

الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى (پ۱۶ سورہ طٰہٰ آیت ۱۲۴)

۱۱۹۔ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ (پ۱۷ سورہ انبیاء آیت ۶۳)

۱۲۰۔ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ (پ۱۷ سورہ انبیاء آیت ۷۱)

۱۲۱۔ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ (پ۱۷ سورہ انبیاء آیت ۷۳)

۱۲۲۔ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا (پ۱۷ سورہ انبیاء آیت ۷۹)

۱۲۳۔ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ (پ۱۷ سورہ انبیاء آیت ۸۰)

۱۲۴۔ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (پ۱۷ سورہ انبیاء آیت ۸۳)

۱۲۵۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ (پ۱۷ سورہ انبیاء آیت ۸۴)

۱۲۶۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (پ۱۷ سورہ انبیاء آیت ۱۰۵)

۱۲۷۔ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (پ۱۸ سورہ نور آیت ۲)

۱۲۸۔ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ (پ۱۹ سورہ شعراء آیت ۱۷۳)

۱۲۹۔ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ (پ۱۹ سورہ شعراء آیت ۱۷۶)

۱۳۰۔ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (پ۱۹ سورہ نمل آیت ۱۱)

۱۳۱۔ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ (پ۱۹ سورہ نمل آیت ۱۴)

۱۳۲۔ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ (پ۱۹ سورہ نمل آیت ۱۶)

۱۳۳۔ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ (پ۱۹ سورہ نمل آیت ۲۲)

۱۳۴۔ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (پ۱۹ سورہ نمل آیت ۴۴)

۱۳۵۔ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ (پ۲۰ سورہ قصص آیت ۴)

۱۳۶۔ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ (پ۲۰ سورہ قصص آیت ۷)

۱۳۷۔ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (پ۲۰ سورہ قصص آیت ۹)

۱۳۸۔ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا (پ۲۰ سورہ قصص آیت ۱۳)

۱۳۹۔ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (پ۲۰ سورہ قصص آیت ۱۴)

۱۴۰۔ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ (پ۲۰ سورہ قصص آیت ۱۶)

۱۴۱۔ فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا (پ۲۰ سورہ قصص آیت ۱۹)

۱۴۲۔ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ (پ۲۰ سورہ قصص آیت ۲۲)

۱۴۳۔ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ (پ۲۰ سورہ قصص آیت ۲۳)

۱۴۴۔ قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ (پ۲۰ سورہ قصص آیت ۲۷)

۱۴۵۔ فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا (پ۲۰ سورہ قصص آیت ۲۹)

۱۴۶۔ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ (الآية) (پ۲۰ سورہ قصص آیت ۳۵)

۱۴۷۔ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ (پ۲۰ سورہ قصص آیت ۴۴)

۱۴۸۔ اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ

مَا اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْ ءُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ (پ۲۰ سورہ قصص آیت ۷۶)

١٤٩۔ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظَالِمُوْنَ (پ۲۰ سورہ عنکبوت آیت ۱۴)

١٥٠۔ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا (الآیۃ) (پ۲۱ سورہ العنکبوت آیت ۶۰)

١٥١۔ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا (پ۲۲ سورہ احزاب آیت ۶۹)

١٥٢۔ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ (پ۲۲ سورہ سبا آیت ۱۳)

١٥٣۔ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ (پ۲۲ سورہ سبا آیت ۲۱)

١٥٤۔ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ
(حوالہ دیا گیا انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا) (پ۲۳ سورہ یٰس آیت ۳۹)

١٥٥۔ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ (پ۲۳ سورہ صافات آیت ۱۰۱)

١٥٦۔ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ (پ۲۳ سورہ صافات آیت ۱۰۷)

١٥٧۔ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (پ۲۳ سورہ صافات آیت ۱۱۲)

١٥٨۔ وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ

١٥٩۔ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ
(پ۲۳ سورہ صافات آیت ۱۲۵)

١٦٠۔ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ
(پ۲۳ سورہ صافات آیت ۱۲۸)

١٦١۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ (پ۲۳ سورہ ص آیت ۲۶)

١٦٢۔ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ
(پ۲۳ سورہ ص آیت ۴۸)

١٦٣۔ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ اِنِّيْ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِى الْاَرْضِ الْفَسَادَ
(پ۲۴ سورہ مومن آیت ۲۶)

١٦٤۔ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِى التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِى الْاِنْجِيْلِ (پ۲۶ سورہ فتح آیت ۲۹)

١٦٥۔ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ (پ۲۶ سورہ ق آیت ۳۹)

١٦٦۔ وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ (پ۲۶ سورہ ذٰریٰت آیت ۳۰)

١٦٧۔ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ (پ۲۷ سورہ ذٰریٰت آیت ۳۱)

١٦٨۔ وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ (پ۲۸ سورہ حشر آیت ۲)

١٦٩۔ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (پ۲۸ سورہ صف آیت ۶)

١٧٠۔ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ
(پ۲۸ سورہ صف آیت ۱۴)

١٧١۔ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ (پ۲۸ سورہ تغابن آیت ۲)

١٧٢۔ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ (پ۳ سورہ بقرہ آیت ۲۵۵)

١٧٣۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ
(پ۴ سورہ نساء آیت ۱)

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ

کا

اجمالی متن اور دعویٰ

تفہیم القرآن میں احادیث شریفہ

سے بے اعتمادی اور بائبل پر اعتماد

شرح و تحقیق

مفتی محمد ساجد قریشی قاسمی معتمد حضرت فقیہ الامتؒ

آٹھواں باب

تفہیم القرآن میں بائبل پر اعتماد

متقدمین ومتاخرین کے اقوال پر آپ کو اعتماد نہیں کیونکہ بائبل کا صحیفہ حزقی ایل الہامی کلام ہے

عبارت نمبر۳

تفہیم القرآن ۳ ۔۔۔ ۱۸۲ ۔۔۔ الانبیاء ۲۱

۱۔ ان مختلف اقوال کی موجودگی میں یقین واعتماد کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ فی الواقع یہ کون سے نبی ہیں۔ موجودہ زمانے کے مفسرین نے اپنا میلان حزقی ایل نبی کی طرف ظاہر کیا ہے۔ لیکن ہمیں کوئی معقول دلیل ایسی نہیں ملی جس کی بنا پر یہ رائے قائم کی جاسکے تاہم اگر اس کے لئے کوئی دلیل مل سکے تو یہ رائے قابل ترجیح ہو سکتی ہے کیونکہ بائبل کے صحیفہ حزقی ایل کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الواقع وہ اس تعریف کے مستحق ہیں جو اس آیت میں کی گئی ہے یعنی صابر اور صالح وہ ان لوگوں میں سے تھے جو یروشلم کی آخری تباہی سے پہلے بخت نصر کے ہاتھوں گرفتار ہو چکے تھے بخت نصر نے عراق میں اسرائیلی قیدیوں کی ایک نوآبادی دریائے خابور کے کنارے قائم کردی تھی جس کا نام تل اَبیب تھا۔ اسی مقام پر ۹۳ ۵ق۔ م میں حضرت حزقی ایل نبوت کے منصب پر سرفراز ہوئے جب کہ ان کی عمر ۳۰ سال تھی اور مسلسل ۲۲ سال ایک طرف گرفتار بلا اسرائیلیوں کو اور دوسری طرف یروشلم کے غافل وسرشار باشندوں اور حکمرانوں کو چونکانے کی خدمت انجام دیتے رہے۔ اس کار عظیم میں ان کے انہماک کا جو حال تھا اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ نبوت کے نویں سال ان کی بیوی جنہیں وہ خود "منظور نظر" کہتے ہیں' انتقال کر جاتی ہیں' لوگ ان کی تعزیت کے لئے جمع ہوتے ہیں' اور یہ اپنا دکھڑا چھوڑ کر اپنی ملت کو خدا کے اس عذاب سے ڈرانا شروع کردیتے ہیں جو اس کے سر پر تلا کھڑا تھا (باب ۲۴۔ آیات ۱۵۔ ۲۷) بائبل کا صحیفہ حزقی ایل ان صحیفوں میں سے ہے جنہیں پڑھ کر واقعی یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ الہامی کلام ہے"۔

تنبیہ

۱۔''ان مختلف اقوال کی موجودگی میں یقین واعتماد کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا ....الخ''

کیونکہ متقدمین مفسرین کے اقوال پر اگر جناب مودودی مرحوم کو یقین واعتماد ہوجائے تو پھر آپ کے ۵۵ سالہ مطالعہ وتحقیقات کا کیا فائدہ ہوگا؟ جسکی مدد سے تفہیم لکھی گئی ہے اسی طرح موجودہ زمانے کے متاخرین مفسرین کی رائے پر بھی آپ کو کوئی معقول دلیل نہیں ملی لیکن اگر متاخرین مفسرین کی رائے کی دلیل مل سکتی تو ان متاخرین کی یہ رائے قابل ترجیح ہوسکتی ہے خلاصہ یہ ہوا کہ متقدمین ومتاخرین دونوں کے اقوال پر آپ کو اعتماد نہیں ہے البتہ اگر آپ کو اعتماد ویقین ہے اور کوئی معقول دلیل کہیں سے مل سکتی ہے تو وہ بائبل سے چنانچہ لکھتے ہیں:

۲۔''کیونکہ بائبل کے صحیفہ حزقی ایل کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الواقع وہ اس تعریف کے مستحق ہیں جو اس آیت میں کی گئی ہے...الخ''

آپ کی اس عبارت سے ہی سب کچھ پتہ چل گیا کہ آنجناب کے معلومات کی بنیاد بائبل کا صحیفہ حزقی ایل ہے اسی لئے متقدمین ومتاخرین کے اقوال پر نہ آپ کو کوئی معقول دلیل ملی اور نہ ہی یقین واعتماد حاصل ہوا ہی نہیں بلکہ بائبل کے اس صحیفہ حزقی ایل کو پڑھ کر آپ کو کیا محسوس ہوتا ہے وہ بھی آپ ہی کی عبارت میں ملاحظہ کرلیا جائے فرماتے ہیں کہ:

۳۔''بائبل کا صحیفہ حزقی ایل ان صحیفوں میں سے ہے جنہیں پڑھ کر واقعی یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ الہامی کلام ہے''

قارئین کرام! یہ تو یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ بائبل کی کتابیں الہامی ہیں یہاں آپ نے اپنے اس جملہ سے یہودیوں کے دعویٰ کی بھرپور وکالت کرتے ہوئے تصدیق کی ہے کہ صحیفہ حزقی ایل الہامی ہے حالانکہ یہودیوں کو اور جناب مولانا مودودی صاحب کو قطعاً یہ دعویٰ نہیں کرنا چاہئے ملاحظہ کیجئے ''بائبل سے قرآن تک'' یعنی اظہار الحق ج اول ص ۵۷۳ پر عنوان ہے ''چوتھی فصل۔ بائبل کی کتابیں الہامی نہیں ہیں''

اس فصل میں یہ بتاتا ہے کہ اہل کتاب کو یہ دعویٰ کرنے کا حق کس طرح نہیں پہنچتا کہ عہد عتیق یا عہد جدید کی کتاب کی نسبت یہ کہیں کہ وہ الہامی ہے' اور الہام سے لکھی گئی ہے' اور ان میں درج شدہ تمام واقعات الہامی ہیں کیونکہ یہ دعویٰ قطعی باطل ہے اس کے باطل ہونے پر اگرچہ بہت سے دلائل ہیں مگر ہم اس موقع پر ان میں سے صرف سترہ کے بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں''

(بائبل سے قرآن تک اظہار الحق ج اول ص ۵۷۳)

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اصل کتاب کی طرف رجوع فرما کر تفصیل ملاحظہ کرلیں ہم یہاں طوالت کی وجہ سے ان تفصیلات کو نقل کرنے سے معذور ہیں اور مزہ کی بات تو یہ ہے کہ جناب مولانا سید مودودی صاحب مرحوم تو صوفیاء کرام کے کشف والہامات کے قائل نہیں تھے پھر یہودیوں کی کتابوں کے متعلق الہام کے قائل ومعترف کیوں ہوگئے!

اسی لئے تو کہ صوفیاء کرام کے الہام کی بنیاد قرآن وحدیث پر ہے؟ اور یہودیوں کے الہام کی بنیاد بائبل کی کتابوں پر ہے؟ اس لئے ایک (صوفیاء کرام) کے الہام سے سخت نفرت اور دوسرے (یہودیوں) کے الہام سے غیر معمولی محبت کا کیا مطلب ہوگا؟

انجیل برناباس کی تاریخ وتعریف اور انجیل برناباس لفظ بلفظ پڑھنے کے بعد آپ کا احساس

عبارت نمبر ۴

تفہیم القرآن ۵ ۴۶۶ الصف ۶۱

۹۔''حقیقت یہ ہے کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے بارے میں حضرت عیسیٰ کی پیشینگوئیوں کو نہیں خود حضرت عیسیٰ کے اپنے صحیح حالات اور آپ کی اصل تعلیمات کو جاننے کا بھی معتبر ذریعہ وہ چار انجیلیں نہیں ہیں جن کو مسیحی کلیسا نے معتبر و مسلّم اناجیل Canonical Gospels قرار دے رکھا ہے بلکہ اس کا زیادہ قابل اعتماد ذریعہ وہ انجیل برناباس ہے جسے کلیسا

غیر قانونی اور مشکوک الصحت (Apocryphal) کہتا ہے۔ عیسائیوں نے اسے چھپانے کا بڑا اہتمام کیا ہے۔ صدیوں تک یہ دنیا سے ناپید رہی ہے۔ سولہویں صدی میں اس کے اطالوی ترجمے کا صرف ایک نسخہ پوپ سکٹس (Sixtus) کے کتب خانے میں پایا جاتا تھا اور کسی کو اس کے پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔ اٹھارویں صدی کے آغاز میں وہ ایک شخص جان ٹولینڈ کے ہاتھ لگا۔ پھر مختلف ہاتھوں میں گشت کرتا ہوا ۱۷۳۸ء میں ویانا کی امپیریل لائبریری میں پہنچ گیا۔ ۱۹۰۷ء میں اسی نسخے کا انگریزی ترجمہ آکسفورڈ کے کلیرنڈن پریس سے شائع ہو گیا تھا مگر غالباً اس کی اشاعت کے بعد فوراً ہی عیسائی دنیا میں یہ احساس پیدا ہو گیا کہ یہ کتاب تو اس مذہب کی جڑ ہی کاٹے دے رہی ہے جسے حضرت عیسیٰؑ کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس لئے اس کے مطبوعہ نسخے کسی خاص تدبیر سے غائب کر دئے گئے اور پھر کبھی اس کی اشاعت کی نوبت نہ آسکی۔ دوسرا ایک نسخہ اسی اطالوی ترجمہ سے اسپینی زبان میں منتقل کیا ہوا اٹھارویں صدی میں پایا جاتا تھا۔ جس کا ذکر جارج سیل نے اپنے انگریزی ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں کیا ہے مگر وہ بھی کہیں غائب کر دیا گیا اور آج اس کا بھی کہیں پتہ نشان نہیں ملتا۔ مجھے آکسفورڈ سے شائع شدہ انگریزی ترجمے کی ایک فوٹو اسٹیٹ کاپی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اور میں نے اسے لفظ بلفظ پڑھا ہے۔ میرا احساس یہ ہے کہ یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے جس سے عیسائیوں نے محض تعصب اور ضد کی بنا پر اپنے آپ کو محروم کر رکھا ہے۔"

تنبیہ

جناب مولانا مودودی صاحب کے نزدیک قابل اعتماد ذریعہ معتبر وہ چار انجیلیں نہیں ہیں بلکہ زیادہ قابل اعتماد ذریعہ وہ انجیل برناباس ہے پھر دس سطروں میں اس کی تاریخ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"مجھے آکسفورڈ سے شائع شدہ انگریزی ترجمے کی ایک فوٹو اسٹیٹ کاپی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اور میں نے اسے لفظ بلفظ پڑھا ہے میرا احساس یہ ہے کہ یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے.... الخ"

آپ نے ان عبارات سے اپنے وسعتِ مطالعہ اور علمی تحقیق کی چھان بین

کا مظاہرہ فرمایا ہے اور انجیل برناباس کی جو غیر معمولی آپ نے تعریف کی ہے اس کی بنیاد بھی اسی عبارت سے معلوم ہوگئی کہ آپ نے اسے لفظ بلفظ پڑھا ہے ظاہر ہے کہ جس کتاب کو جناب مودودی صاحب پڑھیں گے وہ قابلِ اعتماد اور معتبر ذریعہ میں کیوں نہیں داخل ہوگی؟ یہی تو ہے وہ ۵۵ سالہ مطالعہ کا نچوڑ جن سب سے تفہیم القرآن کے لکھنے میں کام لیا گیا ہے۔ لہٰذا قارئین تفہیم کو بھی انجیل برناباس پر اس لئے اعتماد کرنا چاہئے کہ آپ نے اسے لفظ بلفظ پڑھا ہے یعنی آپ کا پڑھنا ہی ثبوت ہے کسی کتاب کے معتمد ہونے کا معلوم نہیں کہ احادیث شریفہ کی کتابیں پڑھتے وقت آپ کا یہ احساس کہاں رخصت ہو گیا تھا؟ بخاری و مسلم کی احادیث بھی آپ نے پڑھی ہیں ان کے بارے میں بھی آپ فرما دیتے کہ یہ بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے لیکن وہاں تو سند و متن و مضمون حدیث سب ہی آپ کی عقل کے خلاف ہے انا للہ۔

اور چونکہ آپ نے اناجیل کا زبردست مطالعہ فرمایا ہے لہٰذا آپ کی اسی عبارت سے اس حقیقت کا سُراغ ملا کہ اسی لئے تفہیم القرآن میں ان سے بھرپور استفادہ کر کے مستند ماخذ کی حیثیت سے حوالے بھی آپ نے دئے ہیں۔ انشاء اللہ قارئین کرام اس عنوان کی مزید مثالیں آئندہ صفحات میں بھی ملاحظہ فرمائیں گے۔

عبارت نمبر ۵

انجیل برناباس کے اصلی ہونے کے دلائل اور چار انجیلوں پر عدم اعتماد کی وجوہات اور انجیل کے متعلق تضاد بیانی

تفہیم القرآن ۵ — ۴۶۷ — الصف ۶۱

مسیحی لٹریچر میں اس انجیل کا جہاں کہیں ذکر آتا ہے اسے یہ کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے کہ یہ ایک جعلی انجیل ہے جسے شاید کسی مسلمان نے تصنیف کر کے برناباس کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ لیکن یہ ایک بہت بڑا جھوٹ ہے جو صرف اس

بنا پر بول دیا گیا کہ اس میں جگہ جگہ بصراحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشین گوئیاں ملتی ہیں اول تو اس انجیل کو پڑھنے ہی سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب کسی مسلمان کی تصنیف کردہ نہیں ہو سکتی۔ دوسرے اگر یہ کسی مسلمان نے لکھی ہوتی تو مسلمانوں میں یہ کثرت سے پھیلی ہوئی ہوتی اور علمائے اسلام کی تصنیفات میں بکثرت اس کا ذکر پایا جاتا۔ مگر یہاں صورت حال یہ ہے کہ جارج سیل کے انگریزی مقدمہ قرآن سے پہلے مسلمانوں کو سرے سے اس کے وجود تک کا علم نہ تھا۔ طبری' یعقوبی' مسعودی' البیرونی' ابن حزم اور دوسرے مصنفین جو مسلمانوں میں مسیحی لٹریچر پر وسیع اطلاع رکھنے والے تھے۔ ان میں سے کسی کے ہاں بھی مسیحی مذہب پر بحث کرتے ہوئے انجیل برناباس کی طرف اشارہ تک نہیں ملتا۔ دنیائے اسلام کے کتب خانوں میں جو کتابیں پائی جاتی تھیں ان کی بہترین فہرستیں ابن ندیم کی فہرست اور حاجی خلیفہ کی کشف الظنون ہیں' اور وہ بھی اس کے ذکر سے خالی ہیں۔ انیسویں صدی سے پہلے مسلمان عالم نے انجیل برناباس کا نام تک نہیں لیا ہے۔ تیسری اور سب سے بڑی دلیل اس بات کے جھوٹ ہونے کی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے بھی ۷۵ سال پہلے پوپ گلاسیس اول (Geiasius) کے زمانے میں بدعقیدہ اور گمراہ کن (Heretical) کتابوں کی جو فہرست مرتب کی گئی تھی' اور ایک پاپائی فتوے کے ذریعے سے جن کا پڑھنا ممنوع کر دیا گیا تھا' ان میں انجیل برناباس (Evangelium Barnabe) بھی شامل تھی۔ سوال یہ ہے کہ اس وقت کون سا مسلمان تھا جس نے یہ جعلی انجیل تیار کی تھی؟ یہ بات تو خود عیسائی علماء نے تسلیم کی ہے کہ شام' اسپین' مصر وغیرہ ممالک کے ابتدائی مسیحی کلیسا میں ایک مدت تک برناباس کی انجیل رائج رہی ہے اور چھٹی صدی میں اسے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

قبل اس کے کہ اس انجیل سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت عیسی علیہ السلام کی بشارتیں نقل کی جائیں اس کا مختصر تعارف کرا دینا ضروری ہے تا کہ اس کی اہمیت معلوم ہو جائے اور یہ بھی سمجھ میں آ جائے کہ عیسائی حضرات اس سے اتنے ناراض کیوں ہیں۔

۵۔ بائبل میں جو چار انجیلیں قانونی اور معتبر قرار دے کر شامل کی گئی ہیں' ان

میں سے کسی کا لکھنے والا بھی حضرت عیسیٰ کا صحابی نہ تھا اور ان میں سے کسی نے یہ دعوی بھی نہیں کیا ہے کہ اس نے آنحضرت کے صحابیوں سے حاصل کردہ معلومات اپنی انجیل میں درج کی ہیں۔ جن کے ذرائع سے ان لوگوں نے معلومات حاصل کی ہیں ان کا کوئی حوالہ انہوں نے نہیں دیا ہے' جس سے یہ پتہ چل سکے کہ راوی نے آیا خود وہ واقعات دیکھے اور وہ اقوال سنے ہیں جنہیں وہ بیان کر رہا ہے یا ایک یا چند واسطوں سے یہ باتیں اسے پہنچی ہیں۔

تنقید و تنبیہ

۱۔ سید مودودی مرحوم کو انجیل برناباس پڑھنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے۔

۲۔ مودودی مرحوم کو طبری' یعقوبی' مسعودی' ابن حزم اور دوسرے مصنفین ابن ندیم کی فہرست اور حاجی خلیفہ کی کشف الظنون میں بھی انجیل برناباس کی طرف اشارہ تک نہیں ملتا یہ سب انجیل برناباس کے ذکر سے خالی ہیں۔

۳۔ انیسویں صدی سے پہلے کسی مسلمان عالم نے انجیل برناباس کا نام تک نہیں لیا (اسی لئے اب بیسویں صدی میں ماشاءاللہ سید مودودی مرحوم نے نام لیا ہے)

۴۔ آپ کے نزدیک انجیل برناباس کا مختصر تعارف کرانا ضروری ہے تا کہ اس کی اہمیت معلوم ہو جائے اور جس طرح آپ نے لفظ بلفظ پڑھا ہے مسلمان بھی انجیل پڑھ کر قرآن کی طرح بہت بڑی نعمت کا اقرار کریں۔ سبحان اللہ۔

۵۔ اگر بائبل کے چار انجیلوں کے متعلق مودودی مرحوم کو پتہ چل سکتا کہ حضرت عیسیٰ کے صحابیوں اور راویوں نے خود وہ واقعات دیکھے اور وہ اقوال سنے ہیں جنہیں وہ بیان کر رہا ہے یا ایک یا چند واسطوں سے یہ باتیں اسے پہونچی ہیں۔

(تو کیا مودودی مرحوم چاروں انجیل پر اور اس کی سندوں پر اعتماد کر لیتے؟ اگر جواب یہ ہے کہ انجیل پر اعتماد کر لیتے تو یحرفون الکلم من بعد مواضعہ بے اعتمادی کے لئے اللہ پاک نے کیوں فرمایا۔ پھر سوال یہ ہے کہ احادیث شریفہ کی سند متصل پر آپ کو اعتماد کیوں نہیں ہے؟ اس کے علاوہ پھر سوال یہ بھی ہے کہ تفہیم ج ۵ سورہ صف ص ۴۶۸ پر خود

آپ نے سوال کیا ہے کہ یہ برناباس کون تھا؟ اس کے احوال کے بارے میں آپ نے کیوں لکھا کہ کہیں اس کا نام درج نہیں ہے۔ ایک طرف انجیل برناباس کی تعریف؟ اور دوسری جانب اسی انجیل برناباس کے متعلق شک؟ کیا معنی رکھتا ہے.....؟

علاوہ ازیں اس جگہ ص ۲۶۷ پر آنجناب نے چاروں انجیل پر عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے جب کہ تفہیم ج ۳ ص ۱۷ حاشیہ ۱۸ سورہ کہف میں ان ہی اناجیل کو معتمد و معتبر مانتے ہوئے استدلال بھی کیا ہے۔ جو آپ کی تحریروں میں تضاد بیانی کی ایک بین دلیل وشہادت ہے نیز ایک سوال یہ بھی ہے کہ تفہیم ج اول ص ۲۳۲ میں آپ نے انجیل کی ترتیب کے بارے میں گول مول امکانی بات کیوں تحریر کی؟

''ممکن ہے کہ بعض لوگوں نے انہیں نوٹ کر لیا ہو اور ممکن ہے کہ سننے والے معتقدین نے ان کو زبانی یاد کر رکھا ہو''

عبارت نمبر ۶

آپ قرآن پاک کی صداقت کے ساتھ کتب محرفہ کے صحیفوں کی صداقت کے بھی قائل معترف ہیں اور اس پر ایک بیّن شہادت پیش کی ہے

تفہیم القرآن ۲ ۹۳ الاعراف ۷

حاشیہ ۱۲۸۔ ''یہ تنبیہ بنی اسرائیل کو تقریباً آٹھ صدی قبل مسیح سے مسلسل کی جا رہی تھی چنانچہ یہودیوں کے مجموعہ کتب مقدسہ میں یسعیاہ اور یرمیاہ اور ان کے بعد آنے والے انبیاء کی تمام کتابیں اسی تنبیہ پر مشتمل ہیں۔ پھر یہی تنبیہ مسیح علیہ السلام نے انہیں کی جیسا کہ اناجیل میں ان کی متعدد تقریروں سے ظاہر ہے۔ آخر میں قرآن نے اس کی توثیق کی اب یہ بات قرآن اور اس سے پہلے صحیفوں کی صداقت پر ایک بین شہادت ہے کہ اس وقت سے لے کر آج تک تاریخ میں کوئی دور ایسا نہیں گزرا ہے جس میں یہودی قوم دنیا میں کہیں نہ کہیں روندی اور پامال نہ کی جاتی رہی ہو''

تنبیہ

۱۔ یہودیوں کے مجموعہ کتب مقدسہ میں یسعیاہ اور یرمیاہ اور ان کے بعد آنے والے انبیاء کی تمام کتابیں.....الخ

دیکھئے! اس عبارت میں جناب مولانا مودودی صاحب نے بائبل کی تمام کتابوں کے متعلق صاف لفظوں میں یہ تحریر کیا ہے کہ

''آخر میں قرآن نے اس کی توثیق کی''۔

کتنی کی؟ اور جتنی کی وہ بھی محفوظ ہے یا نہیں؟ اس کی تفصیل نہیں لکھی تو اس عبارت کا کیا مطلب ہوگا؟

۲۔ پھر آنجناب مودودی صاحب قرآن پاک کی صداقت کے ساتھ قرآن سے جو پہلے کے صحیفے ہیں جن میں یہودیوں نے تحریف وتبدیل کر دی ہے ان محرف صحیفوں کی صداقت پر شہادت پیش کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ

''اب یہ بات قرآن اور اور اس سے پہلے صحیفوں کی صداقت پر ایک بین شہادت ہے...الخ''

اس جملہ میں آپ نے قرآن کی صداقت کے ساتھ ساتھ اس سے پہلے کے صحیفوں کی صداقت کا عقیدہ پیش کیا ہے اور کھل کر اعتراف کیا ہے کہ جس طرح قرآن کی صداقت مسلم ہے اسی طرح اس سے پہلے کے صحیفوں کی بھی صداقت مسلم ہے حالانکہ یہ بات خلاف واقعہ ہے۔

ملاحظہ کیجئے اظہار الحق ج اول ص ۳۲۳ کو۔ اس پر عنوان ہے:

''ان کتابوں میں سے کوئی مستند نہیں''

اس کے بعد مصنف فرماتے ہیں کہ ''کسی کتاب کے آسمانی اور واجب التسلیم ہونے کے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ پہلے تو ٹھوس اور پختہ دلیل سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ کتاب فلاں پیغمبر کے واسطے لکھی گئی اس کے بعد ہمارے پاس سند متصل کے ساتھ بغیر کمی وبیشی اور تغیر وتبدل کی پہنچی ہے اور کسی صاحب الہام کی جانب محض گمان ووہم کی بنا پر نسبت کر دینا اس بات کے لئے کافی ہے کہ

وہ منسوب بلیہ کی تصنیف کردہ ہے اسی طرح اس سلسلہ میں کسی ایک یا چند فرقوں کا محض دعوی کر دینا کافی نہیں ہو سکتا...الخ (اظہار الحق ج اول ص ۳۲۳)

قارئین کرام! پوری عبارت نقل کرنا موجب تطویل ہے اس لئے اصل کتاب کی طرف رجوع کریں۔ اب راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ جناب مودودی صاحب کا بھی محض ان صحیفوں کی صداقت پر بین شہادت پیش کرنے کا دعوی کس طرح کافی ہوگا؟ یا کافی ہو سکتا ہے؟ جب کہ قرآن فرماتا ہے یحرفون الکلم عن مواضعہ کہ بائبل کی تمام کتابیں تحریف شدہ ہیں اور جھوٹی ہیں مگر جناب والا نص قطعی کے خلاف بائبل کی تمام کتابوں کی صداقت پر ایک بین شہادت پیش کر رہے ہیں۔ سبحان اللہ۔

عبارت نمبر ۷

آپ نے کس کی اتباع میں زلیخا کا نام لکھا ہے؟ اور قرآن کے ساتھ ساتھ اسرائیلی تاریخ میں بھی کسی چیز کی اصل کیوں تلاش کرتے ہیں؟

تفہیم القرآن ۲ — ۳۹۱ — یوسف ۱۲

۱۷۔ "تلمود میں اس عورت کا نام زلیخا (Zelicha) لکھا ہے اور یہیں سے یہ نام مسلمانوں کی روایات میں مشہور ہوا۔ مگر یہ جو ہمارے ہاں عام شہرت ہے کہ بعد میں اس عورت سے حضرت یوسف کا نکاح ہوا، اس کی کوئی اصل نہیں ہے نہ قرآن میں اور نہ اسرائیلی تاریخ میں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک نبی کے مرتبے سے یہ بات بہت فروتر ہے کہ وہ کسی ایسی عورت سے نکاح کرے جس کی بدچلنی کا اس کو ذاتی تجربہ ہو چکا ہو۔ قرآن مجید میں یہ قاعدہ کلیہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ بری عورتیں برے مردوں کے لئے ہیں اور برے مرد بری عورتوں کے لئے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے ہیں

اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے۔

حاشیہ ۱۸۔ تلمود کا بیان ہے کہ اس وقت حضرت یوسف کی عمر ۱۸ سال کی تھی اور فوطیفار ان کی شاندار شخصیت کو دیکھ کر ہی سمجھ گیا تھا کہ یہ لڑکا غلام نہیں ہے بلکہ کسی بڑے شریف خاندان کا چشم و چراغ ہے جسے حالات کی گردش یہاں کھینچ لائی ہے۔ چنانچہ جب وہ انہیں خرید رہا تھا اسی وقت اس نے سوداگروں سے کہہ دیا تھا کہ یہ غلام تو نہیں معلوم ہوتا، مجھے شبہ ہوتا ہے کہ شاید تم اسے کہیں سے چرا لائے ہو۔ اسی بنا پر فوطیفار نے ان سے غلاموں کا سا برتاؤ نہیں کیا بلکہ انہیں اپنے گھر اور اپنی کل املاک کا مختار بنا دیا۔ بائبل کا بیان ہے کہ "اس نے اپنا سب کچھ یوسف کے ہاتھ میں چھوڑ دیا اور سوا روٹی کے جسے وہ کھا لیتا تھا اسے اپنی کسی چیز کا ہوش نہ تھا"۔ (پیدائش ۳۹۔۶)

تنبیہ

۱۔ "تلمود میں اس عورت کا نام زلیخا لکھا ہے اور یہیں...الخ"

سوال یہ ہے کہ جب تلمود ہی کی روایات سے مسلمانوں کی روایات میں زلیخا نام مشہور ہوا تو آپ نے مسلمانوں کی ان روایات پر تنقید اور جرح و قدح کیوں نہیں کیا؟ مطلب یہی ہوا کہ مسلمانوں کی جو روایات تلمود کے مطابق ہیں آنجناب والا اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ آپ نے بھی خود اس عورت کا نام تلمود سے زلیخا ہی لکھ دیا اب کیا سمجھا جائے کہ آپ نے مسلمانوں کی روایات کی اتباع میں تفہیم القرآن میں یہ نام لکھا؟ یا تلمود کو مستند مانتے ہوئے اس کی محبت میں یہ نام لکھا؟ پہلی صورت تو آپ کی شان تحقیق ہی سے بعید ہے کہ آپ مسلمانوں کی روایات کی اتباع کریں الا یہ کہ اس میں تلمود کا بیان ہو اس لئے دوسری ہی صورت قرین قیاس ہونے کے علاوہ زیر بحث عنوان کے مناسب بھی ہے کیونکہ مسلمانوں کی روایات پر تو آپ کو اعتماد ہی نہیں ہے وہاں تو سند و متن و مضمون حدیث سب آپ کی عقل کے خلاف ہے۔

۲۔ پھر یہ بتلایا جائے کہ کسی چیز کی بنیاد اور اصل کو تلاش کرنے کے لئے آپ قرآن کے ساتھ اسرائیلی تاریخ کو بھی کیوں دیکھتے ہیں؟ اصول اربعہ تو (۱) قرآن و (۲) حدیث و (۳) اجماع صحابہؓ اور ان تینوں کی بنیاد پر (۴) قیاس ہیں۔ اسرائیلی

تاریخ کو کس نے اصول شرع قرار دیا ہے۔ پھر قرآن اور اسرائیلی تاریخ میں کیا جوڑ ہے؟ کہ آپ لکھتے ہیں:

"مگر یہ جو ہمارے یہاں عام شہرت ہے کہ بعد میں اس عورت سے حضرت یوسف کا نکاح ہوا اسکی کوئی اصل نہیں ہے نہ قرآن میں اور نہ اسرائیلی تاریخ میں"

عالیجاہا! کسی چیز کی اصل کو پہلے قرآن میں تلاش کیا جاتا ہے اگر اس میں نہ ملے تو حدیث میں تلاش کیا جاتا ہے مگر آپ نے حدیث کو چھوڑ کر اصل کو اسرائیلی تاریخ میں تلاش کیا؟ شاید اس لئے کہ آپ کے نزدیک اسرائیلی تاریخ حدیث کے قائم مقام ہوگی یا اصول اربعہ میں قیاس کی جگہ داخل ہوگی؟ یا اس لئے کہ حدیث شریف پر آپ کو اعتماد ہی نہیں تو اس میں کسی چیز کے اصل کو کیا دیکھیں گے؟

۲۔ ہاں اگر آپ کو اعتماد ہے تو بائبل کے بیان پر اسی لئے حضرت یوسفؑ کے نام کی تعیین اور ان کی حیثیت کی وضاحت وشاندار شخصیت کی نقاب کشائی اگلی سطروں کے حاشیہ ۱۸ میں تلمود کے بیان سے کی ہے اس میں تلمود اور کتاب پیدائش پر آنجناب نے مطلقاً اعتماد کیا ہے۔

عبارت نمبر ۸

قرآن پاک کے بیان کردہ معاملہ کی نوعیت اپنی سمجھ سے؟

تفہیم القرآن ۲ ۳۹۴ یوسف ۱۲

حاشیہ ۲۴۔ "اس سے معاملہ کی نوعیت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ صاحب خانہ کے ساتھ اس عورت کے بھائی بندوں میں سے بھی کوئی شخص آرہا ہوگا اور اس نے یہ قصہ سن کر کہا ہوگا کہ جب یہ دونوں ایک دوسرے پہ الزام لگاتے ہیں اور موقع کا گواہ کوئی نہیں ہے تو قرینہ کی شہادت سے اس معاملہ کی یوں تحقیق کی جاسکتی ہے بعض روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ شہادت پیش کرنے والا ایک شیر خوار بچہ تھا جو وہاں پنگھوڑے میں لیٹا ہوا تھا اور خدا نے اسے گویائی عطا کر کے اس سے یہ شہادت دلوائی لیکن یہ روایت نہ تو کسی صحیح سند سے ثابت ہے اور نہ اس معاملے میں خواہ مخواہ معجزے سے مدد لینے کی کوئی ضرورت ہی محسوس ہوتی ہے۔ اس شاہد نے قرینے کی جس شہادت کی طرف توجہ دلائی

ہے وہ سراسر ایک معقول شہادت ہے اور اس کو دیکھنے سے بیک نظر معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ شخص ایک معاملہ فہم اور جہاندیدہ آدمی تھا جو صورت معاملہ سامنے آتے ہی اس کی تہ کو پہنچ گیا۔ بعید نہیں کہ وہ کوئی جج یا مجسٹریٹ ہو۔ مفسرین کے ہاں شیرخوار بچے کی شہادت کا قصہ دراصل یہودی روایات سے آیا ہے۔ ملاحظہ ہو اقتباسات تلمود از پال اسحاق ہرشون لندن ۱۸۸۰ء ص ۲۵۶"

تنبیہ

۱۔ "آیت پاک وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا میں جو معاملہ بیان کیا گیا ہے اس کی نوعیت کو اپنی سمجھ سے تحریر کرتے ہوئے اپنی عقل ونظر کی بنیاد پر اخیر میں لکھتے ہیں کہ

"بعید نہیں کہ وہ کوئی جج یا مجسٹریٹ ہو"

تا کہ ایک طرف آپ حدیث پاک سے بے اعتمادی کر کے منکرین حدیث کے منظور نظر بنے رہیں اور دوسری طرف معجزہ کا انکار کر کے معتزلہ کی آغوش تربیت میں آرام وسکون محسوس کریں۔ چنانچہ خود ہی لکھتے ہیں کہ

"بعض روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ شہادت پیش کرنے والا ایک شیر خوار بچہ تھا... الخ لیکن یہ روایت نہ تو کسی صحیح سند سے ثابت ہے اور نہ ہی اس معاملہ میں خواہ مخواہ معجزے سے مدد لینے کی کوئی ضرورت ہی محسوس ہوتی ہے"

اس طرح سے آپ نے اپنی ذہانت وفطانت سے ایک ہی عبارت میں منکرین حدیث اور معتزلہ دونوں کو خوش کر دیا۔

حج کعبہ بھی کیا اور گنگا کا اشنان بھی
راضی رہے رحمٰن بھی خوش رہے شیطان بھی

۳۔ پھر قابل غور بات یہ ہے کہ بقول مودودی صاحب کے یہ روایت نہ تو کسی صحیح سند سے ثابت ہے تو کیا اگر کوئی روایت صحیح سند سے ثابت ہو تو آپ اس کو مانتے ہیں؟ میں نے تفہیم ج ۴ ص ۳۲۷ سورہ ص میں دیکھا کہ بخاری ومسلم ودیگر محدثین کبار کی روایات صحیح سند سے ثابت ہیں مگر آپ نے اس کو یہ کہتے ہوئے ماننے سے صاف انکار کر دیا کہ مضمون حدیث آپ کی عقل صریح کے خلاف ہے آپ ہی کی تحریر ہے:

"جہاں تک اسناد کا تعلق ہے ان میں سے اکثر روایات کی سند قوی ہے اور باعتبار روایت اس کی صحت میں کلام نہیں کیا جاسکتا لیکن حدیث کا مضمون صریح عقل کے خلاف ہے اور پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ہرگز نہ فرمائی ہوگی جس طرح وہ نقل ہوئی ہے...الخ"

لہٰذا زیر بحث ص ۳۹۴ تفہیم ج ۲ میں یہ کہنا کہ

"یہ روایت نہ تو کسی صحیح سند سے ثابت ہے یہ جھوٹ 'فراڈ' دھوکہ وغلط بیانی وتضاد بیانی کے علاوہ اور کیا ہے؟"

قارئین کرام! سب سے بڑی خامی جناب مودودی صاحب کی یہ ہے کہ آپ پہلے ایک نظریہ متعین کرلیا کرتے ہیں اب اگر کوئی ضعیف سے ضعیف تر روایت آپ کے اس نظریہ کے مطابق مل گئی تو اس کو قرینہ قیاس بلکہ قیاس مع الفارق کی "جدید تحقیق" کے نام پر امر واقعی اور حقیقت بنا دیتے ہیں اور اگر آپ کے اس نظریہ کے خلاف قوی مضبوط بلکہ متفق علیہ روایت بھی موجود ہو تو بات کا بتنگڑ بنا کر صحیح روایت کو رد کرنے بلکہ اپنے مزعومہ نظریات وافکار پر تائیدی طور سے پیش کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتے جب کہ وہ روایت قطعی طور سے ان کے مزعومات کی نفی ہی کرتی ہو مثلاً تفہیم ج ۳ ص ۲۰۰ سورہ حج میں ملاحظہ کیجئے:

"لہٰذا قابل ترجیح وہی روایت ہے جو ہم نے پہلے نقل کی ہے اگرچہ اس کی سند ضعیف ہے مگر قرآن سے مطابقت اس کے ضعف کو دور کردیتی ہے اور یہ دوسری روایات گو سنداً قوی تر ہیں لیکن قرآن کے ظاہر بیان سے عدم مطابقت ان کو ضعیف کردیتی ہے"

دیکھا آپ نے! یہاں محدثین کی نقل کردہ روایات کو سنداً قوی تر ہونے کے باوجود آپ نے انہیں ناقابل ترجیح قرار دیا چونکہ وہ آپ کی مزعومہ کی نفی کرتی ہیں۔

عبارت نمبر ۹

لفظ "سجدہ" کی تحقیق کے لئے بائبل میں بکثرت مثالیں آپ کو ملتی ہیں

تفہیم القرآن ۲ ۴۳۱ یوسف ۱۳

حاشیہ ۶۹۔ "تلمود میں لکھا ہے کہ جب حضرت یعقوب کی آمد کی خبر دارالسلطنت میں پہنچی تو حضرت یوسف سلطنت کے بڑے امراء و اہل مناصب اور فوج خزا کو لے کر ان کے استقبال کیلئے نکلے اور پورے تزک واحتشام کے ساتھ ان کو شہر میں لائے وہ دن وہاں جشن کا دن تھا عورت' مرد' بچے سب اس جلوس کو دیکھنے کے لئے اکٹھے ہوگئے تھے اور سارے ملک میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔

حاشیہ ۷۰۔ اس لفظ "سجدہ" سے بکثرت لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ حتی کہ ایک گروہ نے تو اسی سے استدلال کر کے بادشاہوں اور پیروں کے لئے سجدۂ تعظیمی کا جواز نکال لیا۔ دوسرے لوگوں کو اس قباحت سے بچنے کے لئے اس کی یہ توجیہ کرنی پڑی کہ اگلی شریعتوں میں صرف سجدۂ عبادت غیر اللہ کے لئے حرام تھا باقی رہا وہ سجدہ جو عبادت کے جذبہ سے خالی ہو تو وہ خدا کے سوا دوسروں کو بھی کیا جاسکتا تھا' البتہ شریعت محمدیؐ میں ہر قسم کا سجدہ غیر اللہ کے لئے حرام کردیا گیا۔ لیکن ساری غلط فہمیاں دراصل اس وجہ سے پیدا ہوئی ہیں کہ لفظ "سجدہ" کو موجودہ اسلامی اصطلاح کا ہم معنی سمجھ لیا گیا' یعنی ہاتھ' گھٹنے اور پیشانی زمین پر ٹکانا' حالانکہ سجدہ کے اصل معنی محض جھکنے کے ہیں اور یہاں یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ قدیم تہذیب میں یہ عام طریقہ تھا (اور آج بھی بعض ملکوں میں اس کا رواج ہے) کہ کسی کا شکریہ ادا کرنے کے لئے' یا کسی کا استقبال کرنے کے لئے یا محض سلام کرنے کے لئے سینے پر ہاتھ رکھ کر کسی حد تک آگے کی طرف جھکتے تھے۔ اسی جھکاؤ کے لئے عربی میں سجود اور انگریزی میں (Bow) کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ بائبل میں اس کی بکثرت مثالیں ہم کو ملتی ہیں کہ قدیم زمانے میں یہ طریقہ آداب

تہذیب میں شامل تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کے متعلق ایک جگہ لکھا ہے کہ
انہوں نے اپنے خیمہ کی طرف تین آدمیوں کو آتے دیکھا تو وہ ان کے
استقبال کے لئے دوڑے اور زمین تک جھکے۔ عربی بائبل میں اس موقع پر جو
الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں: فلما نظر رکض لاستقبالهم من
باب الخیمة وسجد الی الارض ۔الخ"

تنبیہ

ا۔ تلمود کے لکھنے پر آپ کو اعتماد ہے اور اسی کی بنیاد پر یہاں حضرت یوسفؑ کی کیفیت
استقبال کو تحریر فرمایا ہے۔

۲۔ لفظ سجدہ کی تحقیق میں آپ کو بائبل میں بکثرت مثالیں ملی ہیں' انگریزی
و عربی بائبل میں اس موقع پر جو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں"

آپ کی یہ عبارات صاف بتلا رہی ہیں کہ جناب نے متن قرآن کی آزاد
ترجمانی کے لئے بحیثیت شرح بائبل کے اردو' عربی' انگریزی تینوں ایڈیشنوں کو سامنے
رکھ کر بھرپور استفادہ کیا ہے جیسا کہ تفہیم ج ۵ ص ۱۲۵ حاشیہ ۵۰ میں بھی بائبل کے ان
تینوں ایڈیشنوں کے سامنے رکھنے کا حوالہ ہے سبحان اللہ یہ ہے آپ کی تفہیم کی شان؟ کہ
اوپر سے نام رکھا ہے تفہیم القرآن اور اندر میں بائبل کی تفہیم ہو رہی ہے۔

قارئین کرام! کیا اب بھی آپ کو اس تفہیم کے متعلق "تفہیم بائبل" ہونے میں
شک ہے؟

ہم نے جناب مولانا مودودی مرحوم کی ان تحریرات ہی کی بنیاد پر آپ کی اس
تفہیم خاص کا نام "تفہیم بائبل" رکھا ہے کس طرح انکار کیا جا سکتا ہے کہ جناب نے تفہیم
القرآن کی تصنیف میں بائبل سے بحیثیت مستند ماخذ استفادہ نہیں کیا ہے؟ اور بائبل آپ
کے پیش نظر نہیں رہی ہے؟ دیکھئے تفہیم ج اول ص ۴۲۴۔۴۲۵ حاشیہ ۲۰۵ میں بائبل کی
کتاب زبور و امثال سلیمانی اور کتاب ایوب کو پڑھتے وقت آپ کو کیا محسوس ہوا؟ اس
حاشیہ میں تین مرتبہ "پڑھنے" کا لفظ آپ نے استعمال کیا ہے علاوہ ازیں دیباچہ تفہیم ص ۸
پر قرآن پاک کے انگریزی تراجم میں بھی بے اثری پیدا کرنے کے اسباب پر آپ تنقید

کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"انگریزی ترجموں میں اس سے بھی زیادہ بے اثری پیدا کرنے کا ایک سبب
یہ ہے کہ بائبل کے ترجمے کی پیروی میں قرآن کی ہر آیت کا ترجمہ الگ الگ
نمبروار درج کیا جاتا ہے"

لیکن صرف آپ کی تحریر سے ہم کس طرح مان لیں کہ انگریزی مترجمین قرآن
نے بائبل کے تراجم ضرور دیکھے ہیں۔ اور بائبل کے ترجمے کی پیروی میں قرآن کی ہر آیت
کا ترجمہ کیا ہے کیونکہ اگر آپ بائبل کے تراجم نہ دیکھتے تو انگریزی تراجم کے متعلق یہ تنقید
کس طرح کر سکتے تھے؟

سوال یہ ہے کہ انگریزی مترجمین نے کیا یہ کہا ہے کہ انہوں نے بائبل کے تراجم
کی پیروی میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا ہے؟ جواب نفی میں ہے تو بات کیا ہے؟ المرء یقیس
علی نفسه انسان اپنے اوپر دوسروں کو قیاس کرتا ہے کہ جس طرح جناب مودودی مرحوم
نے تفہیم میں استفادہ کیا ہے تو اپنے اس استفادہ کی راہ ہموار کرنے کے لئے آپ نے یہ
بات لکھ دی کہ وہ تن تنہا بائبل کی راہ چلنے والے نہیں ہیں بلکہ انگریزی مترجمین قرآن نے
بھی بائبل کے ترجمے کی پیروی میں قرآن کی ہر آیت کا نمبروار الگ الگ ترجمہ کیا ہے۔

اس لئے خلاصہ یہی نکلا کہ جس طرح انگریزی مترجمین کا طریقہ کار غلط ہے اسی
طرح آپ کا بھی طریقہ کار غلط اور مردود ہے۔

عبارت نمبر ۱۰

شہادت کے لئے قرآن پاک کے ساتھ ساتھ بائبل کو بھی پیش کیا گیا ہے

تفہیم القرآن ۳ ۹۳ ط ۲۰

"آگے چل کر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کی یہ کمزوری دور ہو گئی تھی اور وہ
خوب زوردار تقریر کرنے لگے تھے چنانچہ قرآن میں اور بائبل میں ان کی بعد

کے دور کی جو تقریریں آئی ہیں وہ کمالِ فصاحت وطلاقت لسانی کی شہادت دیتی ہیں۔
یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ہکلے یا توتلے کو اپنا رسول مقرر فرمائے رسول ہمیشہ شکل صورت، شخصیت اور صلاحیتوں کے لحاظ سے بہترین لوگ ہوئے ہیں جن کے ظاہر و باطن کا ہر پہلو دلوں اور نگاہوں کو متاثر کرنے والا ہوتا تھا کوئی رسول کسی ایسے عیب کے ساتھ نہیں بھیجا گیا اور نہیں بھیجا جاسکتا تھا جس کی بنا پر وہ لوگوں میں مضحکہ بن جائے یا حقارت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔
حاشیہ ۱۶۔ بائبل کی روایت کے مطابق حضرت ہارون حضرت موسیٰ سے تین برس بڑے تھے (خروج ۷:۷)"

تنبیہ

۱۔ اس عبارت میں آپ نے حضرت موسیٰ کی کمالِ فصاحت وطلاقتِ لسانی کی شہادت کے لئے قرآن پاک کے ساتھ ساتھ بائبل کو بھی ذکر فرمایا ہے بتایئے کہ قرآن اور موجودہ بائبل میں کیا مناسبت ہے؟ قرآن تو ہر طرح کی تحریف وتبدیل سے محفوظ ہے کیا بائبل کی بھی یہی حیثیت ہے؟ پھر قرآن کی شہادت کے ساتھ بائبل کی شہادت کا ذکر کرنے کا یہ مطلب صاف نہیں ہے کہ جناب مولانا مودودی صاحب کو بائبل پر بھی ویسے ہی اعتماد ہے جیسا کہ قرآن پر۔

۲۔ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ (پ ۱۶۔ طٰہٰ آیت ۲۷) کی آپ نے یہ آزاد ترجمانی کی ہے

"اور میری زبان کی گرہ سلجھا دے"

اس آیت پاک کے حاشیہ ۱۵ کو ملاحظہ کیجئے کہ آپ نے اس کی تشریح بائبل کی کتاب خروج ۴۔۱۰ سے اور تلمود کے لمبا چوڑا قصہ کی بنیاد پر کی ہے۔

علاوہ ازیں آپ نے تحریر کیا ہے کہ

"لیکن عقل اسے سننے سے انکار کرتی ہے"

پھر اپنی عقل کی توجیہ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں

"قرآن کے الفاظ سے جو بات ہماری سمجھ میں آتی ہے"

قارئین کرام کو معلوم ہونا چاہئے کہ جناب سید مودودی صاحب نے فرعون کے طعنہ کی بنیاد پر اس جگہ قرآن پاک کے الفاظ کو اپنی سمجھ سے بیان کیا ہے جیسا کہ آگے چل کر خود ہی لکھتے ہیں

"یہی چیز تھی جس کا فرعون نے ایک مرتبہ ان کو طعنہ دیا کہ "یہ شخص تو اپنی بات بھی پوری طرح بیان نہیں کر سکتا لَا يَكَادُ يُبِيْنُ (الزخرف ۵)"

اب سوال یہ ہے کہ سید مودودی صاحب کی سمجھ کو فرعون کے طعنہ سے کیا مناسبت ہے؟ (اگلی بات با دل نخواستہ انتہائی مجبوری میں عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں تا کہ معلوم ہو جائے کہ مودودی صاحب کے نام میں بھی جارحیت ہے (اگر تکلیف ہو تو میری طرف سے معذرت قبول فرمائیں) اور مودودی صاحب کے کام کے ساتھ ان کے نام ابوالاعلیٰ کی بھی اصلاح کی جائے اس کی وجہ بظاہر یہی سمجھ میں آتی ہے کہ فرعون نے دعویٰ کیا تھا اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى اور جناب مولانا مودودی صاحب مرحوم ابوالاعلیٰ یعنی اعلیٰ فرعون کے بھی باپ بلکہ اعلیٰ تو اللہ جل شانہ کی صفت ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور آپ ہیں ابوالاعلیٰ کیا مطلب ہوا؟ فرعون ہی کے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے بھی باپ العیاذ باللہ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ اس کی شان ہے۔ رشتۂ ابوت وبنوت کا وہاں کہاں گذر؟ اس لئے راقم الحروف کو آپ کی تحریرات میں اور آپ کے کام میں اشکالات تو ہیں ہی آپ کے نام کو بھی شرکیہ نام جانتا ہے آپ کا نام عبدالاعلیٰ ہونا چاہئے۔ جتنے محدثین اس نام کے گذرے ہیں وہ سب عبدالاعلیٰ ہیں، کسی ایک محدث کا نام بھی ابوالاعلیٰ نہیں ہے یا دوسری وجہ میں کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ جس طرح فرعون اپنے سامنے کسی کو ماننے اور گردانے کے لئے تیار نہیں تھا بالکل اسی طرح ہم جناب مولانا سید مودودی صاحب کی تحریرات میں آپ کے مزاج وافتادِ طبع میں تعلّی کی شان دیکھتے ہیں کہ آپ کی تمام تحریرات انا ولا غیری کا مظہر ہونے میں اپنی مثال نہیں رکھتیں۔ بہر حال بائبل

پرستی میں آپ کی تحریرات کا ثانی نہیں اسی وجہ سے یہاں آیت پاک هرون اخی (پ ۱۶ آیت ۳۰ سورہ طہ) کے حاشیہ ۱۶ میں آپ نے لکھا ہے

”بائبل کی روایت کے مطابق حضرت ہارون حضرت موسیٰ سے تین برس بڑے تھے (خروج ۷۔۷)“

عبارت نمبر ۱۱

بائبل کے بیان کے مطابق ان علاقوں کو چھان مارنے والے کون ہیں؟

تفہیم القرآن ۳   ۱۱۲   طٰہٰ ۲۰

حاشیہ ۵۹۔ ”یہ بھی ایک معجزہ تھا کیونکہ ۴۰ برس بعد جب بنی اسرائیل کے لئے خوراک کے فطری ذرائع پہنچ گئے تو یہ سلسلہ بند کر دیا گیا۔ اب نہ اس علاقے میں بٹیروں کی وہ کثرت ہے نہ من ہی کہیں پایا جاتا ہے تلاش و جستجو کرنے والوں نے علاقوں کو چھان مارا ہے جہاں بائبل کے بیان کے مطابق بنی اسرائیل نے ۴۰ سال تک دشت نوردی کی تھی۔ من ان کو کہیں نہ ملا۔ البتہ کاروباری لوگ خریداروں کو بے وقوف بنانے کے لئے من کا حلوا ضرور بیچتے پھرتے ہیں“۔

تنبیہ

من و سلویٰ کی تفصیل و تشریح بائبل کی کتاب خروج و گنتی سے تحریر کرنے کے بعد آپ نے چار سطروں کی عبارت لکھی ہے۔

اب یہاں میرا سوال یہ ہے کہ بائبل کے بیان کے مطابق تلاش و جستجو کر کے ان علاقوں کو چھان مارنے والے کون ہیں؟ جنہوں نے بائبل کے اس بیان کو معتبر و معتمد مان کر پورے علاقے کی چھان بین کی ہے؟

میرا یقین قوی ہے کہ جناب سید مولانا مودودی صاحب ہی ہیں کیونکہ آپ ہی نے تفہیم کی ترتیب اس طرح قائم کی ہے کہ سب سے پہلے اوپر قرآنی آیات ہوں پھر

درمیان میں آپ کی آزاد ترجمانی اور حواشی میں بائبل کی تلاوت کرائی جائے۔ سبحان اللہ اس طرح آیات قرآنیہ کا سہارا لے کر امت مسلمہ کو آپ اپنی آزاد ترجمانی کے ذریعے سے اپنے افکار و نظریات پڑھانے کے علاوہ بہت آسانی کے ساتھ بائبل کو قرآن کے ساتھ ساتھ پڑھا دیا۔ اب کس طرح کہہ دیا جائے کہ جو کام یہودیوں نے مل کر نہیں کیا آپ نے ماشاء اللہ تن تنہا بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس نمایاں کارنامہ کو انجام دیا ہے کہ اوپر سے قرآن کا نام اور اندر میں بائبل کی تعلیمات؟ چہ دل آور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد؟

عبارت نمبر ۱۲

آپ کو نہ مفسرین پر یقین اور نہ اپنی ہی بیان کردہ متیٰ کی تحقیق پر

تفہیم القرآن ۳   ۲۸۱   المؤمنون ۲۳

حاشیہ ۴۴۔ مختلف لوگوں نے اس سے مختلف مقامات مراد لئے ہیں کوئی دمشق کہتا ہے کوئی الرملہ کوئی بیت المقدس اور کوئی مصر (۱) مسیحی روایات کے مطابق حضرت مریم حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے بعد ان کی حفاظت کے لئے دو مرتبہ وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئیں۔ پہلے ہیرودیس بادشاہ کے عہد میں وہ انہیں مصر لے گئیں اور اس کی موت تک وہیں رہیں۔ پھر ارخلاؤس کے عہد حکومت میں ان کو گلیل کے شہر ناصرہ میں پناہ لینی پڑی (متی ۲۔ ۱۳ تا ۲۳)

(۲) اب یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی کہ قرآن کا اشارہ کس مقام کی طرف ہے۔ لغت میں ربوہ اس بلند زمین کو کہتے ہیں جو ہموار اور اپنے گرد و پیش کے علاقے سے اونچی ہو۔ ذات قرار سے مراد یہ ہے کہ اس جگہ ضرورت کی سب چیزیں پائی جاتی ہوں اور رہنے والا وہاں بفراغت زندگی بسر کر سکتا ہو۔ اور معین سے مراد ہے بہتا ہوا پانی یا چشمہ جاری“

تنبیہ

۱۔ اس حاشیہ ۴۴ میں مسیحی روایات کے مطابق متی ۲۔ ۱۳ تا ۲۳ کا حوالہ کس نے

دیا ہے؟ سید مودودی صاحب ہی نے اس کے باوجود آپ فرماتے ہیں کہ

''اب یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی کہ قرآن کا اشارہ کس مقام کی طرف ہے''۔

یعنی حضرات مفسرین نے جو مقامات مراد لئے ہیں اس پر تو آپ کو یقین کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تُف یہ کہ خود جناب والا نے متیٰ کے حوالہ سے جو بات بیان کی ہے اس پر بھی آپ کو یقین نہیں۔ جس کا خلاصہ یہ نکلا کہ نہ مفسرین پر یقین اور نہ ہی متی پر یقین۔ ایسا کیوں؟ کم از کم اپنی پسندیدہ متی کتاب بائبل کے حوالہ پر یقین کر لیتے؟

عبارت نمبر ۱۳

آپ نے اس صورت حال میں بائبل وتلمود کے بیانات کیوں نقل کیے؟

تفہیم القرآن ۳   ۶۱۸   القصص ۲۸

''بائبل اور تلمود کا بیان ہے کہ وہ عورت جس نے حضرت موسیٰ کو پالنے اور بیٹا بنانے کے لئے کہا تھا فرعون کی بیٹی تھی لیکن قرآن صاف الفاظ میں اسے امراۃ فرعون (فرعون کی بیوی) کہتا ہے اور ظاہر ہے کہ صدیوں کے بعد مرتب کی ہوئی زبانی روایات کے مقابلے میں براہ راست اللہ تعالیٰ کا بیان ہی قابل اعتماد ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ خواہ مخواہ اسرائیلی روایات سے مطابقت پیدا کرنے کی خاطر عربی محاورہ استعمال کے خلاف امراۃ فرعون کے معنی ''فرعون کے خاندان کی عورت'' کیے جائیں''۔

تنبیہ

''ظاہر ہے کہ صدیوں بعد مرتب کی ہوئی زبانی روایات کے مقابلہ میں براہ راست اللہ تعالیٰ کا بیان ہی قابل اعتماد ہے''

تو پھر آپ نے اس صورت حال میں بائبل وتلمود کے بیانات کیوں نقل کیے؟ پھر یہ بتلایا جائے کہ جناب مودودی صاحب کے علاوہ اسرائیلی روایات سے مطابقت کس نے پیدا

کی؟ اچھا اگر امراۃ فرعون کا معنی فرعون کے خاندان کی عورت کیے جائیں تو کیا خرابی اور نقصان لازم آئے گا؟

آپ نے لکھا ہے کہ یہ عربی محاورہ واستعمال کے خلاف ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اس عبارت سے اصل میں بعض روایات کی تردید کی ہے ملاحظہ ہو ترجمہ شیخ الہندؒ میں فوائد عثمانی حاشیہ ۲ کو فرماتے ہیں کہ

''بعض روایات میں ہے کہ فرعون نے کہا ''لکِ لا لی'' (تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگی میری نہیں) تقدیر ازلی یہ الفاظ اس ملعون کی زبان سے کہلا رہی تھی آخر وہ ہی ہوا''

قارئین کرام! امراۃ فرعون کے معنی ''فرعون کے خاندان کی عورت'' کرنا خواہ مخواہ نہیں بلکہ حدیث پاک کی بعض روایات سے مطابقت ہے مگر جناب مودودی صاحب کی بدبختی وعلمی خیانت کو کیا کہیے کہ آپ نے اس کو اسرائیلی روایات کا عنوان دیا ہے آپ نے یہ نہ چاہا کہ قرآن کا ترجمہ حدیث سے مطابقت کی بنیاد پر ہو۔ ورنہ کیا ضرورت تھی امراۃ فرعون کے معنی کھود کرید کرنے کی؟ یعنی قرآن پاک میں ہے لی ولک کہ فرعون کی بیوی نے کہا کہ ہم دونوں کے لئے یہ بچہ آنکھوں کی ٹھنڈک ہے جب کہ حدیث میں ہے کہ فرعون نے کہا لک لالی تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگی میری نہیں چنانچہ اللہ کا کرنا ایسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت آسیہ کی آنکھ کی ٹھنڈک اور فرعون کی آنکھ کا کانٹا ہی ہوئے وکل ماقدر اللہ فہو کائن۔ غور کیجئے کہ اس میں کون سی بات اسرائیلی روایات کے مطابق ہوگئی؟ اور عربی محارہ استعمال کے خلاف ہوئی؟ جب کہ یہاں پر بائبل اور تلمود کے بیانات بھی آپ ہی نے نقل کیے ہیں۔ تو اس کا کیا مطلب ہے کہ خود ہی اسرائیلی روایات کو نقل کریں اور خود ہی اس کی مطابقت پیدا نہ ہونے دیں؟ اور الزام رکھیں دوسروں پر؟۔

☆☆☆☆☆

عبارت نمبر ۱۴

بائبل کے نئے عہد ناموں سے حضرت موسیٰ کی عمر کی تعیین

تفہیم القرآن ۳ ۶۲۰ القصص ۲۸

حاشیہ ۱۸۔ یعنی جب ان کا جسمانی و ذہنی نشوونما مکمل ہو گیا۔ یہودی روایات میں اس وقت حضرت موسیٰ کی مختلف عمریں بتائی گئی ہیں۔ کسی نے ۱۸ سال لکھی ہے، کسی نے ۲۰ سال اور کسی نے ۴۰ سال بائبل کے نئے عہد نامے میں ۴۰ سال عمر بتائی گئی ہے (اعمال ۷: ۲۳) لیکن قرآن کسی عمر کی تصریح نہیں کرتا جس مقصد کے لئے قصہ بیان کیا جا رہا ہے اس کے لئے بس اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ آگے جس واقعہ کا ذکر ہو رہا ہے وہ اس زمانے کا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام شباب کو پہنچ چکے تھے"۔

تنبیہ

دیکھئے! یہاں پر جناب سید مودودی صاحب نے بائبل کے نئے عہد ناموں کی بنیاد پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر مبارک ۴۰ سال بتلائی ہے اور پھر خود ہی لکھتے ہیں کہ
"لیکن قرآن کسی عمر کی تصریح نہیں کرتا"
اب سوال یہ ہے کہ جب قرآن کسی عمر کی تعیین و تفصیل نہیں بیان کرتا ہے تو آپ نے یہودی روایات اور نئے عہد ناموں سے عمر کی تعیین و تفصیل کیوں بتلائی؟ اسی لئے کہ آپ کے نزدیک قرآن پاک ایک متن ہے جس کی تشریح و تصریح کے لئے یہودیوں کے بنائے ہوئے نئے عہد ناموں سے بہتر کوئی معتمد و معتبر ذریعہ تصریح نہیں ہے؟ جب کہ عہد ناموں کی تمام کتابیں خواہ وہ عہد عتیق کی ہوں یا عہد جدید کی سب کی صحت میں خود قدماء مسیحین کا بھی سخت اختلاف ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اظہار الحق ج اول ۳۰۵۔

☆☆☆☆☆

عبارت نمبر ۱۵

زنا کے متعلق بائبل کے حکم میں صرف یہ ایک قصور ہے

تفہیم القرآن ۳ ۳۳۰ النور ۲۴

"محض زنا کی تعریف جو مختلف قوانین میں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ "کوئی مرد، خواہ وہ کنوارا ہو یا شادی شدہ، کسی ایسی عورت سے مباشرت کرے جو کسی دوسرے شخص کی بیوی نہ ہو" اس تعریف میں اصل اعتبار مرد کی حالت کا نہیں بلکہ عورت کی حالت کا کیا گیا ہے۔ عورت اگر بے شوہر ہے تو اس سے مباشرت محض زنا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ مرد بیوی رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو، قدیم مصر، بابل، آشور (اسٹریا) اور ہندوستان کے قوانین میں اس کی سزا بہت ہلکی تھی اسی قاعدے کو یونان اور روم نے اختیار کیا، اور اسی سے آخر کار یہودی بھی متاثر ہو گئے۔ بائبل میں یہ صرف ایک ایسا قصور ہے جس سے مرد پر محض مالی تاوان واجب آتا ہے۔ کتاب "خروج" میں اس کے متعلق جو حکم ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: "اگر کوئی آدمی کسی کنواری کو جس کی نسبت (یعنی منگنی) نہ ہوئی ہو، پھسلا کر اس سے مباشرت کر لے تو وہ ضرور ہی اسے مہر دے کر اس سے بیاہ کر لے، لیکن اگر اس کا باپ ہرگز راضی نہ ہو کہ اس لڑکی کو اسے دے، تو وہ کنواریوں کے مہر کے موافق (یعنی جتنا مہر کسی کنواری لڑکی کو دیا جاتا ہو) اسے نقدی دے"۔ (باب ۲۲۔ آیت ۱۶۔ ۱۷)

تنبیہ

۱۔ زنا کے متعلق بائبل میں جو حکم ہے اس کو آپ نے باب ۲۲ آیت ۱۶۔ ۱۷ سے نقل کیا ہے۔ لیکن اس سے قبل جناب مودودی صاحب خود یہ لکھتے ہیں کہ
"بائبل میں یہ صرف ایک ایسا قصور ہے... الخ"
کیا اس جملہ کا صاف مطلب یہ نہیں کہ بائبل کو آپ ہر طرح سے محفوظ مانتے ہیں اور اگر اس کی کو مانتے بھی ہیں تو صرف اس ایک قصور کو اور بس حالانکہ بائبل کی غلطیاں مشہور و مسلم ہیں تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو۔ (اظہار الحق کا ترجمہ بائبل سے قرآن تک ج اول مکمل)

عبارت نمبر ۱۶

بائبل کی کتاب الاعمال اور اقتباسات تلمود کی بنیاد پر حضرت موسیٰؑ کی تعلیم و تربیت

تفہیم القرآن ۳ — ۶۲۱ — القصص ۲۸

''اس زمانہ شاہزادگی کی تعلیم و تربیت کے متعلق بائبل کی کتاب الاعمال میں بتایا گیا ہے کہ موسیٰ نے مصریوں کے تمام علوم کی تعلیم پائی اور وہ کام اور کلام میں قوت والا تھا' (۷:۲۲) تلمود کا بیان ہے کہ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر میں ایک خوبصورت جوان بن کر اٹھے۔ شاہزادوں کا لباس پہنتے' شاہزادوں کی طرح رہتے اور لوگ ان کی نہایت تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ وہ اکثر جشن کے علاقے میں جاتے جہاں اسرائیلیوں کی بستیاں تھیں' اور ان تمام سختیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے جو ان کی قوم کے ساتھ قبطی حکومت کے ملازمین کرتے تھے۔ انہیں کی کوشش سے فرعون نے اسرائیلیوں کے لئے ہفتہ میں ایک دن چھٹی مقرر کی۔ انہوں نے فرعون سے کہا کہ دائما مسلسل کام کرنے کی وجہ سے یہ لوگ کمزور ہو جائیں گے اور حکومت ہی کے کام کا نقصان ہوگا۔ ان کی قوت بحال ہونے کے لئے ضروری ہے کہ انہیں ہفتے میں ایک دن آرام کا دیا جائے۔ اسی طرح اپنی دانائی سے انہوں نے اور بہت سے ایسے کام کئے جن کی وجہ سے تمام ملک مصر میں ان کی شہرت ہو گئی تھی۔'' (اقتباسات تلمود ص ۱۲۹)

تنبیہ

دیکھئے! اس میں بھی جناب سید مودودی صاحب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم و تربیت کے متعلق بائبل کی کتاب الاعمال اور اقتباسات تلمود پر بھرپور اعتماد فرمایا ہے۔ اب کیا رائے ہے آپ کے متعلق؟ کہ آپ نے بائبل پرستی کی ہے یا نہیں؟

عبارت نمبر ۱۷

بائبل اور تلمود سے حضرت موسیٰ اور قارون کا نسب نامہ

حاشیہ ۹۵۔ ''قارون جس کا نام بائبل اور تلمود میں قورح (Korah) بیان کیا گیا ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا بائبل کی کتاب خروج باب ۶ آیت ۱۸۔۲۱ میں جو نسب نامہ درج ہے اس کی رو سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قارون کے والد باہم سگے بھائی تھے قرآن مجید میں دوسری جگہ یہ بتایا گیا ہے کہ یہ شخص بنی اسرائیل میں سے ہونے کے باوجود فرعون کے ساتھ جا ملا تھا اور اس کا مقرب بن کر اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے مقابلے میں فرعون کے بعد مخالفت کے جو دو سب سے بڑے سرغنے تھے ان میں سے ایک یہی قارون تھا''

تنبیہ

تفہیم کے اس صفحہ ۶۷۱۔ ۹۵ میں ملاحظہ کیجئے کہ آپ نے بائبل اور تلمود سے حضرت موسیٰ اور قارون کا نسب نامہ ذکر کیا ہے جب کہ قرآن پاک اس کے متعلق خاموش ہے تو شرعاً و اصولاً جہاں قرآن نے سکوت کیا ہو اس کی تصریح و تفصیل بائبل سے کرنا آپ کے نزدیک جائز ہے؟ تو جواز کی دلیل بتلایئے؟

عبارت نمبر ۱۸

بائبل کے بیان سے حضرت نوحؑ کی عمر مبارک کی تعیین

تفہیم القرآن ۳ — ۶۸۵ — العنکبوت ۲۹

حضرت نوحؑ کی عمر کے بارے میں قرآن مجید اور بائبل کے بیانات ایک دوسرے سے مختلف ہیں بائبل کا بیان ہے کہ ان کی عمر ساڑھے نو سو سال تھی۔ وہ چھ سو برس کے تھے جب طوفان آیا اور اس کے بعد ساڑھے تین سو برس اور زندہ رہے (پیدائش۔ باب ۷ آیت ۶۔ باب ۹ آیت

۲۸_۲۹)

تنبیہ

سوال یہ ہے کہ جب بائبل کے بیانات قرآن سے مختلف ہیں تو آپ نے قرآن کے مقابلہ میں بائبل کے مختلف بیانات کو کیوں اپنی تفہیم کی زینت بنائی؟ قرآن پاک کا بائبل سے کیا مقابلہ اور جوڑ؟

عبارت نمبر ۱۹

آپ نے اس حاشیہ میں چار بڑی غلطیاں کی ہیں

تفہیم القرآن ۴ ۱۸۰ سبا ۳۴

حاشیہ ۲۰۔ اصل میں لفظ تماثیل استعمال ہوا ہے جو تمثال کی جمع ہے۔ تمثال عربی زبان میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی قدرتی شے کے مشابہ بنائی جائے' قطع نظر اس سے کہ وہ کوئی انسان ہو یا حیوان' کوئی درخت ہو یا پھول یا دریا یا کوئی دوسری بے جان چیز۔ التمثال اسم للشی المصنوع مشبھا بخلق من خلق اللہ (لسان العرب) تمثال نام ہے ہر اس مصنوعی چیز کا جو خدا کی بنائی ہوئی کسی چیز کے مانند بنائی گئی ہو" التمثال کل ما صور علی صورۃ غیرہ من حیوان وغیر حیوان۔ (تفسیر کشاف) تمثال ہر اس تصویر کو کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز کی صورت کے مماثل بنائی گئی ہو خواہ وہ جان دار ہو یا بے جان۔ اس بنا پر قرآن مجید کے اس بیان سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جو تماثیل بنائی جاتی تھیں وہ ضرور انسانوں اور حیوانوں کی تصاویر یا ان کے مجسمے ہی ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پھول پتیاں اور قدرتی مناظر اور مختلف قسم کے نقش و نگار ہوں جن سے حضرت سلیمان نے اپنی عمارتوں کو آراستہ کرایا ہو۔

غلط فہمی کا منشا بعض مفسرین کے یہ بیانات ہیں کہ حضرت سلیمانؑ نے انبیاء اور ملائکہ کی تصویریں بنوائی تھیں۔ یہ باتیں ان حضرات نے بنی اسرائیل کی روایات سے اخذ کر لیں اور پھر ان کی توجیہ یہ کی کہ پچھلی شریعتوں

میں اس قسم کی تصویریں بنانا ممنوع نہ تھا لیکن ان روایات کو بلا تحقیق نقل کرتے ہوئے ان بزرگوں کو یہ خیال نہ رہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جس شریعت موسوی کے پیرو تھے اس میں بھی انسانی اور حیوانی تصاویر اور مجسمے اسی طرح حرام تھے جس طرح شریعت محمدیہ میں حرام ہیں۔ اور وہ یہ بھی بھول گئے کہ بنی اسرائیل کے ایک گروہ کو حضرت سلیمانؑ سے جو عداوت تھی اس کی بنا پر انہوں نے آنجناب کو شرک و بت پرستی اور جادوگری اور زنا کے بدترین الزامات سے متہم کیا ہے' اس لئے ان کی روایات پر اعتماد کر کے اس جلیل القدر پیغمبر کے بارے میں کوئی ایسی بات ہرگز قبول نہ کرنی چاہئے جو خدا کی بھیجی ہوئی کسی شریعت کے خلاف پڑتی ہو۔ یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے کہ حضرت موسیٰ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بنی اسرائیل میں جتنے انبیاء بھی آئے ہیں وہ سب توراۃ کے پیرو تھے اور ان میں سے کوئی بھی نئی شریعت نہ لایا تھا جو توراۃ کے قانون کی ناسخ ہوتی اب توراۃ کو دیکھئے تو اس میں بار بار بصراحت یہ حکم ملتا ہے کہ انسانی اور حیوانی تصویریں اور مجسمے قطعاً حرام ہیں...الخ"

تنبیہ

ا۔ "یہ باتیں ان حضرات نے بنی اسرائیل کی روایات سے اخذ کر لیں
آپ کا یہ جملہ "دوسروں کو نصیحت اور اپنی ذات کو فضیحت"
کا مصداق ہے خود کو جناب مودودی صاحب فراموش کر کے حضرات مفسرین کے متعلق فرماتے ہیں کہ انہوں نے بنی اسرائیل کی روایات سے اخذ کی ہیں اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ کے ذیل میں آپ نے کچھ نہیں تحریر فرمایا البتہ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ

(پ ۲۸ الصف آیت ۲۔۳۔)

کے حاشیہ ۲ میں اس ارشاد کا دو ۲ مدعا عام و خاص آپ نے ذکر کیا ہے ہم بعینہٖ آپ کے عام مدعا کو یہاں نقل کرتے ہیں:

"پہلا مدعا یہ ہے کہ ایک سچے مسلمان کے قول اور عمل میں مطابقت ہونی

چاہئے جو کچھ کہے اسے کر کے دکھائے اور کرنے کی نیت یا ہمت نہ ہو تو زبان سے بھی نہ نکالے کہنا کچھ اور کرنا کچھ یہ انسان کی ان بدترین صفات میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں نہایت مبغوض ہیں کجا کہ ایک ایسا شخص اس اخلاقی عیب میں مبتلا ہو جو اللہ پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتا ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے کہ کسی شخص میں اس صفت کا پایا جانا ان علامات میں سے ہے جو ظاہر کرتی ہیں کہ وہ مؤمن نہیں بلکہ منافق ہے... الخ"

قارئین کرام! غور فرمائیے کہ خود جناب مودودی صاحب ہی تفہیم ج ۵ کے حاشیہ ۲ میں لکھی ہوئی اپنی ان تحریرات کے مصداق ہیں یا نہیں؟ کہ خود تفہیم میں بائبل کی عبارات و روایات کی بھرمار کریں اور حضرات مفسرین کے متعلق لکھیں کہ انہوں نے بنی اسرائیل کی روایات سے باتیں اخذ کی ہیں۔ سبحان اللہ!

۲۔ اور آپ نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ آگے ترقی کر کے تحریر کرتے ہیں کہ

"لیکن ان روایات کو بلا تحقیق نقل کرتے ہوئے ان بزرگوں کو یہ خیال نہ رہا... الخ"

لفظ "لیکن" اس استثنائی جملہ سے آپ نے ان پر بلا تحقیق نقل کرنے کا الزام لگاتے ہوئے اپنی علمی تحقیق کا مظاہرہ فرمایا ہے یعنی جس طرح آپ نے بائبل سے خوشہ چینی کر کے علمی تحقیق کا ثبوت دیا ہے اس طرح سے حضراتِ مفسرین نے تحقیق سے کوئی بات نقل نہیں کی۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

۳۔ ص ۱۸۰ تفہیم ج ۳ کے اسی حاشیہ ۲۰ پر بائبل سے چار احکام خود آپ نے نقل کئے ہیں اور ان ہی احکام بائبل کی بنیاد پر حضرات مفسرین پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"حضرت سلیمان علیہ السلام جس شریعت موسوی کے پیرو تھے اس میں بھی انسانی و حیوانی تصاویر اور مجسمے اسی طرح حرام تھے جس طرح شریعت محمدیہ میں حرام ہیں"

غور طلب بات یہ ہے کہ بائبل کی کتاب خروج باب ۲۰ آیت ۴ احبار باب ۲۶ ت ا استثناء باب ۴ آیت ۱۶ اور استثناء باب ۲۷ آیت ۱۵ کے ذریعہ سے آپ نے

حضرات مفسرین پر بلا تحقیق نقل کرنے کا الزام لگا کر کتنے اچھے انداز میں بائبل کی تلاوت کرائی ہے؟ کہ دیکھنے والا عام قاری یہی سمجھے گا کہ یہاں تو جناب مودودی صاحب بزرگوں کے بلا تحقیق نقل کرنے پر تنقید کر رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسی غلط تنقید کے پردہ میں آپ نے بائبل کی حقانیت دلوں میں اتارنے کی کوشش کی۔ ہے جب کہ آپ کی یہ تنقید احادیث شریفہ کی بنیاد پر قطعاً نہیں ہے۔ چنانچہ ص ۱۸۱ پر لکھتے ہیں کہ

"ان صاف اور صریح احکام کے بعد... الخ"۔

دیکھئے! یہاں اس عبارت میں آپ نے بائبل کے احکام کو صاف اور صریح فرمایا ہے اور ظاہری بات ہے کہ بائبل کے احکام کو صاف اور صریح وہی کہہ سکتا ہے جو یہودی ذہنیت رکھتا ہو کہ اس میں کسی بھی قسم کی تحریف نہیں ہوئی ہے۔

۴۔ اسی حاشیہ ۲۰ کے شروع میں لفظ تمثال کی (کشاف اور لسان العرب کے حوالہ سے) جو تحقیق پیش کی ہے اس کے متعلق یہ انکشاف ہو جانا ضروری ہے کہ یہ آپ کی قطعاً اپنی ذاتی تحقیق نہیں ہے بلکہ علامہ زمخشری کی عبارت کا ترجمہ اور بقول آپ کے یہ آزاد ترجمانی ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اس آیت پاک کا فائدہ بتلاتے ہوئے حاشیہ میں یہ عربی عبارت صاف صاف تحریر فرمائی ہے "ھذا مبنی علی احد القولین والقول الاخر ان یحمل علی غیر صور الحیوان کصور الاشجار لان التمثال کل ماصور علی امثل صورۃ غیرہ من الحیوان او غیر حیوان کما قالہ الزمخشری فلا یحتاج الی النسخ"

قارئین کرام! ذرا اس عبارت کے نیچے مولانا مودودی کی ڈھائی سطر کی اس عبارت کو

("اس بناء پر قرآن مجید کے اس بیان سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت سلیمان کے لئے وہ ضرور انسانوں اور حیوانوں کی تصاویر یا ان کے مجسمے ہی ہوں گے ہو سکتا ہے کہ وہ پھول پتیاں ہوں اور قدرتی مناظر اور مختلف قسم کے نقش و نگار ہوں جن سے حضرت سلیمان نے اپنی عمارتوں کو آراستہ کرایا ہو")

رکھ کر دیکھ لیجئے تو صاف صاف سمجھ میں آجائے گا کہ جناب سید مودودی نے

انتحال کر کے علمی خیانت کی ہے یعنی علامہ زمخشری کی تحقیق کو اپنی ذاتی تحقیق کے طور پر
پیش کیا ہے کاش حضرت تھانویؒ کی طرح جناب مولانا سید مودودی بھی اپنی اس ڈھائی
سطری آزاد ترجمانی کی بنیاد صاف صاف نقل کردیتے تو لوگ علامہ زمخشری کی اس تحقیق
کو ان کے نام سے جانتے اور جناب مودودی صاحب کو ناقل محض سمجھتے مگر یہ کیسے ہو سکتا
تھا کہ آپ کی تصویر ناقل محض کی حیثیت سے سامنے آئے؟ آپ تو ماشاء اللہ محقق اعظم
ہیں؟

۵۔ ص ۱۸۱ پر آپ لکھتے ہیں

''تاہم مفسرین نے تو بنی اسرائیل کی یہ روایات نقل کرنے کے ساتھ ساتھ
اس امر کی صراحت کردی تھی کہ شریعت محمدیہ میں یہ فعل حرام ہے''

مفسرین میں سے کسی نے بھی اس جگہ بنی اسرائیل کی روایات نقل نہیں کی ان کی روایات
کو جناب مولانا مودودی صاحب نے نقل کی ہے جیسا کہ شروع میں راقم الحروف باحوالہ
لکھ چکا ہے کہ ص ۱۸۰ پر بائبل کی چار عبارات خود آپ نے درج کی ہیں تا کہ قرآن کے
ساتھ ساتھ بائبل بھی پڑھی جاتی رہے۔ سبحان اللہ۔ اس موقع پر حضرات مفسرین نے تو
صرف یہ لکھا ہے کہ شریعت محمدیہ میں یہ فعل حرام ہے آپ نے ان کے بیانات وتحقیقات
کو اپنی طرف سے گڑھ کر کے اسرائیلی روایات کا نام خلاف واقعہ دے دیا۔ سبحنک
ھذا بھتانٌ عظیم اور اگر اس موقع پر کسی بھی مفسر نے اسرائیلی روایات مودودی
صاحب کی طرح نقل کی ہوں تو ان کی نشاندھی کی جائے۔

علاوہ ازیں آپ کی اس عبارت کے متعلق دراصل مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ
عالیجاہا؟ جب مفسرین کے بیانات بقول آپ کے بنی اسرائیل کی روایات ہی سے بلا
تحقیق ماخوذ ہیں تو آپ نے ان کو تسلیم کس طرح کیا؟ جیسا کہ آپ کی عبارت سے صاف
واضح ہے بلکہ مفسرین کی ان تحقیقات ہی کی بنیاد پر (جن کو آپ نے جسارت کر کے
اسرائیلیات کا عنوان دے دیا ہے) آپ نے ماشاء اللہ مقلدین یورپ پر تنقید بھی کی ہے
اور مقلدین مغرب کے استدلال کو دو وجوہ سے غلط بھی بتلایا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ص ۱۸۰ میں حضرات مفسرین کی جو باتیں مولانا مودودی
صاحب کے نزدیک بلا تحقیق تھیں اور اسرائیلیات پر مشتمل تھیں وہ اچانک ص ۱۸۱ پر مستند
ترین کس طرح بن گئیں؟ کہ ان ہی کی بنیاد پر مقلدین مغرب پر جناب نے تنقید بھی
کر ڈالی۔ لہٰذا خلاصہ یہ ہے کہ ص ۱۸۰ اور ص ۱۸۱ میں آپ نے چار غلطیاں کی ہیں (۱)
حضرت سلیمانؑ کی شریعت موسوی کی پیروی واتباع کے متعلق بائبل کی کتابوں کی بنیاد پر
لکھا ہے جب کہ احادیث شریفہ کی بنیاد پر لکھنا چاہیے اور اسی بائبل کی بنیاد پر آپ نے
حضرات مفسرین پر غلط تنقید کر کے ان کی تحقیقات کو اسرائیلیات کا نام دے دیا۔ (۲) لفظ
تمثال میں آپ نے انتحال کر کے علمی خیانت کی ہے (زندگی رہی اور اللہ تعالیٰ کی تائید
شامل حال ہوگئی تو جناب مودودی صاحب کے جملہ انتحالات کو ایک کتابی شکل میں پیش
کروں گا انشاء اللہ) (۳) آپ نے ص ۱۸۰ میں حضرات مفسرین کی جس بات پر خلاف
تحقیق ہونے کا حکم لگایا ہے اسی کو بعد میں ۱۸۱ پر مستند ترین تسلیم کرلیا۔ (۴) حضرات مفسرین پر
غلط تنقید کرتے ہوئے بڑی خوبصورتی سے عمدہ واحسن طریقہ پر بائبل کے احکام کی تلاوت کرا دی۔

عبارت نمبر ۲۰

بائبل سے حضرت الیاسؑ کی فریادرسی کے الفاظ

تفہیم القرآن ۴ ۳۰۳ الصفت ۳۷

''انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو فریاد کی تھی اسے بائبل ان الفاظ
میں نقل کرتی ہے ''بنی اسرائیل نے تیرے عہد کو ترک کیا اور تیرے مذبحوں کو
ڈھا دیا اور تیرے نبیوں کو تلوار سے قتل کیا اور ایک میں ہی اکیلا بچا ہوں سو وہ
میری جان لینے کے درپے ہیں'' (۱۔سلاطین ۱۹:۱۰)

(بلا تبصرہ ہی ہمارا مدعا واضح ہے)

عبارت نمبر ۲۱

بائبل کے بیانات پر اعتماد کی ایک اور مثال

تفہیم القرآن ۴ — ۳۰۵ — الصفت ۳۷

اس زمانے میں بعل پرستی اسرائیلیوں میں اس قدر گھس چکی تھی کہ بائبل کے بیان کے مطابق ان کی ایک بستی میں علانیہ بعل کا مذبح بنا ہوا تھا جس پر قربانیاں کی جاتی تھیں۔ ایک خدا پرست اسرائیلی اس حالت کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے رات کے وقت چپکے سے مذبح توڑ دیا۔ دوسرے روز ایک مجمع کثیر اکٹھا ہو گیا اور وہ اس شخص کے قتل کا مطالبہ کرنے لگا جس نے شرک کے اس اڈے کو توڑا تھا (قضاۃ ۶۔ ۲۵۔ ۳۲) اس صورت حال کو آخر کار حضرت سموایل، طالوت، داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام نے ختم کیا اور نہ صرف بنی اسرائیل کی اصلاح کی بلکہ اپنی مملکت میں بالعموم شرک و بت پرستی کو دبا دیا۔ لیکن حضرت سلیمان کی وفات کے بعد پھر یہ فتنہ ابھرا اور خاص طور پر شمالی فلسطین کی اسرائیلی ریاست بعل پرستی کے سیلاب میں بہہ گئی۔

حاشیہ ۷۲۔ یعنی اس سزا سے صرف وہی لوگ مستثنیٰ ہوں گے جنہوں نے حضرت الیاسؑ کو نہ جھٹلایا اور جن کو اللہ نے اس قوم میں سے اپنی بندگی کے لئے چھانٹ لیا۔

۷۳۔ حضرت الیاس علیہ السلام کو ان کی زندگی میں تو بنی اسرائیل جیسا کچھ ستایا اس کی داستان اوپر گزر چکی ہے، مگر بعد میں وہ ان کے ایسے گرویدہ و شیفتہ ہوئے کہ حضرت موسیٰ کے بعد کم ہی لوگوں کو انہوں نے ان سے بڑھ کر جلیل القدر مانا ہوگا ان کے ہاں مشہور ہو گیا کہ الیاس علیہ السلام ایک بگولے میں آسمان پر زندہ اٹھا لیے گئے ہیں (۲ سلاطین باب دوم) اور یہ کہ وہ پھر دنیا میں تشریف لائیں گے چنانچہ بائبل کی کتاب ملاکی میں لکھا ہے:

"دیکھو خداوند کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پہلے میں ایلیاہ نبی کو تمہارے پاس بھیجوں گا" (۴:۵)"

(یہاں بھی بلا تبصرہ ہی مفہوم و مدعا واضح ہے)

عبارت نمبر ۲۲

حضرت یحییٰؑ کے متعلق بائبل کے حوالے

تفہیم القرآن ۴ — ۳۰۶ — الصفت ۳۷

"جب حضرت یحییٰ کی نبوت شروع ہوئی اور انہوں نے لوگوں کو اصطباغ دینا شروع کیا تو یہودیوں کے مذہبی پیشواؤں نے ان کے پاس جا کر پوچھا کیا تم مسیح ہو؟ انہوں نے کہا نہیں۔ پھر پوچھا کیا تم ایلیا ہو؟ انہوں نے کہا نہیں پھر پوچھا کیا تم "وہ نبی" ہو؟ انہوں نے کہا میں وہ بھی نہیں ہوں تب انہوں نے کہا اگر تم نہ مسیح ہو نہ ایلیاہ، نہ وہ نبی، تو پھر تم بپتسمہ کیوں دیتے ہو؟ (یوحنا ۱:۱۹۔ ۲۶) پھر کچھ مدت بعد جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا غلغلہ بلند ہوا تو یہودیوں میں یہ خیال پھیل گیا کہ شاید ایلیاہ نبی آ گئے ہیں (مرقس ۶: ۱۴۔ ۱۵) خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں بھی یہ خیال پھیلا ہوا تھا کہ ایلیا نبی آنے والے ہیں۔ مگر حضرت نے یہ فرما کر ان کی غلط فہمی کو رفع فرمایا کہ "ایلیاہ تو آ چکا" اور لوگوں نے اسے نہیں پہچانا بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا"۔ اس سے حواری خود جان گئے کہ دراصل آنے والے حضرت یحییٰ تھے نہ کہ آٹھ سو برس پہلے گزرے ہوئے حضرت الیاس (متی ۱۱:۱۴ اور متی ۱۷:۱۰۔ ۱۳)"

تنبیہ

قدماء مسیحیین سب کے سب اور بے شمار متاخرین اتفاق رائے کے ساتھ کہتے ہیں کہ انجیل متی عبرانی زبان میں تھی مگر عیسائی فرقوں کی تحریف کی وجہ سے وہ ناپید ہو گئی موجودہ انجیل صرف اس کا ترجمہ ہے مگر اس ترجمہ کی اسناد بھی ان کے پاس موجود نہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے اظہار الحق ج اول ص ۳۵۶)

پھر جناب سید مودودی مرحوم نے اس غیر مستند کتاب متی کے حوالوں سے آیت قرآنی کی تفہیم کیوں کی؟۔

عبارت نمبر ۲۳

بائبل کے اردو، انگریزی، عربی تینوں ایڈیشن آپ کے پیش نظر ہیں

تفہیم القرآن ۵ ۱۲۵ ق ۵۰

حاشیہ ۵۰۔ "یعنی امر واقعہ یہ ہے کہ یہ پوری کائنات ہم نے چھ دن میں بنا ڈالی ہے اور اس کو بنا کر ہم تھک نہیں گئے ہیں کہ اس کی تعمیر نو کرنا ہمارے بس میں نہ رہا ہو۔ اب اگر یہ نادان لوگ تم سے زندگی بعد موت کی خبر سن کر تمہارا مذاق اڑاتے ہیں اور تمہیں دیوانہ قرار دیتے ہیں تو اس پر صبر کرو۔ ٹھنڈے دل سے ان کی ہر بیہودہ بات کو سنو اور جس حقیقت کے بیان کرنے پر تم مامور کئے گئے ہو اسے بیان کرتے چلے جاؤ۔

اس آیت میں ضمناً ایک لطیف طنز یہود و نصاریٰ پر بھی ہے، جن کی بائبل میں یہ افسانہ گھڑا گیا ہے کہ خدا نے چھ دنوں میں زمین و آسمان کو بنایا اور ساتویں دن آرام کیا (پیدائش ۲:۲) اگرچہ اب مسیحی پادری اس بات سے شرمانے لگے ہیں اور انہوں نے کتاب مقدس کے اردو ترجمے میں آرام کیا کو "فارغ ہوا" سے بدل دیا ہے مگر کنگ جیمز کی مستند انگریزی بائبل میں (And He rested on the seventh day) کے الفاظ صاف موجود ہیں۔ اور یہی الفاظ اس ترجمے میں بھی پائے جاتے ہیں جو ۱۹۵۵ء میں یہودیوں نے فلیڈلفیا سے شائع کیا ہے۔ عربی ترجمہ میں بھی فاستراح فی الیوم السابع کے الفاظ ہیں"۔

آپ نے اس صفحہ میں خود اعتراف کیا ہے کہ

"بائبل میں یہ افسانہ گھڑا گیا ہے"

اس کے باوجود اس افسانہ والی بائبل سے تفہیم لکھتے مستند ماخذ کی حیثیت سے وقت آپ نے استفادہ کیا ہے فیا عجباہ تفہیم ج ۲ ص ۴۳۱ حاشیہ ۷۰ میں بھی ثبوت ہے کہ آپ نے تفہیم میں بائبل کے ان تینوں ایڈیشنوں سے استفادہ کیا ہے۔

عبارت نمبر ۲۴

بائبل کے مطابق حضرت ابراہیمؑ و حضرت سارہؓ کی عمروں کی تعیین

تفہیم القرآن ۵ ۱۴۵ الذّٰریٰت ۵۱

"یعنی ایک تو میں بوڑھی اوپر سے بانجھ اب میرے ہاں بچہ ہوگا؟ بائبل کا بیان ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیم کی عمر سو سال اور حضرت سارہ کی عمر ۹۰ سال تھی (پیدائش ۱۸:۱۷)"

تنبیہ

جب قرآن عمر کی تعیین کے بارے میں خاموش ہے تو بائبل سے اس کی تفصیل بیان کرنے کا کیا مطلب ہوا؟ کہ قرآن متن ہے اور بائبل کی کتاب پیدائش اس کی شرح؟ سبحان اللہ۔

عبارت نمبر ۲۵

انجیل یوحنا کی گواہی پر آپ کو مکمل اعتماد

تفہیم القرآن ۵ ۴۶۱ الصف

۲۔ "انجیل یوحنا اس بات پر گواہ ہے کہ مسیح کی آمد کے زمانے میں بنی اسرائیل تین شخصیتوں کے منتظر تھے۔ ایک مسیح، دوسرے ایلیاہ (یعنی حضرت الیاس کی آمد ثانی) اور تیسرے "وہ نبی" انجیل کے الفاظ یہ ہیں:"

تنبیہ

حالانکہ انجیل یوحنا کی اصلیت کے متعلق خود عیسائیوں کو ہمیشہ شک رہا ہے دوسری صدی ہی سے عیسائیوں میں ایک بڑی جماعت اس انجیل کو یوحنا کی تصنیف ماننے

سے انکار کرتی آئی ہے مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے (اظہار الحق کا ترجمہ بائبل سے قرآن تک ص ۱۱۶) اور فیصلہ کیجئے کہ آپ کا انجیل یوحنا کی گواہی پر اعتماد کرنا کہاں تک درست ہے؟

عبارت نمبر ۲۶

قرآنی اصطلاح کے مقابلہ میں مسیحی اصطلاحوں کو کیوں ذکر کیا گیا؟

تفہیم القرآن ۵ ۴۷۹ الصف ۶۱

حاشیہ ۱۹۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کے لئے بائبل میں عموماً لفظ ''شاگرد'' استعمال کیا گیا ہے لیکن بعد میں ان کے لئے ''رسول'' (Apostles) کی اصطلاح عیسائیوں میں رائج ہوگئی اس معنی میں نہیں کہ وہ خدا کے رسول تھے بلکہ اس معنی میں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو اپنی طرف سے مبلغ بنا کر اطراف فلسطین میں بھیجا کرتے تھے۔ یہودیوں کے ہاں یہ لفظ پہلے سے ان لوگوں کے لئے بولا جاتا تھا جو ہیکل کے لئے چندہ جمع کرنے بھیجے جاتے تھے۔ اس کے مقابلہ میں قرآن کی اصطلاح ''حواری'' ان دونوں مسیحی اصطلاحوں سے بہتر ہے''۔

تنبیہ

جب قرآن کی اصطلاح ''حواری'' شاگرد اور رسول دونوں مسیحی اصطلاحوں سے بہتر ہے تو جناب سید مودودی صاحب مرحوم نے قرآن کے مقابلہ میں مسیحی اصطلاحوں کو کیوں ذکر کیا؟ اسی لئے تاکہ قارئین تفہیم آپ کی وسعتِ معلومات سے متاثر ہو جائیں ورنہ بتلایا جائے کہ اس کے علاوہ اور کیا ضرورت پیش آئی ہے۔ کیا قرآنی اصطلاح کے سامنے مسیحی اصطلاحوں کا رہنا قرآن فہمی کے اصول میں سے ہے؟
یا قرآنی اصطلاح کے مقابلہ میں مسیحی اصطلاحوں کا بیان کرنا ضروری ہے؟

عبارت نمبر ۲۷

بھلا بتلایئے کہ آپ جیسی ایسی نگاہِ بصیرت وصلاحیتِ غور وفکر اوسط درجہ کے لوگوں کو بھی میسر ہے؟

تفہیم القرآن ۵ ۴۶۴ الصف ۶۱

''اس صورت حال میں قطعی طور پر یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ انجیلوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو اقوال ہمیں ملتے ہیں وہ بالکل ٹھیک ٹھیک نقل ہوئے ہیں اور ان کے اندر کوئی ردوبدل نہیں ہوا ہے۔
تیسری اور نہایت اہم بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو فتح کے بعد بھی تقریباً تین صدیوں تک فلسطین کے عیسائی باشندوں کی زبان سریانی رہی اور کہیں نویں صدی عیسوی میں جا کر عربی زبان نے اس کی جگہ لی ان سریانی بولنے والے اہل فلسطین کے ذریعہ سے عیسائی روایات کے متعلق جو معلومات ابتدائی تین صدیوں کے مسلمان علماء کو حاصل ہوئیں وہ ان لوگوں کی معلومات کی بہ نسبت زیادہ معتبر ہونی چاہیے جنہیں سریانی سے یونانی اور پھر یونانی سے لاطینی زبانوں میں ترجمہ در ترجمہ ہو کر یہ معلومات پہنچیں کیونکہ مسیح کی زبان سے نکلے ہوئے اصل سریانی الفاظ ان کے ہاں محفوظ رہنے کے زیادہ امکانات تھے۔

۵۔ ان ناقابل انکار تاریخی حقائق کو نگاہ میں رکھ کر دیکھئے کہ انجیل یوحنا کی مذکورہ بالا عبارات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بعد ایک آنے والے کی خبر دے رہے ہیں جس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ وہ ''دنیا کا سردار'' (سرور عالم) ہوگا ''ابد تک'' رہے گا سچائی کی تمام راہیں دکھائے گا اور خود ان کی (یعنی حضرت عیسیٰ کی) گواہی دے گا۔ یوحنا کی ان عبارتوں میں ''روح القدس'' اور سچائی کی روح وغیرہ الفاظ شامل کر کے مدعا کو خبط کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ مگر اس کے باوجود ان سب عبارتوں کو اگر غور سے پڑھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس آنے والے کی خبر دی گئی ہے وہ کوئی روح نہیں بلکہ کوئی انسان اور خاص شخص ہے جس کی تعلیم عالمگیر ہو۔ نیز اور

قیامت تک باقی رہنے والی ہوگی۔ اس شخص خاص کے لئے اردو ترجمے میں "مددگار" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور یوحنا کی اصل انجیل میں یونانی زبان کا جو لفظ استعمال کیا گیا تھا' اس کے بارے میں عیسائیوں کو اصرار ہے کہ وہ Paracletus تھا مگر اس کے معنی متعین کرنے میں خود عیسائی علماء کو سخت زحمت پیش آئی ہے۔ اصل یونانی زبان میں Paraclate کے کئی معنی ہیں کہیں جگہ صرف بلانا' مدد کے لئے پکارنا' انذار وتنبیہ' ترغیب' اکسانا' التجا کرنا' دعا مانگنا۔ پھر یہ لفظ تپتینی مفہوم میں یہ معنی دیتے ہیں تسلی دینا' تسکین بخشنا' ہمت افزائی کرنا' بائبل میں اس لفظ کو جہاں جہاں استعمال کیا گیا ہے ان سب مقامات پر اس کے کوئی معنی بھی ٹھیک نہیں بیٹھتے"۔

تنبیہ

ا۔ "جب اس صورت حال میں جناب مولانا مودودی صاحب کے لئے قطعی طور پر یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ.... الخ"

تو جناب والا! اسی انجیل کو معتبر مان کر اس کی غیر معمولی تعریف کیوں کرتے ہیں؟ اور اس صورت حال میں تفہیم قرآن کے لئے اس کے حوالے نقل کرنا اور ان سے آیات قرآنی کو سمجھانا ایک فضول حرکت نہیں تو کیا ہے....؟

۲۔ یہاں آپ نے اصل سریانی زبان کی جو تاریخ بیان کی ہے اس کا ماخذ کیوں نہیں بتلایا؟ جس کی بنیاد پر آپ کے بیان کردہ

۳۔ "ان ناقابل انکار تاریخی حقائق کو نگاہ میں رکھ کر انجیل یوحنا کی عبارات کو دیکھئے"

غور کیجئے کہ کس کس بہانے سے جناب مودودی صاحب نے انجیل کی عبارات کو پڑھانے اور دیکھنے کی کوشش وسعی بلیغ فرمائی ہے سبحان اللہ! کیا اوسط درجہ کے عامۃ الناس کی نظر ایسی ہے کہ آپ کے بیان کردہ ان ناقابل انکار تاریخی حقائق کو نگاہ میں رکھ سکیں؟ اور انجیل یوحنا کی مذکورہ بالا عبارات کو دیکھ سکیں؟" اسی پر بس نہیں بلکہ آگے آپ لکھتے ہیں کہ:

"یوحنا کی ان عبارتوں میں روح القدس اور سچائی کی روح وغیرہ الفاظ شامل کر کے مدعا کو خبط کرنے کی پوری کوشش کی گئی مگر اس کے باوجود ان سب عبارتوں کو اگر غور سے پڑھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ.. الخ"

جناب مولانا مودودی صاحب چونکہ غیر معمولی صلاحیت وذہانت کے مالک ہیں اس لئے انجیل میں خبط مدعا کے باجود اپنی نگاہ بصیرت سے غور کر کے ہر چیز تلاش کر لیتے ہیں مگر بھلا بتائیے کہ ایسی نگاہ بصیرت اور ایسی صلاحیتِ غور وفکر عامۃ الناس کو بھی میسر ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو قرآن کے نام پر انجیل یوحنا پڑھانے کی کوشش کہاں تک مشکور ہو سکتی ہے؟ خاص طور میں اس صورت میں کہ

۴۔ "یوحنا کی اصل انجیل میں یونانی زبان کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے... الخ

اس کے معنی متعین کرنے میں خود عیسائی علماء کو سخت زحمت پیش آتی ہے" تو بے چارے عوام کس طرح متعین کر لیں گے؟ اس لئے حقیقت تو یہ ہے کہ جناب سید مودودی صاحب ہی کی ایسی ذات ہے جو اپنی گوناگوں علمی وتاریخی ذوقِ تحقیق کی بناء پر تفہیم القرآن تصنیف فرماتے وقت بائبل کے تمام مقامات کو چھان بین کر کے دیکھ لیں اور پھر یہ لکھیں کہ

۵۔ "بائبل میں اس لفظ کو جہاں جہاں استعمال کیا گیا ہے ان سب مقامات پر اس کے کوئی معنی بھی ٹھیک نہیں بیٹھتے"

بتائیے کہ آپ کے علاوہ کسی کی طاقت ومجال ہے کہ بائبل میں اس لفظ کے استعمال شدہ مقامات کو تلاش کر سکے کہ واقعی کوئی معنی بھی ٹھیک بیٹھ رہے ہیں یا نہیں؟

عبارت نمبر ۲۸

بائبل کی کتاب یشوع سے بات کا اندازہ

تفہیم القرآن ۲   ۷۵   الاعراف ۷

"بنی اسرائیل کو اہل مصر کی غلامی نے جیسا کچھ بگاڑ دیا تھا' اس کا اندازہ اس بات سے بآسانی کیا جا سکتا ہے کہ مصر سے نکل آنے کے ۴۰ برس بعد حضرت موسیٰ کے خلیفہ اول حضرت یوشع بن نون اپنی آخری تقریر میں بنی اسرائیل کے مجمع عام سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "تم خداوند کا خوف رکھو اور نیک نیتی اور صداقت کے ساتھ اس کی پرستش کرو اور ان دیوتاؤں کو دور کرو جن کی پرستش تمہارے باپ دادا بڑے دریا کے پار اور مصر میں کرتے تھے اور خداوند کی پرستش کرو۔ اور اگر خداوند کی پرستش تم کو

بری معلوم ہوتی ہو تو آج ہی تم اسے جس کی پرستش کرو گے چن لو...... اب رہی میری اور میرے گھرانے کی بات سو ہم تو خداوندی ہی کی پرستش کریں گے" (یشوع ۲۴: ۱۴-۱۵)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۴۰ سال تک حضرت موسیٰ کی اور ۲۸ سال تک حضرت یوشع کی تربیت و رہنمائی میں زندگی بسر کر لینے کے بعد بھی یہ قوم اپنے اندر سے ان اثرات کو نہ نکال سکی جو فراعنہ مصر کی بندگی کے دور میں اس کی رگ رگ کے اندر اتر گئے تھے۔ پھر بھلا کیونکر ممکن تھا کہ مصر سے نکلنے کے بعد فوراً ہی جو بتکدہ سامنے آ گیا تھا اس کو دیکھ کر ان بگڑے ہوئے مسلمانوں سے بتوں کی پیشانیاں اس آستانے پر سجدہ کرنے کے لئے بے تاب نہ ہو جاتیں جس پر وہ اپنے سابق آقاؤں کو ماتھا رگڑتے ہوئے دیکھ چکے تھے"

تنبیہ

تفہیم کے اس صفحہ سے بھی صاف واضح ہے کہ جناب مودودی صاحب کو قرآن کی کسی بات کا اندازہ کرنا ہوتا ہے تو وہ بائبل کو دیکھتے ہیں چنانچہ قوم یہود کے متعلق اندازہ کرنا تھا تو آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ العیاذ باللہ آپ کے لئے شاید ناکافی ہو گئی تھیں؟ اس لئے کتاب یشوع ۲۴: ۱۴-۱۵۔ سے اندازہ کیا۔ سبحان اللہ کیا کہنا آپ کے اندازہ یشوع کا حالانکہ آج تک یقین کے ساتھ اس کے یعنی کتاب یشوع کے مصنف ہی کا پتہ نہیں چلتا نہ تصنیف کا زمانہ معلوم ہوتا ہے اس سلسلہ میں عیسائیوں کے پانچ اقوال ہیں (ملاحظہ کیجئے اظہار الحق ص ۳۴۰)

عبارت نمبر ۲۹

۱۔ جناب سید مودودی صاحب کو ایک مغربی محقق کی تحریر پر اعتماد مگر! محدثین وفقہاء پر نہیں

۲۔ قرآن میں نہیں بلکہ تفہیم القرآن میں ان خامیوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو مسلمانوں (صحابہ) میں تھیں العیاذ باللہ

تفہیم القرآن ۲ ۱۲۷ الانفال ۸

"آخر کار ان لوگوں کی صداقت ایمانی خدا کی طرف سے نصرت کا انعام حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی اور قریش اپنے سارے غرور طاقت کے باوجود ان بے سروسامان فدائیوں کے ہاتھوں شکست کھا گئے' ان کے ستر آدمی مارے گئے' ۷۰ قید ہوئے اور ان کا سروسامان غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ قریش کے بڑے بڑے سردار جو ان کے گلہائے سرسبد اور اسلام کی مخالف تحریک کے روح رواں تھے اس معرکے میں ختم ہو گئے اور اس فیصلہ کن فتح نے عرب میں اسلام کو ایک قابل لحاظ طاقت بنا دیا۔ (۱) جیسا کہ ایک مغربی محقق نے لکھا ہے "بدر سے پہلے اسلام محض ایک مذہب اور ریاست تھا مگر بدر کے بعد وہ مذہب ریاست بلکہ خود ریاست بن گیا"

مباحث: یہ ہے وہ عظیم الشان معرکہ جس پر قرآن کی اس سورہ میں تبصرہ کیا گیا ہے۔ مگر اس تبصرے کا انداز تمام ان تبصروں سے مختلف ہے جو دنیوی بادشاہ اپنی فوج کی فتحیابی کے بعد کیا کرتے ہیں۔

(۲) اس میں سب سے پہلے ان خامیوں کی نشان دہی کی گئی ہے جو اخلاقی حیثیت سے ابھی مسلمانوں میں باقی تھیں تاکہ آئندہ اپنی مزید تکمیل کے لئے سعی کریں۔ پھر ان کو بتایا گیا کہ اس فتح میں تائید الٰہی کا کتنا بڑا حصہ تھا تاکہ وہ اپنی جرأت وشہادت پر نہ پھولیں بلکہ خدا پر توکل اور خدا اور رسول کی اطاعت کا سبق لیں۔"

تنبیہ

قارئین کرام! نشان نمبر ۲ کی آپ نے اس عبارت میں نہایت ہوشیاری کے ساتھ اپٹوڈیٹ طرز پر اپنی ذہنیت کی عکاسی اہل سنت پر بٹھانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ قرآن میں قطعاً کہیں بھی صحابہ کرامؓ کی خامیوں کی نشاندھی نہیں کی گئی ہے ہاں البتہ تفہیم القرآن میں ضرور کی گئی ہے چنانچہ یہاں بھی موصوف نے حضرات صحابہ کرامؓ کو مجروح قرار دے کر انہیں مہذب طریقے سے سب وشتم کر کے "ماڈرنائزڈ" تبرا کیا ہے اور مذہب اہل سنت والجماعت کو خیرباد کہہ کر معتدل دماغ رکھنے کا ثبوت کا مظاہرہ فرمایا ہے جب کہ واقعہ حدیث شریف کی رو سے یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی خامیوں کی نشاندھی کرنے والا مستحق لعنت ہے۔ لعنة الله علىٰ من سب اصحاب النبی ﷺ۔

عبارت نمبر ۳۰

جناب سید مودودی صاحب کو صرف اپنے ہی فلسفیانہ تجسس پر اعتماد اور تضاد بیانی بھی

تفہیم القرآن ۲   ۲۹۶   یونس ۱۰

حاشیہ ۶۵۔ "یہ ایک تشریح طلب مضمون ہے جسے بہت مختصر لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔ فلسفیانہ تجسس، جس کا مقصد یہ پتہ چلانا ہے کہ اس کائنات میں بظاہر جو کچھ ہم دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں اس کے پیچھے کوئی حقیقت پوشیدہ ہے یا نہیں اور ہے تو وہ کیا ہے، دنیا میں ان سب لوگوں کے لئے جو وحی والہام سے براہ راست حقیقت کا علم نہیں پاتے مذہب کے متعلق رائے قائم کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ کوئی شخص بھی (جیسے خود مودودی صاحب نے تینوں چیزیں اختیار کی ہیں۔ از ناقل) خواہ وہ دہریت اختیار کرلے یا شرک یا خدا پرستی، بہرحال ایک نہ ایک طرح کا فلسفیانہ تجسس کے بغیر مذہب کے بارے میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا اور پیغمبروں نے جو مذہب پیش کیا ہے اس کی

جانچ بھی اگر ہو سکتی ہے تو اسی طرح ہو سکتی ہے کہ آدمی اپنی بساط بھر فلسفیانہ غور وفکر کر کے اطمینان حاصل کرنے کی کوشش کرے کہ پیغمبر ہمیں مظاہر کائنات کے پیچھے جس حقیقت کے مستور ہونے کا پتہ دے رہے ہیں وہ دل کو لگتی ہے یا نہیں۔ اس تجسس کے صحیح یا غلط ہونے کا تمام تر انحصار طریق تجسس پر ہے۔ اس کے غلط ہونے سے غلط رائے اور صحیح ہونے سے صحیح رائے قائم ہوتی ہے"

تنبیہ

قارئین کرام! جناب مودودی صاحب کو جہاں کہیں بھی کلام ربانی میں اپنے نظریات وافکار مرتب طور پر پیش کرنے کا موقع ملتا ہے تو فوراً اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور کچھ نہ کچھ چسپاں کر ہی دیتے ہیں لیکن اس مضمون کے بالکل برخلاف مضمون رسالہ دینیات ص ۳۶ میں آپ نے تحریر کیا ہے ملاحظہ کیجئے اور جناب کی تضاد بیانی پر "ذوالوجہین" کا لقب دیجئے۔

> "جب یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص خدا کا سچا پیغمبر ہے تو اس کی بات ماننا اس کی اطاعت کرنا اور اس کے طریقے کی پیروی کرنا ضروری ہے یہ بات بالکل خلاف عقل ہے کہ تم ایک شخص کو پیغمبر بھی تسلیم کرو اور پھر اس کی بات بھی نہ مانو اس لئے پیغمبر تسلیم کر لینے کے معنی یہ ہیں کہ تم نے مان لیا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے خدا کی طرف سے کہہ رہا ہے اور جو کچھ کر رہا ہے خدا کی مرضی کے مطابق کر رہا ہے لہٰذا کسی کو پیغمبر تسلیم کر لینے سے یہ بات خود بخود لازم ہو جاتی ہے کہ اس کی بات کو بے چون وچرا مان لیا جائے اور اس کے حکم کے آگے سر جھکا دیا جائے خواہ اس کی حکمت اور اس کا فائدہ تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے جو بات پیغمبر کی طرف سے ہے اس کا پیغمبر کی طرف سے ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سچی ہے اور تمام مصلحتیں اس میں موجود ہیں" (رسالہ دینیات ص ۳۶)

سوال غور طلب یہ ہے کہ رسالہ دینیات کے اس ص ۳۶ میں آپ کا فلسفیانہ تجسس کہاں گیا؟ اس میں تو جناب نے اپنی بساط پر فلسفیانہ غور وفکر کر کے اطمینان حاصل

کرنے کی بات نہیں کہی ہے اور نہ ہی اپنے معیار عقل وفہم پر جانچنے اور پرکھنے کے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ لیکن اس کے برعکس تفہیم القرآن ج ۲ ص ۲۹۶ حاشیہ ۹۵ میں فلسفیانہ تجسس کی بات کیوں لکھی؟ اپنے نظر وفکر کو کلام الٰہی کا مصداق کیوں قرار دیا؟ اس لئے کہ یہ بھی ان ہی دور کی بات ہے جس زمانے میں جناب مودودی صاحب پر ڈیڑھ سال تک مذبذبانہ وکافرانہ کیفیات طاری تھیں۔

چنانچہ اس جگہ آپ نے پیغمبروں کے پیش کردہ مذہب پر اعتماد نہیں کیا بلکہ اس کی بھی جانچ کی ضرورت سمجھی ہے اور کس طرح اس کی جانچ ہو سکتی ہے؟ اس کو بھی بیان کیا ہے کہ اس طرح سے جانچ کرنے سے پیغمبروں کی خبر اور مستور حقیقت کے متعلق پتہ چل جائے گا کہ وہ دل کو لگتی ہے یا نہیں؟ جس کا خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ پیغمبروں کی خبر پر بھی اسی وقت اعتماد کیا جائے گا جب اس کی جانچ کر لی جائے تو اصل اپنی جانچ ہوئی نہ کہ پیغمبروں کی خبر اور ان کا پتہ دینا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

> ''بہر حال ایک نہ ایک طرح کا فلسفیانہ تجسس کئے بغیر مذہب کے بارے میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا اور پیغمبروں نے جو مذہب پیش کیا ہے اس کی جانچ بھی اگر ہو سکتی ہے تو اسی طرح ہو سکتی ہے کہ آدمی اپنی بساط پر فلسفیانہ غور وفکر کر کے اطمینان حاصل کرنے کی کوشش کرے کہ پیغمبر ہمیں مظاہر کائنات کے پیچھے جس حقیقت کے مستور ہونے کا پتہ دے رہے ہیں وہ دل کو لگتی ہے یا نہیں.....الخ'' دیکھئے رسالہ دینیات ص ۳۶ میں ہے کہ پیغمبر کی بات بلا چوں وچرا مان لیا جائے خواہ اس کی حکمت اور اس کا فائدہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے لیکن تفہیم ج ۲ ص ۲۹۶ کے اس پیراگراف میں آپ نے صاف بتا دیا کہ اطمینان حاصل کرنے کا ذریعہ اپنی بساط پر فلسفیانہ غور وفکر کرنا ہے۔ پیغمبروں کا پتہ دینا نہیں ہے نعوذ باللہ۔ یہ تضاد بیانی کیوں؟ واضح رہے کہ اسی فلسفیانہ تجسس کی بناء پر جناب مودودی صاحب کو خدا' آخرت' رسالت' وحی ہر چیز میں شک پڑ گیا تھا چنانچہ ماہنامہ الحسنات یادگار مودودی نمبر ۲۵۸ میں آپ کا بیان ہے ''میں نے جب ہوش سنبھالا تو مجھے یہ احساس ہوا کہ یہ مذہب تو کچھ نہیں کہ میں مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا تو مسلمان ہندو

> کے گھر میں پیدا ہوا اس لئے ہندو' آدمی اگر کسی چیز کو مانے تو تحقیق کر کے مانے نہیں تو نہ مانے اس احساس کی بناء پر ایک وقت مجھ پر ایسا گزرا کہ خدا آخرت رسالت' وحی ہر چیز میں شک پڑ گیا''۔

قارئین کرام! اگر مودودی صاحب کی ہدایت واصول کے مطابق ایسے فلسفیانہ تجسس کو اختیار کیا جائے تو نعوذ باللہ ایمان ہی سے ہاتھ دھونا پڑ جائے گا۔ آمنت باللہ کما ھو باسمائه وقبلت جمیع احکامه۔

عبارت نمبر ۳۱

آپ کو اپنی ذاتی تحقیق کے علاوہ علاقے کے باشندوں کی اور سر گرافٹن الیٹ سمتھ کی تحقیقات پر اعتماد ہے مگر حضرات محدثین کی بیان کردہ اسناد پر نہیں

تفہیم القرآن ۲ ۳۱۰ یونس ۱۰

حاشیہ ۲۹۔ ''آج تک وہ مقام جزیرہ نمائے سینا کے مغربی ساحل پر موجود ہے جہاں فرعون کی لاش سمندر میں تیرتی ہوئی پائی گئی تھی۔ اس کو موجودہ زمانے میں جبل فرعون کہتے ہیں اور اسی کے قریب ایک گرم چشمہ ہے جس کو مقامی آبادی نے حمام فرعون کے نام سے موسوم کر رکھا ہے۔ اسکی جائے وقوع ابوزنیمہ سے چند میل اوپر شمال کی جانب ہے اور علاقے کے باشندے اسی جگہ نشاندہی کرتے ہیں کہ فرعون کی لاش یہاں پڑی ہوئی ملی تھی۔

اگر یہ ڈوبنے والا وہی فرعون منفتہ ہے جس کو زمانہ حال کی تحقیق نے فرعون موسیٰ قرار دیا ہے تو اس کی لاش آج تک قاہرہ کے عجائب خانے میں موجود ہے۔ ۱۹۰۷ء میں سر گرافٹن الیٹ سمتھ نے اس کی ممی پر سے جب پٹیاں کھولی تھیں تو اس کی لاش پر نمک کی ایک تہ جمی ہوئی پائی گئی تھی جو کھاری پانی میں اس کی غرقابی کی ایک کھلی علامت تھی''

تنبیہ

قارئین کرام! محدثین ومفسرین کی روایت کو چھوڑ کر آنجناب کن کن غیر مستند روایات پر اعتماد کرتے ہیں؟ اس کے علاوہ اس کی مزید دلیل تفہیم القرآن ج ۲ ص ۳۰ حاشیہ ۴۷ میں ملاحظہ کیجئے لکھتے ہیں کہ

"پھر جو روایات (۱) کردستان (۲) اور آرمینیہ میں قدیم ترین زمانے سے نسلاً بعد نسلٍ چلی آرہی ہیں ان سے بھی معلوم ہوتا ہے" (پھر ص ۳۱ میں ہے کہ) حضرت نوحؑ کے اس قصے سے ملتی جلتی روایات (۳) یونان (۴) مصر (۵) ہندوستان (۶) اور چین کے قدیم لٹریچر میں بھی ملتی ہیں اور اس کے علاوہ (۷) برما (۸) ملایا (۹) جزائر (۱۰) شرق الہند آسٹریلیا (۱۱) نیو گنی اور (۱۲) امریکہ و (۱۳) یورپ کے مختلف حصوں میں بھی ایسی ہی روایات قدیم زمانے سے چلی آرہی ہیں... الخ"۔

تنبیہ

غور طلب یہ ہے کہ دنیا کی ان مذکورہ تیرہ بے سند روایات پر بلا چوں وچرا آپ نے اعتماد کیا ہے جب کہ محدثین کرام کی روایات واسناد متصلہ پر جرح کرتے ہیں ایسا کیوں؟

عبارت نمبر ۳۲

جغرافیہ دانوں کے بیان پر اور ابن بطوطہ کی تحریر پر بھی اعتماد

تفہیم القرآن ۲ ۵۱۵ الحجر ۱۵

حاشیہ ۴۴۔ "یعنی حجاز سے شام اور عراق سے مصر جاتے ہوئے یہ تباہ شدہ علاقہ راستہ میں پڑتا ہے اور عموماً قافلوں کے لوگ تباہی کے ان آثار کو دیکھتے ہیں جو اس پورے علاقے میں آج تک نمایاں ہیں۔ یہ علاقہ بحر لوط (بحیرۂ مردار) کے مشرق اور جنوب میں واقع ہے اور خصوصیت کے ساتھ اس کے جنوبی حصے کے متعلق جغرافیہ دانوں کا بیان ہے کہ یہاں اس درجہ ویرانی پائی جاتی ہے جس کی نظیر روئے زمین پر کہیں اور نہیں دیکھی گئی۔

حاشیہ ۴۵۔ یہ قوم ثمود کا مرکزی شہر تھا اور اس کے کھنڈر مدینہ کے شمال مغرب میں موجودہ شہر العلاء سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہیں۔ مدینہ سے تبوک جاتے ہوئے یہ مقام شاہ راہِ عام پر ملتا ہے اور قافلے اس وادی میں سے ہو کر گزرتے ہیں، مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق یہاں کوئی قیام نہیں کرتا۔ آٹھویں صدی ہجری میں ابن بطوطہ حج کو جاتے ہوئے یہاں پہنچا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ "یہاں سرخ رنگ کے پہاڑوں میں قومِ ثمود کی عمارتیں موجود ہیں جو انہوں نے چٹانوں کو تراش کر ان کے اندر بنائی تھیں"۔

(بلا تبصرہ)

عبارت نمبر ۳۳

تفہیم میں بائبل کی کتاب تلمود کے خلاصہ پر اعتماد

تفہیم القرآن ۲ ۵۱۲ الحجر ۱۵

حاشیہ ۳۹۔ "تلمود میں اس قوم کے جو حالات لکھے ہیں ان کا ایک خلاصہ ہم یہاں دیتے ہیں جس سے کچھ زیادہ تفصیل کے ساتھ معلوم ہوگا کہ یہ قوم اخلاقی فساد کی کس انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ اس میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک عیلامی مسافر ان کے علاقے سے گزر رہا تھا۔ راستہ میں شام ہوگئی اور اسے مجبوراً ان کے شہر سدوم میں ٹھہرنا پڑا۔ اس کے ساتھ اپنا زادِ راہ تھا۔ کسی سے اس نے میزبانی کی درخواست نہ کی بس ایک درخت کے نیچے اتر گیا مگر ایک سدومی اصرار کے ساتھ اٹھا کر اسے اپنے گھر لے گیا۔ رات اسے اپنے ہاں رکھا اور صبح ہونے سے پہلے اس کا گدھا اس کے زین اور مالِ تجارت سمیت اڑا دیا۔ اس نے شور مچایا مگر کسی نے اس کی فریاد نہ سنی بلکہ بستی کے لوگوں نے اس کا رہا سہا مال بھی لوٹ کر اسے نکال باہر کیا"۔

تنبیہ

ص ۵۱۳ پر اسی حاشیہ ۳۹ پر آپ تلمود کے مصنف پر اعتماد کر کے دو واقعات مزید لکھنے کے بعد تحریر کرتے ہیں:

"اس طرح کے متعدد واقعات بیان کرنے کے بعد تلمود کا مصنف لکھتا ہے"

پھر پانچ سطروں کے بعد اسی ص ۵۱۳ پر لکھتے ہیں کہ

"قرآن مجید میں اس پوری داستان کو سمیٹ کر صرف دو فقروں میں بیان کر دیا گیا ہے کہ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ (وہ پہلے سے بہت برے برے کام کر رہے تھے) اور اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ (تم مردوں سے خواہش نفس پوری کرتے ہو مسافروں کی راہ مارتے ہو اور اپنی مجلسوں میں کھلم کھلا بدکاریاں کرتے ہو"۔

قارئین کرام! جناب مودودی صاحب نے مذکورہ آیات کی تفسیر تلمود کی داستان سے بیان کی ہے جس کا نتیجہ کیا نکلا؟ کہ اوپر سے قرآن اور اندر میں بائبل کی کتاب تلمود سبحان اللہ!

عبارت نمبر ۳۴

کس کی روایت پر اعتماد کر کے سینٹ کیتھرائن کی خانقاہ کے متعلق آپ نے یہ بات لکھی؟

تفہیم القرآن ۳ ۵۵۸ سورۃ النمل

"سینٹ کیتھرائن کی خانقاہ میں وہ جگہ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھاڑی میں آگ لگی ہوئی نظر آئی تھی"

(نوٹ: مذکورہ خانقاہ کی تصویر تفہیم القرآن جلد ۳ صفحہ ۵۵۸ پر ملاحظہ فرمائیں)

(بلا تبصرہ مدعا واضح ہے)

عبارت نمبر ۳۵

نسلاً بعد نسلٍ چلی آ رہی مقامی روایت پر آپ کو اعتماد ہے مگر محدثین کرام کی سلسلہ وار سندوں پر نہیں۔ کیوں؟

"وہ درخت جس کے متعلق مقامی روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس پر سے کلام الٰہی کی آواز آئی تھی خانقاہ میں یہ روایت نسلاً بعد نسلٍ چلی آ رہی کہ یہ درخت صدیوں سے ہرا بھرا ہی دیکھا جاتا رہا ہے۔"

(نوٹ مذکورہ درخت کی تصویر تفہیم القرآن جلد ۳ صفحہ ۶۲۶ پر ملاحظہ فرمائیں)

(بلا تبصرہ)

عبارت نمبر ۳۶

کہنے والا کون ہے؟ جس کے قول پر اعتماد کر کے کنواں کے متعلق آپ نے یہ لکھ دیا؟

"وہ کنواں جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی جگہ بکریوں کو پانی پلایا تھا"

تفہیم القرآن ۳ ۶۲۷ سورۃ القصص

(نوٹ مذکورہ کنواں کی تصویر تفہیم القرآن جلد ۳ صفحہ ۶۲۷ پر ملاحظہ فرمائیں)

(بلا تبصرہ)

عبارت نمبر ۳۷

آپ نے کس کی ہدایت پر اعتماد کر کے لکھا کہ "مدین کی وادی" یہی ہے؟

تفہیم القرآن ۳ ۶۲۷ سورۃ القصص

مدین کی وادی

(نوٹ مذکورہ وادی کی تصویر تفہیم القرآن جلد ۳ صفحہ ۶۲۷ پر ملاحظہ فرمائیں)

(بلا تبصرہ)

عبارت نمبر ۳۸

تعجب ہے کہ جناب کو انگریز مؤرخ گبن کے قول پر اعتماد ہو گیا مگر محدثین پر نہیں

تفہیم القرآن ۳ ۶۲۷ الروم ۳۰

"غرض انگریز مؤرخ گبن کے بقول قرآن مجید کی اس پیشین گوئی کے بعد بھی سات آٹھ برس تک حالات ایسے تھے کہ کوئی شخص یہ تصور نہ کر سکتا تھا کہ رومی سلطنت ایران پر غالب آ جائے گی بلکہ غلبہ تو در کنار اس وقت تو کسی کو یہ امید بھی نہ تھی کہ اب یہ سلطنت زندہ رہ جائے گی

GIBBON DECLINE AND FALL THE ROMAN EMPIRE, VOL. II P. 788, MODERN LIBRARY NEWYORK

(بلا تبصرہ)"

عبارت نمبر ۳۹

آپ کو سب پر اعتماد ہے مگر محدثین پر نہیں۔ کیوں؟

تفہیم القرآن ۴ ۳۷ السجدہ ۳۲

حاشیہ ۵۔ "عرب کی روایات میں یہ بات بھی مشہور و معروف تھی کہ قدیم زمانے میں اہل عرب کا اصل دین' دین ابراہیمی تھا اور بت پرستی ان کے ہاں عمرو بن لحی نامی ایک شخص نے شروع کی تھی۔ شرک و بت پرستی کے رواج عام کے باوجود عرب کے مختلف حصوں میں جگہ جگہ ایسے لوگ موجود تھے جو شرک سے انکار کرتے تھے' توحید کا اعلان کرتے تھے اور بتوں پر قربانیاں کرنے کی علانیہ مذمت کرتے تھے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے بالکل قریب زمانے میں قس بن ساعدۃ الایادی' امیہ بن ابی الصلت' سوید بن عمر المصطلقی' وکیع بن سلمہ بن زہیر الایادی' عمرو بن جندب الجہنی' ابو قیس صرمہ بن ابی انس' زید بن عمرو بن نفیل' ورقہ بن نوفل' عثمان بن الحویرث' عبید اللہ بن جحش' عامر بن الظرب العدوانی' علاف بن شہاب التمیمی' المتلمس بن امیہ الکنانی' زہیر بن ابی سلمی' خالد بن سنان بن غیث العبسی' عبد اللہ القضاعی اور ایسے ہی بہت سے لوگوں کے حالات ہمیں تاریخوں میں ملتے ہیں جنہیں حنفاء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ سب لوگ علی الاعلان توحید کو اصل دین کہتے تھے اور مشرکین کے مذہب سے اپنی بے تعلقی کا صاف صاف اظہار کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کے ذہن میں یہ تخیل انبیاء علیہم السلام کی سابقہ تعلیمات کے باقی ماندہ اثرات ہی سے آیا تھا۔ اس کے علاوہ یمن میں چوتھی پانچویں صدی عیسوی کے جو کتبات آثار قدیمہ کی جدید تحقیقات کے سلسلے میں برآمد ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں وہاں ایک توحیدی مذہب موجود تھا جس کے پیرو الرحمان اور رب السماء والارض ہی کو الٰہ واحد تسلیم کرتے تھے۔ ۳۷۸ء کا ایک کتبہ ایک عبادت گاہ کے کھنڈر سے ملا ہے' جس میں لکھا گیا ہے کہ یہ معبد "الٰہ ذو سموی" یعنی الٰہ السماء کی عبادت کے لئے بنایا گیا ہے۔ ۴۶۵ء کے ایک کتبے میں بنصر ردا الٰہن بعل سمین وارضین (بنصر وبعون الالٰہ رب السماء والارض) کے الفاظ لکھے ہیں جو

عقیدۂ توحید پر صریح دلالت کرتے ہیں۔ اسی دور کا ایک اور کتبہ ایک قبر پر ملا ہے جس میں بخیل رحمنن (یعنی استعین بحول الرحمٰن) کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح شمال عرب میں دریائے فرات اور قنسرین کے درمیان زبد کے مقام پر ۵۱۲ء کا ایک کتبہ ملا ہے جس میں بِسْمِ اَلْاِلٰہ ' لَا عِزَّ اِلَّا لَہٗ ' لَا شُکْرَ اِلَّا لَہٗ کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ یہ ساری باتیں بتاتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے انبیاء سابقین کی تعلیمات کے آثار عرب سے بالکل مٹ نہیں گئے تھے اور کم از کم اتنی بات یاد دلانے کے لئے بہت سے ذرائع موجود تھے کہ "تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے" (مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد سوم صفحات ۳۶۴_۳۶۵)"

تنبیہ

قارئین کرام! آپ کو تواریخ کے علاوہ یمن میں چوتھی پانچویں صدی عیسوی ۳۷۸ء اور ۴۶۵ء پر اور شمال غرب میں دریائے فرات اور قنسرین کے درمیان زبد کے مقام پر ۵۱۲ء کے جو کتبات آثار قدیمہ کی جدید تحقیقات کے سلسلہ میں برآمد ہوئے ہیں ان سب پر مکمل اعتماد ہے مگر محدثین پر نہیں۔ کیوں؟

عبارت نمبر ۴۰

یمنی کھنڈروں کے مثلاً ۵۴۲ء یا ۵۴۳ء کے قدیم کتبات پر بھی اعتماد

تفہیم القرآن ۴ ۱۹۲ سبا ۳۴

حاشیہ ۲۹۔ "اصل میں لفظ سَیْلُ الْعَرِم استعمال کیا گیا ہے۔ عرم جنوبی عرب کی زبان کے لفظ عرمن سے ماخوذ ہے جس کے معنی "بند" کے ہیں۔ یمن کے کھنڈروں میں جو قدیم کتبات موجودہ زمانے میں دستیاب ہوئے ہیں ان میں یہ لفظ اس معنی میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ مثلاً ۵۴۲ء یا ۵۴۳ء کا ایک

کتبہ جو یمن کے حبشی گورنر ابرہہ نے سد مارب کی مرمت کرانے کے بعد نصب کرایا تھا اس میں وہ اس لفظ کو بار بار بند کے معنی میں استعمال کرتا ہے۔ لہٰذا سیل العرم سے مراد وہ سیلاب ہے جو کسی بند کے ٹوٹنے سے آئے"

تنبیہ

سیل العرم سے کون سیلاب مراد ہے؟ اس کے لئے یمن کے حبشی گورنر ابرہہ نے بار بار جس معنی میں اس لفظ کو استعمال کیا ہے اس پر اعتماد کر کے جناب نے تفسیر کی ہے۔ سبحان اللہ! "جدید تحقیق" کے نام پر اصول تفسیر اور احتیاط و پرہیز گاری کی حدوں کو توڑ کر سب کچھ جائز ہو جاتا ہے؟ وَلَا تَرْکَنُوْا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا کے خطاب میں شاید جناب مودودی صاحب نے اپنے آپ کو نہیں سمجھا ہوگا؟

عبارت نمبر ۴۱

فروری ۱۹۶۴ء اردو ڈائجسٹ پر اعتماد

تفہیم القرآن ۴ ۳۰۸ الصفت ۳۷

حاشیہ ۸۲۔ "یعنی جب حضرت یونسؑ نے اپنے قصور کا اعتراف کر لیا اور وہ ایک بندۂ مومن و قانت کی طرح اس کی تسبیح میں لگ گئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مچھلی نے ان کو ساحل پر اگل دیا۔ ساحل ایک چٹیل میدان تھا جس میں کوئی روئیدگی نہ تھی نہ کوئی ایسی چیز تھی جو حضرت یونس پر سایہ کرتی' نہ وہاں غذا کا کوئی سامان موجود تھا۔ اس مقام پر بہت سے عقلیت کے مدعی حضرات یہ کہتے سنے جاتے ہیں کہ مچھلی کے پیٹ میں جا کر کسی انسان کا زندہ نکل آنا غیر ممکن ہے لیکن پچھلی صدی کے اواخر میں اس نام نہاد عقلیت کے گڑھ (انگلستان) کے سواحل سے قریب ایک واقعہ پیش آ چکا ہے جو ان کے دعوے کی تردید کر دیتا ہے۔ اگست ۱۸۹۱ء میں ایک جہاز Star of the East پر کچھ مچھیرے وہیل کے شکار کے لئے گہرے سمندر میں گئے۔ وہاں انہوں نے ایک بہت بڑی مچھلی کو جو ۲۰ فٹ لمبی' ۵ فٹ چوڑی اور سو ٹن وزنی تھی سخت زخمی کر دیا۔ مگر اس سے جنگ کرتے ہوئے جیمز بارٹلے نامی ایک مچھیرے کو اس کے ساتھیوں کی آنکھوں کے سامنے مچھلی نے نگل لیا۔

دوسرے روز وہی مچھلی اس جہاز کے لوگوں کو مری ہوئی مل گئی۔ انہوں نے بمشکل اسے جہاز پر چڑھایا اور پھر طویل جدوجہد کے بعد جب اس کا پیٹ چاک کیا تو بارٹلے اس کے اندر سے زندہ برآمد ہو گیا۔ یہ شخص مچھلی کے پیٹ میں پورے ۶۰ گھنٹے رہا تھا (اردو ڈائجسٹ فروری ۱۹۶۴ء)۔ غور کرنے کی بات ہے کہ اگر معمولی حالات میں فطری طور پر ایسا ممکن ہے تو غیر معمولی حالات میں اللہ تعالیٰ کے معجزے کے طور پر ایسا ہونا کیوں غیر ممکن ہے؟"

(بلاتبصرہ)

عبارت نمبر ۴۲

یمن کے تین ہزار کھنڈرات و آثار قدیمہ کی جدید تحقیقات عربی روایات رومی و یونانی تواریخ پر آپ کو اعتماد ہے، مگر محدثین پر نہیں

تفہیم القرآن ۴ — ۱۹۶ — سبا ۳۴

"یمن میں بکثرت کتبات ملے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سارا ملک ان دیوتاؤں اور خصوصاً المقہ کے مندروں سے بھرا ہوا تھا اور ہر اہم واقعہ پر ان کے شکریے ادا کیے جاتے تھے۔ آثار قدیمہ کی جدید تحقیقات کے سلسلے میں یمن سے تقریباً ۳ ہزار کتبات فراہم ہوئے ہیں جو اس قوم کی تاریخ پر اہم روشنی ڈالتے ہیں۔ اس کے ساتھ عربی روایات اور رومی و یونانی تواریخ کی فراہم کردہ معلومات کو اگر جمع کر لیا جائے تو اچھی خاصی تفصیل کے ساتھ اس کی تاریخ مرتب کی جا سکتی ہے۔ ان معلومات کی رو سے اس کی تاریخ کے اہم ادوار حسب ذیل ہیں:"

(بلاتبصرہ)

عبارت نمبر ۴۳

آپ کے قیاس اور شبہ کی تقویت (۱۹۶۵ء میں آثار قدیمہ کی تلاش کرنے والی) ایک امریکی جماعت سے ہوئی۔

سبحان اللہ!

تفہیم القرآن ۵ — ۴۸ — الذریٰت ۵۱

حاشیہ ۳۵۔ "اس سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ جنوب کا حصہ پہلے اس بحیرے کی سطح سے بلند تھا۔ بعد میں کسی وقت دھنس کر اس کے نیچے چلا گیا۔ اس کے دھنسنے کا زمانہ بھی دو ہزار برس قبل مسیح کے لگ بھگ معلوم ہوتا ہے اور یہی تاریخی طور پر حضرت ابراہیم اور حضرت لوط کا زمانہ ہے۔ ۱۹۶۵ء میں آثار قدیمہ کی تلاش کرنے والی ایک امریکی جماعت کو الحسان پر ایک بہت بڑا قبرستان ملا ہے۔ جس میں ۲۰ ہزار سے زیادہ قبریں ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قریب میں کوئی بڑا شہر ضرور آباد ہوگا۔ مگر کسی ایسے شہر کے آثار آس پاس کہیں موجود نہیں ہیں جس سے متصل اتنا بڑا قبرستان بن سکتا ہو۔ اس سے بھی یہ شبہ تقویت پاتا ہے کہ جس شہر کا یہ قبرستان تھا وہ بحیرے میں غرق ہو چکا ہے۔ بحیرے کے جنوب میں علاقہ ہے اس میں اب بھی ہر طرف تباہی کے آثار موجود ہیں اور زمین میں گندھک، رال، کول تار اور قدرتی گیس کے اتنے ذخائر پائے جاتے ہیں جنہیں دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ کسی وقت بجلیوں کے گرنے سے یا زلزلے کا لاوا نکلنے سے یہاں ایک جہنم پھٹ پڑی ہوگی (مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد سوم الشعراء حاشیہ ۱۱۴)۔"

(بلاتبصرہ)

عبارت نمبر ۴۴

۱۔ الاحقاف کے متعلق آپ کا اغلب گمان کیا ہے؟

۲۔ ۱۸۴۳ء کے یوریائی فوجی آدمی پر اعتماد

تفہیم القرآن ۴ ۶۱۵ الاحقاف ۴۶

حاشیہ ۲۵۔ ''الاحقاف کی موجودہ حالت کو دیکھ کر کوئی شخص یہ گمان بھی نہیں کرسکتا کہ کبھی یہاں ایک شاندار تمدن رکھنے والی طاقت ور قوم آباد ہوگی۔ اغلب یہ ہے کہ ہزاروں برس پہلے یہ ایک شاداب علاقہ ہوگا اور بعد میں آب وہوا کی تبدیلی نے اسے ریگ زار بنادیا ہوگا آج اس کی حالت یہ ہے کہ ایک لق ودق ریگستان ہے جس کے اندرونی حصوں میں جانے کی بھی کوئی ہمت نہیں رکھتا۔ ۱۸۴۳ء میں یوریا کا ایک فوجی آدمی اس کے جنوبی کنارے سے پہنچ گیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ حضر موت کی شمالی سطح مرتفع پر سے کھڑے ہوکر دیکھا جائے تو یہ صحرا ایک ہزار فیٹ نشیب میں نظر آتا ہے۔ اس میں جگہ جگہ ایسے سفید قطعے ہیں جن میں اگر کوئی چیز گر جائے تو وہ ریت میں غرق ہوتی چلی جاتی ہے اور بالکل بوسیدہ ہوجاتی ہے۔ عرب کے بدو اس علاقے سے بہت ڈرتے ہیں اور کسی قیمت پر وہاں جانے کے لئے راضی نہیں ہوتے۔ ایک موقع پر جب بدو اسے وہاں لے جانے پر راضی نہ ہوئے تو وہ اکیلا وہاں گیا۔ اس کا بیان ہے کہ یہاں کی ریت بالکل باریک سفوف کی طرح ہے۔ میں نے دور سے ایک شاقول اس میں پھینکا تو وہ ۵ منٹ کے اندر اس میں غرق ہوگیا اور اس رسی کا سرا گل گیا جس کے ساتھ وہ بندھا ہوا تھا مفصل معلومات کے لئے ملاحظہ ہو:

The Unveling of Arabic. R.H.K. Mam London 1937,

The Empty Qurter Phiby London 1933

تنبیہ

واضح رہے کہ اس سے قبل ہی حاشیہ ۲۵ میں آپ نے مزار ہود علیہ السلام پر شریک

ہونے والے ہزاروں آدمی کی شرکت کے علاوہ مقامی باشندوں کی مقامی روایات پر بھی اعتماد کیا ہے سبحان اللہ۔ اب کہاں گئی آپ کی شانِ تحقیق؟ کہاں گئی آنجناب کی عقل صریح؟ جو محدثین کرام کے بیان کردہ اسناد و متون کو ہضم نہیں کرپاتی ہے؟

عبارت نمبر ۴۵

بائبل کے ایک مشہور جرمن عالم ریورینڈ ہربرٹ ہاگ کی تحریر سے استدلال

تفہیم القرآن ۵ ۵۲۹ التغابن

حاشیہ ۵۔ ''آج خود کیتھولک علماء یہ کہنے لگے ہیں کہ بائبل میں اس عقیدے کی کوئی بنیاد موجود نہیں ہے۔ چنانچہ بائبل کا ایک مشہور جرمن عالم ریورینڈ ہربرٹ ہاگ اپنی تازہ کتاب **Is Original Sin In Scripture** میں لکھتا ہے کہ ابتدائی دور کے عیسائیوں میں کم از کم تیسری صدی تک یہ عقیدہ سرے سے موجود ہی نہ تھا کہ انسان پیدائشی گنہگار ہے اور جب یہ خیال لوگوں میں پھیلنے لگا تو دو صدیوں تک عیسائی اہل علم اس کی تردید کرتے رہے۔ مگر آخر کار پانچویں صدی میں سینٹ آگسٹائن نے اپنی منطق کے زور سے اس بات کو مسیحیت کے بنیادی عقائد میں شامل کردیا کہ ''نوع انسانی نے آدم کے گناہ کا وبال وراثت میں پایا ہے اور مسیح کے کفارے کی بدولت نجات پانے کے سوا انسان کے لئے کوئی راہ نجات نہیں ہے''

تنبیہ

غور کیجئے کہ جناب مودودی صاحب اپنے مزعومات کے اثبات کے لئے کسی کی بھی تحریر اور قول لینے میں ہچکچاہٹ اور دریغ نہیں محسوس کرتے بس ان کے نظریات اور مزاج و افکار کی تصدیق ہونی چاہئے خواہ کہیں سے بھی ہوجائے۔ یہی ہے آنجناب کی جدید تحقیقی اسلوب اور عصر حاضر کا نیا طریقہ استدلال؟ چنانچہ لگے بندھے حدود و قیود:

سے نکل کر جدید تحقیقی اسلوب نے کیا گل کھلایا؟ اور کیسا صاف راستہ آپ کو سجھائی دیا کہ بائبل کے ایک مشہور جرمن عالم کی کتاب سے استدلال کیا گیا اور اس کو "جدید تحقیقی اسلوب" کے نام سے امت مسلمہ کے حلق سے اتارنے کی کوشش کی گئی ہے کیا یہ دین کو مضحکہ بناتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ

"بخاری کی روایات کو محض صحت سند کے زور پر لوگوں کے حلق سے اتروانے کی کوشش کرنا دین کو مضحکہ بناتا ہے۔ تفہیم جلد ۴ ص ۳۳۷، حاشیہ ۳۶"

عبارت ۴۶

سائنس دانوں کے سب سے زیادہ مقبول نظریہ پر اعتماد کرنے کے بعد انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ملاحظہ کرنے کی دعوت

تفہیم القرآن ۶ ۴۴ الملک ۶۷

حاشیہ ۱۱۔ "رہا یہ سوال کہ ان شہابوں کی حقیقت کیا ہے تو اس کے بارے میں انسان کی معلومات اس وقت تک کسی قطعی تحقیق سے قاصر ہیں۔ تاہم جس قدر بھی حقائق اور واقعات جدید ترین دور تک انسان کے علم میں آئے ہیں، اور زمین پر گرے ہوئے شہابیوں کے معائنے سے جو معلومات حاصل کی گئی ہیں، ان کی بناء پر سائنس دانوں میں سب سے زیادہ مقبول نظریہ یہی ہے کہ یہ شہابیے کسی سیارے کے انفجار کی بدولت نکل کر خلا میں گھومتے رہتے ہیں اور پھر کسی وقت زمین کی کشش کے دائرے میں آ کر ادھر کا رخ کر لیتے ہیں (ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا' ایڈیشن ۱۹۶۷ء۔ جلد ۱۵۔ لفظ (Meteorites)"

تنبیہ

کتاب انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا انگلستان کے بہت سے علماء کی متفقہ تالیف اور ان کی پسندیدہ کتاب ہے (بائبل سے قرآن تک ج اول ص ۵۲۲) اسی لئے غالباً آنجناب

مودودی مرحوم کی بھی پسندیدہ کتاب ہو گئی۔ ورنہ اس کو ملاحظہ کرنے کی دعوت دینا (وہ بھی اوسط درجہ کے لوگوں کو) کہاں تک معقول ہے؟

اور بتلایئے کہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا پر انگلستان کے علماء کو اعتماد ہے۔ تو جناب مولانا مودودی صاحب نے اس پر کیوں اعتماد کیا؟ اسی لئے کہ جدید تحقیقی اسلوب سے قرآن پاک کی تفہیم کی جا رہی ہے؟ یعنی قارئین کرام انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کو ملاحظہ کر لیں گے تو روح قرآن تک پہونچ جائیں گے؟ سبحان اللہ۔

عبارت نمبر ۴۷

سائنس دانوں کی پیش کردہ ان تفصیلات پر آپ نے اعتماد تو کیا مگر ماخذ نہیں بتلایا

تفہیم القرآن ۶ ۲۲۷ النباء ۷۸

حاشیہ ۱۰۔ "مراد ہے سورج۔ اصل میں لفظ وھاج استعمال ہوا ہے جس کے معنی نہایت گرم کے بھی ہیں اور نہایت روشن کے بھی، اس لئے ترجمہ میں ہم نے دونوں معنی درج کر دیے ہیں۔ اس مختصر سے فقرے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے جس عظیم الشان نشان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کا قطر زمین کے قطر سے ۱۰۹ گنا اور اس کا حجم زمین کے حجم سے ۱۳ لاکھ ۳۳ ہزار گنا زیادہ بڑا ہے۔ اس کا درجہ حرارت ایک کروڑ چالیس لاکھ ڈگری سنٹی گریڈ ہے۔ زمین سے ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ میل دور ہونے کے باوجود اس کی روشنی کا یہ حال ہے کہ انسان اگر برہنہ آنکھ سے اس کی طرف نظر جمانے کی کوشش کرے تو اپنی بینائی کھو بیٹھے اور اس کی گرمی کا حال یہ ہے کہ زمین کے بعض حصوں میں اس کی تپش کی وجہ سے درجہ حرارت ۱۴۰ ڈگری فارن ہائٹ تک پہنچ جاتا ہے"

تنبیہ

جس طرح تفہیم ج ۶ ص ۲۲۷ حاشیہ ۱۱ میں شہابوں کی حقیقت کے متعلق آپ

نے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کو ماخذ بتلایا ہے اسی طرح سائنس دانوں کی پیش کردہ ان
تفصیلات کا ماخذ بھی آپ کو بتلانا ضروری تھا۔ تاکہ قارئین کرام کو معلوم ہوتا کہ جناب والا
محدثین و مفسرین کی تحقیقات پر اعتماد نہ کر کے کن کن انگریزوں کی تحقیقات پر اعتماد کرتے
ہیں؟ اور کن کن لوگوں کی تحقیقات سے آپ نے تفہیم کے لکھنے میں مدد لی ہے۔۔۔۔۔؟

عبارت نمبر ۴۸

ا۔ آپ نے یہاں مؤرخین کی روایات پر بھی جرح وقدح کیوں نہیں کیا؟

۲۔ اسلامی مؤرخین کے بیانات کی تصدیق اور مزید تفصیلات دوسرے تاریخی ذرائع سے کیوں؟

تفہیم القرآن ۶ ۔۔۔ ۲۹۷ ۔۔۔ البروج ۸۵

ا۔ ''سب سے مشہور واقعہ نجران کا ہے جسے ابن ہشام' طبری' ابن خلدون اور صاحب معجم البلدان وغیرہ اسلامی مؤرخین نے بیان کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تبع (یمن) کا بادشاہ تبان اسعد ابوکرب ایک مرتبہ یثرب گیا جہاں یہودیوں سے متاثر ہو کر اس نے دین یہود قبول کرلیا اور بنی قریظہ کے دو یہودی عالموں کو اپنے ساتھ یمن لے گیا۔ وہاں اس نے بڑے پیمانے پر یہودیت کی اشاعت کی۔ اس کا بیٹا ذونواس اس کا جانشین ہوا اور اس نے نجران پر جو جنوبی عرب میں عیسائیوں کا گڑھ تھا' حملہ کیا تاکہ وہاں سے عیسائیت کا خاتمہ کر دے اور اس کے باشندوں کو یہودیت اختیار کرنے پر مجبور کرے (ابن ہشام کہتا ہے کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ کے اصل دین پر قائم تھے) نجران پہنچ کر اس نے لوگوں کو دین یہود قبول کرنے کی دعوت دی مگر انہوں نے انکار کیا اس پر اس نے بکثرت لوگوں کو آگ سے بھرے ہوئے گڑھوں میں پھینک کر جلوا دیا اور بہت سوں کو قتل کر دیا' یہاں تک کہ مجموعی

طور پر ۲۰ ہزار آدمی مارے گئے۔ اہل نجران میں سے ایک شخص دوس ذو ثعلبان بھاگ نکلا اور ایک روایت کی رو سے اس نے قیصر روم کے پاس جا کر اور دوسری روایت کی رو سے حبش کے بادشاہ نجاشی کے ہاں جا کر اس ظلم کی شکایت کی۔ پہلی روایت کی رو سے قیصر نے حبش کے بادشاہ کو لکھا' اور دوسری روایت کی رو سے نجاشی نے قیصر بحری بیڑہ فراہم کرنے کی درخواست کی۔ بہرحال آخرکار حبش کی ۷۰ ہزار فوج ارباط نامی ایک جنرل کی قیادت میں یمن پر حملہ آور ہوئی ذونواس مارا گیا' یہودی حکومت کا خاتمہ ہو گیا' اور یمن حبش کی عیسائی سلطنت کا ایک حصہ بن گیا۔

۲۔ اسلامی مؤرخین کے بیانات کی نہ صرف تصدیق دوسرے تاریخی ذرائع سے ہوتی ہے بلکہ ان سے بہت سی مزید تفصیلات کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یمن پر سب سے پہلے عیسائی حبشیوں کا قبضہ ۳۴۰ء میں ہوا تھا اور ۳۷۸ء تک جاری رہا تھا۔ اسی زمانے میں عیسائی مشنری میں داخل ہونے شروع ہوئے۔ اسی کے قریب دور میں ایک زاہد و مجاہد اور صاحب کشف و کرامات عیسائی سیاح فیمیون (Faymiyun) نامی نجران پہنچا اور اس نے وہاں کے لوگوں کو بت پرستی کی برائی سمجھائی اور اس کی تبلیغ سے اہل نجران عیسائی ہو گئے۔ ان لوگوں کا نظام تین سردار چلاتے تھے۔ ایک سید' جو قبائلی شیوخ کی طرح بڑا سردار اور خارجی معاملات' معاہدات اور فوجوں کی قیادت کا ذمہ دار تھا۔ دوسرا عاقب جو داخلی معاملات کا نگراں تھا۔ اور تیسرا اسقف (بشپ) جو مذہبی پیشوا ہوتا تھا۔ جنوبی عرب میں نجران کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ یہ ایک بڑا تجارتی اور صنعتی مرکز تھا۔ ٹسر' چمڑے اور اسلحہ کی صنعتیں یہاں چل رہی تھیں۔ مشہور حلہ' یمانی بھی یہیں تیار ہوتا تھا۔ اسی بنا پر محض مذہبی وجوہ ہی سے نہیں بلکہ سیاسی اور معاشی وجوہ سے بھی ذونواس نے اس اہم مقام پر حملہ کیا۔ نجران کے سید حارثہ کو جسے سریانی مؤرخین Arethas لکھتے ہیں' قتل کیا' اس کی بیوی رومہ کے سامنے اس کی دو بیٹیوں کو مار ڈالا اور اسے ان کا خون پینے پر مجبور کیا' پھر اسے بھی قتل کر دیا۔ اسقف پال (Paul) کی ہڈیاں قبر سے نکال کر جلا دیں۔۔۔الخ''

تنبیہ

ص ۲۹۶ پر آپ نے محدثین کے روایت کردہ واقعہ کو بیان کرنے کے بعد اسلامی مؤرخین کی روایات بیان کی ہیں لیکن اسلامی مؤرخین کے بیانات پر آپ کو مکمل اعتماد نہیں ہوا تو عیسائی مصنفین و مؤرخین کی تحریرات سے اس کی تصدیق کی اور ان ہی کی عیسائی مؤرخین کے بیانات پر اعتماد کر کے مزید تفصیلات کا بھی پتہ چلایا آپ لکھتے ہیں

"اسلامی مؤرخین کے بیانات کی نہ صرف تصدیق دوسرے تاریخی ذرائع سے ہوتی ہے بلکہ ان سے بہت سی مزید تفصیلات کا بھی پتہ چلتا ہے"۔

اب مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ جس طرح آپ محدثین کی روایات پر تنقید کرتے ہیں تو اسی طرح مؤرخین کی ان اضطرابی روایات پر جرح وقدح وتنقید کیوں نہیں کی؟ یعنی احادیث شریفہ اور حضرات محدثین سے الرجی؟ اور تواریخ و مؤرخین سے غیر معمولی محبت وشیفتگی کیوں ہے؟ پھر اگر اس کو دیکھا جائے کہ آنجناب محدثین کی روایات کے مقابلہ میں اسلامی مؤرخین کی روایات پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں تو اسلامی مؤرخین کے بیانات کی تصدیق عیسائی مصنفین سے کیوں کی؟ کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر عیسائی مصنفین کی تحریرات سے اسلامی مؤرخین کے بیانات کی تصدیق نہ ہوتی تو آپ حضرات محدثین کی طرح اسلامی مؤرخین پر بھی قطعاً اعتماد نہ کرتے اور نہ ان کے بیانات سے استدلال کرتے جس کا خلاصہ اور نچوڑ یہ نکلا کہ آپ کے نزدیک اصل عیسائی مصنفین کی تحریرات ہیں اسی وجہ سے ان کو تصدیق وتائید میں پیش کی ہیں۔ ورنہ بتلایا جائے کہ عیسائی تحریرات سے اسلامی مؤرخین کے بیانات کی صداقت کو پرکھنے اور جانچنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

اور ان سب کا خلاصہ یہ نکلا کہ اصولی طور پر آپ محدثین کی روایات پر اعتماد ہی نہیں کرتے اور اگر کہیں مصلحۃً کرتے ہیں تو ان سے زیادہ مؤرخین کی روایات پر اعتماد کرتے ہیں اور اسلامی مؤرخین سے زیادہ عیسائی مصنفین کی تحریرات پر اندازہ لگایا جائے کہ جناب مودودی صاحب نے قرآن کے نام پر مسلمان کو کیسا افیون کھلایا ہے؟

عبارت نمبر ۴۹

۱۔ عیسائی تواریخ اور عیسائی مصنفین (جن کے نام بھی شمار کرائے ہیں) اگر مسلمان مؤرخین کے بیان کی تصدیق نہ کرتے تو آپ کو محدثین کی طرح اسلامی مؤرخین پر بھی اعتماد کبھی بھی نہ ہوتا۔

۲۔ حصن غراب کے کتبے پر اعتماد کے علاوہ عیسائی تحریرات پر اعتماد پیدا کرنے کی سعی بلیغ

تفہیم القرآن ٦	۲۹۸	البروج ۸۵

"مجموعی طور پر ۲۰ سے چالیس ہزار تک مقتولین کی تعداد بیان کی جاتی ہے۔ یہ واقعہ اکتوبر ۵۲۳ء میں پیش آیا تھا آخرکار ۵۲۵ء میں حبشیوں نے یمن پر حملہ کر کے ذونواس اور اس کی حمیری سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ اس کی تصدیق حصن غُراب کے کتبے سے ہوتی ہے جو یمن میں موجودہ زمانہ کے محققین کے آثار قدیمہ کو ملا ہے۔

چھٹی صدی عیسوی کی متعدد عیسائی تحریرات میں اصحاب الاخدود کے اس واقعہ کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں جن میں سے بعض عین زمانہ حادثہ کی لکھی ہوئی ہیں اور عینی شاہدوں سے سن کر لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے تین کتابوں کے مصنف اس واقعہ کے ہم عصر ہیں۔ ایک پروکوپیوس دوسرا کوسماس انڈیکوپلیوسٹس (Cosmos Indicopleustis) جو نجاشی ایلیسبوعان (Elesboan) کے حکم سے اس زمانے میں بطلیموس کی یونانی کتابوں کا ترجمہ کر رہا تھا اور حبش کے ساحلی شہر ادولیس (Adoils) میں مقیم تھا۔ تیسرا یوحنس ملالا (Johannes Malala) جس سے بعد کے متعدد مؤرخین نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ اس کے بعد یوحنس افسوی

(Johannes of Ephesus) متوفی ۵۸۵ء نے اپنی تاریخ کنیسہ میں نصاریٰ نجران کی تعذیب کا قصہ اس واقعہ کے معاصر راوی اسقف بارشمعون (Simeon) کے ایک خط سے نقل کیا ہے جو اس نے دیر جبلہ کے رئیس (Abbot von Gabula) کے نام لکھا تھا' اور بارشمعون نے اپنے خط میں یہ واقعہ ان اہل یمن کے آنکھوں دیکھے بیان سے روایت کیا ہے جو اس موقع پر موجود تھے۔ یہ خط ۱۸۸۱ء میں روم سے اور ۱۸۹۰ء میں شہدائے مسیحیت کے حالات کے سلسلے میں شائع ہوا ہے۔ یعقوبی بطریق ڈایونیسیوس (Patriarch Dionysius) اور زکریا مدلی (Zacharia of Mitylene) نے اپنی سریانی تاریخوں میں بھی اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ یعقوب سروجی کی کتاب درباب نصاریٰ نجران میں بھی یہ ذکر موجود ہے۔ الرہا (Edessa) کے اسقف پولس (Pulus) نے نجران کے ہلاک شدگان کا مرثیہ لکھا جواب بھی دستیاب ہے۔ سریانی زبان کی تصنیف کتاب الحمیریین کا انگریزی ترجمہ (Book of the Himyaites) ۱۹۲۴ء میں لندن سے شائع ہوا ہے اور وہ مسلمان مؤرخین کے بیان کی تصدیق کرتا ہے۔ برٹش میوزم میں اس عہد اور اس سے قریبی عہد کے کچھ حبشی مخطوطات بھی موجود ہیں جو اس قصے کی تائید کرتے ہیں۔ فلبی نے اپنے سفرنامے (Arabian Highlands) میں لکھا ہے کہ نجران کے لوگوں میں اب تک وہ جگہ معروف ہے جہاں اصحاب الاخدود کا واقعہ پیش آیا تھا۔ اخدود قریب کے پاس ایک جگہ چٹانوں میں کھدی ہوئی کچھ تصویریں بھی پائی جاتی ہیں۔ اور کعبہ نجران جس جگہ واقع تھا اس کو بھی آج کل کے اہل نجران جانتے ہیں"

قارئین کرام! تفہیم القرآن کے اس صفحہ ۲۹۸ کو بغور ملاحظہ فرمایا جائے کہ عیسائی تحریرات کی توثیق کی جناب مودودی صاحب نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا؟ سوال یہ ہے کہ محدثین کرام کی تحقیقات وتحریرات کے باب میں آپ کا یہ زور کہاں چلا جاتا ہے؟ آپ فرماتے ہیں:

"چھٹی صدی عیسوی کی متعدد عیسائی تحریرات میں اصحاب الاخدود کے اس واقعہ کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں جن میں سے بعض عین زمانہ حادثہ کی لکھی ہوئی ہیں اور عینی شاہدوں سے سن کر لکھی گئی ہیں ان میں سے تین کتابوں کے مصنف اس واقعہ کے ہم عصر ہیں ایک پروکوپیوس دوسرا کوسماس انڈیکو پلیوسٹس جو نجاشی ایسیوعان کے حکم سے اس زمانے میں بطلیموس کی یونانی کتابوں کا ترجمہ کر رہا تھا......الخ"

آپ کی اس پوری تحریر وعبارت سے عیسائی تحریرات کی عظمت واہمیت اور حقانیت دلوں میں اترتی ہے کاش! ان ہی اسلوب تحریر سے محدثین کے بیان کردہ اسناد وفنون پر بھی آپ کلام کرتے تو نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

"اصحاب الاخدود" کے بابت احادیث وتواریخ کی روشنی میں آپ نے جو کچھ تحریر کیا تھا کیا وہ کافی نہیں تھیں؟ جس کی وجہ سے قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ کی تفسیر وتفصیل متعدد عیسائی تحریرات سے کی گئی؟ آخر عیسائی تحریرات سے قرآن کی تفصیلات وتصدیقات کیوں؟

قارئین کرام! غور فرمایئے کہ جناب مودودی صاحب قرآن کریم اور احادیث شریفہ کے مقابلہ میں تواریخ کو ہر جگہ کیوں بیان کرتے ہیں سوال یہ ہے کہ قرآن پاک اور احادیث شریفہ کے مقابلہ میں تاریخ کا مقام ودرجہ کیا ہے؟ کیا تاریخ کا یہ درجہ ہے کہ قرآن اور حدیث کی طرح اس پر بھی عقیدہ کی بنیاد رکھی جائے؟ کیا قرآن وحدیث کی طرح تاریخ سے بھی ہر چیز کا حکم بیان کر سکتے ہیں؟ کیا جس طرح قرآن وحدیث سنداً ومتناً ہر طرح سے محفوظ ہیں اسی طرح تاریخ بھی ہر طرح کی کمزوریوں سے محفوظ اور پاک ہے؟ یعنی جس طرح سے قرآن وحدیث کی حفاظت کے لئے قوانین واصول وضع کئے گئے ہیں کیا اسی طرح سے تاریخ کے لئے بھی قوانین وضع کئے گئے ہیں؟

اگر ہمارے ان سوالوں کے جوابات نفی میں ہیں اور یقیناً نفی ہی میں ہیں تو پھر بتلایا جائے کہ قرآن واحادیث کے مقابلہ میں جناب مودودی صاحب کا تواریخ سے استدلال کرنا ایک بے کار محض طریقہ کار نہیں تو کیا ہے؟

"مقام صحابہ" نامی کتاب میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ دیوبندی تحریر فرماتے ہیں:

"علماء اسلام نے فن تاریخ کی جو خدمتیں کی ہیں وہ اس کی اسلامی اہمیت کی شاہد ہیں۔ (اور مسلمان ہی درحقیقت اس فن کو باقاعدہ فن

بنانے والے ہیں) مگر ہر فن کا ایک مقام اور درجہ ہوتا ہے فن تاریخ کا یہ درجہ نہیں کہ صحابہ کرام کی ذات وشخصیات کو قرآن وسنت کی نصوص سے صرف نظر کرکے صرف تاریخی روایات کے آئینہ میں دیکھا جائے اور اس پر عقیدہ کی بنیاد رکھی جائے جس طرح فن طب کی کتابوں سے اشیاء کے حلال حرام یا پاک ناپاک ہونے کے مسائل واحکام ثابت نہیں کئے جاسکتے اگرچہ طب کی یہ کتابیں اکابر علماء ہی کی تصنیف ہوں۔ تاریخی حیثیت کا کمزور پہلو فتنوں اور ہنگاموں کے حالات اور ان میں مشہور ہونے والی روایات کا جن لوگوں کو تجربہ ہے وہ جانتے ہیں کہ شہر میں کسی جگہ کوئی ہنگامہ پیش آجائے تو اسی زمانے اور اسی شہر کے رہنے والے بڑے بڑے ثقہ لوگوں کی روایتوں کا بھروسہ نہیں رہتا کیونکہ جس شخص سے انہوں نے سنا تھا اس کو معتمد سمجھ کر اس کی روایت بیان کردی مگر ہوتا یہ ہے کہ اس معتمد نے بھی خود واقعہ دیکھا نہیں کسی دوسرے سے سنا اور یوں روایت در روایت ہو کر ایک بالکل بے سروپا افواہ ایک معتمد علیہ روایت کی صورت اختیار کرلیتی ہے"۔

(مودودی صاحب اکابر امت کی نظر میں ص۱۵۳)

قارئین کرام! اس لئے قرآن پاک واحادیث شریفہ کی نصوص قطعیہ سے آنکھیں بند کرکے جناب سید مودودی صاحب کا صرف تاریخی روایات کی بنیاد پر (خواہ وہ تواریخ اسلامی ہوں یا اسرائیلی) قرآن کی تفہیم کس طرح درست قرار دی جاسکتی ہے.....؟

عبارت نمبر ۵۰

۱۔ یونانی اور سُریانی مؤرخین کے بیانات وتحریرات پر اعتماد

۲۔ گلیزر کے نقل کردہ کتبہ پر بھی اعتماد

تفہیم القرآن ۶ ۴۶۳ الفیل ۱۰۵

"یمن پر جو حبشی فوج حملہ آور ہوئی تھی اس کے متعلق عرب مؤرخین کے بیانات مختلف ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ وہ دو امیروں کی قیادت میں تھی ایک اریاط دوسرا ابرہہ اور محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ اس فوج کا امیر اریاط تھا باہم لڑ پڑے مقابلے میں اریاط مارا گیا' ابرہہ ملک پر قابض ہوگیا اور پھر اس نے شاہ حبش کو اس بات پر راضی کرلیا کہ وہ اسی کو یمن پر اپنا نائب مقرر کردے۔ اس کے برعکس یونانی اور سریانی مؤرخین کا بیان ہے کہ فتح یمن

کے بعد جب حبشیوں نے مزاحمت کرنے والے یمنی سرداروں کو ایک ایک کرکے قتل کرنا شروع کردیا تو ان میں سے ایک سردار اَسْمَیْفَع اَشْوَع (جسے یونانی مؤرخین Esymphaeus لکھتے ہیں) نے حبشیوں کی اطاعت قبول کرکے اور جزیہ ادا کرنے کا عہد کرکے شاہ حبش سے یمن کی گورنری کا پروانہ حاصل کرلیا۔ لیکن حبشی فوج نے اس کے خلاف بغاوت کردی اور ابرہہ کو اس کی جگہ گورنر بنادیا۔ یہ شخص حبش کی بندرگاہ اوولیس کے ایک یونانی تاجر کا غلام تھا جو اپنی ہوشیاری سے یمن پر قبضہ کرنے والی حبشی فوج میں بڑا اثر ورسوخ حاصل کرلیا گیا تھا۔ شاہ حبش نے اس کی سرکوبی کے لئے جو فوجیں بھیجیں وہ یا اس سے مل گئیں یا اس نے ان کو شکست دے دی۔ آخر کار شاہ حبش کے مرنے کے بعد اس کے جانشین نے اس کو یمن پر اپنا نائب السلطنت تسلیم کرلیا (یونانی مؤرخین اس کا نام ابراماس Abrames اور سریانی مؤرخین ابراہام Abraham لکھتے ہیں۔ ابرہہ غالباً اسی کا حبشی تلفظ ہے' کیونکہ عربی میں تو اس کا تلفظ ابراہیم ہے)

یہ شخص رفتہ رفتہ یمن کا خود مختار بادشاہ بن گیا' مگر برائے نام اس نے شاہ حبش کی بالادستی تسلیم کر رکھی تھی اور اپنے آپ کو مفوض الملک (نائب شاہ) لکھتا تھا۔ اس نے جو اثر ورسوخ حاصل کرلیا تھا اس کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ جب ۵۴۳ء میں وہ سدِ مارب کی مرمت سے فارغ ہوا تو اس نے ایک عظیم الشان جشن منایا جس میں قیصر روم شاہ ایران' شاہ حیرہ اور شاہ غسان کے سفراء شریک ہوئے۔ اس کا مفصل تذکرہ اس کتبے میں درج ہے جو ابرہہ نے سد مارب پر لگایا تھا۔ یہ کتبہ آج بھی موجود ہے اور گلیزر (Glaser) نے اس کو نقل کیا ہے (مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن' جلد چہارم' تفسیر سورہ سبا' حاشیہ ۳۷)

(عنوان کی وجہ سے بلا تبصرہ ہی مدعا واضح ہے)

یعنی یہ کہ مؤرخین کی بیان کردہ تواریخ میں تو حضرات محدثین کی نقل کردہ اسناد سے زیادہ اختلاف وتنقید کی گنجائش ہے تو آپ نے جس طرح اسناد ومتون حدیث کو مجروح کیا ہے بعینہٖ اسی طرح تواریخ کو مجروح کیوں نہیں کیا؟ اور جب احادیث پر اعتماد نہیں تو تواریخ پر اعتماد کیوں کیا؟

نواں باب

تفہیم القرآن میں بائبل اور قرآن کی بعینہ ایک تصویر

عبارت نمبر ۵۱

یہ سب (یعنی کتب محرفہ بائبل وغیرہ اور قرآن پاک) ایک ہی ''الکتاب'' کے مختلف ایڈیشن ہیں

تفہیم القرآن ۱ ۴۷۸ المائدہ ۵

حاشیہ ۷۸۔ ''پس حقیقت صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ یہ کتابیں ایک دوسرے کی مخالف نہیں مؤید ہیں، تردید کرنے والی نہیں، تصدیق کرنے والی ہیں، بلکہ اصل حقیقت اس سے کچھ بڑھ کر ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ سب ایک ہی ''الکتاب'' کے مختلف ایڈیشن ہیں''۔

تنبیہ

میری کتاب میں اس عنوان کے شروع میں ایک باب ہے ''انٹرویو کی جملہ عبارات تفہیم میں'' اس کے ذیل میں راقم الحروف نے تفہیم القرآن ج ۱ کے ص ۴۷۸ کے متعلق کلام کر چکا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہاں ملاحظہ کر لیں۔

عبارت نمبر ۵۲

بائبل سے حضرت ایوبؑ کی کردارکشی کے بعد قرآن مجید اور یہ صحیفے ایک ہی ہیں۔ گزارش ہے کہ تفہیم ج ۲ ص ۴۶۵ حاشیہ ۵۸ کو بھی اس حاشیہ ۲۰۵ کے ساتھ ملاحظہ کیا جائے

تفہیم القرآن ۱ ۴۲۴۔۴۲۵ النساء

حاشیہ ۲۰۵۔ ''اس کے بالکل برعکس وہ ساری کتاب ہمیں یہ بتاتی ہے کہ حضرت ایوب اپنی مصیبت کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کے خلاف سراپا شکایت بنے ہوئے تھے حتی کہ ان کے ہمنشین انہیں اس امر پر مطمئن کرنے کی کوشش

کرتے تھے کہ خدا ظالم نہیں ہے مگر وہ کسی طرح مان کر نہ دیتے تھے۔

(۱) ان صحیفوں کے علاوہ بائبل میں انبیاء بنی اسرائیل کے (۲) ۱۷ صحائف اور بھی درج ہیں جن کا بیشتر حصہ صحیح معلوم ہوتا ہے (۳) خصوصاً یسعیاہ' یرمیاہ' حزقی ایل' عاموس اور بعض دوسرے صحیفوں میں بکثرت مقامات ایسے آتے ہیں جنہیں پڑھ کر آدمی کی روح وجد کرنے لگتی ہے۔ (۴) ان میں الہامی کلام کی شان صریح طور پر محسوس ہوتی ہے۔ ان کی اخلاقی تعلیم' ان کا شرک کے خلاف جہاد' ان کا توحید کے حق میں پرزور استدلال اور ان کی بنی اسرائیل کے اخلاقی زوال پر (۵) سخت تنقیدیں پڑھتے وقت آدمی محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اناجیل میں حضرت مسیح کی تقریریں اور قرآن مجید اور یہ صحیفے ایک ہی سرچشمے سے نکلی ہوئی سوتیں ہیں"۔

تنبیہ

۱۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان عبارات سے پہلے کی عبارات بھی آپ ملاحظہ کر لیں کہ کس طرح آپ نے بائبل کی تعریف کے ساتھ اس پر تنقید بھی کی ہے ایک طرف بائبل کی کتاب زبور میں آپ کو "فی الواقع کلام حق کی روشنی محسوس ہوتی ہے" تو دوسری طرف اسی کے ساتھ اس میں اچھی خاصی آمیزش بھی اور آخری کے دو باب کو "صریحاً الحاقی" بتلاتے ہیں مگر اس کے باوجود "ان امثال کا بڑا حصہ صحیح و برحق معلوم ہوتا ہے"۔

بالکل یہی بات بائبل کی کتاب ایوب کے متعلق عرض کرتے ہیں کہ اس میں حکمت کے بہت سے جواہر ہیں مگر اس کو پڑھتے وقت آپ کو یہ یقین نہیں آیا کہ واقعی حضرت ایوب کی اس کتاب کی نسبت صحیح ہے۔ اب قارئین کرام غور فرمائیں کہ آپ کی ان عبارت سے کیا سمجھا جائے کہ بیک وقت آپ نے بائبل کی تعریف و تنقید کیوں کی؟ بظاہر اس کی یہی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ آپ مسلمانوں اور یہودیوں دونوں کی نظروں میں ہر دل عزیزی کے خواہاں ہیں۔ اس طرح پر کہ بائبل کی تعریف کر دی تو یہودی خوش ہو گئے اور اسی کے ساتھ بائبل پر تنقید کی تو مسلمان خوش ہو گئے اس لئے آپ نے ایک تیر سے حسب معمول سابق دو شکار کرنا چاہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آنجناب کو اس طریقہ

کار میں کامیابی ملی ہے یا نہیں؟ اور آپ کا یہ انداز صحیح بھی ہے یا نہیں؟ بہرحال آپ نے اس حاشیہ ۲۰۵ میں جو کچھ لکھا ہے اس کی عبارت یوں ہے:

"موجودہ بائبل میں زبور کے نام سے جو کتاب پائی جاتی ہے وہ ساری کی ساری زبور داؤد نہیں ہے اس میں بکثرت مزامیر دوسرے لوگوں کے بھی بھر دیئے گئے ہیں اور وہ اپنے اپنے مصنفین کی طرف منسوب ہیں البتہ جن مزامیر پر تصریح ہے کہ وہ حضرت داؤدؑ کے ہیں ان کے اندر فی الواقع کلام حق کی روشنی محسوس ہوتی ہے۔ اسی طرح بائبل میں امثال سلیمانی کے نام سے جو کتاب موجود ہے اس میں بھی اچھی خاصی آمیزش پائی جاتی ہے اور اس کے آخری دو باب تو صریحاً الحاقی ہیں۔ مگر اس کے باوجود ان امثال کا بڑا حصہ صحیح و برحق معلوم ہوتا ہے ان دو کتابوں کے ساتھ ایک اور کتاب حضرت ایوب کے نام سے بھی بائبل میں درج ہے لیکن حکمت کے بہت سے جواہر اپنے اندر رکھنے کے باوجود اسے پڑھتے ہوئے یہ یقین نہیں آتا کہ واقعی حضرت ایوب کی طرف اس کتاب کی نسبت صحیح ہے اس لئے کہ قرآن میں اور خود اس کتاب کی ابتداء میں حضرت ایوب کے جس صبر عظیم کی تعریف کی گئی ہے اس کے بالکل برعکس وہ ساری کتاب ہمیں یہ بتاتی ہے...الخ"

قارئین کرام! آپ غور فرمائیں کہ کس خوبصورتی کے ساتھ جناب مودودی صاحب نے اپنے مافی الضمیر (دل کی بھڑاس) کو بائبل کے سہارے سے بیان کیا ہے۔ آخر آپ کو کیا ضرورت پیش آئی کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی کردار کشی نقل کریں؟ اگر بائبل میں وہ بات لکھی تھی تو اس کو قرآن کی آزاد ترجمانی تفہیم القرآن میں بھی لکھنا ضروری تھا؟ اس لئے تاکہ بائبل اور قرآن ایک ہو جائے؟ یا دونوں روایات ساتھ ساتھ پڑھیں جائیں؟ کیا اسی لئے آپ نے تفہیم میں متقدمین مفسرین سے ہٹ کر آزاد ترجمانی کی ہے؟

اس کے بعد آپ لکھتے ہیں کہ

۲۔ "ان صحیفوں کے علاوہ بائبل میں انبیاء بنی اسرائیل کے ۱۷ صحائف اور بھی درج ہیں جن کا بیشتر حصہ صحیح معلوم ہوتا ہے"۔

۳۔ "خصوصاً یسعیاہ' یرمیاہ' حزقی ایل' عاموس' اور بعض دوسرے

صحیفوں میں تو بکثرت مقامات ایسے آتے ہیں کہ جنہیں پڑھ کر (مودودی صاحب جیسے) آدمی کی روح وجد کرنے لگتی ہے“

۴۔ ”ان میں الہامی کلام کی شان صریح طور پر محسوس ہوتی ہے......الخ“

۵۔ ”اور ان کی بنی اسرائیل کے اخلاقی زوال پر سخت تنقیدیں پڑھتے وقت (مودودی صاحب جیسا) آدمی یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اناجیل میں حضرت مسیح کی تقریریں اور قرآن مجید اور یہ صحیفے ایک ہی سرچشمے سے نکلی ہوئی ہوتی ہیں“

قارئین کرام! اس کے آگے آپ کو یہ بھی ضرور لکھنا چاہئے کہ لیکن قرآن مجید محفوظ ہے اور یہ سب صحیفے غیر محفوظ ہیں۔

مگر آپ نے اس ضروری عبارت کا اضافہ کیوں نہیں کیا؟ اور صاف لفظوں میں کیوں نہیں لکھا؟ کہ قرآن پاک محفوظ ہے اور بائبل کی یہ کتابیں قطعاً محفوظ نہیں ہیں جب ہم نے اس حقیقت کا سراغ لگایا تو تفہیم ج ۲ ص ۴۶۵ حاشیہ ۵۸ آیت پاک وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتٰبِ کے تحت میں معلوم ہو گیا کہ جناب سید مودودی صاحب نے حفاظت قرآن اور تحریف بائبل کے مسئلہ کو یہاں کیوں نہیں بیان کیا؟ چنانچہ آئندہ صفحات میں حاشیہ ۵۸ کو پڑھئے کہ آپ نے مخالفین کے اعتراضات میں سے ۵ اعتراضات کو بڑی تفصیل سے ذکر کئے ہیں مگر ان اعتراضات کا ایک جواب بھی آپ نے نہیں دیا بلکہ جواب نما ایک جملہ لکھ کر حاشیہ ۵۸ ہی کو ختم کر دیا

”یہاں ان کا مختصر جامع جواب دے کر چھوڑ دیا گیا ہے“

غور طلب بات یہ ہے کہ یہودیوں کے ۵ سوالات تو مفصلاً آپ نے تفہیم میں ذکر کئے ہیں اور ایک بھی جواب نہیں دیا اور جو ایک جواب نما جملہ مذکورہ آپ نے لکھا ہے تو وہ مختصر جواب تو اللہ نے قرآن میں دیا ہے۔ تفہیم القرآن میں تو ایک مختصر جواب بھی نہیں۔ قرآن الگ کتاب ہے اور تفہیم القرآن الگ کتاب ہے اور مزید آپ کے مغالطہ وکذب بیانی کی باتوں میں اس جگہ ایک بات غور طلب یہ ہے کہ اعتراضات تو نقل کریں یہاں اور تفصیلی جوابات کے لئے لکھیں کہ

”ان اعتراضات کے جوابات بعد کی سورتوں میں زیادہ تفصیل کے ساتھ دئے گئے ہیں“

یہ کہاں کا انصاف اور قاعدہ ہے؟ ہونا تو یہ چاہئے کہ جس طرح مخالفین اور یہودیوں کے اعتراضات اس جگہ آپ نے تفصیل سے نقل کئے ہیں اسی طرح ان کے تفصیلی منہ توڑ جوابات بھی اسی جگہ نقل کرتے۔ مجھے بتلایا جائے کہ بعد کی سورتوں میں زیادہ تفصیل کے ساتھ کس کس سورہ میں ان اعتراضات کے جوابات جناب مودودی صاحب نے دئے ہیں؟ کم از کم ان مواقع کو قید صفحات وحواشی کے ساتھ متعین کر دیا جاتا تو بھی ایک بات تھی۔ اب عام اوسط درجہ کے لوگوں کو تفہیم القرآن کی ۶۔ ضخیم مجلدات میں تلاش کرنے کی طاقت کہاں ہے؟ خود راقم الحروف نے تفہیم میں جب ان سوالات کو پہلی مرتبہ پڑھا تھا تو قرآن کے متعلق سخت اضطراب و شش وپنج اور بے چینی کا شکار ہو گیا تھا۔ نعوذ باللہ وہ تو بعد میں تحقیق کی تو پتہ چلا کہ یہ آزاد ترجمانی اور حاشیہ دونوں ہی سرے سے مغالطہ آمیز اور دراصل جناب مولانا مودودی صاحب نے یہودیوں کی وکالت میں مسلمانوں کے ”ایمانِ قرآن“ کے ساتھ ساتھ ”ایمانِ تقدیر“ کو بھی تباہ و برباد کرنے کی اس حاشیہ میں کوشش کی ہے اسی وجہ سے صرف ایسے سوالات لکھے ہیں جن سے ایک مؤمن کا ایمان متزلزل ہو جائے۔ اور ان کے جوابات ندارد۔

یہ ہے اس حقیقت کا سراغ جو زیر بحث تفہیم ج ۱ ص ۲۲۵ حاشیہ ۲۰۵ کی آخری سطر میں سوال پیدا ہوا تھا کہ آپ نے اس جگہ اس سطر کے آگے یہ کیوں نہیں لکھا کہ قرآن پاک کی طرح بائبل کی یہ کتابیں قطعاً نہیں ہیں کیونکہ قرآن محفوظ ہے اور غیر محرف ہے اور بائبل محرف ہونے کے علاوہ غیر محفوظ بھی ہے یعنی حفاظت قرآن اور تحریف بائبل کے اہم مسئلہ کی وضاحت نہ کرتے ہوئے صرف ایک ہی سرچشمے سے نکلی ہوئی سوتیں ہیں چنانچہ تفہیم ج اول ص ۲۲۴ اور ص ۲۲۵ حاشیہ ۲۰۵ اور تفہیم ج دوم ص ۴۶۵ حاشیہ ۵۸ دونوں ملا کر پڑھنے سے بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ حاشیہ ۵۸ میں صرف ۵ سوالات کو نقل

کرنے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ جناب سید مودودی صاحب نے ہر طرح سے بائبل کی کتابوں کو قرآن کی صف میں لانے کی بھر پور کوشش کی ہے ہم قارئین کرام کی سہولت کے لئے تفہیم ج ۲ ص ۴۶۵ حاشیہ ۵۸ کو بھی نقل کرتے ہیں۔

عبارت نمبر ۵۳

گذارش ہے کہ تفہیم ج اول ص ۴۲۴۔ ۴۲۵ حاشیہ ۲۰۵ کے ساتھ ملا کر اس حاشیہ کو ملاحظہ کیا جائے تو خود بخود بات واضح ہو جائے گی کہ تقدیر مبرم میں شبہ ہونے کی وجہ سے آپ نے ان ۱۵ اعتراضات کے جوابات نہیں دیئے

سبحان اللہ

تفہیم القرآن ۲ ۴۶۵ الرعد ۱۳

حاشیہ ۵۸۔ " یہ بھی مخالفین کے ایک اعتراض کا جواب ہے وہ کہتے تھے کہ پہلے آئی ہوئی کتابیں جب موجود تھیں تو اس نئی کتاب کی کیا ضرورت تھی؟ تم کہتے ہو کہ ان میں تحریف ہو گئی ہے اب وہ منسوخ ہیں اور اس نئی کتاب کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ مگر خدا کی کتاب میں تحریف کیسے ہو سکتی ہے؟ خدا نے اس کی حفاظت کیوں نہ کی؟ اور کوئی خدائی کتاب منسوخ کیسے ہو سکتی ہے؟ تم کہتے ہو کہ یہ اسی خدا کی کتاب ہے جس نے توراۃ و انجیل نازل کی تھیں۔ مگر یہ کیا بات ہے کہ تمہارا طریقہ توراۃ کے بعض احکام کے خلاف ہے؟ مثلاً بعض چیزیں جنہیں توراۃ والے حرام کہتے ہیں تم انہیں حلال سمجھ کر کھاتے ہو۔ ان اعتراضات کے جوابات بعد کی سورتوں میں زیادہ تفصیل کے ساتھ دیئے گئے ہیں۔ یہاں ان کا صرف ایک مختصر جامع جواب دے کر چھوڑ دیا گیا ہے۔ "ام الکتاب" کے معنی ہیں اصل کتاب یعنی وہ منبع و سرچشمہ جس سے تمام کتب آسمانی نکلی ہیں"۔

قارئین کرام! اس حاشیہ ۵۸ کی عبارات سخت قسم کی تلبیس آمیز ہیں۔ اس میں حق اور ناحق دونوں قسم کی باتوں کو آپس میں آپ نے اس طرح ملا دیا ہے کہ عام آدمی کے لئے دونوں کے درمیان تمیز کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ اس میں آپ نے صرف ام الکتاب کے معنی بتلائے ہیں اور کتب سماویہ کے مفہوم کی وضاحت نہیں فرمائی ہے۔ حالانکہ ام الکتب کے مفہوم و معنی کے ساتھ کتب سماویہ کے مفہوم و معنی کی وضاحت کے بغیر بات کچھ کی کچھ ہو گئی ہے۔ بلکہ تعجب ہوتا ہے کہ اس حاشیہ میں جناب سید مودودی صاحب نے "لوح محفوظ" کا لفظ کیوں نہیں ذکر فرمایا؟ آپ نے یہاں ام الکتب کا معنی یہ تحریر کیا گیا ہے۔

"اصل کتاب" "یعنی وہ منبع و سرچشمہ جس سے تمام کتب آسمانی نکلی ہیں"

لیکن کتب سماویہ کے معنی نہیں بتلائے اس لئے راقم الحروف تحریر کرتا ہے۔

آسمانی کتابوں اور صحیفوں کا مفہوم و مطلب

یعنی لوحِ محفوظ جو اصل کتاب ہے اس سے نقل شدہ کتابیں اور صحیفے جن کو اللہ نے حضرت جبرئیل کے ذریعہ سے اپنے اپنے وقت کے انبیاء اور رسولوں کے پاس انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ جن میں قرآن پاک کے علاوہ آج کوئی بھی کتاب وصحیفہ لوحِ محفوظ سے نقل شدہ اصل ام الکتاب کے مطابق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دنیا دار الاسباب ہے اور اسباب کی تاثیر کا ایک طبعی اندازہ ہے کسی بھی قوم نے اسباب کے تحت اگلی کتابوں کی حفاظت نہیں کی کہ وہ ہر طرح کی کمُر دبُرد سے محفوظ رہیں۔ صرف مسلمانوں نے شروع سے لے کر آج تک اپنے نبی آخر الزماں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی آخری کتاب کی حفاظت اسباب کے دائرہ میں اس طرح کی ہے اور آئندہ بھی کرے گی کہ جس کی دنیا کی کوئی بھی قوم مثال نہیں پیش کر سکتی کہ قرآن پاک اصل ام الکتاب لوح محفوظ کے عین مطابق ہے اور بقیہ آسمان سے نازل ہونے والی پہلی کتابوں میں ان کے ماننے والوں نے زبردست تحریف و تبدیل کی ہے۔ اس لئے آج

کی پوزیشن میں وہ کتب سابقہ اصل ام الکتاب لوح محفوظ کے مطابق نہیں ہیں۔

اس لئے جناب سید مودودی صاحب نے یہودیوں کے جو پانچ اعتراضات نقل کئے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں چونکہ ان کے پاس ان کی کسی بھی کتاب کی سند متصل نہیں ہے، جس کی بنیاد پر کوئی بات واجب التسلیم ہوا کرتی ہے اور الحمد للہ ہم مسلمانوں کے پاس دین اسلام کی، قرآن کی، احادیث نبویہ کی، ہر چیز کی سند متصل موجود ہے۔ اس لئے ان کی کتابیں محفوظ نہیں ہیں چونکہ اسباب کے تحت انہوں نے سند متصل کے ذریعہ سے ان کی حفاظت نہیں کی اور ان کی کتابوں کو اللہ نے اپنی حکمت کے موافق منسوخ کر دیا اور قیامت تک کے لئے آنے والے انسانوں کی ہدایت کے لئے اس نے آخری کتاب ناسخ قرآن پاک نازل فرمائی۔ کیونکہ ان کی مرضی ومشیت ہے کہ جس حکم کو چاہے منسوخ کر دے جیسے چاہے باقی رکھے جس قوم کو چاہے مٹائے جسے چاہے اس کی جگہ جمادے جن اسباب کی تاثیر چاہے بدل ڈالے جن کی چاہے نہ بدلے۔ غرض ہر قسم کی تبدیل وتغییر محو واثبات نسخ احکام اس کے ہاتھ میں ہے قضا وقدر کے تمام دفاتر کی اصل لوح محفوظ ام الکتاب اسی کے ہاتھ میں ہے کوئی بھی اب اللہ جل شانہ سے پوچھنے والا کون ہے کہ اس نے یہ کام کیوں کئے؟ اس نے پچھلی کتابوں کو منسوخ کیوں کیا؟ اس کتاب کو ناسخ کیوں بنایا؟ اس نے پچھلی کتابوں کی حفاظت کیوں نہیں کرائی؟ اور اس کتاب ناسخ قرآن پاک کی حفاظت کیوں کرائی؟ پہلی کتابوں کی موجودگی میں اس کتاب آخر کو کیوں نازل کیا؟ اس کی کیا ضرورت تھی؟ پچھلی کتابوں میں کس طرح تحریف ہوگئی؟ کیا وہ آسمانی کتابیں نہ تھیں؟ خدا کی کتاب میں کس طرح تحریف ہو سکتی ہے؟

یہ اعتراضات وہی کر سکتا ہے، جس کو تقدیر مبرم پر یقین نہ ہو جو تقدیر مبرم کو نہ مانتا ہوگا اور جسے تقدیر مبرم کے متعلق شبہ ہوگا وہی شخص ان اعتراضات کو نقل کرے گا۔ جیسا کہ خود جناب سید مودودی صاحب کو تقدیر مبرم کے متعلق شبہ ہے اسی لئے آپ نے یہودیوں کے اعتراضات کو نقل کئے ہیں اور ان کا جواب نہیں دیا ہے تاکہ دوسرے لوگوں کے ایمان بھی خراب ہو جائیں اور آپ کی طرح بھی لوگ تقدیر کے متعلق شکوک

وشبہات میں گرفتار ہو جائیں۔ چنانچہ ترجمہ شیخ الہندؒ میں حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے اسی آیت میں حضرت شاہ صاحبؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

"دنیا میں ہر چیز اسباب سے ہے بعضے اسباب ظاہر ہیں بعضے چھپے ہیں۔ اسباب کی تاثیر کا ایک طبعی اندازہ ہوتا ہے جب اللہ چاہے اس کی تاثیر اندازہ سے کم یا زیادہ کرے جب چاہے ویسی ہی رکھی۔ آدمی کبھی کنکر سے مرتا ہے اور کبھی گولی سے بچتا ہے اور ہر ایک اندازہ ہر چیز کا اللہ کے علم میں ہے جو ہرگز نہیں بدلتا اندازے کو تقدیر کہتے ہیں یہ دو تقدیر ہوئیں ایک بدلتی ہے اور ایک نہیں بدلتی جو تقدیر بدلتی ہے اس کو معلق اور جو نہیں بدلتی اس کو مبرم کہتے ہیں جن احادیث وآثار سے بعض فاضل (جناب مودودی صاحب جیسے، از ناقل) کو قضاء مبرم کے بدلنے کا شبہ ہوا ہے ان کے متعلق یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔ انشاء اللہ مستقل تفسیر میں لکھا جائے گا اگر خدا نے توفیق دی وھو الموفق والمستعان (ترجمہ سورہ رعد ص ۳۳۷ حاشیہ ۴ مطبوعہ شاہ فہد پرنٹنگ کمپلکس مدینہ منورہ)

قارئین کرام! زیر بحث حاشیہ ۵۸ کے تحت ام الکتاب کے معنی میں جو جملہ آپ نے تحریر کیا ہے "وہ منبع اور سرچشمہ جس سے تمام کتب آسمانی نکلی ہیں" اس کی شرح تفہیم ج اول ص ۴۲۵ حاشیہ ۲۰۵ کی آخری سطر میں اس طرح کی ہے کہ

"اناجیل میں حضرت مسیح کی تقریریں اور قرآن مجید اور یہ صحیفے ایک ہی سرچشمہ سے نکلی ہوئی ہوتی ہیں"

اس پر پھر وہی سوال لوٹ آیا کہ آپ نے ان دونوں حاشیوں میں حفاظت قرآن اور تحریف بائبل کے اہم بنیادی واعتقادی مسئلہ کی وضاحت کیوں نہیں کی اور دونوں جگہ اس اہم موضوع پر روشنی ڈالنے سے کیوں اعراض کیا؟

سو اس کی وجہ ہم بتلا چکے ہیں کہ جناب سید مودودی صاحب کو تقدیر مبرم کے متعلق شبہ ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی ان عبارات سے قرآن پاک اور کتب محرفہ بائبل وغیرہ کی ایک تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے ان دونوں وجہ سے آپ نے مخالفین یہود کے صرف ۵ اعتراضات جواب کے بغیر نقل کئے۔

قارئین کرام! جناب سید مودودی صاحب کی یہی وہ ضروریات تھیں جن کی

وجہ سے تفہیم القرآن لکھنے کی ضرورت محسوس کی جیسا کہ دیباچہ تفہیم کے ص ۷ پر تحریر کرتے ہیں

"لیکن کچھ ضرورتیں ایسی ہیں جو لفظی ترجمے سے پوری نہیں ہوتیں اور نہیں ہو سکتیں انہیں کو میں نے ترجمانی کے ذریعہ سے پورا کرنے کی کوشش کی ہے"

جناب کی وہ ضرورتیں کیا ہیں؟ ان کو مبہم کیوں رکھا؟ ان کی وضاحت کیوں نہیں کی؟ آپ کے اس ابہام وعدم وضاحت کی وجہ سے حقیقت کا سراغ لگانے کی خاطر ہم نے تفہیم القرآن کا بنظر غائر مطالعہ کیا تو مجھے آپ کی ضرورتیں یہی سمجھ میں آئیں کہ احادیث شریفہ کے مضمون ومتن پر بے اعتمادی ہے کہیں محدثین کی بیان کردہ اسناد پر بے اعتمادی ہے تو کہیں بائبل اور قرآن پاک کی ایک تصویر پیش کی جا رہی ہے۔ اور کہیں تقدیر ہی پر شبہ ہے جیسا کہ زیر بحث ص ۵۸ میں آپ نے ملاحظہ فرمایا وغیرہ وغیرہ۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ

علاوہ ازیں اس جگہ جناب مودودی صاحب نے امتِ محمدیہ کے "متلقی بالقبول" کی اہمیت کو بھی محفوظ نہیں رکھا ہے اور نہ ہی دونوں کتابیں "قرآن اور بائبل" کے متعلق اہل فن کا یہ اصول آپ کے ذہن میں رہا ہو کہ جو کتابیں شاذ ونادر افراد کے ہاتھوں میں رہی ہوں جیسے بائبل کی تمام کتابیں اور وہ کتابیں یعنی جو قرآن پاک اور احادیث نبوی جن کو پوری امت نے متواتر قرار دے کر علی العین والرأس رکھا دونوں قسم کی کتابیں قطعاً ایک حیثیت نہیں رکھتیں۔

عبارت نمبر ۵۴

بائبل کے متعلق جناب سید مودودی کی تحریرات میں انتہائی تضاد بیانیاں

تفہیم القرآن ۳ ۵۸۲ النمل ۲۷

حاشیہ ۵۶۔ "یہودی ربیوں کی روایات میں حضرت سلیمانؑ اور ملکہ سبا کا قصہ اپنی بیشتر تفصیلات میں قرآن سے ملتا جلتا ہے۔ ھد ھد کا غائب ہونا پھر آکر سبا اور اس کی ملکہ کے حالات بیان کرنا حضرت سلیمان کا اس کے ذریعہ سے خط بھیجنا۔ ھد ھد کا عین اس وقت وہ خط ملکہ کے آگے گرانا جب کہ وہ آفتاب کی پرستش کو جا رہی تھی ملکہ کا اس خط کو دیکھ کر اپنے وزراء کی کونسل منعقد کرنا پھر ملکہ کا ایک قیمتی ہدیہ حضرت سلیمانؑ کے پاس بھیجنا خود یروشلم پہنچ کر ان سے ملنا ان کے محل میں پہنچ کر یہ خیال کرنا کہ حضرت سلیمانؑ پانی کے حوض میں بیٹھے ہیں اور اس میں اترنے کے لئے پائنچے چڑھا لینا۔ (۲) یہ سب ان روایات میں اسی طرح مذکور ہے جس طرح قرآن میں بیان ہوا ہے۔ مگر ہدیہ وصول ہونے پر حضرت سلیمان کا جواب ملکہ کے تخت کو اٹھوا منگانا ہر موقع پر ان کا خدا کے آگے جھکنا اور آخر کار ملکہ کا ان کے ہاتھ پر ایمان لانا یہ سب باتیں

(۳) بلکہ خدا پرستی اور توحید کی ساری باتیں ہی ان روایات میں ناپید ہیں"۔

تنبیہ

۱۔ "یہودی ربیوں کی روایات میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کا قصہ اپنی بیشتر تفصیلات میں قرآن سے ملتا جلتا ہے"۔

۲۔ "یہ سب ان روایات میں اسی طرح مذکور ہے جس طرح قرآن میں بیان ہوا ہے"

۳۔ "بلکہ خدا پرستی اور توحید کی ساری باتیں ہی ان روایات میں ناپید ہیں"

قارئین کرام! جناب مودودی صاحب کی دو رخی باتیں اور تضاد بیانی اس

حاشیہ ۵۶ میں بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ کہ ایک طرف تو جناب والا اس جگہ تفہیم القرآن میں یہودیوں کی روایات کردہ بیشتر تفصیلات قرآن پاک سے ملتی جلتی ہونے کی بنیاد پر نقل کرتے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ یہودی روایات اور قرآن کے بیانات ایک ہی طرح کے ہیں مگر دوسری جانب اسی عبارت کے آخر میں فرماتے ہیں کہ توحید اور خدا پرستی کی ساری باتیں بائبل کی روایات میں ناپید ہیں جب کہ ابھی آپ نے چند صفحات قبل تفہیم ج اول ص ۳۲۵ نساء حاشیہ ۲۰۵ کی آخری سطور میں جناب کی یہ تحریر پڑھی ہے۔ جس میں جناب مودودی صاحب کی روح وجد کرنے لگی اور جناب کو بائبل میں الہامی کلام کی شان صریح طور محسوس ہونے لگی اس کے آگے ہی آپ نے تحریر کیا ہے کہ

"ان کی (بائبل کی کتابوں کی) اخلاقی تعلیم' ان کا شرک کے خلاف جہاد' ان کا توحید کے حق میں پُر زور استدلال.....الخ"

دیکھئے اس عبارت میں آپ نے فرمایا کہ

"بائبل کی کتابیں توحید کے حق میں پرزور استدلال کرتی ہیں"

اور زیر بحث ص ۵۸۲ حاشیہ ۵۶ میں فرمایا ہے کہ

بائبل کی روایات میں خدا پرستی اور توحید کی ساری ہی باتیں ناپید ہیں

بتلایا جائے کہ جناب کی ان دونوں عبارات میں سخت تضاد بیانی ہے یا نہیں؟ آپ نے ایک جگہ بائبل کو توحید کے حق میں اور دوسری جگہ توحید کے خلاف کیوں بتلایا؟ ہمارے نزدیک ان متضاد بیانات کی بڑی قطعی وجہ یہ ہے کہ ہر بات کے مستند ہونے کا ذریعہ صرف صحیح اور متصل اسناد ہوتی ہے اور ان سے جناب مولانا سید مودودی نے ہر جگہ صرف نظر کر کے صرف اپنی "ناقدانہ بصیرت" اور اپنی مخصوص زبان اور اپنے ذوق پر اعتماد کر لیا ہے حالانکہ ذوق اور ناقدانہ بصیرت کا مرتبہ اسناد کے بعد ہی معتبر ہو سکتا ہے۔

۴۔ پھر اسی زیر بحث حاشیہ ۵۶ کی ایک اور تضاد بیانی ملاحظہ فرمایئے آپ نے یہ حاشیہ ۵۶ شروع کرتے ہی تحریر کیا ہے۔

"حضرت سلیمانؑ اور ملکہ سبا کا یہ قصہ بائبل کے عہد عتیق و جدید اور روایات یہود سب میں مختلف طریقوں سے آیا ہے مگر قرآن کا بیان ان

سب سے مختلف ہے" پھر ص ۵۸۲ کے شروع ہی صفحہ میں تحریر کرتے ہیں کہ

"یہودی ربیوں کی روایات میں حضرت سلیمانؑ اور ملکہ سبا کا قصہ اپنی بیشتر تفصیلات میں قرآن سے ملتا جلتا ہے"۔

دیکھئے ص ۵۸۱ میں یہودی روایات کو قرآن سے مختلف بتلایا اور ص ۵۸۲ میں حصلا ان ہی یہودی روایات کو قرآن سے ملتا جلتا تحریر کیا بتلایئے! کہ یہ صریح تضاد بیانی نہیں تو کیا ہے؟ معلوم نہیں کہ جناب سید مودودی کو ان دورخی باتوں سے کیا فائدہ معلوم ہوا ہے؟ جس کی بنیاد پر تفہیم القرآن میں آپ نے بائبل میں نقل کردہ یہودی ظالموں کی حضرت سلیمان علیہ السلام کی افتراء پردازیوں کو نقل کیا ہے۔

قارئین کرام! غور فرمایئے کہ بائبل اور تفہیم القرآن میں اب کوئی فرق باقی رہا؟ جس طرح بائبل میں ان ظالموں نے حضرت سلیمانؑ پر ۱۸ الزامات لگائے ہیں بالکل اسی طرح جناب سید مودودی صاحب نے بھی بائبل کے ان ۱۸ الزامات کو تفہیم القرآن میں نقل کیا ہے تا کہ جن لوگوں نے بائبل میں ان الزامات کا مطالعہ نہ کیا ہو وہ جناب کی تفہیم میں ملاحظہ کر لیں۔

۵۔ جناب سید مودودی صاحب اس کے مقصد میں تحریر کرتے ہیں کہ ہم نے تفہیم القرآن میں بائبل سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے خلاف یہودیوں کے الزامات اس لئے نقل کئے ہیں تا کہ خود دیکھیں اور مسلمانوں کو بھی دکھلائیں

کہ قرآن نے بنی اسرائیل پر کتنا بڑا احسان کیا ہے اور یہ بنی اسرائیل کتنے احسان فراموش ہیں کہ اس پر قرآن کے لانے والے کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں"۔

قارئین کرام! جناب سید مودودی صاحب کا یہ انداز کتنا پیارا ہے؟ کہ قرآن کا احسان اور یہودیوں کی احسان فراموشی کے لئے آپ کو یہی ایک طریقہ پسند آیا؟ کہ یہودیوں کے انداز پر حضرت سلیمان علیہ السلام کو سب کچھ کہہ ڈالا' لکھ مارا۔ اور اخیر میں عنوان بنایا کہ ہم نے کسی کے احسان شناسی اور کسی کے احسان فراموشی کا اندازہ کرنے کے لئے ایسا کیا ہے۔ سبحان اللہ کہ آپ نے اپنے پیارے انداز میں ہی اپنے مافی الضمیر (دل کی بھڑاس) کو نکالا قاتلهم الله. کیا ہی اچھا ہوتا کہ احسان شناسی اور

احسان فراموشی کے لئے یہ طریقہ اختیار نہ کر کے قرآنی طریقہ اختیار کیا جاتا اگر راقم الحروف بھی اسی انداز سے نقل کرے کہ جناب مودودی صاحب العیاذ باللہ (۱) حرام النسل نہیں ہیں۔ (۲) یہودیوں کے پس خوردہ کھانے والے نہیں ہیں (۳) انگریزوں کے میموں کے تھوک چاٹنے والے نہیں ہیں۔ (۴) آپ غرور حکومت اور (۵) غرور عقل ودانش کے نشہ میں چور نہیں ہیں (۶) آپ کے متعلق کیسے کہہ دیا جائے کہ آنجناب نے زن مریدی (۷) وعیش پرستی (۸) اور شرک وبت پرستی کے علاوہ یہودیوں کی ایجنٹی بھی کی ہے تو بتلایئے ہمارے اس انداز تحریر سے ارباب جماعت اسلامی کو تکلیف تو نہیں ہوگی؟ کیونکہ راقم الحروف نے ان صفات ثمانیہ (آٹھ باتوں) کی جناب مودودی صاحب کی ذات والا صفات میں نفی کی ہے۔ اور اگر ارباب جماعت اسلامی کو ہمارے اس انداز تحریر سے تکلیف ہوگی اور یقیناً ہوگی تو بتلایا جائے کہ ہمارے اس انداز تحریر میں اور جناب سید مودودی صاحب کی ان عبارات کے انداز تحریر میں کیا فرق ہے؟ کہ راقم الحروف تو موردِ ملامت ولعنت ٹھہرے؟ اور جناب مودودی صاحب کی ان عبارات کو صحافت وانشاء پردازی کے آئینہ میں دیکھا جائے؟ کہ ان کا یہ طریقہ جدید تحقیق اسلوب کے مطابق ہے۔ "بلی اپنے بچہ کے گلہ کو آہستہ ہی پکڑتی ہے" اس کہاوت کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ کیونکہ یہ معاملہ جناب سید مودودی مرحوم کا ہے۔

عبارت نمبر ۵۵

قرآن اور انجیل کے ارشادات کا پس منظر ایک ہی ہے

تفہیم القرآن ۳ ۷۱۸ العنکبوت ۲۹

حاشیہ ۹۹۔ "قرآن اور انجیل کے ان ارشادات کا پس منظر ایک ہی ہے۔ دعوت حق کی راہ میں ایک مرحلہ ایسا آجاتا ہے، جس میں ایک حق پرست آدمی کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں رہتا کہ عالمِ اسباب کے تمام سہاروں سے قطع نظر کر کے محض اللہ کے بھروسے پر جان جوکھوں کی بازی لگادے"

تنبیہ

آیت پاک "وَكَأَيِّن مِّن دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ" پ۲۱ عنکبوت کی تشریح کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ

ا۔ "ٹھیک یہی بات ہے جو سیدنا مسیح علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمائی تھی"

۲۔ غور فرمائیں کہ قرآن اور انجیل کے ارشادات کے پس منظر کو ایک قرار دینے کا لازمی نتیجہ کیا ہے؟ اور جناب سید مودودی صاحب نے دونوں کو ایک کرنے کی کوشش کیوں کی ہے؟

عبارت نمبر ۵۶

بائبل میں بھی یہ واقعہ قرآن ہی کی طرح بیان کیا گیا ہے

تفہیم القرآن ۵ ۲۳۹ القمر ۵۴

۲۲۔ "اس قصے کی تفصیلات سورۂ ہود (آیات ۷۷ تا ۸۳) اور سورۂ حجر (آیات ۶۱ تا ۷۴) میں گزر چکی ہیں۔ خلاصہ ان کا یہ ہے کہ جب اللہ تعالی نے اس قوم پر عذاب بھیجنے کا فیصلہ فرمایا تو چند فرشتوں کو نہایت خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط کے ہاں مہمان کے طور پر بھیج دیا۔ ان کی قوم کے لوگوں نے جب دیکھا کہ ان کے ہاں ایسے خوبصورت مہمان آئے ہیں تو وہ ان کے گھر پر چڑھ دوڑے اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے ان مہمانوں کو بدکاری کے لئے ان کے حوالہ کردیں۔ حضرت لوط نے ان کی بے انتہا منت سماجت کی کہ وہ اس ذلیل حرکت سے باز رہیں۔ مگر وہ نہ مانے اور گھر میں گھس کر زبردستی مہمانوں کو نکال لینے کی کوشش کی اس آخری مرحلے پر یکایک ان کی آنکھیں اندھی ہوگئیں۔ پھر فرشتوں نے حضرت لوط سے کہا کہ وہ اور ان کے گھر والے صبح ہونے سے پہلے اس بستی سے نکل جائیں اور ان کے نکلتے ہی اس قوم پر ایک ہولناک عذاب نازل ہوگیا۔ بائبل میں بھی یہ واقعہ اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:.....الخ"

تنبیہ

دیکھئے! اس ص ۲۳۹ میں بھی آپ نے اس قصے کی تفصیلات کا خلاصہ بیان کرنے کے بعد آخر میں یہ تحریر کیا ہے کہ:

ا۔" بائبل میں بھی یہ واقعہ اسی طرح بیان کیا گیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں..الخ"

اس عبارت سے بھی آپ نے قرآن پاک اور محرف بائبل کی یکسانیت دکھلانے کی کوشش کی ہے کہ جب بائبل بھی قرآن ہی کی طرح واقعہ بیان کرتی ہے تو قرآن کے ساتھ بائبل کو پڑھنے اور قرآن کی طرح بائبل کو سمجھنے میں کیا مضائقہ ہے؟

لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

عبارت نمبر ۵۷

انجیل برناباس کی تعلیمات قریب قریب وہی ہیں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں

تفہیم القرآن ۵ ۔ ۴۶۹ ۔ الصف ۶۱

حاشیہ ۸۔"ان کی نمازوں کا جو ذکر بکثرت مقامات پر برناباس نے کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہی فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشا اور تہجد کے اوقات تھے جن میں وہ نماز پڑھتے تھے اور ہمیشہ نماز سے پہلے وضو فرماتے تھے۔ انبیاء میں سے وہ حضرت داؤد و سلیمان کو نبی قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہودیوں اور عیسائیوں نے ان کو انبیاء کی فہرست سے خارج کر رکھا ہے۔ حضرت اسماعیل کو وہ ذبیح قرار دیتے ہیں اور ایک یہودی عالم سے اقرار کراتے ہیں کہ فی الواقع ذبیح حضرت اسماعیل ہی تھے اور بنی اسرائیل نے زبردستی کھینچ تان کر کے حضرت اسحاق کو ذبیح بنا رکھا ہے۔ آخرت اور قیامت اور جنت و دوزخ کے متعلق ان کی تعلیمات قریب قریب وہی ہیں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں"۔

تنبیہ

انجیل برناباس کی غیر معمولی تعریف کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں کہ:

ا۔" توحید، رسالت اور آخرت کے ٹھیک وہی عقائد (برناباس) پیش کرتے ہیں جن کی تعلیم انبیاء نے دی ہے.....الخ"

۲۔ پھر لکھتے ہیں کہ "ان کی نمازوں کا جو ذکر بکثرت مقامات پر برناباس نے کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہی فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشا اور تہجد کے اوقات تھے.....الخ"۔

۳۔" آخرت اور قیامت اور جنت و دوزخ کے متعلق ان کی تعلیمات قریب قریب وہی ہیں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں"۔

لہٰذا قرآن پاک اور موجودہ انجیل برناباس دونوں تعلیمات دین کے معاملہ میں ایک ہوئے؟ مجھے تعجب اور بہت ہی زیادہ تعجب کے ساتھ افسوس بھی ہے کہ جناب سید مودودی صاحب نے جس قدر انجیل برناباس کی تعریف کی ہے اور جتنا انجیل برناباس پر مر مٹ کر اعتماد کیا ہے اس کا عشر عشیر بھی محدثین کی بیان کردہ اسناد و متون احادیث شریفہ پر کیوں اعتماد نہیں کیا؟

علاوہ ازیں جناب نے زیر بحث اس صفحہ ۶۴۹ میں آخرت وقیامت جنت و دوزخ کے متعلق ان کی تعلیمات کو قرآن کے "قریب قریب" کے الفاظ سے محتاط انداز میں بیان کیا ہے جب کہ تفہیم ج ۳ سورہ نمل حاشیہ ۵۶ ص ۵۸۲ کے حوالے سے ابھی پچھلے صفحات میں راقم الحروف لکھ چکا ہے کہ آپ نے وہاں صاف صاف تحریر فرمایا ہے کہ "خدا پرستی اور توحید کی ساری باتیں ان روایات میں ناپید ہیں"۔

لہٰذا تفہیم ج ۵ کا ص ۴۶۹ حاشیہ ۸ کی یہ عبارت بھی آپ کی تضاد بیانی کی ایک واضح مثال ہے۔ کہ اس جگہ بھی بائبل کی کتابوں کو آپ نے قرآن کے قریب قریب بیان کیا ہے جب کہ اس سے قبل لکھ چکے ہیں کہ ان روایات میں توحید اور خدا پرستی کی ساری باتیں ہی ناپید ہیں۔ فیا للعجب۔

تنبیہ

دیکھئے! اس ص ۴۳۹ میں بھی آپ نے اس قصے کی تفصیلات کا خلاصہ بیان کرنے کے بعد آخر میں یہ تحریر کیا ہے کہ:

ا۔ "بائبل میں بھی یہ واقعہ اسی طرح بیان کیا گیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں..الخ"

اس عبارت سے بھی آپ نے قرآن پاک اور محرف بائبل کی یکسانیت دکھلانے کی کوشش کی ہے کہ جب بائبل بھی قرآن ہی کی طرح واقعہ بیان کرتی ہے تو قرآن کے ساتھ بائبل کو پڑھنے اور قرآن کی طرح بائبل کو سمجھنے میں کیا مضائقہ ہے؟

لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

عبارت نمبر ۵۷

انجیل برناباس کی تعلیمات قریب قریب وہی ہیں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں

تفہیم القرآن ۵ ۴۶۹ الصف ۶۱

حاشیہ ۸۔ "ان کی نمازوں کا جو ذکر بکثرت مقامات برناباس نے کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہی فجر' ظہر' عصر' مغرب' عشا اور تہجد کے اوقات تھے جن میں وہ نماز پڑھتے تھے اور ہمیشہ نماز سے پہلے وضو فرماتے تھے۔ انبیاء میں سے وہ حضرت داؤدؑ سلیمانؑ کو نبی قرار دیتے ہیں' حالانکہ یہودیوں اور عیسائیوں نے ان کو انبیاء کی فہرست سے خارج کر رکھا ہے۔ حضرت اسماعیل کو وہ ذبیح قرار دیتے ہیں اور ایک یہودی عالم سے اقرار کراتے ہیں کہ فی الواقع ذبیح حضرت اسماعیل ہی تھے اور بنی اسرائیل نے زبردستی کھینچ تان کر کے حضرت اسحاق کو ذبیح بنا رکھا ہے۔ آخرت اور قیامت اور جنت ودوزخ کے متعلق ان کی تعلیمات قریب قریب وہی ہیں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں"۔

تنبیہ

انجیل برناباس کی غیر معمولی تعریف کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں کہ:

ا۔ "توحید' رسالت اور آخرت کے ٹھیک وہی عقائد (برناباس) پیش کرتے ہیں جن کی تعلیم انبیاء نے دی ہے.....الخ"

۲۔ پھر لکھتے ہیں کہ "ان کی نمازوں کا جو ذکر بکثرت مقامات پر برناباس نے کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہی فجر' ظہر' عصر' مغرب' عشا اور تہجد کے اوقات تھے.....الخ"۔

۳۔ "آخرت اور قیامت اور جنت ودوزخ کے متعلق ان کی تعلیمات قریب قریب وہی ہیں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں"۔

لہٰذا قرآن پاک اور موجودہ انجیل برناباس دونوں تعلیمات دین کے معاملہ میں ایک ہوئے؟ مجھے تعجب اور بہت ہی زیادہ تعجب کے ساتھ افسوس بھی ہے کہ جناب سید مودودی صاحب نے جس قدر انجیل برناباس کی تعریف کی ہے اور جتنا انجیل برناباس پر مرمٹ کر اعتماد کیا ہے اس کا عشر عشیر بھی محدثین کی بیان کردہ اسناد ومتون احادیث شریفہ پر کیوں اعتماد نہیں کیا؟

علاوہ ازیں جناب نے زیر بحث اس صفحہ ۴۶۹ میں آخرت وقیامت جنت ودوزخ کے متعلق ان کی تعلیمات کو قرآن کے "قریب قریب" کے الفاظ سے محتاط انداز میں بیان کیا ہے جب کہ تفہیم ج ۳ سورہ نمل حاشیہ ۵۶ ص ۵۸۲ کے حوالے سے ابھی پچھلے صفحات میں راقم الحروف لکھ چکا ہے کہ آپ نے وہاں صاف صاف تحریر فرمایا ہے کہ "خدا پرستی اور توحید کی ساری باتیں ان روایات میں ناپید ہیں"۔

لہٰذا تفہیم ج ۵ کا ص ۴۶۹ حاشیہ ۸ کی یہ عبارت بھی آپ کی تضاد بیانی کی ایک واضح مثال ہے۔ کہ اس جگہ بھی بائبل کی کتابوں کو آپ نے قرآن کے قریب قریب بیان کیا ہے جب کہ اس سے قبل لکھ چکے ہیں کہ ان روایات میں توحید اور خدا پرستی کی ساری باتیں ہی ناپید ہیں۔ فیاللعجب۔

عبارت نمبر ۵۸

انجیل پولوسی سے قرآن کے بیان کی توثیق کا کیا مطلب؟

تفہیم القرآن ۵ ۴۷۱ الصف ۶۱

اسی طرح یہ انجیل پولوسی مسیحیت کی جڑ کاٹ دیتی ہے اور قرآن کے بیان کی پوری توثیق کرتی ہے۔ حالانکہ نزول قرآن سے ۱۱۵ سال پہلے اس کے ان بیانات ہی کی بناء پر مسیحی پادری اسے رد کرچکے تھے۔

۱۲۔ اس بحث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ (۲) انجیل برناباس درحقیقت اناجیل اربعہ سے زیادہ معتبر انجیل ہے مسیح علیہ السلام کی تعلیمات اور سیرت اور اقوال کی صحیح ترجمانی کرتی ہے' اور یہ عیسائیوں کی اپنی بدقسمتی ہے کہ اس انجیل کے ذریعہ سے اپنے عقائد کی تصحیح اور حضرت مسیح کی اصل تعلیمات کو جاننے کا جو موقع ان کو ملا تھا اسے محض ضد کی بناء پر انہوں نے کھودیا۔ (۳) اس کے بعد ہم پورے اطمینان کے ساتھ وہ بشارتیں نقل کرسکتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں برناباس نے حضرت عیسیٰ سے روایت کی ہیں۔ ان بشارتوں میں کہیں حضرت عیسیٰ حضور کا نام لیتے ہیں' کہیں "رسول اللہ" کہتے ہیں' کہیں آپ کے لئے "مسیح" کا لفظ استعمال کرتے ہیں' کہیں قابل تعریف Admirable کہتے ہیں اور کہیں صاف صاف ایسے فقرے ارشاد فرماتے ہیں جو بالکل لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ہم معنی ہیں۔ (۴) ہمارے لئے ان ساری بشارتوں کو نقل کرنا مشکل ہے کیونکہ وہ اتنی زیادہ ہیں۔ اور جگہ جگہ مختلف پیرایوں اور سیاق وسباق میں آئی ہیں کہ ان سے ایک اچھا خاصہ رسالہ مرتب ہوسکتا ہے۔ یہاں ہم محض بطور نمونہ ان میں سے چند کو نقل کرتے ہیں"۔

تنبیہ

۱۔ "اس طرح یہ انجیل پولوسی مسیحیت کی جڑ کاٹ دیتی ہے اور قرآن کے بیان کی پوری توثیق کرتی ہے.....الخ"۔

قارئین کرام! جناب سید مودودی صاحب نے انجیل پولوسی سے قرآن کے بیان کی توثیق کی ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ انجیل پولوسی سے اگر قرآن کی توثیق نہ ہوتی تو جناب سید مودودی صاحب کس طرح بیان قرآن کو صحیح مانتے؟ نعوذ باللہ معلوم نہیں

کہ آپ نے انجیل کو قرآن پر کیوں پیش کیا ہے؟ جب کہ قرآن جیسی محکم وغیر محرف مضبوط کتاب ناسخ کو انجیل پولوسی کے علاوہ بائبل کی تمام کتابوں پر پیش کرکے ان کتابوں کی اصلیت کو دیکھنا' جانچنا' اور پرکھنا چاہئے کہ قرآن پاک ان کتابوں کی کہاں تک توثیق کرتا ہے؟ جہاں جہاں قرآن پاک سے ان کتابوں میں بیان کردہ واقعات وتفصیلات کی توثیق ہوتی ہے وہ سچ ہے اور جن جن واقعات وبیانات کی قرآن سے توثیق نہ ہوتی ہے اس کو جھوٹا اور مردود قرار دیجئے مگر آپ نے اس حقیقی فرق کو بالکل ہی فراموش کردیا کہ قرآن کو انجیل پر پیش کیا جائے؟ یا انجیل کو قرآن پر؟ اگر قرآن پاک کو انجیل وکتب محرفہ پر پیش کریں گے تو قرآن اصل قرار پائے گا اور اگر ان کتب محرفہ بائبل وغیرہ کو قرآن پر پیش کریں گے نعوذ باللہ جیسا کہ جناب سید مودودی صاحب نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے تو یہ کتابیں اصل ہوکر قرآن پاک ان کے ماتحت ہوگا ثم نعوذ باللہ پولوسی اور اس کی کتابوں وخطوط کے متعلق اظہار الحق کا ترجمہ "بائبل سے قرآن تک" ج اول میں ملاحظہ فرمائیں اس میں مصنف نے بڑی تفصیل کے ساتھ پولوسی فرقہ' پولس کا تعارف پولس کے ساتھ حواریوں کا طرز عمل پولس کے مخالفین' پولس کے خطوط' پولس کے حالات اور اس کے عیسائی ہونے کا واقعہ بیان کیا ہے جسکے نتیجہ میں جناب سید مودودی صاحب کی یہ عبارت

"انجیل پولوسی مسیحیت کی جڑ کاٹ رہی ہے"

بھی غلط ثابت ہوتی ہے کہ آپ نے اصل بات سے ناواقفیت کی بناء پر یہ لکھ دیا ہے۔

۲۔ "اس بحث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ انجیل برناباس درحقیقت اناجیل اربعہ سے زیادہ معتبر انجیل ہے"۔

یعنی اناجیل اربعہ بھی آپ کے نزدیک معتبر ہے مگر انجیل برناباس سے کم ہے۔

۳۔ "اس کے بعد ہم پورے اطمینان کے ساتھ وہ بشارتیں نقل کرسکتے ہیں'

سید مودودی صاحب کے لئے انجیل برناباس کی تمام بشارتوں کو نقل کرنا مشکل ہوگیا تو ان کی چند روایات آپ نے پورے اطمینان کے ساتھ نقل کی ہیں اس جگہ سوال یہ ہے کہ احادیث شریفہ اور محدثین کی اسناد وروایات کے متعلق جناب والا کا یہ پورا اطمینان کہاں رخصت ہوجاتا ہے؟ درحقیقت آپ نے قرآن کے نام پر انجیل کو بڑھانے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے۔ ورنہ غیروں کی روایات پر مکمل اطمینان؟ اور اپنوں کی نقل کردہ روایات پر مکمل بے اعتمادی کا کیا مطلب ہے؟

دسواں باب

تفہیم میں بائبل ملاحظہ کرنے کی ترغیب و دعوت کیوں؟

عبارت نمبر ۵۹

توراۃ اور انجیل کے حسب ذیل مقامات ملاحظہ کی دعوت

تفہیم القرآن ۲ ۸۵ الاعراف ۷

حاشیہ ۱۱۳۔ ''مثال کے طور پر توراۃ اور انجیل کے حسب ذیل مقامات ملاحظہ ہوں جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے متعلق صاف اشارات موجود ہیں: استثناء باب ۱۸' آیت ۱۵ تا ۱۹۔ متی باب ۲۱' آیت ۳۳ تا ۳۶۔ یوحنا' باب ۱ آیت ۱۹ تا ۲۱ یوحنا' باب ۱۴' آیت ۱۵ تا ۱۷ اور آیت ۲۵ تا ۳۰۔ یوحنا' باب ۱۵' آیت ۲۵۔ ۲۶۔ یوحنا' باب ۱۶' آیت ۷ تا ۱۵''۔

تنبیہ

جب استثناء' متی' یوحنا مذکورہ یہ کتابیں بھی مستند نہیں تو عامۃ الناس کو تفہیم القرآن میں جناب نے ملاحظہ کرنے کی دعوت کیوں دی؟ یعنی انتہائی اہم اور بنیادی سوال یہ ہے کہ ان کتب محرفہ کا حوالہ جناب مودودی صاحب نے قرآن پاک کی تفسیر میں بطور تائید نقل کیا ہے حالانکہ یہ وہ کتابیں ہیں جو سرے سے قرآن کے نقطہ نظر ہی کے خلاف ہیں۔ تو ان محرف کتابوں کے مودودی صاحب کس طرح نمائندہ بن گئے؟

عبارت ۶۰

تفہیم القرآن میں بائبل وتلمود کی ان بے ہودہ روایات کو نقل کر کے خود اپنی تحریر ہی سے آپ بے شرم بن گئے۔

تفہیم القرآن ۳ ۹۵ طٰہٰ ۲۰

حاشیہ ۱۹۔ ''اس واقعے کو بائبل اور تلمود میں جس طرح بیان کیا گیا ہے اسے بھی ایک نظر دیکھ لیجئے تاکہ اندازہ ہو کہ قرآن مجید انبیاء علیہم السلام کا ذکر کس شان سے کرتا ہے اور بنی اسرائیل کی روایات میں ان کی کیسی تصویر پیش کی گئی ہے''۔

تنبیہ

جناب سید مودودی صاحب نے اس ص ۹۵ میں بائبل اور تلمود کی روایت کی بنیاد پر حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی بھرپور کردار کشی نقل کی ہے اور مقصد یہ بیان کیا ہے تاکہ ان کو اور قارئین تفہیم القرآن کو قرآن کا اور بائبل وتلمود کی روایات کا اندازہ ہو۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ کیا کہنا جناب کے اندازہ کا۔ بائبل کے محرف ہونے کا تو علم سب ہی کو ہے پھر آپ نے اس کی روایات کا اندازہ ہی کیوں کیا؟ سوال غور طلب یہ ہے کہ جناب نے بائبل وتلمود کی بے ہودہ روایات کا اندازہ کرنے کے لئے یہی طریقہ کیوں اختیار کیا کہ جس سے ایک نبی کی توہین وتذلیل ہو؟ اگر یہ ناپاک تصویر یہودیوں نے بائبل میں پیش کی تھی تو جناب نے بائبل سے نقل کرکے تفہیم القرآن میں پیش کرکے اپنی بے شرمی کا ثبوت کیوں پیش کیا؟ کیونکہ بائبل کے یہ قصے قرآن میں تو نہیں ہیں البتہ تفہیم القرآن میں ہیں۔ اس لئے اس حاشیہ ۱۹ کے اخیر میں جو عبارت آپ نے لکھی ہے۔ اس کے مصداق خود آپ ہی ہیں کہ

”یہ کتابیں ہیں جن کے متعلق بے شرم لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں ان سے یہ قصے نقل کرلئے گئے ہیں“۔

جیسا کہ خود جناب مودودی صاحب نے بھی اپنی ذاتی تفہیم میں نقل کرکے بے شرمی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اور بے شرم لوگوں کی بے شرمی کو تقویت پہونچائی ہے۔

عبارت نمبر ۶۱

قوم بنی اسرائیل کے سلوک کا اندازہ کرنے کے لئے بائبل پر صرف ایک نظر ڈال لینا کافی ہے

تفہیم القرآن ۴ ۱۳۵ الاحزاب ۳۳

حاشیہ ۱۱۹۔ ”دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ“ اے مسلمانو! تم

یہودیوں کی سی حرکتیں نہ کرو۔ تمہاری روش اپنے نبی کے ساتھ وہ نہ ہونی چاہئے جو بنی اسرائیل کی روش موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی“ بنی اسرائیل خود مانتے ہیں کہ حضرت موسیٰ ان کے سب سے بڑے محسن تھے۔ جو کچھ بھی یہ قوم بنی انہیں کی بدولت بنی۔ ورنہ مصر میں اس کا انجام ہندوستان کے شودروں سے بھی بدتر ہوتا۔ لیکن اپنے محسن اعظم کے ساتھ اس قوم کا جو سلوک تھا اس کا اندازہ کرنے کے لئے بائبل کے حسب ذیل مقامات پر صرف ایک نظر ڈال لینا ہی کافی ہے:

کتاب خروج۔ ۵: ۲۰۔ ۲۱۔ ۱۴: ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۶: ۲۔ ۳۔ ۱۷: ۳۔ ۴۔

کتاب گنتی۔ ۱۱: ۱۔ ۱۵۔ ۱۴: ۱۔ ۱۰۔ ۱۶ مکمل۔ ۲۰: ۱۔ ۵۔

قرآن مجید بنی اسرائیل کی اسی محسن کشی کی طرف اشارہ کرکے مسلمانوں کو متنبہ کر رہا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ طرز عمل اختیار کرنے سے بچو ورنہ پھر اسی انجام کے لئے تیار ہوجاؤ جو یہودی دیکھ چکے ہیں اور دیکھ رہے ہیں الخ“

تنبیہ

قارئین کرام! دیکھئے! کس کس بہانہ سے جناب سید مودودی صاحب عامۃ الناس کو بائبل ملاحظہ کرنے کی دعوت دیتے ہیں کیا جس طرح سے آپ کے لئے بائبل پر صرف ایک نظر ڈال لینا ہی کافی ہوگیا۔ اور قوم بنی اسرائیل کی محسن کشی کا اندازہ کرلیا۔ اسی طرح اوسط درجہ کے وہ حضرات جن کے لئے بطور خاص یہ تفہیم لکھی گئی ہے ان میں بھی اتنی صلاحیت ہے کہ وہ بھی آپ کی طرح بائبل پر صرف ایک نظر ڈالتے ہی سب کچھ اندازہ کرلیں گے؟ کیا یہودیوں اور عیسائیوں نے بھی یہ طریقہ کار اپنایا ہے کہ موجودہ اناجیل و بائبل کی صداقت کو جانچنے کے لئے قرآن پاک کے مختلف مقامات پر صرف ایک نظر ڈال لینے ہی کو کافی سمجھنے کی دعوت دی ہو؟ اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی ہی میں ہے تو پھر جناب مودودی صاحب نے ایسا کیوں کیا؟

عبارت نمبر ۶۲

کاش علامہ ابن کثیر اور محمد بن کعب قرظی کی ان دونوں باتوں پر جناب سید مودودی صاحب بھی غور فرما لیتے تو بائبل کو نہ پیش کرتے

تفہیم القرآن ۴   ۲۹۷   الصّٰفّٰت ۳۷

حاشیہ ۶۶۔ "بڑی قربانی" سے مراد جیسا کہ بائبل اور اسلامی روایات میں بیان ہوا ہے ایک مینڈھا ہے جو اس وقت اللہ تعالیٰ کے فرشتے نے حضرت ابراہیم کے سامنے پیش کیا' تا کہ بیٹے کے بدلے اس کو ذبح کر دیں اسے بڑی قربانی کے لفظ سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ وہ ابراہیم جیسے وفادار بندے کے لئے فرزند ابراہیم جیسے صابر و جاں نثار لڑکے کا فدیہ تھا' اور اسے اللہ تعالیٰ نے ایک بے نظیر قربانی کی نیت پوری کرنے کا وسیلہ بنایا تھا۔ اس کے علاوہ اسے "بڑی قربانی" قرار دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ سنت جاری کر دی کہ اسی تاریخ کو تمام اہلِ ایمان دنیا بھر میں جانور قربان کریں اور وفاداری و جاں نثاری کے اس عظیم الشان واقعہ کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

حاشیہ ۶۷۔ یہاں پہنچ کر یہ سوال ہمارے سامنے آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے جن صاحب زادے کو قربان کرنے کے لئے آمادہ ہوئے تھے اور جنہوں نے اپنے آپ کو خود اس قربانی کے لئے پیش کر دیا تھا' وہ کون تھے۔ سب سے پہلے اس سوال کا جواب ہمارے سامنے بائبل کی طرف سے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ: "خدا نے ابرہام کو آزمایا اور اسے کہا اے ابرہام... تو اپنے بیٹے اضحاق کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جا اور وہاں اسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا" (پیدائش ۲۲: ۱۔۲)

اس بیان میں ایک طرف تو یہ کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

حضرت اسحاق کی قربانی مانگی تھی' اور دوسری طرف یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ وہ اکلوتے تھے۔ حالانکہ خود بائبل ہی کے دوسرے بیانات سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اسحاق اکلوتے نہ تھے۔ اس کے لئے ذرا بائبل ہی کی حسب ذیل تصریحات ملاحظہ ہوں:"

تنبیہ

۱۔ "بائبل اور اسلامی روایات میں بیان ہوا ہے"

اسلامی روایات تو مسلمانوں کے نزدیک حجت ہے لیکن بائبل کی روایات تو حجت نہیں۔ لیکن آپ نے اسلامی روایات کے ساتھ ساتھ بائبل کا بھی ذکر کیا؟ اس لئے کہ جناب مودودی صاحب کے نزدیک اسلامی روایات ہی کی طرح بائبل کی روایات معتبر ہیں۔ سبحان اللہ!

۲۔ "(جناب مودودی صاحب کے سامنے) بائبل کی طرف سے جواب آتا ہے"

حالانکہ آپ کی تحریر کے مطابق خود بائبل ہی کے دوسرے بیانات بائبل کے خلاف ہیں تو اس صورتِ حال میں آپ کو بائبل سے جواب لینے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ پھر جب بائبل کے بیانات ہی مختلف ہیں تو اس کا جواب قابلِ قبول اور واجب التسلیم کس طرح ہوگا؟

۳۔ "اس کے لئے ذرا بائبل ہی کی حسب ذیل تصریحات ملاحظہ ہوں"

جب اس بیان سے آپ پر "بائبل کی تضاد بیانی صاف کھل گئی" جیسا کہ ص ۲۹۸ میں اس جملہ کو تحریر کیا ہے تو اس کو تفہیم القرآن میں نقل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

۴۔ اسی حاشیہ ۶۷ کے آخر میں علامہ ابن کثیرؒ کے حوالہ سے ایک سوال کہ آخر مسلمانوں میں یہودی پروپیگنڈہ و اسرائیلیات کی باتیں کس طرح پھیل گئیں؟ مسلمانوں نے یہودیوں کی دھاندلی کو کیسے قبول کر لیا؟ اس کا جواب دیتے ہوئے ص ۳۰۱ پر تحریر کرتے ہیں:

"حالانکہ اس امت کو ان کے اس ذخیرۂ معلومات میں سے کسی چیز کی بھی ضرورت نہ تھی" پھر محمد بن کعب قرظی کی ایک روایت نقل کر کے اپنے سوال پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"اور مسلمان چونکہ علمی معاملات میں ہمیشہ غیر متعصب رہے
ہیں اس لئے ان میں سے بہت سے لوگوں نے یہودیوں کے بیانات کو جو وہ
قدیم صحیفوں کے حوالہ سے تاریخی روایات کے بھیس میں پیش کرتے تھے محض
ایک علمی حقیقت سمجھ کر قبول کرلیا۔ اور یہ محسوس نہ کیا کہ اس میں علم کے بجائے
تعصب کارفرما ہے"۔

اب راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اگر جناب سید مودودی صاحب اپنی ہی نقل کردہ علامہ ابن کثیر اور محمد بن کعب قرظی کی ان دونوں باتوں پر غور فرمالیتے تو ان کو یقیناً معلوم ہوجاتا کہ تفہیم القرآن میں جو بائبل اور کتب محرفہ سے انہوں نے بھرپور استفادہ کیا ہے اور قدیم صحیفوں کے حوالہ سے آپ نے تاریخی روایات کی بھیس میں آیات قرآنیہ کی تشریحات وتفصیلات کی ہیں۔ اس میں بھی علم کے بجائے اسلامی مزاج کے خلاف کچھ اور ہی چیز ہے یعنی قرآن پاک کی حقانیت مجروح ہوکر بائبل وکتب محرفہ کی حقانیت کو تسلیم کرنی پڑتی ہے جب کہ صورتِ واقعہ یہی ہے کہ تفسیر قرآن کے لئے آپ کے پیش کردہ بائبل کے اس ذخیرۂ معلومات میں سے قطعاً کسی بھی چیز کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جس کا آپ نے بھی اعتراف کیا ہے

شعر

خدا نے عقل بھی دی تھی شعور بھی لیکن
کوئی قدم بھی سلیقہ سے تم اٹھا نہ سکے

عبارت نمبر ۶۳

وَاِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ کی تفصیلات بائبل سے نقل کرنے کے کیا معنی؟

تفہیم القرآن ۴ ۳۰۴ الصّٰفّٰت ۳۷

حاشیہ ۷۰۔ "اس خط میں حضرت الیاسؑ نے جو کچھ فرمایا تھا وہ پورا ہوا۔ پہلے

یہورام کی ریاست بیرونی حملہ آوروں کی تاخت سے تباہ ہوئی اور اس کی بیویوں تک کو دشمن پکڑ لے گئے پھر وہ خود انتڑیوں کے مرض سے ہلاک ہوا۔ چند سال کے بعد حضرت الیاسؑ پھر اسرائیل تشریف لے گئے اور انہوں نے اخی اب کو اور اس کے بعد اس کے بیٹے اخزیاہ کو راہ راست پر لانے کی مسلسل کوشش کی، مگر جو بدی سامریہ کے شاہی خاندان میں گھر کر چکی تھی وہ کسی طرح نہ نکلی۔ آخر کار حضرت کی بددعا سے اخی اب کا گھرانا ختم ہوگیا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو دنیا سے اٹھالیا۔

ان واقعات کی تفصیل کے لئے بائبل کے حسب ذیل ابواب ملاحظہ ہوں:
۱۔ سلاطین، باب ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۱۔ ۲۔ سلاطین باب ۱۔ ۲۔ ۲ تواریخ باب ۲۱"

تنبیہ

۱۔ اس حاشیہ ۷۰ کے شروع میں ص ۳۰۲ پر آنجناب نے تحریر کیا ہے
"موجودہ زمانے کے محققین ان کا (حضرت الیاس کا) زمانہ ۸۷۵ اور ۵۸۰ ق م کے درمیان متعین کرتے ہیں....الخ"

سوال یہ ہے کہ یہ محققین کون ہیں جن کی تحقیق پر تو آنجناب نے اعتماد کرلیا جب کہ حضرات محدثین کی بیان کردہ اسناد پر اور ان کی تحقیقات پر آپ اعتماد نہیں کرتے ہیں؟

۲۔ "بائبل میں ان کا (حضرت الیاس کا) ذکر ایلیاہ تشبی (Eliah The Tishbite) کے نام سے کیا گیا ہے ان کے مختصر حالات حسب ذیل ہیں...الخ۔
اس موقع پر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو فریاد کی تھی اسے بائبل ان الفاظ میں نقل کرتی ہے...الخ۔
حضرت الیاس نے یہاں بھی فریضۂ نبوت ادا کیا اور یہورام کو ایک خط لکھا جس کے یہ الفاظ بائبل میں نقل ہوئے ہیں"

سوال یہ ہے کہ بائبل کی بنیاد پر آپ نے یہ سب کیوں بیان کیا؟ یہ قرآن کے نام پر بائبل کی تلاوت کرانا نہیں تو کیا ہے؟ وَاِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (پ ۲۳ الصّٰفّٰت آیت ۱۲۳) تفصیلات بائبل سے نقل کرنے کا کیا مطلب؟ کیا یہی وہ کسر ہے؟ جو سابق

مترجمین ومفسرین کے کام میں رہ گئی تھی؟ یا طالبین قرآن کی کسی ایسی ضرورت کو پوار کر رہی ہے جو پچھلے تراجم وتفاسیر سے پوری نہیں ہوئی تھی؟ جیسا کہ تفہیم القرآن ص ۵ شروع ہی دیباچہ میں آپ نے تحریر کیا ہے۔ کیا سابق مترجمین ومفسرین کے کام میں جو تشنگی کی وجہ آپ ایک مدت سے محسوس کر رہے تھے وہ یہی بائبل ہے؟ کیا اس کے ذریعہ سے عام تعلیم یافتہ لوگوں میں روحِ قرآن تک پہونچنے اور اس کتاب پاک کے حقیقی مدعاے روشناس ہونے کی طلب پیدا ہوگی؟ حقیقت یہ ہے کہ جناب سید مودودی صاحب کی یہ کوشش فہم قرآن میں نہیں بلکہ فہمِ بائبل میں بہت زیادہ مددگار ثابت ہوئی ہے اور یہی آپ کی خوش نصیبی کی بات ہوگی؟

۳۔"ان واقعات کی تفصیل کے لئے بائبل کے حسب ذیل ابواب ملاحظہ ہوں: سلاطین باب ۱۷۔۱۸۔۲۱۔۲۔سلاطین باب ۱۔۲۔۲ تواریخ باب ۲۱"

یقیناً ان واقعات کی تفصیل اردو اور فارسی تراجم قرآن میں نہیں تھی ان ہی احساسات نے آپ کو اس کوشش پر مجبور کیا کہ مطالعہ بائبل کے ثمرات ہدیہ ناظرین کریں۔ آخر ۵۵ سالہ مطالعہ کے نچوڑ میں جو کچھ بھی آپ کی تحقیقات ہیں ان کا اظہار بھی تو ضروری اور لازمی تھا۔

گیارھواں باب

بیانِ بائبل کی بنیاد پر جناب سید مودودی صاحب کے قیاسات وتفہیمات ومعلومات

نوٹ

اصول تفسیر کی مستند ترین کتاب ''الفوز الکبیر'' میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

''فصل=فی بیان الا ثار المرویۃ فی کتب التفسیریۃ لاھل الحدیث ومایتعلق بھا'' میں فرماتے ہیں ''ویحفظ ھھنا نکتتان الاولی ان الاصل فی ھذالباب ایراد القصص المسموعۃ بلا تصرف عقل ..الخ''

حاصل عبارت یہ ہے کہ قرآنی قصص میں جن امور کی طرف اشارات وتعریضات نہ پائی جاتی ہوں عقل وقیاس کے ذریعہ ان امور کی تفسیر وتعیین کے درپے نہیں ہونا چاہئے بلکہ اصل واقعہ کے بیان پر اکتفاء کرنا چاہئے''

(الفوز العظیم ص ۱۴۰)

اب جناب مودودی صاحب مرحوم کی عبارات اور آئندہ صفحات میں آنے والی ان کی تحریرات تفہیم میں قارئین کرام کو ہم نے دکھلایا ہے کہ کس کس طرح آنجناب والا نے قرآن کے اشارات وتعریضات کی عدم تعیین کو محض اپنے قیاسات وتخمینات اور بائبل کے بیانات سے متعین کیا ہے؟ اور قرآن کے بیان کردہ اصل واقعات پر اکتفاء نہیں کیا ہے اس اصولی نکتہ کے لحاظ سے جناب سید مودودی صاحب کی طرح جن مفسرین نے بھی قرآن سے متعلق غیر ضروری تفصیلات جن کی طرف آیات میں اشارے نہیں ہیں اور ان کی تعیین نہیں ہے اپنی اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے وہ محض ظنی اور احتمالی اقوال ہیں اس لئے وہ نظر انداز کئے جائیں گے۔

عبارت نمبر ۶۴

بائبل کی کتاب خروج سے لفظ قُمّل کے بارے میں قیاس

تفہیم القرآن ۲ ۷۳ الاعراف

حاشیہ ۹۶۔''اصل میں لفظ قُمّل استعمال ہوا ہے، جس کے کئی معنی ہیں۔ جوں، چھوٹی مکھی، چھوٹی ٹڈی، مچھر، سُرسُری وغیرہ (۱) غالباً یہ جامع لفظ اس لئے

استعمال کیا گیا ہے کہ بیک وقت جوؤں اور مچھروں نے آدمیوں پر اور سُرسُریوں (گھن کے کیڑوں) نے غلہ کے ذخیروں پر حملہ کیا ہوگا۔ (۲) (تقابل کے لئے ملاحظہ ہو بائبل کی کتاب خروج باب ۷ تا ۱۲)''

تنبیہ

دیکھئے! یہاں پر قمل کا جامع لفظ کیوں استعمال کیا گیا ہے؟ اس کے لئے آنجناب بائبل کی کتاب خروج سے قیاس کرتے ہیں اور قرآن وبائبل کو تقابلی طور پر ملاحظہ کرنے کی دعوت بھی دیتے ہیں فرماتے ہیں

''غالباً یہ جامع لفظ اس لئے استعمال کیا گیا ہے کہ...الخ''

(تقابل کے لئے ملاحظہ ہو بائبل کی کتاب خروج باب ۷ تا ۱۱)

عبارت نمبر ۶۵

بعید از قیاس ہونے کے باوجود بائبل اور تلمود کے بیانات کیوں نقل کئے گئے؟

تفہیم القرآن ۲ ۳۸۷ یوسف ۱۲

حاشیہ ۱۱۔'' یہ بیان بھی بائبل اور تلمود کے بیان سے مختلف ہے۔ ان کی روایت یہ ہے کہ برادران یوسف اپنے مویشی چرانے کے لئے سِکم کی طرف گئے ہوئے تھے اور ان کے پیچھے خود حضرت یعقوبؑ نے ان کی تلاش میں حضرت یوسف کو بھیجا تھا، مگر یہ بات بعید از قیاس ہے کہ حضرت یعقوب نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ ان کے حسد کا حال جاننے کے باوجود انہیں آپ اپنے ہاتھوں موت کے منہ میں بھیجا ہو۔ اس لئے قرآن کا بیان ہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے''

تنبیہ

''جب قرآن کا بیان ہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے''

تو بائبل اور تلمود کا بیان قرآن پاک سے مختلف ہونے اور آپ کے قیاس سے بعید ہونے کے باوجود کیوں نقل کیا؟

عبارت نمبر ۶۵

جناب سید مودودی صاحب کو اسرائیلی لٹریچر کی طرف کیوں رجوع کرنا پڑا؟

تفہیم القرآن ۳ — ۴۳ — الکہف ۱۸

حاشیہ ۶۲۔ ''قرآن مجید جس طرح اس کا ذکر کرتا ہے اس سے ہم کو چار باتیں وضاحت کے ساتھ معلوم ہوئی ہیں:

(۱) اس کا لقب ذوالقرنین (لغوی معنی ''دو سینگوں والا'') کم از کم یہودیوں میں جن کے اشارے سے کفار مکہ نے اس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا ضرور معروف ہونا چاہئے۔ اس لئے لامحالہ ہمیں یہ معلوم کرنے کے لئے اسرائیلی لٹریچر کی طرف رجوع کرنا پڑے گا کہ وہ ''دو سینگوں والے'' کی حیثیت سے کس شخصیت یا سلطنت کو جانتے تھے۔

(۲) وہ ضرور کوئی بڑا فرماں روا اور فاتح ہونا چاہئے جس کی فتوحات مشرق سے مغرب تک پہونچی ہوں اور تیسری جانب شمال یا جنوب میں بھی وسیع ہوئی ہوں۔ ایسی شخصیتیں نزول قرآن سے پہلے چند ہی گزری ہیں اور لامحالہ انہی میں سے کسی میں اس کی دوسری خصوصیات ہمیں تلاش کرنی ہوں گی۔

(۳) اس کا مصداق ضرور کوئی ایسا فرماں روا ہونا چاہئے جس نے اپنی مملکت کو یاجوج وماجوج کے حملوں سے بچانے کے لئے کسی پہاڑی درے پر ایک مستحکم دیوار بنائی ہو۔ اس علامت کی تحقیق کے لئے ہمیں یہ بھی معلوم کرنا ہوگا کہ یاجوج وماجوج سے مراد کون سی قومیں ہیں اور پھر یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ ان کے علاقے سے متصل کون سی ایسی دیوار کبھی دنیا میں بنائی گئی ہے اور وہ کس نے بنائی ہے۔

(۴) اس میں مذکورۂ بالا خصوصیات کے ساتھ ایک یہ خصوصیت بھی پائی جانی چاہئے کہ وہ خدا پرست اور عادل فرماں روا ہو، کیونکہ قرآن یہاں سب سے بڑھ کر اس کی اسی خصوصیت کو نمایاں کرتا ہے۔

ان میں سے پہلی علامت آسانی کے ساتھ خورس پر چسپاں کی جاسکتی ہے

کیونکہ بائبل کے صحیفۂ دانی ایل میں دانیال نبی کا جو خواب بیان کیا گیا ہے اس میں وہ یونانیوں کے عروج سے قبل میڈیا اور فارس کی متحدہ سلطنت کو ایک مینڈھے کی شکل میں دیکھتے ہیں جس کے دو سینگ تھے یہودیوں میں اس ''دو سینگوں والے'' کا بڑا چرچا تھا کیونکہ اسی کی ٹکر نے آخرکار بابل کی سلطنت کو پاش پاش کیا اور بنی اسرائیل کو اسیری سے نجات دلائی۔ (تفہیم القرآن سورۂ بنی اسرائیل حاشیہ ۸)''

تنبیہ

۱۔ ''اس لئے لامحالہ ہمیں یہ (ذوالقرنین کی حیثیت) معلوم کرنے کے لئے اسرائیلی لٹریچر کی طرف رجوع کرنا پڑے گا...الخ''

۲۔ ''بائبل کے صحیفۂ دانی ایل کی بنیاد پر مختلف رائیں قائم کرنے کے بعد ان میں سے پہلی علامت آسانی کے ساتھ خورس پر چسپاں کی جاسکتی ہے''

۳۔ آیت پاک وَيَسْئَلُونَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ (پ ۱۶ الکہف آیت ۸۳) میں ''ذوالقرنین'' کے متعلق قدیم مفسرین کی رائے کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

''قدیم زمانے میں بالعموم مفسرین کا میلان سکندر کی طرف تھا لیکن قرآن میں اس کی جو صفات وخصوصیات بیان کی گئی ہیں وہ مشکل ہی سے سکندر پر چسپاں ہوتی ہیں''

۴۔ ''جدید زمانے میں تاریخی معلومات کی بناء پر مفسرین کا میلان زیادہ تر ایران کے فرماں روا خورس (خسرو یا سائرس) کی طرف ہے اور یہ نسبتاً زیادہ قرین قیاس ہے...الخ''

واضح رہے کہ یہ جدید زمانے کی تاریخی معلومات رکھنے والے مفسر خود جناب سید مودودی صاحب ہی ہیں جو ۱۴ سطروں کے بعد خود اپنی ہی ان تحریروں میں ظاہر ہو جاتے ہیں کہ

۵۔ ''ان میں سے پہلی علامت کو آسان کے ساتھ خورس پر چسپاں کی جاسکتی ہے......الخ''

۶۔ ''دوسری علامت بڑی حد تک اس پر چسپاں ہوئی ہے مگر پوری طرح نہیں الخ''......

۷۔ پھر ص ۴۴ پر لکھتے ہیں کہ

"آخری علامت قدیم زمانے کے معروف فاتحوں میں اگر کسی پر چسپاں کی جاسکتی ہے تو وہ خورس ہی ہے...الخ"

۸۔"اور بائبل کی کتاب عزرا اس بات پر شاہد ہے کہ وہ ضرور ایک خدا پرست اور خداترس بادشاہ تھا...الخ"

۹۔پھر کہتے ہیں کہ

"اس بناء پر ہم یہ تو ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ نزول قرآن سے پہلے جتنے مشہور فاتحین عالم گزرے ہیں ان میں سے خورس ہی کے اندر ذوالقرنین کی علامات زیادہ پائی جاتی ہیں لیکن یقین کے ساتھ اسی کو ذوالقرنین قرار دینے کے لئے ابھی مزید شہادتوں کی ضرورت ہے تاہم دوسرا کوئی فاتح قرآن کی بتائی ہوئی علامات کا اتنا بھی مصداق نہیں ہے جتنا خورس ہے...الخ"

قارئین کرام! جناب سید مودودی صاحب کی ان عبارات وتحریرات کو پڑھ جائیے ان سب کا خلاصہ یہی ہے کہ حضرات متقدمین مفسرین کرام کی رائے سکندر کے متعلق غلط ہے ان کی رائے قرآن کی بیان کردہ صفات وخصوصیات کے خلاف ہے البتہ آپ نے بائبل کی کتاب عزرا اور اسرائیلی لٹریچر کے تاریخی بیان سے خورس کے بارے میں جو تحقیقات پیش کی ہیں وہ بعینہٖ قرآن کے منشاء کے مطابق ہیں سبحان اللہ! جیسا کہ خود ہی نے اعتراف کیا ہے کہ

"تاہم دوسرا کوئی فاتح قرآن کی بتائی ہوئی علامات کا اتنا بھی مصداق نہیں ہے جتنا خورس ہے"

اب ہم جناب مودودی صاحب کی رائے کی بنیاد (کتاب دانیال اور کتاب عزرا) کی مختصر حقیقت پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین کرام اندازہ کرسکیں کہ جناب کو اسرائیلی لٹریچر سے کس قدر شیفتگی ہے۔اور ان دونوں کتابوں کا کیا وزن ہے؟

کتاب دانی ایل: کے متعلق اظہار الحق کا ترجمہ "بائبل سے قرآن تک" میں لکھا ہے کہ

"فرقہ کیتھولک اس گانے اور دونوں مذکورہ ابواب کو تسلیم کرتا ہے مگر فرقہ پروٹسٹنٹ اس کی تردید وتکذیب کرتا ہے"

اس کے حاشیہ (۱) میں جناب مخدومی حضرت علامہ مفتی محمد تقی صاحب عثمانی زید مجدہ تحریر فرماتے ہیں

"چنانچہ پروٹسٹنٹ بائبل میں یہ کتاب صرف ۱۲ ابواب مشتمل ہے" (ص ۳۵۶)

کتاب عزراء: کتاب عزراء کے متعلق اظہار الحق کا ترجمہ "بائبل سے قرآن تک" میں لکھا ہے

"السفر الاول لعزراء" اس کا نام اردو میں عزراء اور انگریزی میں Ezra ہے غالب یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت عزیر علیہ السلام ہیں اس کتاب میں خسرو شاہ فارس (Cyrus) (جسے تورات میں خورس کہا گیا ہے) کا بخت نصر کے حملہ کے بعد یروشلم کو دوبارہ تعمیر کرنا اور پھر حضرت عزیرؑ کا جلاوطن یہودیوں کو اپنے وطن واپس لانا اور ان کا اپنے گناہوں سے استغفار کرنا مذکور ہے اسی ضمن میں حضرت زکریا اور حضرت یحیٰ علیہما السلام کا ذکر بھی آیا ہے اس میں کل دس باب ہیں ۲ آتقی ص ۳۰۸"

اس کتاب عزراء کے متعلق صاحب اظہار الحق لکھتے ہیں:

"جمہور قدماء مسیحیین کے نزدیک معتمد اور معتبر وتسلیم شدہ تھیں البتہ سامری فرقہ کے نزدیک صرف سات کتابیں مسلم ہیں...الخ"

(بائبل سے قرآن تک ج اول ص ۳۱۳)

قارئین کرام! ایسی تردیدی وتکذیبی واختلافی کتاب پر جناب سید مودودی صاحب نے اپنی رائے کی بنیاد رکھتے ہوئے متقدمین مفسرین کی رائے کے بارے میں لکھ مارا کہ

"قرآن میں اس کی جو صفات وخصوصیات بیان کی گئی ہیں وہ مشکل ہی سے سکندر پر چسپاں ہوتی ہیں۔"

خود جناب مودودی صاحب کی رائے کا کیا حال ہے؟ جس کی بنیاد بائبل کی کتاب دانی ایل اور عزراء پر ہے۔ فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی پتہ چلا کہ بائبل کی کتابیں ہی دراصل مودودی صاحب کے نزدیک روح قرآن ہیں جن سے تفہیم میں مستند ماخذ کی حیثیت سے آپ نے استدلال کیا ہے۔

علاوہ ازیں قارئین کرام کو معلوم ہونا چاہئے کہ جناب سید مودودی صاحب نے اس موقع پر بھی انتحال کیا ہے جو ایک زبردست علمی خیانت ہے یعنی زیر بحث حاشیہ ۶۲

میں ذوالقرنین کے متعلق آپ کی خورس کی رائے کی مکمل تحریرات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جناب نے بہت ہی محنت کر کے بڑی جد وجہد سے یہ اپنی ذاتی تحقیق پیش کی ہے۔ حالانکہ یہ واقعہ کے خلاف ہے دراصل یہ رائے حافظ ابن حجر کی ہے دیکھئے ترجمہ شیخ الہندؒ کے فوائد عثمانی میں اس آیت کے حاشیہ ۴ کو۔

"اس بادشاہ کو ذوالقرنین اس لئے کہتے ہیں کہ دنیا کے دو کناروں (مشرق ومغرب) پر پھر گیا تھا بعض کہتے ہیں کہ یہ لقب اسکندر رومی کا ہے اور بعض کے نزدیک کوئی مقبول خدا پرست اور دین دار بادشاہ اس سے پہلے گزرا ہے حافظ بن حجر نے فتح الباری میں متعدد وجوہ ودلائل سے اسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ الخ"

لیکن جناب سید مودودی صاحب نے کہیں پر بھی حافظ ابن حجرؒ کی طرف اس تحقیق کو منسوب نہیں کیا شاید اس لئے کہ آپ نے بائبل کی کتاب دانیال وعزراہ وغیرہ سے اس بادشاہ وفرماں روا کا نام خورس متعین ومشخص کر کے اس تحقیق میں ایک قسم کی جدت پیدا کر دی ہے۔ کہ حافظ ابن حجرؒ نے خورس کا نام متعین نہیں کیا ہے۔

۱۰۔ ذوالقرنین کا مصداق خورس کو ٹھہرانے اور متعین کرنے پر ہی ساری باتیں ختم نہیں ہوئیں بلکہ اس بادشاہ کا سفر فتوحات کہاں تک ہوا؟ یعنی ان کی سلطنت کی حد کہاں تک تھی؟ اس ذوالقرنین بادشاہ سے اللہ تعالیٰ نے بحیثیت نبی خطاب فرمایا؟ یا بحیثیت مقبول ولی کے ان پر الہام ہوا؟ اس بادشاہ کا تیسرا سفر جس قوم کی طرف ہوا وہ قوم یاجوج وماجوج تھی یا کوئی اور دوسری قوم! اس بادشاہ نے جو انتہائی مستحکم دیوار تعمیر کی تھی وہ کیسی تھی؟ جس کو سد سکندری سے مفسرین تعبیر کرتے ہیں ان سب سوالات کے متعلق تفہیم القرآن ج ۳ ص ۴۴ تا ۴۷ حاشیہ ۶۲ تا ۷۱ میں جو کچھ جناب سید مودودی صاحب نے تحریر کیا ہے وہ سب کی سب بائبل ہی کی تواریخ کی بنیاد پر ہیں اور ان میں صاف صاف حدیثوں کا انکار اور نصوص کی تاویلات بعیدہ کی گئی ہیں نعوذ باللہ من الکفر والشک بعد الیقین. بادشاہ ذوالقرنین کی فتوحات کے متعلق لکھتے ہیں:

"اس کی فتوحات بلاشبہ مغرب میں ایشیا کوچک اور

شام کے سواحل تک اور مشرق میں باختر (بلخ) تک وسیع ہوئیں مگر شمال یا جنوب میں اس کی کسی بڑی مہم کا سراغ ابھی تک تاریخ سے نہیں ملا ہے حالانکہ قرآن صراحت کے ساتھ ایک تیسری مہم کا بھی ذکر کرتا ہے تاہم اس مہم کا پیش آنا بعید از قیاس نہیں ہے کیونکہ تاریخ کی رو سے خورس کی سلطنت شمال میں کاکیشیا (قفقاز) تک وسیع تھی"۔ (تفہیم ج ۳ ص ۴۴)

قارئین کرام! ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا پر جناب سید مودودی صاحب کے قیاس کی بنیاد کیا ہے؟ خط کشیدہ عبارت قابل غور ہے اس کے لئے ملاحظہ کیجئے ترجمہ شیخ الہندؒ کے فوائد عثمانی کو آپ فرماتے ہیں:

"رہا مخالفین کا یہ شبہ کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈالا مگر کہیں اس کا پتہ نہیں ملا اور اسی شبہ کے جواب کے لئے ہمارے مخالفین نے پتہ بتلانے کی کوشش کی ہے اس کا صحیح جواب وہی ہے جو علامہ آلوسی بغدادی نے دیا ہے کہ ہم کو اس کا موقع معلوم نہیں اور ممکن ہے کہ ہمارے اور اس کے درمیان بڑے بڑے سمندر حائل ہوں اور یہ دعویٰ کرنا کہ ہم تمام خشکی وتری پر محیط ہو چکے ہیں واجب التسلیم نہیں عقلاً جائز ہے کہ جس طرح اب سے پانچ سو برس پہلے تک ہم کو چوتھے براعظم (امریکہ) کے وجود کا پتہ نہ چلا اب بھی کوئی پانچواں براعظم ایسا موجود ہو جہاں تک ہم رسائی حاصل نہ کر سکے ہوں اور تھوڑے دنوں بعد ہم وہاں تک یا وہ لوگ ہم تک پہنچ سکیں۔ سمندر کی دیوار اعظم جو آسٹریلیا کے شمال مشرقی ساحل پر واقع ہے آج کل برطانوی سائنس داں ڈاکٹر سی ایم ینگ کے زیر ہدایات اس کی تحقیقات جاری ہے" (ترجمہ شیخ الہند ص ۴۰۵ حاشیہ ۲)

اس اقتباس سے پتہ چلا کہ بادشاہ ذوالقرنین کی فتوحات کے متعلق آیت پاک پر آپ نے جو قیاس کیا ہے اس قیاس کی بنیاد مخالفین کے شبہات پر جس کے متعلق علامہ آلوسی نے جواب دیا کہ شرعاً وعقلاً مخالفین کے یہ شبہات واجب التسلیم نہیں ہیں۔

۱۱۔ یاجوج وماجوج سے کون قوم مراد ہے؟ اس کے متعلق جناب تحریر کرتے ہیں:

"تیسری علامت کے بارے میں یہ تو قریب قریب متحقق ہے کہ یاجوج وماجوج سے مراد روس اور شمالی چین کے وہ قبائل ہیں جو تاتاری، منگولی، ہُن،

اور سیتھین وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں اور قدیم زمانے سے متمدن ممالک پر حملے کرتے رہے ہیں.....الخ" (تفہیم ج ۳ ص ۴۴)

جناب مودودی صاحب نے اپنی ان عبارات میں احادیث شریفہ کا دراصل انکار کیا ہے اور احادیث شریفہ کا انکار کر کے روس اور شمالی چین کے قبائلی مراد لئے ہیں دیکھئے! ترجمہ شیخ الہند کا مذکورہ حاشیہ ۲ ص ۴۰۵ کو۔

"جب حضرت مسیح علیہ السلام جو محض ایک آدم زاد خاتون (مریم صدیقہ) کے بطن سے بتوسط نفخۂ ملکیہ پیدا ہوئے نزول من السماء کے بعد دجال کو ہلاک کریں گے اس وقت یہ قوم یاجوج ماجوج دنیا پر خروج کرے گی اور آخر کار حضرت مسیحؑ کی دعاء سے غیر معمولی موت مرے گی اس وقت یہ قوم کہاں ہے؟ اور ذوالقرنین کی دیوار آہنی کس جگہ واقع ہے؟ سو جو شخص ان اوصاف کو پیش نظر رکھے گا۔ جن کا ثبوت اس قوم اور دیوار آہنی کے متعلق قرآن کریم اور احادیث صحیح میں ملتا ہے اس کو کہنا پڑے گا کہ جن قوموں اور ملکوں اور دیواروں کا لوگوں نے رائے سے پتہ دیا ہے یہ مجموعہ اوصاف ایک میں بھی نہیں پایا جاتا لہٰذا وہ خیالات صحیح معلوم نہیں ہوتے اور احادیث صحیحہ کا انکار یا نصوص کی تاویلات بعیدہ دین کے خلاف ہے"

(ترجمہ شیخ الہند ص ۴۰۵ حاشیہ ۲)

قارئین کرام! تقریباً یہی عبارات والفاظ بیان القرآن میں بھی ہیں مگر حضرت تھانویؒ نے اس سے قبل قرآن وحدیث سے دس اوصاف تحریر فرمائے ہیں

"اور جاننا چاہئے کہ مصنفین ومؤلفین نے اس سد یاجوج وماجوج کی تعیین کے متعلق اپنے اپنے مقالات وخیالات جمع کئے ہیں اور اس کے مصداق میں اپنی اپنی کہی ہے لیکن قرآن وحدیث میں اس کے چند اوصاف معلوم ہوتے ہیں ایک یہ کہ اس کا بانی کوئی بندہ مقبول ہے دوسرے یہ کہ وہ جلیل القدر بادشاہ ہے تیسرے یہ کہ وہ دیوار آہنی ہے چوتھے یہ کہ اس کے دونوں سرے دو پہاڑوں سے ملے ہیں پانچویں یہ کہ اس دیوار کے اس طرف یاجوج وماجوج ہیں وہ ابھی باہر نہیں نکل سکے چھٹے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اس میں تھوڑا سا سوراخ ہو گیا ہے ساتویں یہ کہ وہ لوگ ہر روز اس کو چھیلتے ہیں اور پھر وہ باذنہ تعالیٰ ویسی ہی دبیز ہو جاتی ہے اور قرب قیامت

میں جب چھیل چکیں گے تو کہیں گے کہ انشاء اللہ تعالیٰ کل بالکل آر پار کر دیں گے چنانچہ اس روز پھر وہ دبیز نہ ہو گی اور اگلے روز اس کو توڑ کر نکل پڑیں گے۔
آٹھویں یہ کہ یاجوج وماجوج کی قوت باوجود آدمی ہونے کے آدمیوں سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے اور عدد میں بھی بہت زیادہ ہیں نویں یہ کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں نکلیں گے اور اس وقت عیسیٰ علیہ السلام بوحی الٰہی خاص خاص لوگوں کو لے کر کوہ طور پر چلے جاویں گے باقی لوگ اپنے اپنے طور پر قلعہ بند اور محفوظ مکانوں میں بند ہو جائیں گے دسویں کہ وہ دفعۃً غیر معمولی موت سے مر جاویں گے اول کے پانچ اوصاف قرآن سے اور اخیر کے پانچ اوصاف احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتے ہیں.....الخ"۔

قارئین کرام! اب آپ ملاحظہ فرمائیں کہ جناب سید مودودی صاحب نے تفہیم ۳ ص ۴۴ میں قرآن واحادیث میں ذکر کردہ ان اوصاف مذکورہ کا کیوں انکار کیا ہے؟

۱۲۔ جناب سید مودودی صاحب نے ذوالقرنین کے متعلق بائبل اور اسرائیلی لٹریچر کی طرف رجوع کر کے خورس کو متعین کرتے ہوئے حضرت ذوالقرنین کے متعلق مزید قیاس آرائیاں کی ہیں چنانچہ تفہیم ۳ ص ۴۵ حاشیہ ۶۴ میں تحریر کرتے ہیں:

"اگر فی الواقع ذوالقرنین سے مراد خورس ہی ہو تو یہ ایشیائے کوچک کا مغربی ساحل ہو گا جہاں بحر ایجین چھوٹی چھوٹی خلیجوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے اس قیاس کی تائید یہ بات بھی کرتی ہے کہ قرآن یہاں بحر کے بجائے عین کا لفظ استعمال کرتا ہے جو سمندر کے بجائے جھیل یا خلیج ہی پر زیادہ صحت کے ساتھ بولا جا سکتا ہے"۔

دیکھ لیجئے کہ جناب مودودی صاحب نے خورس کو مراد لینے میں قرآن پاک کے لفظ عین سے کس طرح قیاس کیا ہے؟ جب کہ آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ تفہیم میں آپ نے روح قرآن کو پیش کیا ہے تو کیا اسی قیاس آرائی کا نام روح قرآن ہے؟ العیاذ باللہ جو کچھ جناب کا قیاس ہو گا وہی روح قرآن ہو گا؟ سبحان اللہ

۱۳۔ اس کے بعد اسی حوالہ مذکورہ کے حاشیہ ۶۵ میں متصلاً ہی تحریر کرتے ہیں:

"ضروری نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات براہ راست وحی یا الہام کے

ذریعہ ہی سے ذوالقرنین کو خطاب کر کے فرمائی ہو حتیٰ کہ اس سے ذوالقرنین کا نبی یا محدث ہونا لازم آئے بلکہ یہ ارشاد زبانِ حال کے واسطے سے ہوسکتا ہے اور یہ قرینِ قیاس ہے"

آپ نے یہ عبارت اس لئے تحریر کی ہے تا کہ خورس کی نبوت یا محدثیت ثابت نہ کرنی پڑ جائے کیونکہ آپ ذوالقرنین کا مصداق خورس کو ٹھہرا چکے ہیں۔ اس لئے آپ وحی اور الہام کے دونوں طریقے کو ذوالقرنین کے لئے ضرور نہیں مان رہے ہیں۔ لیکن حضرت اقدس مفسر تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ

"ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین کوئی مقبول بزرگ بادشاہ ہیں خواہ نبی ہوں یا ولی ہوں کسی دوسرے نبی کے تبع پھر ولایت کی صورت میں یہ مکالمت بطور الہام ہوئی ہو یا کسی نبی کے ذریعہ سے"

دیکھ لیجئے! صاف واضح ہے کہ جناب سید مودودی صاحب نے اس حاشیہ میں کن کن حقائق و تفصیلات کی تردید کی ہے؟

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ کرلیا کہ جناب سید مودودی صاحب نے تفہیم ج ۳ ص ۳۳ تا ۴۷ حاشیہ ۶۲ تا ۷۱ میں حضرت ذوالقرنین کے مصداق میں خورس کو چسپاں کرنے کے لئے اسرائیلی لٹریچر کی طرف رجوع کر کے بائبل کی بیان کردہ تواریخ کی بنیاد پر قرآن واحادیث کا کس طرح انکار کیا ہے۔

قاتلهم الله انى يؤفكون۔

عبارت نمبر ۶۶

آپ کی بائبل پرستی میں کیا اب بھی کوئی شک ہے؟

تفہیم القرآن ۲ ۴۳۰ یوسف

حاشیہ ۶۸ "بائبل کا بیان ہے کہ سب افرادِ خاندان جو اس موقع پر مصر گئے ۶۷ تھے اس تعداد میں دوسرے گھرانوں کی ان لڑکیوں کو شمار نہیں کیا گیا ہے جو حضرت یعقوبؑ کے ہاں بیاہی ہوئی آئی تھیں۔ اس وقت حضرت یعقوبؑ

کی عمر ۱۳۰ سال تھی اور اس کے بعد وہ مصر میں ۱۷ سال زندہ رہے۔

اس موقع پر ایک طالب علم کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل جب مصر میں داخل ہوئے تو حضرت یوسف سمیت ان کی تعداد ۶۸ تھی اور جب تقریباً ۵ سو سال کے بعد وہ مصر سے نکلے تو وہ لاکھوں کی تعداد میں تھے۔ بائبل کی روایت ہے کہ خروج کے بعد دوسرے سال بیابانِ سینا میں حضرت موسیٰ نے ان کی جو مردم شماری کرائی تھی اس میں صرف قابلِ جنگ مردوں کی تعداد ۶۰۳۵۵۰ تھی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ عورت، مرد، بچے سب ملا کر وہ کم از کم ۲۰ لاکھ ہوں گے۔ کیا کسی حساب سے پانچ سو سال میں ۶۸ آدمیوں کی اتنی اولاد ہو سکتی ہے؟ مصر کی کل آبادی اگر اس زمانے میں ۲ کروڑ فرض کی جائے (جو یقیناً بہت مبالغہ آمیز اندازہ ہوگا) تو اس کے معنی یہ ہیں کہ صرف بنی اسرائیل وہاں ۱۰ فیصدی تھے۔ کیا ایک خاندان محض تناسل کے ذریعہ سے اتنا بڑھ سکتا ہے؟ اس سوال پر غور کرنے سے ایک اہم حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ۵ سو برس میں ایک خاندان تو اتنا نہیں بڑھ سکتا لیکن بنی اسرائیل پیغمبروں کی اولاد تھے۔ ان کے لیڈر حضرت یوسفؑ جن کی بدولت مصر میں ان کے قدم جمے خود پیغمبر تھے۔ ان کے بعد چار پانچ صدی تک ملک کا اقتدار انہی لوگوں کے ہاتھ میں رہا۔ اس دوران میں یقیناً انہوں نے مصر میں اسلام کی خوب تبلیغ کی ہوگی۔ اہلِ مصر میں سے جو لوگ اسلام لائے ہوں گے ان کا مذہب ہی نہیں بلکہ ان کا تمدن اور پورا طریق زندگی غیر مسلم مصریوں سے الگ اور بنی اسرائیل سے ہم رنگ ہو گیا ہوگا۔ مصریوں نے ان سب کو اسی طرح اجنبی ٹھہرایا ہوگا جس طرح ہندوستان میں ہندوؤں نے ہندوستانی مسلمانوں کو ٹھہرایا۔ ان کے اوپر اسرائیلی کا لفظ اسی طرح چسپاں کر دیا گیا ہوگا جس طرح غیر عرب مسلمانوں پر "محمڈن" کا لفظ آج چسپاں کیا جاتا ہے۔ اور وہ خود بھی دینی و تہذیبی روابط اور شادی بیاہ کے تعلقات کی وجہ سے غیر مسلم مصریوں سے الگ اور بنی اسرائیل سے وابستہ ہو کر رہ گئے ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مصر میں قوم پرستی کا طوفان اٹھا تو مظالم صرف بنی اسرائیل ہی پر نہیں ہوئے بلکہ مصری مسلمان بھی ان کے ساتھ یکساں لپٹ گئے۔ اور جب بنی اسرائیل نے ملک چھوڑا تو مصری مسلمان بھی ان کے ساتھ ہی نکلے اور ان سب کا شمار اسرائیلیوں ہی میں ہونے لگا۔

ہمارے اس قیاس کی تائید بائبل کے متعدد اشارات سے ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر "خروج" میں جہاں بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کا حال بیان ہوا ہے بائبل کا مصنف کہتا ہے کہ "ان کے ساتھ ایک ملی جلی گروہ بھی گئی" (۳۸:۱۲) اسی طرح "گنتی" میں وہ پھر کہتا ہے کہ "جو ملی جلی بھیڑ ان لوگوں میں تھی وہ طرح طرح کی حرص کرنے لگی" (۴:۱۱) پھر بتدریج ان غیر اسرائیلی مسلمانوں کے لئے "اجنبی" اور "پردیسی" کی اصطلاح میں استعمال ہونے لگیں۔ چنانچہ توراۃ میں حضرت موسیٰ کو جو احکام دیے گئے ان میں ہم کو یہ تصریح ملتی ہے:"

تنبیہ

۱۔ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ (پ۱۳ یوسف آیت ۹۹) کی تفصیل بیان بائبل کے مطابق اس حاشیہ ۶۸ میں آپ نے کی ہے۔

۲۔ "ایک طالب علم (یعنی خود جناب سید مودودی صاحب) کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے...الخ"

آپ کے اس سوال کی بنیاد بائبل کی روایت ہے۔

۳۔ اور بائبل ہی کی روایت کی بنیاد پر

"اس سوال پر غور کرنے سے جناب والا کو ایک اہم حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے"

۴۔ سوال یہ ہے کہ جناب سید مودودی صاحب کے قیاس کی تائید کس سے ہوتی ہے؟ آپ لکھتے ہیں کہ

"ہمارے قیاس کی تائید بائبل کے متعدد اشاروں سے ہوتی ہے"

۵۔ آپ کو بائبل کی کن کتابوں کے احکام میں تصریح ملتی ہے؟ آپ لکھتے ہیں کہ

"چنانچہ توراۃ میں حضرت موسیٰ کو جو احکام دیے گئے ہیں ان میں ہم کو تصریح ملتی ہے"۔

۶۔ جناب سید مودودی صاحب تفہیم القرآن لکھتے وقت بائبل کی کتاب استثناء کے الفاظ کے متعلق تحقیق کرنا چاہتے تھے مگر کامیابی نہیں ملی استثناء کی عبارت کا حوالہ نقل کرنے کے بعد اسی حاشیہ ۶۸ ص ۴۳۱ میں رقم طراز ہوئے ہیں:

"اب یہ تحقیق کرنا مشکل ہے کہ کتاب الٰہی میں غیر اسرائیلیوں کے لئے وہ اصل لفظ کیا تھا جسے مترجموں نے "پردیسی" بنا کر رکھ دیا ہے"۔

قارئین کرام! اس حاشیہ ۶۸ میں آپ نے غور فرمایا؟ کہ جناب نے آیت قرآنی کی تفصیل بیان کی تو بائبل کے بیان کے مطابق۔ آپ کے ذہن میں سوال پیدا ہوا تو بائبل کی روایت سے۔ ایک اہم حقیقت کا انکشاف ہوا تو اسی بائبل کی روایت پر غور کرنے سے۔ آپ کے قیاس کی تائید ہوئی تو بائبل کے متعدد اشاروں سے۔ آپ کو تصریح ملی تو بائبل کی کتاب گنتی میں۔ تحقیق کرنا مشکل ہوا تو بائبل کی کتاب استثناء کے الفاظ میں۔

کیا آپ کی ان تحریرات کے بعد بھی شک رہ جاتا ہے کہ جناب سید مودودی صاحب نے بائبل پرستی نہیں کی ہے؟

عبارت نمبر ۶۷

جو آپ کا اغلب گمان ہے وہی بائبل کا بھی بیان ہے

(سبحان اللہ)

تفہیم القرآن ۴ — ۳۴۰ — ص

حاشیہ ۴۳۔ "یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین پر پاؤں مارتے ہی ایک چشمہ نکل آیا جس کا پانی پینا اور اس میں غسل کرنا حضرت ایوبؑ کے مرض کا علاج تھا۔ اغلب یہ ہے کہ حضرت ایوبؑ کسی سخت جلدی مرض میں مبتلا تھے۔ بائبل کا بیان بھی یہی ہے کہ سر سے پاؤں تک ان کا سارا جسم پھوڑوں سے بھر گیا تھا"

(بلا تبصرہ)

عبارت نمبر ۶۸

اس پوزیشن میں بائبل کا بیان کیوں نقل کیا گیا؟

تفہیم القرآن ۳ ۶۲۴ القصص

حاشیہ ۲۸۔ ''بائبل کا بیان یہاں قرآن کے بیان سے مختلف ہے۔ بائبل کہتی ہے کہ دوسرے دن کا جھگڑا دو اسرائیلیوں کے درمیان تھا لیکن قرآن کہتا ہے کہ یہ جھگڑا بھی اسرائیلی اور مصری کے درمیان ہی تھا (۲) قرین قیاس بھی یہی دوسرا بیان معلوم ہوتا ہے' کیونکہ پہلے دن کے قتل کا راز فاش ہونے کی جو صورت آگے بیان ہو رہی ہے وہ اسی طرح رونما ہو سکتی ہے کہ مصری قوم کے ایک شخص کو اس واقعہ کی خبر ہو جائے۔ ایک اسرائیلی کے علم میں اس کے آجانے سے یہ امکان کم تھا کہ اپنی قوم کے پشتیبان شہزادے کے اتنے بڑے قصور کی اطلاع پاتے ہی وہ جا کر فرعونی حکومت میں اس کی مخبری کر دیتا۔''

تنبیہ

۱۔ دیکھئے! جناب والا خود ہی رقم طراز ہیں

''بائبل کا بیان یہاں قرآن سے مختلف ہے''

۲۔ ''قرین قیاس بھی یہی دوسرا بیان (یعنی قرآن کا) معلوم ہوتا ہے''

فہم قرآن کے لئے ان دو اعتراف حقیقت کے باوجود آپ نے بائبل کا بیان اس صورت حال میں کیوں نقل کیا؟ اس سے کیا سمجھا جائے؟

عبارت نمبر ۶۹

مغربی مستشرقین کی تردید کے بہانے خود ہی بائبل سے قرآنی قصوں کا ماخذ ڈھونڈنے میں آپ کی کمالِ ہوشیاری

تفہیم القرآن ۳ ۶۳۰ القصص

حاشیہ ۳۸۔ ''یہ بھی ضروری نہیں کہ بیٹی کی بات سنتے ہی باپ نے فوراً حضرت

موسیٰ سے یہ بات کہہ دی ہو۔ قیاس چاہتا ہے کہ انہوں نے بیٹی کے مشورے پر غور کرنے کے بعد یہ رائے قائم کی ہوگی کہ آدمی شریف سہی مگر جوان بیٹیوں کے گھر میں ایک جوان تندرست و توانا آدمی کو یونہی ملازم رکھ چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔ جب یہ شریف' تعلیم یافتہ' مہذب خاندانی آدمی ہے (جیسا کہ حضرت موسیٰ کا قصہ سن کر انہیں معلوم ہو چکا ہوگا) تو کیوں نہ اسے داماد بنا کر ہی گھر میں رکھا جائے۔ اس رائے پر پہنچنے کے بعد انہوں نے کسی مناسب وقت پر حضرت موسیٰ سے یہ بات کہی ہوگی۔

یہاں پھر بنی اسرائیل کی ایک کرم فرمائی ملاحظہ ہو جو انہوں نے اپنے جلیل القدر نبی' اپنے سب سے بڑے محسن اور قومی ہیرو پر کی ہے۔ تلمود میں کہا گیا ہے کہ ''موسیٰ رعویل کے ہاں رہنے لگے' اور وہ اپنے میزبان کی بیٹی صفورہ پر نظر عنایت رکھتے تھے' یہاں تک کہ آخر کار انہوں نے اس سے بیاہ کر لیا''۔

تنبیہ

۱۔ قَالَ اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ (قصص آیت ۲۷) کے متعلق سید مودودی صاحب کا قیاس کیا چاہتا ہے؟ اور کیوں چاہتا ہے؟ اس حاشیہ ۳۸ میں ملاحظہ فرمایئے کہ آنجناب نے اپنی جس اردوئے مبین میں حضرت شعیبؑ و حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق گمان قائم کر کے کردار کشی کے عمدہ انداز میں یہ عبارت لکھی ہے اگر اسی طرح جناب سید مودودی کے بارے میں قیاس کیا جائے تو کیسا معلوم ہوگا؟ یہاں بھی حسب سابق آنجناب نے پہلے تو

''بنی اسرائیل کی کرم فرمائی''

کے عنوان پر بائبل کی کتاب تلمود سے حضرت موسیٰ کی زبردست کردار کشی نقل کی ہے اس کے بعد یہ حاشیہ ۳۸ کے آخری سطر میں مغربی مستشرقین سے سوال کے لباس میں اپنی اس نقل کردار کشی کو چھپانے کی کوشش کی ہے۔

''جو مغربی مستشرقین قرآنی قصوں کے ماخذ ڈھونڈتے پھرتے ہیں انہیں کہیں یہ کھلا فرق بھی نظر آتا ہے جو قرآن کے بیان اور اسرائیلی روایات میں پایا جاتا ہے''

قارئین کرام! اگر شروع حاشیہ میں آنجناب نے اس آیت پاک کے متعلق اپنے قیاس کی بات نہ لکھی ہوتی تو آخر میں مغربی مستشرقین سے سوال کرنے کے لباس میں آپ کی یہ کردارکشی چھپ سکتی تھی مگر اب جناب کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توہین وتذلیل وکردارکشی کی اپنی تصویر چھپانی بہت مشکل ہے۔

تاہم اگر مان ہی لیا جائے کہ آپ نے تلمود کی اور یہودی روایت جیوش انسائیکلوپیڈیا اسی لئے نقل کی ہے کہ مغربی مستشرقین کو قرآن پاک اور بائبل کا فرق دکھلائیں اوران سے قرآنی قصوں کے مآخذ ڈھونڈنے کے متعلق سوال کریں تو برائے کرم پوری دیانت وامانت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے یہ بتلایا جائے کہ کیا اس طریقہ کار اور انداز تحریر سے قرآن وبائبل کا فرق واضح ہوجائے گا اور مغربی مستشرقین اس انداز تحریر سے مطمئن ہوجائیں گے؟ اور آئندہ وہ قرآنی قصوں کے مآخذ ڈھونڈنا بند کردیں گے؟ اوران کے سوال واعتراض کا جواب ان کو مل جائے گا؟ جب کہ آیت پاک یحرفون الکلم من بعد مواضعہ سے نہیں ملا؟ جواب نفی میں ہے اور بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جناب سید مودودی صاحب مغربی مستشرقین کے نام پر خود ہی بائبل کا مطالعہ کرنے کے بعد قرآنی قصوں کے مآخذ ہر جگہ بتلاتے ہیں تاکہ مغربی مستشرقین کو اعتراض کا مزید موقع فراہم ہو۔ اور آنجناب کا دامن بظاہر گرفت سے بھی پاک وصاف رہے۔ حالانکہ آپ کا مقصد اصلی نقل روایات بائبل سے صرف ''دلچسپی'' لینا ہے اور کچھ نہیں چنانچہ تفہیم ج اول ص ۵۶۰ الانعام حاشیہ ۵۵ اور تفہیم ج ۲ ص ۴۹۲ یوسف ۲۶ تفہیم ج ۳ ص ۱۳۵ طٰہٰ حاشیہ ۱۰۶ ان تینوں جگہ آپ نے ہی اپنے الفاظ میں نقل بائبل کا مقصد ''دلچسپی'' لینا ذکر کیا ہے پھر اس حاشیہ ۳۸ میں آنجناب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ''قومی ہیرو'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ غور کیجئے کہ آج کی دنیا میں ''ہیرو'' کس کو کہتے ہیں؟ ممکن ہے کہ ارباب جماعت کے نزدیک ''ہیرو'' کا معنی کوئی اچھا سا ہو۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ فلموں اور سینما میں کام کرنے والے مردوں کو ہیرو اور عورتوں کو ہیروئن کہا جاتا ہے اس اعتبار سے مجھے جناب مودودی صاحب ہی ''قومی ہیرو'' معلوم ہوتے ہیں۔

عبارت نمبر ۷

آپ کی تعبیر کو مزید تقویت بائبل کی کتاب خروج سے ملتی ہے

تفہیم القرآن ۵ ۳۶۰ الصف ۶۱

حاشیہ ۷۔ ''اس تعبیر کو مزید تقویت پیشین گوئی کے ان الفاظ سے ملتی ہے کہ ''یہ تیری (یعنی بنی اسرائیل کی) اس درخواست کے مطابق ہوگا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن حورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو تاکہ میں مر نہ جاؤں اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں ٹھیک کہتے ہیں۔ میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا''۔ اس عبارت میں حورب سے مراد وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہلی مرتبہ احکام شریعت دئے گئے تھے اور بنی اسرائیل کی جس درخواست کا اس میں ذکر کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ اگر کوئی شریعت ہم کو دی جائے تو ان خوف ناک حالات میں نہ دی جائے جو حورب پہاڑ کے دامن میں شریعت دیتے وقت پیدا کئے گئے تھے۔ ان حالات کا ذکر قرآن میں بھی موجود ہے اور بائبل میں بھی۔ (ملاحظہ ہوا البقرۃ' آیات ۵۵۔ ۵۶۔ ۶۳۔ الاعراف' آیات ۱۵۵۔ ۱۷۱۔ بائبل' کتاب خروج ۱۹: ۱۷۔ ۱۸)

تنبیہ

۱۔ ''آپ کی اس تعبیر کو مزید تقویت پیشین گوئی کے ان الفاظ (بائبل کی کتاب خروج) سے ملتی ہے''

۲۔ ''ان حالات کا ذکر قرآن میں بھی موجود ہے اور بائبل میں بھی ملاحظہ ہو البقرہ آیات ۵۵۔ ۵۶۔ ۶۳۔ الاعراف آیات ۱۵۵۔ ۱۷۱ بائبل کتاب خروج ۱۹: ۱۷۔ ۱۸''

غور فرمائیے ان عبارات حاشیہ ۷ میں آپ نے صاف لفظوں میں اپنی تعبیر کو مزید تقویت

بائبل سے پہونچا کر قرآن اور بائبل دونوں کے ساتھ ساتھ حوالے دئے ہیں جس کا صاف مطلب یہی ہوا کہ آپ کی تعبیر کی بنیاد بائبل پر ہے چونکہ آپ کے نزدیک بائبل اور قرآن دونوں ایک ہی ہیں اسی لئے آپ کو ان حالات کا ذکر قرآن کے ساتھ بائبل میں بھی مل گیا۔

عبارت نمبر ۷۱

انجیل برناباس پر شک کرتے ہوئے اس کی غیر معمولی صفات بھی بیان کی گئی

تفہیم القرآن ۵   ۴۶۸   الصف ۶۱

"یہ برناباس کون تھا؟ بائبل کی کتاب اعمال میں بڑی کثرت سے اس نام کے ایک شخص کا ذکر آتا ہے جو قبرص کے ایک یہودی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ مسیحیت کی تبلیغ اور پیروان مسیح کی مدد واعانت کے سلسلے میں اس کی خدمات کی بڑی تعریف کی گئی ہے۔ مگر کہیں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ وہ کب دین مسیح میں داخل ہوا' اور ابتدائی بارہ حواریوں کی جو فہرست تین انجیلوں میں دی گئی ہے اس میں بھی کہیں اس کا نام درج نہیں ہے۔ اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انجیل کا مصنف وہی برناباس ہے یا کوئی اور۔ متی' اور مرقس نے حواریوں (Apostles) کی جو فہرست دی ہے' برناباس کی دی ہوئی فہرست اس سے صرف دو ناموں میں مختلف ہے۔ ایک توما' جس کے بجائے برناباس خود اپنا نام دے رہا ہے' دوسرا شمعون قنانی' جس کی جگہ وہ یہوداہ بن یعقوب کا نام لیتا ہے۔ لوقا کی انجیل میں یہ دوسرا نام بھی موجود ہے۔ اس لئے یہ قیاس کرنا صحیح ہوگا کہ بعد میں کسی وقت صرف برناباس کو حواریوں سے خارج کرنے کے لئے توما کا نام داخل کیا گیا ہے تاکہ اس کی انجیل سے پیچھا چھڑایا جاسکے' اور اس طرح کے تغیرات اپنی مذہبی کتابوں میں کرلینا ان حضرات کے ہاں کوئی ناجائز کام نہیں رہا ہے۔

(۱) اس انجیل کو اگر کوئی شخص تعصب کے بغیر کھلی آنکھوں سے پڑھے اور نئے عہد نامے کی چاروں انجیلوں سے اس کا مقابلہ کرے تو وہ یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ (۲) ان چاروں سے بدرجہا برتر ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں (۳) اور اس طرح بیان ہوئے ہیں جیسے کوئی شخص فی الواقع وہاں سب کچھ دیکھ رہا تھا (۴) اور ان واقعات میں خود شریک تھا۔ (۵) چاروں انجیلوں کی بے ربط داستانوں کے مقابلہ میں یہ تاریخی بیان زیادہ مربوط بھی ہے (۶) اور اس سے سلسلۂ واقعات بھی زیادہ اچھی طرح سمجھ میں آتا ہے۔ (۷) حضرت عیسیٰ کی تعلیمات اس میں چاروں انجیلوں کی بہ نسبت زیادہ واضح اور مفصل اور مؤثر طریقے سے بیان ہوئی ہیں۔ (۸) توحید کی تعلیم' شرک کی تردید' صفات باری تعالیٰ' عبادات کی روح' اور اخلاق فاضلہ کے مضامین اس میں بڑے ہی پُرزور اور مدلل اور مفصل ہیں۔ (۹) جن سبق آموز تمثیلات کے پیرایہ میں مسیح نے یہ مضامین بیان کئے ہیں ان کا عُشرِ عشیر بھی چاروں انجیلوں میں نہیں پایا جاتا۔ (۱۰) اس سے یہ بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ آنجناب اپنے شاگردوں کی تعلیم وتربیت کس حکیمانہ طریقے سے فرماتے تھے (۱۱) حضرت عیسیٰ کی زبان' طرز بیان اور طبیعت ومزاج سے کوئی شخص (مثلاً مودودی صاحب از ناقل) اگر کچھ بھی آشنا ہو تو وہ اس انجیل کو پڑھ کر یہ ماننے پر مجبور ہوگا کہ یہ کوئی جعلی داستان نہیں ہے جو بعد میں کسی نے گھڑ لی ہو' (۱۲) بلکہ اس میں حضرت مسیح اناجیل اربعہ کی بہ نسبت اپنی اصلی شان میں بہت زیادہ نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ (۱۳) اور اس میں ان تضادات کا نام ونشان بھی نہیں ہے جو اناجیل اربعہ میں ان کے مختلف اقوال کے درمیان پایا جاتا ہے۔

(۱۴) اس انجیل میں حضرت عیسیٰ کی زندگی اور آپ کی تعلیمات ٹھیک ٹھیک ایک نبی کی زندگی اور تعلیمات کے مطابق نظر آتی ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ایک نبی کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ تمام پچھلے انبیاء اور کتابوں کی تصدیق کرتے ہیں"۔

تنبیہ

۱۔ تعجب ہے کہ ایک طرف تو آپ نے انجیل برناباس کی اہمیت معلوم ہونے کے لئے اس

کا اس قدر تعارف کرایا ہے اور جس طرح بائبل کی دیگر چاروں اناجیل پر پوری تفہیم میں اور صرف اس ایک جگہ تفہیم میں ص ۴۶۷ میں فنی اعتبار سے تنقید کی ہے بالکل اسی طرح انجیل برناباس پر بھی تنقید و غیر معمولی تعریف بھی دونوں ساتھ ساتھ کی ہے آپ کہتے ہیں کہ

"انجیل برناباس ان چاروں اناجیل سے بدرجہا بہتر ہے"

لیکن پھر اس کے ساتھ ہی انجیل برناباس پر آپ نے شک کا بھی اظہار کیا ہے:۔ کہ

"یہ برناباس کون تھا؟ وہ کب دین مسیح میں داخل ہوا؟ ابتدائی بارہ حواریوں کی فہرست میں کہیں بھی اس کا نام درج نہیں ہے اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ اس انجیل کا مصنف وہی برناباس ہے یا کوئی اور؟...الخ"۔

واللہ اعلم بالصواب کہ اناجیل و بائبل کی تعریف و تنقید کے اس پس منظر میں جناب سید مودودی صاحب کا کون سا راز چھپا ہوا ہے؟ اور انہوں نے طریق مطالعہ قرآن کے لئے ایسا کیوں کیا ہے؟

۲۔ (انجیل برناباس کے متعلق) "اس لئے یہ قیاس کرنا صحیح ہوگا کہ...الخ"

دیکھئے جناب کا کمال! قرآن میں بھی قیاس کرتے ہیں اور انجیل میں بھی قیاس کرتے ہیں۔

۳۔ "اس انجیل کو اگر کوئی شخص تعصب کے بغیر کھلی آنکھوں سے پڑھے اور نئے عہدنامے کی چاروں انجیلوں سے اس کا مقابلہ کرے تو وہ یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا...الخ"

اسی تفہیم ج ۵ کے ص ۴۶۴ پر بھی آپ نے اسی قسم کی عبارت سے اوسط درجہ کے لوگوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ انجیل کو تعصب کے بغیر کھلی آنکھوں سے پڑھیں اور نئے عہدناموں کی چاروں انجیلوں سے اس کا مقابلہ کریں۔

لیکن بتلایا جائے کہ جناب سید مودودی صاحب کی طرح بلا تعصب والی آنکھ اور صلاحیت عامۃ الناس کے پاس کہاں ہے؟ جس سے وہ انجیلوں کا باہم مقابلہ کر کے صحیح اور غیر صحیح کی تمیز کر سکیں گے؟

۴۔ جب انجیل برناباس کے متعلق آپ کو شک تھا تو اسی انجیل برناباس کی اس جگہ ص ۴۶۸ پر ۱۴ صفات حسنہ کیوں بیان کی گئیں؟

عبارت نمبر ۲۷

انجیل کی عبارت میں کتنی چیزیں جناب والا کی بادی النظر میں نگاہ کو کھٹکتی ہیں؟

تفہیم القرآن ۵ ۔ ۴۷۴ ۔ الصف ۶۱

حاشیہ ۸۔ "ان صاف اور مفصل پیشینگوئیوں میں صرف تین چیزیں ایسی ہیں جو بادی النظر میں نگاہ کو کھٹکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ان میں اور انجیل برناباس کی متعدد دوسری عبارتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے مسیح ہونے کا انکار کیا ہے دوسری یہ کہ صرف انہی عبارتوں میں نہیں بلکہ اس انجیل کے بہت سے مقامات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عربی نام "محمد" لکھا گیا ہے حالانکہ یہ انبیاء کی پیشین گوئیوں کا عام طریقہ نہیں ہے کہ بعد کی آنے والی کسی ہستی کا اصل نام لیا جائے تیسری یہ کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسیح کہا گیا ہے۔

پہلے شبہ کا جواب یہ ہے کہ صرف انجیل برناباس ہی میں نہیں بلکہ لوقا کی انجیل میں بھی یہ ذکر موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ نے اپنے شاگردوں کو اس بات سے منع کیا تھا کہ وہ آپ کو مسیح کہیں۔ لوقا کے الفاظ یہ ہیں: "اس نے ان سے کہا لیکن تم مجھے کیا کہتے ہو؟ پطرس نے جواب میں کہا خدا کا مسیح۔ اس نے ان کو تاکید کر کے حکم دیا کہ یہ کسی سے نہ کہنا" (۹: ۲۰-۲۱) غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ بنی اسرائیل جس مسیح کے منتظر تھے اس کے متعلق ان کا خیال یہ تھا کہ وہ تلوار کے زور سے دشمنان حق کو مغلوب کرے گا اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ مسیح میں نہیں ہوں بلکہ وہ میرے بعد آنے والا ہے"۔

تنبیہ

۱۔ "ان صاف اور مفصل پیشینگوئیوں میں (جناب مودودی صاحب کو) صرف تین چیزیں ایسی ہیں جو بادی النظر میں نگاہ کو کھٹکتی ہیں...الخ"۔

تفہیم ۵ از ص ۴۶۱ تا ۴۷۶ میں حاشیہ ۸ کے تحت آپ نے اناجیل سے طویل

طویل مضامین لکھے ہیں۔ جس میں برناباس کی اصل انجیل جو سریانی زبان میں تھی اور جناب مودودی صاحب کو وہ اصل کتاب دستیاب بھی نہیں ہوئی جیسا کہ اسی حاشیہ ۸ ص ۴۷۵ کے اوپر کی سطروں میں آپ نے لکھا بھی ہے۔ اس نقلی وجعلی انجیل برناباس کی بنیاد پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشین گوئیوں کے الفاظ ثابت کرنے کے لئے عیسائیوں کی تواریخ کا آپ کو سہارا لینا پڑا ہے چونکہ آپ نے بائبل وانا جیل کی کتابوں کا گہرا مطالعہ فرمایا ہے اس لئے اس مطالعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جناب نے قرآن پاک کی آیات کی تفصیلات میں بھرپور طریقے سے انجیل کو نقل کیا تا کہ مسلمان اس کو بھی پڑھنے پر مجبور ہو جائیں ظاہر ہے کہ اگر آنجناب والا کوشش کرتے کہ مسلمان انجیل پڑھ لیں تو کبھی بھی مسلمان انجیل کی تحریف کی وجہ سے پڑھنے کے لئے تیار نہ ہوتے اس لئے آنجناب نے کمال ہوشیاری اور انتہائی چالاکی سے

"حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کی بشارت"

کے عنوان پر انجیل کو بڑی آسانی کے ساتھ مسلمانوں کے حلق سے اتروا دیا چونکہ اسی حاشیہ ۸ ص ۴۶۶ کے نیچے کی سطروں میں آپ تحریر کرتے ہیں کہ

"میں نے اسے (انجیل برناباس کے انگریزی ترجمے کو) لفظ بلفظ پڑھا ہے"۔

لہٰذا آنجناب نے بڑی عرق ریزی وجانفشانی سے کوشش کر کے مسلمانوں کو بھی پڑھنے کی ترغیب کے ساتھ تدبیر بھی بتلا دی۔ تا کہ جس طرح سے آپ نے قرآن پاک کو بائبل وانا جیل پڑھ کر سمجھا ہے اسی طرح مسلمان بھی سمجھیں اور یہی آپ کا مقصد اعظم ہے اور اس کو خود ہی آپ نے تفہیم القرآن ج ۶ ص ۵۷۵ "خاتمہ" میں تحریر کیا ہے:

"جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے اس میں میری کوشش یہ رہی ہے کہ عام پڑھے لکھے لوگوں کو قرآن اس طرح سمجھاؤں جس طرح میں نے خود اسے سمجھا ہے... الخ"۔

سوال یہ ہے کہ جناب مودودی مرحوم نے کس طرح قرآن کو سمجھا ہے؟ اور پھر جو کچھ آنجناب نے سمجھا ہے اس پر کس طرح اعتماد کر لیا جائے؟

آپ نے قرآن کو بائبل وانا جیل ویہودی روایات سے جس طرح سمجھا ہے وہ سب آپ ہی کی بعینہٖ عبارات وعن وعن تحریرات میں قارئین کرام کے سامنے آچکی ہیں کہ اب انجیل کی ان عبارات میں کتنی چیزیں آپ کی بادی النظر میں نگاہِ بصیرت کو کھٹکتی ہیں؟ جب انجیل کھٹک رہی تھی تو اس کو تفہیم القرآن میں کیوں جگہ دی گئی؟ صرف اور صرف مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ پر مطلقاً اعتماد کیوں نہیں کیا گیا؟ لیکن جب راقم الحروف نے تفہیم القرآن میں جناب مولانا سید مودودی کی اس حقیقت کا سراغ لگایا کہ آپ نے جو بائبل وغیرہ سے بھرپور استفادہ کیا ہے اس تفہیم میں نقل بائبل کے مقاصد کیا ہیں؟ بحمد اللہ مجھے آنجناب کے الفاظ وعبارات ہی میں مل گئے کہ محض دلچسپی کی خاطر آپ نے ایسا کیا ہے یہی آپ کا مقصد اصلی ہے۔ ہم نے آئندہ صفحات میں اپنے اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے تفہیم کی تین عبارات تفہیم کی تین جلدوں سے الگ الگ پیش کی ہیں "بائبل سے تغیر وتفصیل کے بیان میں" ملاحظہ کیا جائے۔ فوائد عثمانی میں ہے

"یہ سچ ہے کہ نہ یہود ونصاریٰ کی مجرمانہ غفلت اور معتمدانہ دستبرد نے آج دنیا کے ہاتھوں میں اصل تورات وانجیل وغیرہ کا کوئی صحیح نسخہ باقی نہیں چھوڑا جس سے ہم کو ٹھیک پتہ لگ سکتا کہ انبیاء سابقین خصوصاً حضرت مسیح علیہ السلام نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کن الفاظ میں اور کس عنوان سے بشارت دے دی تھی اور اس لئے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ قرآن کریم کے صاف وصریح بیان کو اس تحریف شدہ بائبل میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے جھٹلانے لگے" (ترجمہ شیخ الہند سورہ صف حاشیہ ۲)

قارئین کرام! فوائد عثمانی کی اس عبارت سے مجھے اپنے اشکال کو مؤکد کرنا ہے کہ جب توراۃ وانجیل کا کوئی بھی نسخہ بالاتفاق جمہور مسلمین اپنی اصلی حالت میں نہیں ہے تو جناب مودودی صاحب کا اس سے استدلال کرنا اور پیشین گوئیوں کی عبارت نقل کرنا کس طرح صحیح ہے؟ یہ تو ان محرف کتابوں کا اعتماد بحال کرنا ہوا نعوذ باللہ۔ مزید افسوس در افسوس یہ ہے کہ جناب نے جب انجیل محرف کی عبارات نقل کرنا ہی ضروری سمجھا تھا تو

اس کی تحریف پر بھی اس طرح تفصیلی کلام کرتے؟ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ تفہیم ج ۵ ص ۴۵۹ تا ص ۴۷۵ سترہ صفحات میں انجیل کی عبارات نقل کرتے چلے گئے ہیں اور اس کی تحریف پر اسی طرح مفصلاً تنقید نہیں کی بلکہ انجیل برناباس کی غیر معمولی تعریف وصفات بیان کی ہیں چونکہ آپ کے نزدیک اناجیل اربعہ معتبر ذریعہ میں نہیں بلکہ قابلِ اعتماد ذریعہ انجیل برناباس ہے آپ لکھتے ہیں

"حقیقت یہ ہے کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے بارے میں حضرت عیسیٰ کی پیشین گوئیوں کو نہیں خود حضرت عیسیٰ کے اپنے صحیح حالات اور آپ کی اصلی تعلیمات کو جاننے کا بھی معتبر ذریعہ وہ چار انجیلیں ہیں جن کو مسیحی کلیسا نے معتبر و مسلم اناجیل قرار دے رکھا ہے بلکہ اس کا زیادہ قابل اعتماد ذریعہ وہ انجیل برناباس ہے جسے کلیسا غیر قانونی اور مشکوک الصحت کہتا ہے" (تفہیم ج ۵ ص ۴۶۶)

اس اعتراف حقیقت کے باوجود اناجیل سے تفصیلات کیوں پیش کی گئیں؟

عبارت نمبر ۷۳

اصل انجیل برناباس دستیاب ہونے کی تمنا کیوں؟

تفہیم القرآن ۵ ۴۷۵ الصف ۶۱

"ظاہر ہے کہ اصل انجیل برناباس سُریانی زبان میں ہوگی کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی زبان تھی۔ اگر وہ اصل کتاب دستیاب ہوتی تو دیکھا جاسکتا تھا کہ اس میں آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی کیا لکھا گیا تھا۔ (۲) اب جو کچھ قیاس کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ اصل میں تو حضرت عیسیٰ نے لفظ منحمنّا استعمال کیا ہوگا جیسا کہ ہم اسحاق کے دیے ہوئے انجیل یوحنا کے حوالے سے بتا چکے ہیں۔ پھر مختلف مترجموں نے اپنی اپنی زبانوں میں اس کے ترجمے کردیے ہوں گے۔ اس کے بعد غالباً کسی مترجم نے یہ دیکھ کر کہ پیشین گوئی میں آنے والے کا جو نام بتایا گیا ہے وہ بالکل لفظ "محمدؐ" کا ہم معنی ہے آپ کا یہی اسم گرامی لکھ دیا ہوگا۔ اس لئے صرف اس نام کی تصریح یہ شبہ پیدا کردینے کے لئے ہرگز کافی نہیں ہے کہ پوری انجیل برناباس کسی مسلمان نے جعلی تصنیف کردی ہے"۔

تنبیہ

صاف پتہ چل گیا کہ جناب والا نے ص ۴۶۸ میں جس انجیل برناباس کی تعریف کے متعلق رطب اللسان ہیں وہ جعلی انجیل برناباس ہے اصلی نہیں۔ چنانچہ اس میں بھی آپ نے قیاس کا گھوڑا دوڑا دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح عیسائیوں کی بات (کہ پوری انجیل برناباس کسی مسلمان نے جعلی تصنیف کردی ہے) غلط ہے بالکل اسی طرح اس جعلی ونقلی انجیل برناباس سے جناب مودودی صاحب کا استدلال واستشہاد بھی غلط ہے۔

عبارت نمبر ۷۴

بائبل وتلمود سے جناب والا کو کیا معلوم ہوا؟

تفہیم القرآن ۳ ۶۱۹ القصص

حاشیہ ۱۶۔ "بائبل اور تلمود سے معلوم ہوتا ہے کہ بچے کا نام "موسیٰ" فرعون کے گھر میں رکھا گیا تھا۔ یہ عبرانی زبان کا نہیں بلکہ قبطی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں "میں نے اسے پانی سے نکالا" قدیم مصری زبان سے بھی حضرت موسیٰ کے نام کی یہ تصریح صحیح ثابت ہوتی ہے۔ اس زبان میں "مو" پانی کو کہتے تھے اور "اوشے" کا مطلب تھا "بچایا ہوا"۔

عبارت نمبر ۷۵

بائبل کی بنیاد پر آپ کو یہ خیال ہوتا ہے

تفہیم القرآن ۳ ۶۳۲ القصص

حاشیہ ۴۱۔ "اس سفر کا رخ طور کی جانب ہونے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ اپنے اہل وعیال کو لے کر مصر ہی جانا چاہتے ہوں گے۔ اس لئے کہ طور اس راستے پر ہے جو مدین سے مصر کی طرف جاتا ہے غالباً حضرت موسیٰ نے خیال کیا ہوگا کہ دس سال گزر چکے ہیں۔ وہ فرعون بھی مرچکا ہے

جس کی حکومت کے زمانے میں وہ مصر سے نکلے تھے۔ اب اگر خاموشی کے ساتھ وہاں چلا جاؤں اور اپنے خاندان والوں کے ساتھ رہ پڑوں تو شاید کسی کو میرا پتہ بھی نہ چلے۔

بائبل کا بیان یہاں واقعات کی ترتیب میں قرآن کے بیان سے بالکل مختلف ہے۔ وہ کہتی ہے کہ حضرت موسیٰ اپنے خسر کی بکریاں چراتے ہوئے "بیابان کے پرلی طرف سے خدا کے پہاڑ حورب کے نزدیک" آنکلے تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام کیا اور انہیں رسالت کے منصب پر مامور کر کے مصر جانے کا حکم دیا۔ پھر وہ اپنے خسر کے پاس واپس آگئے اور ان سے اجازت لیکر اپنے بال بچوں کے ساتھ مصر روانہ ہوئے (خروج ۳:۱۔۴:۱۸) اس کے برعکس قرآن کہتا ہے کہ حضرت موسیٰ مدت پوری کرنے کے بعد اپنے اہل وعیال کو لے کر مدین سے روانہ ہوئے اور اس سفر میں اللہ تعالیٰ کی مخاطبت اور منصب نبوت پر تقرر کا معاملہ پیش آیا"۔

تنبیہ

سوال یہ ہے کہ جب بائبل کا بیان یہاں واقعات کی ترتیب میں قرآن کے بیان سے بالکل مختلف ہے تو آپ نے اس کو تفہیم میں کیوں نقل کیا؟

عبارت نمبر ۷۶

بائبل کی کتاب اعمال سے آپ کو کیا معلوم ہوتا ہے؟

تفہیم القرآن ۴   ۲۴۹   یٰس ۳۶

"اس کے برعکس بائبل کی کتاب اعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ صلیب کے چند سال بعد عیسائی مبلغین پہلی مرتبہ وہاں پہنچے تھے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کو نہ اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہو نہ اللہ کے رسول نے مامور کیا ہو، وہ اگر بطور خود تبلیغ کے لئے نکلے ہوں تو کسی تاویل کی رو سے بھی وہ اللہ کے رسول قرار نہیں پا سکتے۔ علاوہ بریں بائبل کے بیان کی رو سے انطاکیہ پہلا شہر ہے جہاں کثرت سے غیر اسرائیلیوں نے دین مسیح کو قبول کیا اور مسیحی کلیسا کو

غیر معمولی کامیابی نصیب ہوئی۔ حالانکہ قرآن جس بستی کا ذکر یہاں کر رہا ہے وہ کوئی ایسی بستی تھی جس نے رسولوں کی دعوت کو رد کر دیا اور بالآخر عذاب الٰہی کی شکار ہوئی۔ تاریخ میں اس امر کا بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ انطاکیہ پر ایسی کوئی تباہی نازل ہوئی ہو جسے انکار رسالت کی بنا پر عذاب قرار دیا جا سکتا ہو"

تنبیہ

جب تاریخ سے بھی بائبل کا بیان غلط ثابت ہوا تو جناب نے اس غلط بیانِ بائبل کو قرآن کے مقابلہ میں کیوں ذکر کیا؟

عبارت نمبر ۷۷

انتہائی مبالغہ آمیز یہودی روایات سے آپ کو کیا معلوم ہو جاتا ہے؟

تفہیم القرآن ۳   ۶۶۲   القصص

حاشیہ ۹۶ "بائبل (گنتی باب ۱۶) میں اس کا جو قصہ بیان کیا گیا ہے اس میں اس شخص کی دولت کا کوئی ذکر نہیں ہے مگر یہودی روایات یہ بتاتی ہیں کہ یہ شخص غیر معمولی دولت کا مالک تھا حتی کہ اس کے خزانوں کی کنجیاں اٹھانے کے لئے تین سو خچر درکار ہوتے تھے (جیوش انسائیکلوپیڈیا ج ۷ ص ۵۵۶) یہ بیان اگرچہ انتہائی مبالغہ آمیز ہے لیکن اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اسرائیلی روایات کی رو سے بھی قارون اپنے وقت کا بہت بڑا دولت مند آدمی تھا۔

"قارون اپنے وقت کا بہت بڑا دولت مند آدمی تھا"

تنبیہ

اس کے ثبوت کے لئے آپ کو بائبل کی کتاب گنتی میں کوئی ذکر نہیں ملا تو جیوش انسائیکلوپیڈیا سے آپ نے استدلال کر لیا اور اسرائیلی روایات پر اعتماد کیا۔ سبحان اللہ۔

بارھواں باب

تفہیم القرآن میں بائبل سے تفسیر و تفصیل کے بیان میں

عبارت نمبر ۷۸

آپ بائبل کے معنی ہی کو ترجیح دیتے ہیں

تفہیم القرآن ۲ ۔ ۷۳ ۔ الاعراف ۷

حاشیہ ۹۵۔ غالبًا بارش کا طوفان مراد ہے۔ جس میں اولے بھی برسے تھے۔ اگرچہ طوفان دوسری چیزوں کا بھی ہوسکتا ہے لیکن بائبل میں ژالہ باری کے طوفان کا ہی ذکر ہے اس لئے ہم اسی معنی کو ترجیح دیتے ہیں۔"

تنبیہ

دیکھیے اس میں جناب والا بائبل سے استشہاد و استدلال کرکے بائبل کے معنی ہی کو ترجیح دیتے ہیں جب کہ قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں نامی کتاب میں آپ کا دعویٰ ہے کہ

> تفسیر قرآن کے لئے لغت اور آیت قرآنی سے استشہاد کرتے ہیں اور کوئی بات ایسی نہیں بیان کرتے جس کا ثبوت لغت اور قرآن سے نہ ہو۔ لغت اور آیات قرآنی سے استشہاد کے بغیر لوگ میری ہر تشریح کو میری ذاتی رائے سمجھتے ہیں اور میری رائے کم از کم ان لوگوں کے لئے تو اطمینان کی موجب نہیں ہوسکتی جو مجھ سے اختلاف رکھتے ہوں (ایک سطر کے بعد لکھتے ہیں) اور کوئی ایسی بات نہ بیان کروں جس کا ثبوت لغت اور قرآن سے نہ ملتا ہو (ص ۱۴)۔ (اس جگہ لغت اور قرآنی استشہاد کہاں رخصت ہوگیا؟ یہاں تو بائبل ہی کے معنی کو آپ نے ترجیح دی ہے)

قارئین کرام! جناب بائبل کے معنی ہی کو ترجیح دیتے ہیں تو یہ امت مسلمہ کے لئے اطمینان کا موجب کس طرح ہوسکتا ہے؟ پھر آپ کی رائے سے اختلاف مسلمان تو بہرحال کریں گے۔ یہودی نہ کریں تو نہ کریں کیونکہ بائبل سے استشہاد ہے۔

☆☆☆☆☆

عبارت نمبر ۷۹

سورۂ مائدہ آیت ۱۲ کی پوری تفصیل آپ کو بائبل کی کتاب ''گنتی'' میں ملتی ہے

تفہیم القرآن ۲ ۸۷ الاعراف ۷

حاشیہ ۱۱۸۔ ''اشارہ ہے بنی اسرائیل کی اس تنظیم کی طرف جو سورۂ مائدہ آیت ۱۲ میں بیان ہوئی ہے (۱) اور جس کی پوری تفصیل بائبل کی کتاب گنتی میں ملتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کوہ سینا کے بیابان میں بنی اسرائیل کی مردم شماری کرائی پھر ان کے ۱۲ گھرانوں کو جو حضرت یعقوب کے دس بیٹوں اور حضرت یوسف کے دو بیٹوں کی نسل سے تھے الگ الگ گروہوں کی شکل میں منظم کیا اور ہر گروہ پر ایک ایک سردار مقرر کیا تاکہ وہ ان کے اندر اخلاقی، مذہبی، تمدنی و معاشرتی اور فوجی حیثیت سے نظم قائم رکھے اور احکام شریعت کا اجراء کرتا رہے۔ نیز حضرت یعقوب کے بارھویں بیٹے لاوی کی اولاد کو جس کی نسل سے حضرت موسیٰ اور ہارون تھے (۲) ایک الگ جماعت کی شکل میں منظم کیا تاکہ وہ ان سب قبیلوں کے درمیان شمع حق روشن رکھنے کی خدمت انجام دیتی رہے''۔

عبارت نمبر ۸۰

بائبل کی کتاب احبار (باب ۲۶) اور استثناء (باب ۲۸) ...قرآن کے اس مختصر فقرے کی بہترین تفسیر ہے

تفہیم القرآن ۱ ۴۸۸ المائدہ ۵

حاشیہ ۹۶۔ ''بائبل کی کتاب احبار (باب ۲۶) اور استثناء (باب ۲۸) میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک تقریر نقل کی گئی ہے جس میں انہوں نے بنی اسرائیل کو بڑی تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ اگر تم احکام الٰہی کی ٹھیک ٹھیک

پیروی کرو گے تو کس کس طرح اللہ کی رحمتوں اور برکتوں سے نوازے جاؤ گے اور اگر کتاب اللہ کو پس پشت ڈال کر نافرمانیاں کرو گے تو کس طرح بلائیں اور مصیبتیں اور تباہیاں ہر طرف سے تم پر ہجوم کریں گی۔ حضرت موسیٰ کی تقریر قرآن کے اس مختصر فقرے کی بہترین تفسیر ہے''۔

عبارت نمبر ۸۱

جناب سید مودودی صاحب مرحوم اپنی تحریر کے مطابق دونوں قسم کے آدمیوں میں سے کس قسم میں داخل ہیں؟

تفہیم القرآن ۱ ۴۷۹ المائدہ ۵

۲۔ ''بلاشبہ یہ ممکن تھا کہ شروع ہی سے تمام انسانوں کے لئے ایک ضابطہ مقرر کر کے سب کو ایک امت بنا دیا جاتا۔ لیکن وہ فرق جو اللہ تعالیٰ نے مختلف انبیاء کی شریعتوں کے درمیان رکھا اس کے اندر دوسری بہت سی مصلحتوں کے ساتھ ایک بڑی مصلحت یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس طریقہ سے لوگوں کی آزمائش کرنا چاہتا تھا۔ جو لوگ اصل دین اور اس کی روح اور حقیقت کو سمجھتے ہیں اور دین میں ان ضوابط کی حقیقی حیثیت کو جانتے ہیں اور کسی تعصب میں مبتلا نہیں ہیں وہ حق کو جس صورت میں بھی وہ آئے گا پہچان لیں گے اور قبول کر لیں گے ان کو اللہ کے بھیجے ہوئے سابق احکام کی جگہ بعد کے احکام تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔ بخلاف اس کے جو لوگ روح دین سے بے گانہ ہیں اور ضوابط اور ان کی تفصیلات ہی کو اصل دین سمجھ بیٹھے ہیں اور جنہوں نے خدا کی طرف سے آئی ہوئی چیزوں پر خود اپنے حاشیے چڑھا کر ان کی تفصیلات ہی کو اصل دین سمجھ بیٹھے ہیں اور جنہوں نے خدا کی طرف سے آئی ہوئی چیزوں پر خود اپنے حاشیے چڑھا کر ان پر جمود اور تعصب اختیار کر لیا ہے وہ ہر اس آیت کو رد کرتے چلے جائیں گے جو بعد میں خدا کی طرف سے آئے۔ (۱) ان دونوں قسم کے آدمیوں کو ممیز کرنے کے لئے آزمائش ضروری تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے شرائع میں اختلاف رکھا''۔

اس حاشیہ اور اس کے سیاق و سباق پر مکمل تفصیلی تبصرہ باب ۶ میں گزر چکا ہے

عبارت نمبر ۸۲

۱۔ قرآن کے مضمون کی تقریر بائبل کی کتاب استثناء میں بڑی شرح وبسط کے ساتھ نقل کی گئی ہے

۲۔ کتاب استثناء کے بعض بعض مقامات کمال درجہ موثر اور عبرت انگیز ہیں

۳۔ محرف کتابوں کا اعتماد بحال کرانے کے لئے مثلاً اس کے چند فقرے نقل کرتے ہیں

تفہیم القرآن ۲ ۴۷۳ ابراھیم ۱۴

حاشیہ ۱۲۔ ''اس مضمون کی تقریر بائبل کی کتاب استثناء میں بڑی شرح وبسط کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔ اس تقریر میں حضرت موسیٰ اپنی وفات سے چند روز پہلے بنی اسرائیل کو ان کی تاریخ کے سارے اہم واقعات یاد دلاتے ہیں، پھر توراۃ کے ان احکام کو دہراتے ہیں جو اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے بنی اسرائیل کو بھیجے تھے۔ پھر ایک طویل خطبہ دیتے ہیں جس میں بتاتے ہیں کہ اگر انہوں نے اپنے رب کی فرمانبرداری کی تو کیسے کیسے انعامات سے نوازے جائیں گے اور اگر نافرمانی کی روش اختیار کی تو اس کی کیسی سخت سزا دی جائے گی۔ یہ خطبہ کتاب استثناء کے ابواب نمبر ۴۔ ۶۔ ۸۔ ۱۰۔ ۱۱۔ اور ۲۸ تا ۳۰ میں پھیلا ہوا ہے (۲) اور اس کے بعض بعض مقامات کمال درجہ موثر اور عبرت انگیز ہیں (۳) مثال کے طور پر اس کے چند فقرے ہم یہاں نقل کرتے ہیں جن سے پورے خطبے کا اندازہ ہو سکتا ہے:-''

☆☆☆☆☆☆

عبارت نمبر ۸۳

۱۔ قرآن مجید کے اشارے کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے بائبل کے ان مقامات کو دیکھنا ضروری ہے

(لاحول ولاقوۃ الا باللہ)

۲۔ خروج، گنتی، یرمیاہ حزقی ایل ملاحظہ کرنے کی دعوت

تفہیم القرآن ۲ ۵۸۱ النحل ۱۶

''قرآن مجید کے اس اشارے کو آدمی اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا جب تک کہ وہ ایک طرف بائبل کے ان مقامات کو نہ دیکھے جہاں سبت کے احکام بیان ہوئے ہیں مثلاً ملاحظہ ہو خروج باب ۲۰ آیت ۸ تا ۱۱ باب ۲۳ آیت ۱۲ و ۱۳ باب ۳۱ آیت ۱۲ تا ۱۷ باب ۳۵ آیت ۲ و ۳ گنتی باب ۱۵ آیت ۳۲ تا ۳۶ اور دوسری طرف ان جسارتوں سے واقف نہ ہوں جو یہودی سبت کی حرمت کو توڑنے میں ظاہر کرتے رہے مثلاً ملاحظہ ہو یرمیاہ باب ۱۷ آیت ۲۱ تا ۲۷ حزقی ایل باب ۲۰ آیت ۱۲ تا ۲۴''

عبارت نمبر ۸۴

۱۔ تلمود اس کی مزید تفصیل یہ دیتی ہے

۲۔ یہ تفسیر ہے قرآن کے اس بیان کی

تفہیم القرآن ۳ ۶۱۵ القصص ۲۸

''تلمود اس کی مزید تفصیل یہ دیتی ہے کہ حضرت یوسف کی وفات پر ایک صدی سے کچھ زیادہ مدت گزر جانے کے بعد یہ انقلاب ہوا تھا۔ وہ بتاتی ہے کہ نئی قوم پرست حکومت نے پہلے تو بنی اسرائیل کو ان کی

زرخیز زمینوں اور ان کے مکانات اور جائدادوں سے محروم کیا۔ پھر انہیں حکومت کے تمام مناصب سے بے دخل کیا۔ اس کے بعد بھی جب قبطی حکمرانوں نے محسوس کیا کہ بنی اسرائیل اور ان کے ہم مذہب مصری کافی طاقت ور ہیں تو انہوں نے اسرائیلیوں کو ذلیل وخوار کرنا شروع کیا اور ان سے سخت محنت کے کام قلیل معاوضوں پر یا بلا معاوضہ لینے لگے یہ تفسیر ہے قرآن کے اس بیان کی مصری آبادی کے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا۔ اور سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی کہ آل فرعون بنی اسرائیل کو سخت عذاب دیتے تھے (یسومونکم سوء العذاب)

مگر بائبل اور قرآن دونوں اس ذکر سے خالی ہیں کہ فرعون سے کسی نجومی نے یہ کہا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جس کے ہاتھوں فرعونی اقتدار کا تختہ الٹ جائے گا اور اسی خطرے کو روکنے کے لئے فرعون نے اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ فرعون نے کوئی خوف ناک خواب دیکھا تھا اور اس کی تعبیر یہ دی گئی تھی کہ ایک لڑکا بنی اسرائیل میں ایسا اور ایسا پیدا ہونے والا ہے۔"

"مگر بائبل اور قرآن دونوں اس ذکر سے خالی ہیں۔۔۔الخ"

تو جناب نے اس ذکر کو کس ماخذ سے نقل کیا ہے؟

عبارت نمبر ۸۵

ا۔ جناب والا کو قرآن کے مختلف مقامات پر بیان ہوئی بیشتر تفصیلات تلمود میں ملتی ہیں

تفہیم القرآن ۳ ۔۔۔ ۱۷۱ ۔۔۔ الانبیاء ۲۱

"تلمود میں البتہ سرت ابراہیمی کے عراقی دور کی وہ بیشتر تفصیلات ملتی ہیں جو قرآن کے مختلف مقامات پر بیان ہوئی ہیں مگر دونوں کا تقابل کرنے سے نہ صرف یہ کہ قصے کے اہم اجزاء میں بین تفاوت نظر آتا ہے بلکہ ایک شخص صریح طور پر یہ محسوس کر سکتا ہے کہ تلمود کا بیان بکثرت بے جوڑ اور

حضرت ابراہیم کے اہم واقعات زندگی کو پیش کرتا ہے جن میں کوئی لغو بات آنے نہیں پائی ہے۔ توضیح مدعا کے لئے ہم یہاں تلمود کی داستان کا خلاصہ پیش کرتے ہیں تا کہ ان لوگوں کی غلطی پوری طرح کھل جائے جو قرآن کو بائبل اور یہودی لٹریچر کا خوشہ چیں قرار دیتے ہیں"۔

۲۔ "توضیح مدعا کے لئے (جناب) یہاں تلمود کی داستان کا خلاصہ پیش کرتے ہیں تا کہ ان لوگوں کی غلطی پوری کھل جائے جو قرآن کو بائبل اور یہودی لٹریچر کا خوشہ چیں قرار دیتے ہیں"

تنبیہ

قارئین کرام! جناب سید مودودی صاحب نے تفہیم القرآن میں اس جگہ بائبل نقل کرنے کی وجہ مغربی مستشرقین کو جواب دے کر ان کی غلطی پوری طرح سے کھولنے کا جو مقصد یہاں بیان کیا ہے وہ اس وقت انتہائی مضحکہ خیز ثابت ہوتا ہے جب تفہیم ہی کی عبارات میں نقل بائبل کی اصل وجہ "دلچسپی" لینا پڑھنے میں آتی ہے اس وقت آپ کے اس مقصد مذکور کا راز فاش ہو جاتا ہے کہ "ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور ہوتے ہیں۔

عبارت نمبر ۸۶

آپ محض دلچسپی کی خاطر بائبل کو نقل کرتے ہیں

میں اپنے اس دعوی کے مطابق نمونہ کے طور پر تفہیم القرآن کی تین جلدوں کی عبارات الگ الگ پیش کرتا ہوں ملاحظہ فرما کر فیصلہ کیجئے۔

"اس موقع پر یہ جان لینا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ یہ واقعہ جو حضرت ابراہیم کی عظیم الشان پیغمبرانہ زندگی کا نقطۂ آغاز ہے بائبل میں کوئی جگہ نہیں پا سکا ہے۔ البتہ تلمود میں اس کا ذکر موجود ہے لیکن اس میں دو باتیں قرآن سے مختلف ہیں۔ ایک یہ کہ وہ حضرت ابراہیم کی جستجوئے حقیقت کو

سورج سے شروع کر کے تاروں تک اور پھر خدا تک لے جاتی ہے۔ دوسرے
اس کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم نے جب سورج کو خدا ربی کہا تو ساتھ ہی
اس کی پرستش بھی کر ڈالی اور اسی طرح چاند کو بھی انہوں نے خدا ربی کہہ کر
اس کی پرستش کی"۔

عبارت نمبر ۸۷

تفہیم القرآن ۱ ۵۶۰ الانعام ۶

"یہاں یہ ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ایک طرف قرآن
حضرت یعقوبؑ کو اس پیغمبرانہ شان کے ساتھ پیش کر رہا ہے اور دوسری
طرف بنی اسرائیل ان کو ایسے رنگ میں دکھاتے ہیں جیسا عرب کا ہر معمولی
بدو ہو سکتا ہے۔ بائبل کا بیان ہے کہ جب بیٹوں نے آکر خبر دی کہ "یوسف
اب تک جیتا ہے اور وہی سارے ملک مصر کا حاکم ہے تو یعقوبؑ کا دل دھک
سے رہ گیا کیونکہ اس نے ان کا یقین نہ کیا۔۔۔۔اور جب ان کے باپ یعقوب
نے وہ گاڑیاں دیکھ لیں جو یوسف نے ان کو لانے کے لئے بھیجی تھیں تب اس
کی جان میں جان آئی"۔ (پیدائش ۴۵: ۲۶۔۲۷)

عبارت نمبر ۸۸

تفہیم القرآن ۲ ۴۲۹ یوسف ۱۲

"اس موقع پر یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ آدم وحوا کا قصہ
جس طرح بائبل میں بیان ہوا ہے اسے بھی ایک نظر دیکھ لیا جائے"۔

دیکھئے! تینوں جلدوں میں بات شروع کرنے سے قبل ہی نقل بائبل کی وجہ میں
"دلچسپی سے خالی نہ ہوگا"
کی تحریف موجود ہے لہٰذا اب دوسرا کوئی مقصد بتلانا ان عبارات کے خلاف ہوگا۔

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ جناب مودودی صاحب کو بائبل سے اتنی
دلچسپی کیوں ہے؟ کہ قرآنی آیات کی تشریح میں بائبل کی آیات کو ضرور پیش کرتے ہیں
آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

ہمیں اس سوال کا جواب تفہیم ہی میں آپ کی تحریر سے مل گیا کہ جناب والا کو
چونکہ گروہ علماء میں شامل ہونے کا شرف نہیں کیونکہ وہ بیچ کے راس کے ماڈرن مولوی ہیں
اس کے باوجود بائبل وغیرہ کتب آسمانی کی تعلیمات سے خوب خوب واقف ہیں چنانچہ
فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (پ۱۴ نحل آیت ۴۳) میں سارے مفسرین
نے علماء اہل کتاب کو مراد لیا ہے مگر آپ نے علماء اہل کتاب کے ساتھ اپنے جیسے لوگوں کو
بھی مراد لیا ہے ملاحظہ کیجئے تفہیم ج ۲ حاشیہ ۳۹ ص ۵۴۳ میں ہے

"یعنی علماء اہل کتاب اور وہ دوسرے لوگ جو چاہے سکہ بند علماء نہ ہوں۔ مگر
بہرحال کتب آسمانی کی تعلیمات سے واقف اور انبیاء سابقین کی سرگزشت
سے آگاہ ہوں"

یہاں آپ نے "اهل الذکر" کے عموم لفظ سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے لئے
بھی گنجائش نکالی ہے۔

قارئین کرام! ان دوسرے لوگ میں مودودی صاحب جیسے ہی لوگ ہونگے جو سکہ
بند عالم نہیں ہیں۔ ورنہ دوسرے لوگ کا مصداق کون ہوں گے؟ جو سکہ بند علماء نہ ہوں؟

عبارت نمبر ۸۹

آپ ہی کے الفاظ سے قرآن پاک کی تفسیر میں بائبل کی مسیحی روایات نقل کرنے کی اصل وجہ و بنیادی مقصد

تفہیم القرآن ۳ ۵۹ مریم

حاشیہ ۸۔ "اس واقعے کی جو تفصیلات لوقا کی انجیل میں بیان ہوئی ہیں انہیں
ہم یہاں نقل کر دیتے ہیں تا کہ لوگوں کے سامنے قرآن کی روایت کے ساتھ
مسیحی روایت بھی رہے درمیان میں توسین کی عبارتیں ہماری اپنی ہیں"۔

تنبیہ

قارئین کرام! جناب سید مودودی کی جرأت وجسارت کی داد دینی پڑے گی کہ

آپ نے کیا سوچ کر کیا سمجھ کر ایسا کیا ہے؟ جب کہ آپ کو قرآنی روایت کے ساتھ احادیث پاک کو نقل کرنا چاہئے کیونکہ قرآن کی روایت احادیث شریفہ ہی ہیں نہ کہ مسیحی روایت قرآن کی روایت میں اور احادیثِ شریفہ کی روایت میں جوڑ سے ان دونوں کا تلازم مسلمات میں سے ہے مگر قرآن کی روایت اور مسیحی روایت میں کیا جوڑ ہے؟ کیا مناسبت ہے؟ جس کی بنیاد پر آنجناب نے قرآن کی تفصیلات میں لوقا کی انجیل کو پیش کر کے مسلمانوں کے سامنے کیا ہے یہ کام تو پوری عیسائی و یہودی مشنریوں نے مل کر بھی انجام نہیں دیا ہے جس کو آپ نے تفہیم قرآن کے نام پر بڑی خوش اسلوبی سے انجام دے کر دنیا سے اسی حال میں چلے گئے۔

قارئین کرام! یہاں ص ۵۹ سورۂ مریم میں مسیحی روایات کی تفصیلات قرآن کے مقابلہ میں بیان کرنے کا مقصد آپ نے یوں بیان کیا ہے

''تاکہ لوگوں کے سامنے قرآن کی روایت کے ساتھ مسیحی روایت بھی رہے''

جبکہ تفہیم القرآن ج ۲ ص ۵۸۶ بنی اسرائیل حاشیہ ۶ میں نقلِ بائبل کا یہ مقصد بیان کیا ہے

''ذیل میں ہم ان کتابوں کی متعلقہ عبارتیں نقل کرتے ہیں تاکہ قرآن کے اس بیان کی پوری تصدیق ہو جائے''۔

جناب ہی کے بیان کردہ ان مقاصد سے کیا صاف طور پر یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہودیوں اور عیسائیوں کے ایجنٹ اور وکیل صفائی ہیں؟ ورنہ پھر ہم یہ ضرور معلوم کرنا چاہیں گے کہ جناب نے تفہیم القرآن میں مسیحی غیر مستند روایات کو پیش کر کے ان سے قرآن کے بیان کی تصدیق کیوں کی ہے کیا العیاذ باللہ قرآن پاک اپنی صداقت میں مسیحی روایات کا محتاج ہے؟ عالیجاہا ہرگز نہیں۔ پوری دنیا کے مسلمان شروع سے لے کر آج تک قرآن کی صداقت کو محدثین و مفسرین کی بیان کردہ اسلامی روایات متصلہ کی بنیاد پر مانتے چلے آرہے ہیں مگر صرف آپ تن تنہا ہیں جو غیروں کی روایات کی بنیاد پر قرآن کی صداقت کو مان رہے ہیں۔

ع اکیلے پھر رہے ہیں یوسف بے کارواں ہو کر

ہم تمنا اور آرزو ہی کرتے رہ گئے کاش جناب مودودی صاحب سبیل المومنین

کو نہ چھوڑتے تاکہ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ کا مصداق نہ ہو جائیں۔

عبارت نمبر ۹۰

بائبل وغیرہ کے بیانات سے قرآن کے بیان کردہ عذاب کی تفصیلات پر روشنی

تفہیم القرآن ۳ ۵۲۹ الشعراء

حاشیہ ۱۱۴۔ ''اس بارش سے مراد پانی کی بارش نہیں بلکہ پتھروں کی بارش ہے۔ قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر اس عذاب کی جو تفصیل بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت لوطؑ جب رات کے پچھلے پہر اپنے بال بچوں کو لے کر نکل گئے تو صبح پو پھٹتے ہی یکا یک ایک زور کا دھما کا ہوا (فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ) ایک ہولناک زلزلے نے ان کی بستیوں کو تل پٹ کر کے رکھ دیا (جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا) ایک زبردست آتش فشانی انفجار سے ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر برسائے گئے (وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ) اور ایک طوفانی ہوا سے چلتی ان پر پتھراؤ کیا گیا (اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا) بائبل کے بیانات قدیم یونانی اور لاطینی تحریروں، جدید زمانے کی طبقات الارضی تحقیقات اور آثار قدیمہ کے مشاہدات سے اس عذاب کی تفصیلات پر جو روشنی پڑتی ہے اس کا خلاصہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں''۔

عبارت نمبر ۹۱

۱۔ سورہ قصص و سورہ طٰہٰ آیت ۹ تا ۴۸ کی تفصیلات کو بائبل کی کتاب خروج کی داستان سے مقابلہ کرنے کی ترغیب

۲۔ تفہیم کے ناظرین اگر کچھ بھی ذوق سلیم (مودودی صاحب کی طرح) رکھتے ہوں گے تو خود محسوس کرلیں گے کہ بائبل اور قرآن میں کلام الٰہی کون سا ہے؟

۳۔ وہ قرآن میں بھی آسانی سے رائے قائم کرسکیں گے (مودودی صاحب کی طرح)

تفہیم القرآن ۳ — ۶۳۵ — القصص ۲۸

حاشیہ ۴۸۔ ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت موسیٰ کی اس ملاقات اور گفتگو کا حال اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ سورۂ طٰہٰ آیت ۹ تا ۴۸) میں بیان ہوا ہے۔ قرآن مجید کے اس بیان کا جو شخص بھی اس داستان سے مقابلہ کرے گا جو اس سلسلہ میں بائبل کی کتاب خروج (باب ۳'۴) میں بیان کی گئی ہے (۲) وہ اگر کچھ ذوق سلیم رکھتا ہو تو خود محسوس کرے گا کہ ان دونوں میں سے کلام الٰہی کون سا ہے اور انسانی داستان گوئی کا اطلاق کس پر ہوتا ہے۔ نیز (۳) وہ اس معاملہ میں بھی بآسانی رائے قائم کرسکے گا کہ آیا قرآن کی یہ روایت معاذ اللہ بائبل اور اسرائیلی روایات کی نقل ہے یا وہ خدا خود اصل واقعہ بیان فرمارہا ہے جس نے حضرت موسیٰ کو باریاب فرمایا تھا۔ (مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، طٰہٰ حاشیہ ۱۹)

تنبیہ

انصاف سے بتلایا جائے کہ اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ حضرات (بقول سید

مودودی جن کو عربی بھی اچھی طرح سے نہیں آتی) کے لئے اس قسم کی عبارات لکھ کر توقع رکھنا کہ وہ قرآن کی روایت اور بائبل کی اسرائیلی روایات میں فرق کو محسوس کرکے بآسانی رائے قائم کرلیں گے۔ کہاں تک درست ہے؟ کیا روح قرآن تک پہنچنے کے ذرائع اور وسائل یہی ہیں؟

عبارت نمبر ۹۲

۱۔ تفہیم میں اعترافِ تحریف بائبل کے علاوہ بائبل کے مصنفین پر تنقید کے ساتھ ساتھ آیت قرآنی کی مفصل روداد درج کیا گیا۔

۲۔ غضب یہ ہے کہ یہ مصنفین (بائبل) کچھ تھے بھی واجبی سے عقل کے لوگ... الخ

تفہیم القرآن ۴ — ۵۴۲ — الزخرف

حاشیہ ۴۳۔ ''بائبل کی کتاب خروج' باب ۷۔۸۔۹۔۱۰ اور ۱۲ میں بھی ان عذابوں کی مفصل روداد درج ہے' مگر وہ گپ اور حقیقت کا مجموعہ ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ جب خون کا عذاب آیا تو جادوگروں نے بھی ویسا ہی لاکر دکھادیا۔ مگر جب جوؤں کا عذاب آیا تو جادوگر جواب میں جوئیں پیدا نہ کرسکے اور انہوں نے کہا کہ یہ خدا کا کام ہے۔ پھر اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ جب مینڈکوں کا سیلاب اٹھا تو جادوگر بھی جواب میں مینڈک چڑھا لائے لیکن اس کے باوجود فرعون نے حضرت موسیٰ ہی سے یہ درخواست کی کہ اللہ سے دعا کرکے اس عذاب کو دفع کرائیے۔ سوال یہ ہے کہ جب جادوگر مینڈک چڑھا لانے پر قادر تھے تو فرعون نے انہیں کے ذریعہ سے یہ عذاب کیوں نہ دور کرالیا؟ اور آخر یہ معلوم کیسے ہوا کہ مینڈکوں کی

اس فوج میں اللہ کے مینڈک کون سے ہیں اور جادوگروں کے مینڈک کون سے؟ یہی سوال خون کے بارے میں بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ کی تنبیہ کے مطابق ہر طرف پانی کے ذخیرے میں خون میں تبدیل ہو چکے تھے تو جادوگروں نے کس پانی کو خون بنایا اور کیسے معلوم ہوا کہ فلاں جگہ کا پانی جادوگروں کے کرتب سے خون بنا ہے؟ ایسی ہی باتوں سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ بائبل خالص کلام الٰہی پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اس کو جن لوگوں نے تصنیف کیا ہے انہوں نے اس کے اندر اپنی طرف سے بھی بہت کچھ ملا دیا ہے۔ اور غضب یہ ہے کہ یہ مصنفین کچھ تھے بھی واجبی ہی عقل کے لوگ جنہیں بات گھڑنے کا سلیقہ بھی نصیب نہ تھا"۔

تنبیہ

۳۔ قارئین کرام! جناب والا بائبل کو صرف "گپ" کا مجموعہ نہیں کہتے ہیں بلکہ لکھتے ہیں کہ وہ

"گپ اور حقیقت کا مجموعہ ہے"

سبحان اللہ بائبل بیک وقت گپ بھی ہو؟ اور حقیقت بھی ہو؟ یہ دونوں باتیں کس طرح صحیح ہو سکتی ہیں؟ گپ اور حقیقت تو اجتماع ضدین ہیں یعنی آگ اور پانی کی طرح الگ الگ ہیں۔ کیا ان دونوں کا ایک جگہ جمع ہونا ممکن ہے؟ غضب یہ ہے کہ جناب والا ایک طرف بائبل کو گپ بھی مانتے ہیں اور ساتھ ساتھ حقیقت بھی تسلیم کرتے ہیں اس کو خالص کلام الٰہی پر مشتمل بھی نہیں مانتے ہیں اور صاف لکھتے ہیں کہ

"جن لوگوں نے اس کو تصنیف کیا ہے انہوں نے اس کے اندر اپنی طرف سے بھی بہت کچھ ملا دیا ہے"

اور پھر اسی بائبل کی کتاب خروج سے قرآن کے بیان کردہ مجمل عذابوں کی تفصیل بھی درج کرتے ہیں۔ آپ کی اس تحریر میں بھی یہ دوڑخاپن کس چیز کی غمازی کرتی ہے؟ اس حاشیہ ۴۳ کے آخری سطر میں آپ تنقید کرتے ہیں کہ

"اور غضب یہ ہے کہ یہ مصنفین کچھ تھے واجبی سے عقل کے لوگ جن میں بات گھڑنے کا سلیقہ بھی نصیب نہ تھا"

اور ماشاء اللہ جناب سید مودودی صاحب کو تو خوب بات گڑھنے اور بات بنانے کا سلیقہ بھی ہے آپ سلیقہ و شعور ہی کا تو یہ کمال ہے کہ قرآن کے نام پر آپ نے مسلمانوں کو بائبل پڑھایا ہے۔

بائبل کو حقیقت کا مجموعہ کہنے کا کیا یہ صاف مطلب نہیں ہیں؟ کہ جناب والا اس کی حقانیت دلوں میں اتارنا چاہتے ہیں الامان الحفیظ۔

عبارت نمبر ۹۳

۱۔ جناب سید مودودی کو بائبل میں بہت سی مفید معلومات

۲۔ اور قرآن کے اجمال کی تفصیلات

۳۔ اور ان کے ساتھ متعدد عجیب باتیں بھی ملتی ہیں

تفہیم القرآن ۳   ۱۱۰   طہ

حاشیہ ۵۵۔ "مصر سے نکلنے اور فرعون کے غرق ہونے کا مفصل حال باب ۱۱ سے ۱۴ تک بیان کیا گیا ہے۔ اس میں بہت سی مفید معلومات اور قرآن کے اجمال کی تفصیلات بھی ہمیں ملتی ہیں اور ان کے ساتھ متعدد عجیب باتیں بھی۔ مثلاً باب ۱۴ کی آیات ۱۵۔ ۱۶ میں حضرت موسیٰ کو حکم دیا جاتا ہے کہ "تو اپنی لاٹھی (جی ہاں اب لاٹھی حضرت ہارون سے لے کر پھر حضرت موسیٰ کو دے دی گئی ہے) اٹھا کر اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھا اور اسے دو حصے کر اور بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر چل کر نکل جائیں گے"۔ لیکن آگے چل کر آیت ۲۱۔ ۲۲ میں کہا جاتا ہے کہ پھر موسیٰ نے اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھایا اور خداوند نے رات بھر تند پوربی آندھی چلا کر اور سمندر کو پیچھے ہٹا کر اسے خشک زمین بنا دیا اور پانی دو حصے ہو گیا اور بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر چل کر نکل گئے اور ان کے داہنے اور بائیں ہاتھ پانی دیوار کی طرح تھا" یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آیا یہ معجزہ تھا یا طبعی واقعہ؟ اگر معجزہ تھا تو عصا کی ضرب سے ہی رونما ہو گیا ہوگا' جیسا کہ قرآن میں کہا گیا

ہے اور اگر طبعی واقعہ تھا تو یہ عجیب صورت ہے کہ شرقی آندھی نے سمندر کو بیچ میں سے پھاڑ کر پانی کو دونوں طرف دیوار کی طرح کھڑا کر دیا اور بیچ میں سے خشک راستہ بنا دیا' کیا فطری طریقے سے ہوا کبھی ایسے کرشمے دکھاتی ہے؟ تلمود کا بیان نسبۃً بائبل سے مختلف اور قرآن سے قریب تر ہے.....الخ"۔

تنبیہ

۴۔ قارئین کرام! ان مذکورہ تین عنوان کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ

"یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آیا یہ معجزہ تھا یا طبعی واقعہ؟"

اس جملہ میں آپ نے دراصل معتزلہ کی طرح معجزہ کا انکار کیا ہے اسی لئے آپ کو یہ بات ہی سمجھ میں نہیں آئی۔

۵۔ پھر اخیر میں لکھتے ہیں کہ

"تلمود کا بیان نسبۃً بائبل سے مختلف اور قرآن سے قریب تر ہے مگر دونوں کا مقابلہ کرنے سے صاف محسوس ہو جاتا ہے کہ ایک جگہ براہ راست علم وحی کی بنا پر واقعات بیان کئے جا رہے ہیں اور دوسری جگہ صدیوں کی سینہ بسینہ روایات میں واقعات کی صورت اچھی خاصی مسخ ہو گئی ہے"۔

اسی عبارت کے ساتھ ص ۱۱۰ کے درمیان میں آپ نے جو عبارت لکھی ہے اس کو بھی دیکھ لیا جائے

"اس بیان کا مقابلہ قرآن کے بیان سے کر کے دیکھ لیا جائے کہ قصے کی ساری روح یہاں کس بری طرح فنا کی گئی ہے"

ان دونوں عبارتوں کے درمیان میں آپ نے زیر بحث عبارت لکھی ہے نمبر (۵) پر "بائبل میں بہت سی مفید معلومات' اور قرآن کے اجمال کی تفصیلات بھی ہمیں ملتی ہیں اور ان کے ساتھ متعدد عجیب باتیں بھی"

اول الذکر پہلی دونوں عبارتوں میں آپ نے قرآن کا مقابلہ بائبل سے کیا ہے (جو فی نفسہ صحیح بھی نہیں) اور ان دونوں عبارت کے درمیان کی عبارت میں آنجناب نے بائبل میں کیا کیا مفید معلومات قرآن کے اجمال کی تفصیلات اور بہت سی متعدد عجیب باتیں کیا

کیا پائی ہیں؟ ان کو بیان کیا ہے بتلایا جائے کہ ان تین عبارات مذکورہ میں کس عبارت کے مقصد کو صحیح مانا جائے کہ آپ نے قرآن کا مقابلہ بائبل سے کیا ہے تو یہ مقابلہ و موازنہ سرے سے ہی قطعاً درست نہیں ہے کیونکہ مقابلہ اور موازنہ ایک درجہ کی چیز میں ہوتا ہے۔

اب رہ گئیں ۱۱۰ کی درمیانی عبارات (جن میں آپ نے بائبل کی تعریف کرتے ہوئے اپنی تحریر کو عبارۃ المناقب بنا دیا ہے) یہی مقصد آپ کے قرین قیاس بھی ہے کہ ہر جگہ آپ نے بائبل کی حقانیت بیان کی ہے کیونکہ بائبل کو پڑھ کر آپ کی روح وجد کرنے لگتی ہے۔

عبارت نمبر ۹۴

قرآن کا اجمال (حضرت الیسعؑ کا تذکرہ) بائبل کی کتاب سلاطین میں بڑی تفصیل کے ساتھ درج ہے

تفہیم القرآن ۴   ۳۴۴   ص ۳۸

حاشیہ ۵۰۔ "قرآن مجید میں ان کا ذکر صرف دو جگہ آیا ہے۔ ایک سورۃ انعام آیت ۸۶ میں دوسرے اس جگہ اور دونوں مقامات پر کوئی تفصیل نہیں ہے بلکہ صرف انبیائے کرام کے سلسلے میں ان کا نام لیا گیا ہے۔ وہ بنی اسرائیل کے اکابر انبیاء میں تھے۔ دریائے اردن کے کنارے ایک مقام ابیل محولہ (Abel Meholah) کے رہنے والے تھے۔ یہودی اور عیسائی ان کو الیشع (Elisha) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام جس زمانے میں جزیرہ نمائے سینا میں پناہ گزیں تھے' ان کو چند اہم کاموں کے لئے شام و فلسطین کی طرف واپس جانے کا حکم دیا گیا' جن میں سے ایک کام یہ تھا کہ حضرت الیسع کو اپنی جانشینی کے لئے تیار کریں۔ اس فرمان کے مطابق جب حضرت الیاس ان کی بستی پر پہنچے تو دیکھا کہ یہ بارہ جوڑی بیل آگے لئے زمین جوت رہے ہیں اور خود بارہویں جوڑی کے ساتھ ہیں۔ انہوں نے ان کے پاس سے گزرتے ہوئے ان پر اپنی چادر ڈال دی اور یہ کھیتی باڑی چھوڑ کر ساتھ ہو لئے (سلاطین باب ۱۹' فقرات ۱۵ تا ۲۱) تقریباً

دس بارہ سال یہ ان کے زیر تربیت رہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھا لیا تو یہ ان کی جگہ مقرر ہوئے (۲۔ سلاطین، باب ۲) بائبل کی کتاب ۲ سلاطین میں باب ۲ سے ۱۳ تک ان کا تذکرہ بڑی تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شمالی فلسطین کی اسرائیلی سلطنت جب شرک و بت پرستی اور اخلاقی نجاستوں میں غرق ہوتی ہی چلی گئی تو آخرکار انہوں نے یاہو بن یہوسفط بن نمسی کو اس خانوادۂ شاہی کے خلاف کھڑا کیا جس کے کرتوتوں سے اسرائیل میں یہ برائیاں پھیلی تھیں اور اس نے نہ صرف بعل پرستی کا خاتمہ کیا، بلکہ اس بدکردار خاندان کے بچے بچے کو قتل کر دیا۔ لیکن اس اصلاحی انقلاب سے بھی وہ برائیاں پوری طرح نہ مٹ سکیں جو اسرائیل کی رگ رگ میں اتر چکی تھیں اور حضرت الیسع کی وفات کے بعد تو انہوں نے طوفانی شکل اختیار کر لی، یہاں تک کہ سامریہ پر اشوریوں کے پے در پے حملے شروع ہو گئے۔ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد دوم ص ۵۹۷ اور تفسیر سورۂ صافات حاشیہ نمبر ۷۰، ۷۱)"۔

تنبیہ

دیکھئے! آنجناب نے پہلے ہی ابتداء عبارت میں صاف تحریر کیا ہے کہ

ا۔"قرآن مجید میں ان کا ذکر صرف دو جگہ آیا ہے ایک سورۂ انعام آیت ۸۶ میں دوسرے اس جگہ اور دونوں مقامات پر کوئی تفصیل نہیں ہے بلکہ صرف انبیائے کرام کے سلسلے میں ان کا نام لیا گیا ہے"۔

اس لئے آنجناب مودودی صاحب نے فوراً بائبل کی کتاب سلاطین کو بحیثیت شرح قرآن اٹھایا اور اس سے قرآن پاک کے اس اجمال کا تفصیلی تذکرہ و شرح فرما دی۔ سبحان اللہ! چنانچہ یہاں جو کچھ بھی آپ نے لکھا ہے وہ بائبل کی کتاب سلاطین ہی کی بنیاد پر لکھا ہے اسی مضمون میں آپ خود فرماتے ہیں

"بائبل کی کتاب ۲ سلاطین میں باب ۲ سے ۱۳ تک ان کا تذکرہ بڑی تفصیل کے ساتھ درج ہے"

جی ہاں! پھر تفہیم القرآن میں وہ تفصیل کیوں نہ درج ہو؟

☆☆☆☆☆

عبارت نمبر ۹۵

تفہیم میں قرآن کے نام پر تلمود پڑھانے کی کوشش ہے

تفہیم القرآن ۲ ۴۳۲ یوسف ۱۲

"پھر جس موقع پر یہ ذکر آتا ہے کہ بنی حت نے حضرت سارہ کے دفن کے لئے قبر کی زمین مفت دی وہاں اردو بائبل کے الفاظ یہ ہیں "ابرہام نے اٹھ کر اور بنی حت کے آگے جو اس ملک کے لوگ ہیں آداب بجا لا کر ان سے یوں گفتگو کی" اور جب ان لوگوں نے قبر کی زمین نہیں بلکہ ایک پورا کھیت اور ایک غار نذر میں پیش کر دیا تب "ابرہام اس ملک کے لوگوں کے سامنے جھکا"۔ مگر عربی ترجمہ میں ان دونوں مواقع پر آداب بجا لانے اور جھکنے کے لئے "سجدہ کرنے" ہی کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں: فقام ابراهيم وسجد الشعب الارض لبني حث (تکوین: ۲۳: ۷) فسجد ابراهيم امام شعب الارض (۲۳: ۱۲) انگریزی بائبل میں ان مواقع پر جو الفاظ آئے ہیں وہ یہ ہیں:

Bowed himself toward the ground. Bowed himself to the people of the land and Abraham bowed down himself before the people of the land

اس مضمون کی مثالیں بڑی کثرت سے بائبل میں ملتی ہیں اور ان سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سجدہ کا مفہوم وہ ہے ہی نہیں جو اب اسلامی اصطلاح کے لفظ "سجدہ" سے سمجھا جاتا ہے۔

جن لوگوں نے معاملہ کی اس حقیقت کو جانے بغیر اس کی تاویل میں سرسری طور پر لکھ دیا ہے کہ اگلی شریعتوں میں غیر اللہ کو تعظیمی سجدہ کرنا یا سجدۂ تحیۃ بجا لانا جائز تھا انہوں نے محض ایک بے اصل بات کہی ہے۔ اگر سجدے سے مراد وہ چیز ہو جسے اسلامی اصطلاح میں سجدہ کہا جاتا ہے تو وہ خدا کی بھیجی ہوئی کسی شریعت میں کبھی کسی غیر اللہ کے لئے جائز نہیں رہا ہے بائبل میں ذکر آتا ہے کہ بابل کی اسیری کے زمانے میں جب اخسویرس بادشاہ

نے ہامان کو اپنا امیر الامراء بنایا اور حکم دیا کہ سب لوگ اس کو سجدۂ تعظیمی بجالایا کریں تو مردکی نے جو بنی اسرائیل کے اولیاء میں سے تھے یہ حکم ماننے سے انکار کردیا (آستر ۳:۱۔۲) تلمود میں اس واقعہ کی شرح کرتے ہوئے اس کی جو تفصیل دی گئی ہے وہ پڑھنے کے لائق ہے:"

تنبیہ

۱۔ واضح رہے کہ جس طرح یہاں ثبوت واقعی ہے کہ جناب نے تفہیم لکھتے وقت بائبل کے انگریزی اردو عربی تینوں تراجم کو سامنے رکھا ہے رکھکر ان سے استفادہ اور ان پر اعتماد استناد کیا ہے اسی طرح تفہیم ج ۵ ص ۱۲۵ حاشیہ ۵۰۔ ص ۴۸۶ حاشیہ ۲۔ تفہیم ج ۲ ص ۳۴۴ حاشیہ ۷ امیں بھی اس کا ثبوت ہے۔

۲۔ "آپ کو اس مضمون کی مثالیں بائبل میں بڑی کثرت سے ملتی ہیں"

۳۔ "ان سے (یعنی بائبل سے) صاف معلوم ہوجاتا ہے"

۴۔ "تلمود میں اس واقعہ کی شرح کرتے ہوئے اس کی جو تفصیل دی گئی ہے وہ بھی پڑھنے کے لائق ہے"

سبحان اللہ! یہ ہے قرآن کی تفہیم؟ کہ قرآن پاک کے نام پر مسلمانوں کو تلمود کے بارے میں ترغیب دیجارہی ہے کہ وہ بھی پڑھنے کے لائق ہے سبحان اللہ! سبحان اللہ نتیجہ کیا نکلا غور کیجئے کہ اس مضمون کی مثالیں آپ کو بڑی کثرت سے کہاں ملتی ہیں؟ بائبل میں! قرآن میں نہیں! حدیث میں نہیں! بلکہ بائبل میں؟ سوال یہ ہے کہ تینوں کتاب (قرآن و حدیث و بائبل) میں کس سے صاف معلوم ہوتا ہے؟ تو جناب مودودی صاحب کا جواب کہ بائبل سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ پھر آپ کے نزدیک قرآن کے علاوہ مزید کون سی کتاب پڑھنے کے لائق ہے؟ تو فرماتے ہیں کہ

"تلمود میں اس واقعہ کی شرح کرتے ہوئے اس کی جو تفصیل دی گئی ہے وہ پڑھنے کے لائق ہے"

دیکھا آپ نے مودودی صاحب کو اپنی تفہیم میں کس کس طرح قرآن کے مدعا بلکہ روح قرآن تک مسلمانوں کی رسائی کرائی ہے؟

عبارت نمبر ۹۶

بائبل سے قرآن پاک کے اصل واقعہ کی تفصیلات پر کافی روشنی پڑتی ہے

تفہیم القرآن ۱ ۱۸۹ البقرہ ۲

۲۷۰۔ "بائبل کا بیان اس باب میں قرآن سے کسی حد تک مختلف ہے۔ تاہم اس سے اصل واقعہ کی تفصیلات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صندوق' جسے بنی اسرائیل اصطلاحاً "عہد کا صندوق" کہتے تھے ایک لڑائی کے موقع پر فلسطینی مشرکین نے بنی اسرائیل سے چھین لیا تھا لیکن یہ مشرکین کے جس شہر اور جس بستی میں رکھا گیا' وہاں وبائیں پھوٹ پڑیں آخرکار انہوں نے خوف کے مارے اسے بیل گاڑی پر رکھ کر گاڑی کو ہانک دیا۔ غالبًا اسی معاملے کی طرف قرآن ان الفاظ میں اشارہ کرتا ہے کہ اس وقت وہ صندوق فرشتوں کی حفاظت میں تھا' کیونکہ وہ گاڑی بغیر کسی گاڑی بان کے ہانک دی گئی تھی اور اللہ کے حکم سے یہ فرشتوں ہی کا کام تھا کہ وہ اسے چلا کر بنی اسرائیل کی طرف لے آئے۔ رہا یہ ارشاد کہ اس صندوق میں تمہارے لئے سکونِ قلب کا سامان ہے تو بائبل کے بیان سے اس کی حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل اس کو بڑا متبرک اور اپنے لئے فتح و نصرت کا نشان سمجھتے تھے جب وہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا' تو پوری قوم کی ہمت ٹوٹ گئی اور ہر اسرائیلی یہ خیال کرنے لگا کہ خدا کی رحمت ہم سے پھر گئی ہے اور اب ہمارے برے دن آگئے ہیں پس اس صندوق کا واپس آنا اس قوم کے لئے بڑی تقویت قلب کا موجب تھا اور یہ ایک ایسا ذریعہ تھا جس سے ان کی ٹوٹی ہوئی ہمتیں پھر بندھ سکتی تھیں"۔

تنبیہ

۱۔ دیکھئے آپ تحریر کرتے ہیں کہ

"بائبل کا بیان اس باب میں قرآن سے کسی حد تک مختلف ہے"

غور طلب یہ ہے کہ جب کسی حد تک مختلف ہے تو اس سے قرآن کے اصل واقعہ کی تفصیلات پر روشنی ڈالنا کس طرح درست ہے؟ بلکہ اگر بائبل کا بیان بالکل ہی قرآن کے بیان سے مختلف نہ ہوتا تب بھی اس سے روشنی نہیں ڈالنی چاہئے کیونکہ بائبل میں خود ہی روشنی نہیں ہے۔ بائبل بجھی ہوئی ہے اور جو چیز بجھی ہو وہ دوسرے کو کیا روشنی پہنچا سکتی ہے؟ اندریں صورت اس سے صرف ''روشنی'' ہی نہیں بلکہ ''کافی روشنی'' جناب والا کو حاصل کرنا ہی فضول و بے معنی ہے اور بائبل کی حقانیت دلوں میں اتارنے کی کوشش ہے۔

۲۔ ''غالباً اسی معاملہ کی طرف قرآن ان الفاظ میں اشارہ کرتا ہے''۔

غور فرمایئے پہلے کی عبارت میں کافی روشنی ڈال رہے تھے اور تین ہی سطر کے بعد لفظ ''غالباً'' سے قیاس کر لیا اور پھر ڈھائی سطر کے بعد لکھتے ہیں کہ

۳۔ ''تو بائبل کے بیان سے اس کی حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے.....الخ''

اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ اس زیر بحث حاشیہ ۲۷۰ کی دس سطروں میں آپ نے بائبل کے بیان سے ''کافی روشنی'' بھی ڈال دی ''قیاس'' بھی کر لیا اور پھر آخر میں ''حقیقت'' بھی معلوم ہو گئی سبحان اللہ! ماشاء اللہ! کیا کہنا آپ کی صلاحیت واستعداد کا؟ اور کیا کہنا جناب کی بائبل فہمی کا؟

عبارت نمبر ۹۷

سُریانی روایت اور متی، مرقس، لوقا، تینوں انجیلوں سے استدلال کیوں؟ یعنی وَاَنَّ السَّاعَةَ لَارَيْبَ فِيهَا کی تفسیر سُریانی روایت کے مطابق کیوں؟

تفہیم القرآن ۳   ۱۷   الکھف ۱۸

حاشیہ ۱۸۔ ''سُریانی روایت کے مطابق اس زمانے میں وہاں قیامت اور عالم آخرت کے مسئلے پر زور شور کی بحث چھڑی ہوئی تھی۔ اگرچہ رومی سلطنت کے اثر سے عام لوگ مسیحیت قبول کر چکے تھے جس کے بنیادی عقائد میں

آخرت کا عقیدہ بھی شامل تھا۔ لیکن ابھی تک رومی شرک وبت پرستی اور یونانی فلسفے کے اثرات کافی طاقت ور تھے جن کی بدولت بہت سے لوگ آخرت سے انکار یا کم از کم اس کے ہونے میں شک کرتے تھے پھر اس شک وانکار کو سب سے زیادہ جو چیز تقویت پہنچا رہی تھی وہ یہ تھی کہ افسس میں یہودیوں کی بڑی آبادی تھی اور ان میں سے ایک فرقہ (جسے صدوقی کہا جاتا تھا) آخرت کا کھلم کھلا منکر تھا۔ یہ گروہ کتاب اللہ (یعنی توراۃ) سے آخرت کے انکار پر دلیل لاتا تھا اور مسیحی علماء کے پاس اس کے مقابلے میں مضبوط دلائل موجود نہ تھے۔ متی، مرقس، لوقا، تینوں انجیلوں میں صدوقیوں اور مسیح علیہ السلام کے اس مناظرے کا ذکر ہمیں ملتا ہے جو آخرت کے مسئلے پر ہوا تھا، مگر تینوں نے مسیح علیہ السلام کی طرف سے ایسا کمزور جواب نقل کیا ہے جس کی کمزوری کو خود علمائے مسیحیت بھی تسلیم کرتے ہیں (ملاحظہ ہو متی باب ۲۲۔ آیت ۲۳۔۳۳۔ مرقس باب ۱۲۔ آیت ۱۸۔۲۷ لوقا باب ۲۰۔ آیت ۲۷۔۴۰) اسی وجہ سے منکرین آخرت کا پلہ بھاری ہو رہا تھا اور مؤمنین آخرت بھی شک وتذبذب میں مبتلا ہوتے جا رہے تھے عین اس وقت اصحاب کہف کے بعث کا یہ واقعہ پیش آیا اور اس نے بعث بعد الموت کا نا قابل انکار ثبوت پہنچا دیا''۔

تنبیہ

قارئین کرام! جناب مودودی صاحب کی ذکر کردہ ان تینوں انجیلوں کے متعلق مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ قابل رد ہیں واجب التسلیم نہیں۔ یہ تینوں انجیل صرف ترجمہ ہیں اور ترجمہ کی اسناد بھی عیسائی فرقوں کے پاس موجود نہیں۔ جیسا کہ آپ نے بھی لکھا ہے کہ اس کی کمزوری کو خود علماء مسیحیت بھی تسلیم کرتے ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (بائبل سے قرآن تک ج اول ص ۳۵۶) واضح رہے کہ تفہیم ج ۵ ص ۴۶۷ پارہ ۲۸ سورہ صف میں بھی آپ نے چاروں انجیلوں پر عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے لہٰذا ان کتابوں سے استدلال کرنا کس طرح درست ہوگا؟ اور ان کتابوں کی غیر مستند تواریخ پر اعتماد کرنا کس طرح صحیح قرار دیا جائے گا؟ چہ جائیکہ ان کو قرآن کی تفسیر میں مستند حوالوں کے طور پر بیان کی جائیں۔

تیرھواں باب

تفہیم القرآن میں بائبل سے (۱) تشریح (۲) وتصریح کے بیان میں

عبارت نمبر ۹۸

بائبل میں قرآن کے بیان کردہ اس جھگڑے کی کچھ تشریح بھی بیان ہوئی ہے

تفہیم القرآن ۲ ۳۵۵ ہود ۱۱

حاشیہ ۸۳۔ ''جھگڑے'' کا لفظ اس موقع پر اس انتہائی محبت اور ناز کے تعلق کو ظاہر کرتا ہے جو حضرت ابراہیم اپنے خدا کے ساتھ رکھتے تھے۔ اس لفظ سے یہ تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے کہ بندے اور خدا کے درمیان بڑی دیر تک ردو کد جاری رہتی ہے بندہ اصرار کررہا ہے کہ کسی طرح قوم لوط پر سے عذاب ٹال دیا جائے خدا جواب میں کہہ رہا ہے کہ یہ قوم اب خیر سے بالکل خالی ہو چکی ہے اور اس کے جرائم اس حد سے گزر چکے ہیں کہ اس کے ساتھ کوئی رعایت کی جاسکے۔ مگر بندہ ہے کہ پھر بھی کہے جاتا ہے کہ ''پروردگار اگر کچھ تھوڑی سی بھلائی بھی اس میں باقی ہو تو اسے اور ذرا مہلت دے دے شاید کہ وہ بھلائی میں پھل لے آئے۔ بائبل میں اس جھگڑے کی کچھ تشریح بھی بیان ہوئی ہے لیکن قرآن کا مجمل بیان اپنے اندر اس سے زیادہ معنوی وسعت رکھتا ہے۔ (تقابل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب پیدائش باب ۱۸۔ آیت ۲۳۔۳۲)''

تنبیہ

عالیجاہا! جب قرآن کا مجمل بیان اپنے اندر اس سے زیادہ معنوی وسعت رکھتا ہے تو بائبل کی کتاب پیدائش سے تقابلی طور پر تشریح دکھلانے کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی؟ علاوہ ازیں آیات قرآنی کی تشریح کے لئے جناب والا نے علماء سلف اصحاب تفسیر مستند مفسرین صحابہ کرام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شریفہ سے استشہاد واستناد کی ضرورت کیوں نہیں محسوس کی؟ جناب نے بائبل کی کتاب پیدائش سے جو تشریح بیان کی ہے اس سے کلام الہٰی (قرآن میں) تحریف کی راہ کھل جاتی ہے الامان الحفیظ۔

عبارت نمبر ۹۹

یُفْقَهُوْا قَوْلِیْ کی تشریح بائبل کی کتاب خروج وتلمود سے

تفہیم القرآن ۳ — ۹۲ — طٰہٰ

حاشیہ ۱۵۔ ''بائبل میں اس کی جو تشریح بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے عرض کیا' اے خداوند میں فصیح نہیں ہوں۔ نہ پہلے ہی تھا اور نہ جب سے تو نے اپنے بندے سے کلام کیا۔ بلکہ رُک رُک کر بولتا ہوں اور میری زبان کند ہے''۔ (خروج ۴۔۱۰) مگر تلمود میں اس کا ایک لمبا چوڑا قصہ بیان ہوا اس میں یہ ذکر ہے کہ بچپن میں جب حضرت موسیٰ فرعون کے گھر پرورش پا رہے تھے' ایک روز انہوں نے فرعون کے سر کا تاج اتار کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ اس پر یہ سوال پیدا ہوا کہ اس بچے نے یہ کام بالا ارادہ کیا ہے یا یہ محض طفلانہ فعل ہے۔ آخرکار یہ تجویز کیا گیا کہ بچے کے سامنے سونا اور آگ دونوں ساتھ رکھے جائیں۔ چنانچہ دونوں چیزیں لا کر سامنے رکھی گئیں اور حضرت موسیٰ نے اٹھا کر آگ منہ میں رکھ لی۔ اس طرح ان کی جان تو بچ گئی مگر زبان میں ہمیشہ کے لئے لکنت پڑ گئی۔ یہی قصہ اسرائیلی روایات سے منتقل ہو کر ہمارے ہاں کی تفسیروں میں بھی رواج پا گیا لیکن عقل اسے ماننے کے لئے تیار نہیں''۔

تنبیہ

قارئین کرام! سوال یہ ہے کہ جناب نے اس قصے کو اپنی تفہیم میں کیوں جگہ ...ی؟ آپ کو تو تفسیروں میں اسرائیلی روایات کی بنیاد پر ان رواج پانے والے قصوں پر ...می واصولی اور فنی لحاظ سے ان کی سندوں پر بھرپور تنقید کرنی چاہیے۔ مگر آنجناب نے ...قید کی بھی تو محض اپنی عقل کی بنیاد پر سند کی بنیاد پر نہیں۔ تحریر کرتے ہیں

''لیکن عقل اسے ماننے سے انکار کرتی ہے''

...و تلمود کی روایت ہے جناب! لیکن صرف حضرات مفسرین کی نقل کر دینے کی وجہ سے ...پ کی عقل سے باہر ہو گئی معلوم ہوا کہ آپ کسی بات کو ماننے کے لئے عقل کو معیار

بناتے ہیں یعنی جو بات آپ کی عقل شریف میں آئے گی اسے مانیں گے اور جو نہیں آئے گی اسے صاف انکار کر دیں گے تو بتلائیے کہ آخرت کی جتنی باتیں ہیں وہ بھی آپ کی عقل میں آتی ہیں یا نہیں؟ کیونکہ وہ سب کی سب عقل کے خلاف ہیں اور دنیا کے مسلمان ان باتوں کو مانتے ہیں وہ اپنی اپنی عقل کی بنیاد پر نہیں۔ بلکہ آقاء کائنات مکی و مدنی خاتم الرسل سید البشر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان باتوں کی بنیاد پر جو سندِ متصل سے مسلمانوں تک پہونچی ہیں مگر آنجناب کو تو محدثین کی سند ہی پر اعتبار نہیں ہے بلکہ آپ کے نزدیک کسی بھی بات کی صحت کے لئے ضروری ہے' کہ سب سے پہلے اس کو عقل کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھا جائے۔ (نعوذ باللہ من شرور انفسنا) بقیہ اس حاشیہ ۱۵ کی تحریرات ومضامین پر راقم الحروف ماقبل میں تفصیلی کلام کر کے عبارات کی غباوت وغوایت کو ظاہر کر چکا ہے کہ یہاں جناب مودودی صاحب نے فرقہ قرامطہ' کا لباس زیب تن کر کے بات کی صحت کے لئے اپنی عقل کو معیار قرار دیا ہے۔ بدیں عقل و دانش بباید گریست

عبارت نمبر ۱۰۰

بائبل کی کتاب خروج ویشوع سے من وسلویٰ کی تفصیل اور مزید تشریح ''گنتی'' سے

تفہیم القرآن ۳ — ۱۱۱ — طٰہٰ

حاشیہ ۵۹۔ ''من وسلویٰ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن البقرۃ' حاشیہ ۷۳۔ الاعراف' حاشیہ ۱۱۹ بائبل کا بیان ہے کہ مصر سے نکلنے کے بعد جب بنی اسرائیل دشتِ سین میں ایلیم اور سینا کے درمیان گزر رہے تھے اور خوراک کے ذخیرے ختم ہو کر فاقوں کی نوبت آ گئی تھی' اس وقت من وسلویٰ کا نزول شروع ہوا' اور فلسطین کے آباد علاقے میں پہنچنے تک پورے چالیس سال یہ سلسلہ جاری رہا (خروج' باب ۱۶۔ گنتی باب ۱۱' آیت ۷۔۹ یشوع' باب ۵' آیت ۱۲) کتاب خروج میں من وسلویٰ کی یہ کیفیت بیان کی گئی ہے:

اور یوں ہوا کہ شام کو اتنی بٹیریں آئیں کہ ان کی خیمہ گاہ کو ڈھانک لیا۔ اور صبح کو خیمہ گاہ کے آس پاس اوس پڑی ہوئی تھی اور جب وہ اوس جو پڑی تھی سوکھ گئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ بیابان میں ایک چھوٹی چھوٹی گول گول چیز ایسی چھوٹی جیسے پالے کے دانے ہوتے ہیں زمین پر پڑی ہے۔ بنی اسرائیل اسے دیکھ کر آپس میں کہنے لگے من؟ کیونکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا ہے" (باب۔۱۶۔آیت ۱۳۔۱۵)

اور بنی اسرائیل نے اس کا نام مَن رکھا اور وہ دھنیے کی بیج کی طرح سفید اور اس کا مزہ شہد کے بنے ہوئے پوئے کی طرح تھا" (آیت ۳۱) گنتی میں اس کی مزید تشریح ملتی ہے:۔"

تنبیہ

اب جناب والا یہ فرمائیں کہ بائبل اور اسرائیلی روایات سے منتقل ہو کر یہ قصے آپ کی تفہیم میں کیوں آ گئے؟ کیا آپ کی عقل ان قصوں کو ماننے کے لئے تیار ہے؟

عبارت نمبر ۱۰۱

بائبل کی کتاب احبار کے ایک قاعدہ پر بھی اعتماد

تفہیم القرآن ۳ ۱۲۰ طٰہٰ

حاشیہ ۹۷۔ "یعنی صرف یہی نہیں کہ زندگی بھر کے لئے معاشرے سے اس کے تعلقات توڑ دیے گئے اور اسے اچھوت بنا کر رکھ دیا گیا' بلکہ یہ ذمہ داری بھی اسی پر ڈالی گئی کہ ہر شخص کو وہ خود اپنے اچھوت پن سے آگاہ کرے اور دور ہی سے لوگوں کو مطلع کرتا رہے کہ میں اچھوت ہوں مجھے ہاتھ نہ لگانا (۱) بائبل کی کتاب احبار میں کوڑھیوں کی چھوت سے لوگوں کو بچانے کے لئے جو قواعد بیان کئے گئے ہیں ان میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ:

"اور جو کوڑھی اس بلا میں مبتلا ہو اس کے کپڑے پھٹے اور اس کے سر کے بال بکھرے رہیں اور وہ اپنے اوپر کے ہونٹ کو ڈھانکے اور چلا چلا کر کہے ناپاک ناپاک جتنے دنوں تک وہ اس بلا میں مبتلا رہے وہ ناپاک رہے گا اور وہ ہے بھی ناپاک پس وہ اکیلا رہے اس کا مکان لشکر گاہ کے باہر ہو"۔

عبارت نمبر ۱۰۲

ا۔ بائبل اور غیر مستند اسرائیلی تواریخ سے آیات کے معنی پر روشنی

تفہیم القرآن ۳ ۱۷۵ الانبیاء ۲۱

حاشیہ ۷۲۔ "سورۂ سبا میں مزید تفصیل یہ ہے: وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ "اور ہم نے لوہے کو اس کے لئے نرم کر دیا (اور اس کو ہدایت کی) پوری پوری زرہیں بنا اور ٹھیک اندازے سے کڑیاں جوڑ" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو لوہے کے استعمال پر قدرت عطا کی تھی اور خاص طور پر جنگی اغراض کے لئے زرہ سازی کا طریقہ سکھایا تھا موجودہ زمانے کی تاریخی و اثری تحقیقات سے آیات کے معنی پر جو روشنی پڑتی ہے وہ یہ ہے کہ دنیا میں لوہے کے استعمال کا دور (Ironage) ۱۲۰۰ اور ۱۰۰۰ ق م کے درمیان شروع ہوا ہے اور یہی حضرت داؤد کا زمانہ ہے۔ اول اول شام اور ایشیائے کوچک کی حِتّی قوم (Hittites) کو جس کے عروج کا زمانہ ۲۰۰۰ ق م سے ۱۲۰۰ ق م تک رہا ہے لوہے کے پگھلانے اور تیار کرنے کا ایک پیچیدہ طریقہ معلوم ہوا اور وہ شدت کے ساتھ اس کو دنیا بھر سے راز میں رکھے رہی۔ مگر اس طریقے سے جو لوہا تیار ہوتا تھا وہ سونے چاندی کی طرح اتنا قیمتی ہوتا تھا کہ عام استعمال میں نہ آ سکتا تھا بعد میں فلستیوں نے یہ طریقہ معلوم کر لیا اور وہ بھی اسے راز ہی میں رکھتے رہے۔ طالوت کی بادشاہی سے پہلے حِتّیوں اور فلستیوں نے بنی اسرائیل کو پیہم شکستیں دے کر جس طرح فلسطین سے تقریباً بے دخل کر دیا تھا' بائبل کے بیان کے مطابق اس کے وجوہ میں سے ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ یہ لوگ لوہے کی رتھیں استعمال کرتے تھے اور ان کے پاس دوسرے آہنی ہتھیار بھی تھے (یشوع باب ۱۷۔آیت ۱۶ قضاۃ باب ۱۔آیت ۱۹۔باب ۴ آیت ۲۔۳) ۱۰۲۰ ق م میں جب طالوت خدا کے حکم سے بنی اسرائیل کا فرمانروا ہوا تو اس نے پیہم شکستیں دے کر ان لوگوں سے فلسطین کا بڑا حصہ واپس لے لیا اور پھر

حضرت داؤد (۹۶۵ ق م) نے نہ صرف فلسطین و شرق اردن، بلکہ شام کے بھی بڑے حصے پر اسرائیلی سلطنت قائم کردی۔ اس زمانہ میں آہن سازی کے ایسے طریقے بھی نکل آئے جن سے عام استعمال کے لئے لوہے کی سستی چیزیں تیار ہونے لگیں۔ فلسطین کے جنوب میں ادوم کا علاقہ خام لوہے (Ironrore) کی دولت سے مالا مال ہے"۔

تنبیہ

۲۔"موجودہ زمانے کی تاریخی و اثری تحقیقات سے ان آیات کے معنی پر جو روشنی پڑتی ہے"۔

چونکہ جناب مودودی صاحب کے نزدیک متقدمین مفسرین کی تحقیقات موجودہ زمانے کے لحاظ سے فرسودہ ہوچکی ہیں اس لئے ان کو ترک کرکے آپ نے اپنی جدید تحقیقات کا ثبوت پیش کیا ہے تاکہ جدید محققین میں آنجناب کو سرفہرست ایک نمایاں مقام دیا جائے واضح رہے کہ یہ جدید تحقیق کے نام پر بائبل کی کتاب یشوع سے سارا بیان ماخوذ ہے۔

۳۔"بلکہ شام کے بھی بڑے حصے پر اسرائیلی سلطنت قائم کردی"

لگے ہاتھوں اس عبارت سے آنجناب نے اپنی مخصوص ذہنیت کے زعم پر "حکومت و اقتدار" کی ذہن سازی بھی کی ہے۔ جو درحقیقت اقتدار کی بھول بھلیاں میں خداشناسی کی قطعًا نہیں بلکہ خود فراموشی کی ایک عظیم ترجمانی ہے اور خدائی حکومت کے نام پر اپنی حکومت کا نقشہ تیار کرنا ہے۔

محض اسی وجہ سے آنجناب نے اس جگہ بائبل کے بیان کو تحریر کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنجناب کی مخصوص ذہنیت کی تائید ہونی چاہیے خواہ بائبل سے ہو یا کسی اور دیگر موجودہ زمانے کی تاریخی و اثری تحقیقات سے ہو (نعوذ باللہ من شرور انفسنا)

اور تُف یہ ہے کہ بائبل کے بیان ہی کو آنجناب "جدید تاریخ و اثری تحقیقات" سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ آئندہ بھی قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں گے۔

عبارت نمبر ۱۰۳

بائبل و جدید تحقیقات و آثار قدیمہ کے ماہرین کے اندازہ سے مضامین قرآن پر روشنی

تفہیم القرآن ۳ ۱۷۶ الانبیاء

حاشیہ ۷۴۔"بائبل اور جدید تاریخی تحقیقات سے اس مضمون پر جو روشنی پڑتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے اپنے دور سلطنت میں بہت بڑے پیمانے پر بحری تجارت کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ ایک طرف عصیون جابر سے ان کے تجارتی جہاز بحر احمر میں یمن اور دوسرے جنوبی و مشرقی ممالک کی طرف جاتے تھے اور دوسری طرف بحر روم کے بندرگاہوں سے ان کا بیڑہ (جسے بائبل میں ترسیسی بیڑہ کہا گیا ہے) مغربی ممالک کی طرف جایا کرتا تھا عصیون جابر میں ان کے زمانے کی جو عظیم الشان بھٹی ملی ہے اس کے مقابلے کی کوئی بھٹی مغربی ایشیا اور مشرق وسطی میں ابھی تک نہیں ملی۔ آثار قدیمہ کے ماہرین کا اندازہ ہے کہ یہاں ادوم کے علاقہ عربہ کی کانوں سے خام لوہا اور تانبا لایا جاتا تھا اور اس بھٹی میں پگھلا کر اسے دوسرے کاموں کے علاوہ جہاز سازی میں بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ اس سے قرآن مجید کی اس آیت کے مفہوم پر روشنی پڑتی ہے جو سورۂ سبا میں حضرت سلیمانؑ کے متعلق آئی ہے کہ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ "اور ہم نے اس کے لئے پگھلی ہوئی دھات کا چشمہ بہادیا"

تنبیہ

اس حاشیہ ۷۴ ص ۱۷۷ میں ہے کہ

"تاہم اگر ہوا پر حضرت سلیمانؑ کو حکم چلانے کا بھی کوئی اقتدار دیا گیا ہو جیسا کہ تجری بامرہ (اس کے حکم سے چلتی تھی) کے ظاہر الفاظ سے مترشح ہوتا ہے تو یہ اللہ کی قدرت سے بعید نہیں وہ اپنی مملکت کا آپ مالک ہے اپنے جس بندہ کو جو اختیارات چاہے دے سکتا ہے جب وہ خود کسی

کو کوئی اختیار دے تو ہمارا دل دکھنے کی کوئی وجہ نہیں"۔

عالیجاہا! آپ کی یہ تحریرات صاف بتلا رہی ہیں کہ آنجناب پر اعتزال کا عنصر بھی غالب ہے۔ ورنہ بتلایا جائے کہ

"ہوا پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم چلانے کو"

صاف لفظوں میں "معجزہ" سے کیوں نہیں تعبیر کیا؟ اسی لئے کہ معجزہ تسلیم کرتے ہوئے آپ کا دل دکھتا ہے؟ پھر اس صفحہ پر بھی آنجناب نے بائبل کے بیان ہی کو جدید تحقیقات کے عنوان سے بیان کر کے آیت قرآنی کے مضمون پر روشنی ڈالی ہے۔ سبحان اللہ کیا کہنا جناب کی جدید تاریخی و اثر تحقیقات بائبل کا۔

عبارت نمبر ۱۰۴

وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ کی تشریح بائبل کی کتاب خروج سے

تفہیم القرآن ۳ ۶۱۴ القصص

حاشیہ ۵۔ "بائبل میں اس کی جو تشریح ملتی ہے وہ یہ ہے:

"تب مصر میں ایک نیا بادشاہ ہوا جو یوسف کو نہیں جانتا تھا اور اس نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ دیکھو اسرائیل ہم سے زیادہ اور قوی ہو گئے ہیں سو آؤ ہم ان کے ساتھ حکمت سے پیش آئیں ایسا نہ ہو کہ جب وہ اور زیادہ ہو جائیں اور اس وقت جنگ چھڑ جائے تو وہ ہمارے دشمنوں سے مل کر ہم سے لڑیں اور ملک سے نکل جائیں۔ اس لئے انہوں نے ان پر بیگار لینے والے مقرر کئے جو ان سے سخت کام لے کر انہیں ستائیں۔ سو انہوں نے فرعون کے لئے ذخیرے کے شہر پتوم اور رعمسیس بنائے.... اور مصریوں نے بنی اسرائیل پر تشدد کر کے ان سے کام کرایا اور انہوں نے ان سے سخت محنت سے گارا اور اینٹ بنوا بنوا کر اور کھیت میں ہر قسم کی خدمت لے کر ان کی زندگی تلخ کی۔ ان کی سب خدمتیں جو وہ ان سے کراتے تھے تشدد کی تھیں.... تب مصر کے بادشاہ نے عبرانی دائیوں سے باتیں کیں اور کہا کہ جب عبرانی (یعنی اسرائیلی) عورتوں کے تم بچہ جناؤ اور ان کو پتھر کی بیٹھکوں پر بیٹھی دیکھو تو اگر بیٹا ہو تو اسے مار ڈالنا اور اگر بیٹی ہو تو وہ جیتی رہے" (خروج۔ باب ا۔ آیت ۸۔۱۶)

عبارت نمبر ۱۰۵

سائیکلوپیڈیا آف ببلیکل لٹریچر سے بھی استدلال

تفہیم القرآن ۵ ۴۷۶ الصف ۶۱

"لفظ "مسیح" کے اسرائیلی مفہوم کی تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سائیکلوپیڈیا آف ببلیکل لٹریچر لفظ و میساہ"

عبارت نمبر ۱۰۶

انگریزی بائبل سے لفظ "اُمّی" کا ترجمہ کیوں؟

تفہیم القرآن ۵ ۴۸۶ الجمعہ ۶۲

حاشیہ ۲۔ "یہاں اُمّی کا لفظ یہودی اصطلاح کے طور پر آیا ہے اور اس میں ایک لطیف طنز پوشیدہ ہے.... الخ" "یہ لفظ عبرانی زبان کے لفظ گوئیم کا ہم معنی ہے جس کا ترجمہ انگریزی بائبل میں Gentiles کیا گیا ہے اور اس سے مراد تمام غیر یہودی یا غیر اسرائیلی لوگ ہیں"

تنبیہ

تفہیم ج ۲ حاشیہ ۷۰ ص ۳۳۲ و ص ۳۳۳ حاشیہ ۷۱ اور تفہیم ج ۵ ص ۱۲۵ حاشیہ ۵۰ کے حوالوں کی طرح یہ ص ۴۸۶ بھی ثبوت ہے کہ جناب نے تفہیم لکھتے وقت بائبل کو پیش نظر رکھ کر ہی یہ حواشی تحریر کئے ہیں۔ جیسا کہ "بائبل سے تفسیر و تفصیل کے باب ۱۲ میں بھی راقم الحروف نے ثبوت پیش کیا ہے۔

عبارت نمبر ۱۰۷

بائبل کی تصریحات سے قرآن کے اشارات کی تحقیق

تفہیم القرآن ۲ ۳۰ الاعراف ۷

حاشیہ ۲۷۔ "قرآن کے اشارات اور بائبل کی تصریحات سے یہ بات تحقیق

ہوجاتی ہے کہ حضرت نوح کی قوم اس سرزمین میں رہتی تھی جس کو آج ہم عراق کے نام سے جانتے ہیں۔ بابل کے آثار قدیمہ میں بائبل سے قدیم تر جو کتبات ملے ہیں ان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ ان میں تقریباً اسی قسم کا ایک قصہ مذکور ہے جس کا ذکر قرآن اور تورات میں بیان ہوا ہے اور اس کی جائے وقوع موصل کے نواح میں بتائی گئی ہے''۔

تنبیہ

۱۔ اس حاشیہ ۴۷ میں جناب والا نے دو باتیں بتلائی ہیں پہلی یہ کہ قرآن کے اشارہ کی صراحت بائبل میں آپ کو ملی جس کی بنیاد پر آپ کے نزدیک بات تحقق ہوجاتی ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ کہ بابل کے آثار قدیمہ اور قرآن و تورات کو ایک ہی صف میں آپ نے لاکھڑا کیا ہے جیسا کہ تحریر ہے کہ

''ان میں (بابل کے آثار قدیمہ میں) تقریباً اسی قسم کا ایک قصہ مذکور ہے جس کا ذکر قرآن اور تورات میں بیان ہوا ہے''

سوال یہ ہے کہ جب قرآن نے (حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کس سرزمین میں رہتی تھی) اس کی کوئی تفصیل و تعیین نہیں کی تو جناب ان مشکوک و مشتبہ آثار و روایات سے عراق کی تصدیق کیوں کی؟ پھر اس حاشیہ ۴۷ پر مکمل نگاہ ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ جناب والا کو صرف حضرات محدثین کرام کی روایات پر اعتماد نہیں ہے ان کے علاوہ دنیا کی تمام روایات پر جناب کو اعتماد ہے اور ان سے استدلال بھی کرتے ہیں۔

۳۔ ''پھر جو روایات (۱) کردستان اور (۲) آرمینیہ میں قدیم ترین زمانے سے نسلاً بعد نسلٍ چلی آرہی ہیں ان سے بھی معلوم ہوتا ہے.....الخ''

۴۔ ''پھر ص ۴۱ پر ہے ''حضرت نوح کے اس قصے سے ملتی جلتی روایات (۳) یونان' (۴) مصر (۵) ہندوستان اور (۶) چین کے قدیم لٹریچر میں بھی ملتی ہیں۔

۵۔ اور اس کے علاوہ (۷) برما' (۸) ملایا' (۹) جزائر' (۱۰) شرق الہند' (۱۱) آسٹریلیا (۱۲)' نیوگنی اور (۱۳) امریکہ و (۱۴) یورپ کے مختلف حصوں میں بھی ایسی ہی روایات قدیم زمانے سے چلی آرہی ہیں...الخ۔

سوال غور طلب یہ ہے کہ حضرات محدثین کی روایات کی طرح آپ نے ان چودہ روایات پر بھی تنقید و بے اعتمادی کیوں نہیں کی؟

یہ چودہ روایات آپ کی عقل صریح کے خلاف کیوں نہیں ہوئیں؟ کیا ان روایات کے اسناد و متون ہیں؟ ان کے اسناد و متون پر آپ نے غور کیوں نہیں کیا؟ یہ روایات کس طرح آپ کے نزدیک مفید یقین ثابت ہوئیں؟ ان سے کن بنیادوں پر آنجناب نے استدلال کیا؟ ان کے متعلق آپ کی بصیرت اور ذوق تحقیق کہاں گئی؟ خلاصہ یہ ہے کہ ان بے سند روایات پر اعتماد کرنے کا پس منظر میں آپ کا کون سا راز مخفی ہے؟ ہم ضرور معلوم کرنا چاہیں گے؟

عبارت نمبر ۱۰۸

۱۔ وَ کَتَبۡنَا لَہٗ فِی الۡاَلۡوَاحِ کی تفسیر بائبل کی تصریح سے

تفہیم القرآن ۲ — ۷۸ — الاعراف ۷

حاشیہ ۱۰۱۔ ''بائبل میں تصریح ہے کہ یہ دونوں تختیاں پتھر کی سلیں تھیں' اور ان تختیوں پر لکھنے کا فعل بائبل اور قرآن دونوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ ہمارے پاس کوئی ذریعہ ایسا نہیں جس سے ہم اس بات کا تعین کرسکیں کہ آیا ان تختیوں پر کتابت کا کام اللہ تعالیٰ نے براہ راست اپنی قدرت سے کیا تھا' یا کسی فرشتے سے یہ خدمت لی تھی' یا خود حضرت موسیٰ کا ہاتھ استعمال فرمایا تھا (تقابل کے ملاحظہ ہو بائبل' کتاب خروج' باب ۳۱ آیت ۱۸۔ باب ۳۲' آیت ۱۵۔۱۶ و استثناء باب ۵۔ آیت ۶۔۲۲)''۔

تنبیہ

۲۔ ''ہمارے پاس کوئی ذریعہ ایسا نہیں جس سے ہم اس بات کا تعین کرسکیں''

تو کیا جناب والا! احادیث شریفہ بھی ان ذریعہ میں نہیں جن سے آپ کسی بات کا تعین کرسکیں؟ چونکہ بات کی تعیین آپ کے نزدیک بائبل ہی سے ہوسکتی ہے اسی لئے آگے تحریر کرتے ہیں کہ

"مقابل کے ملاحظہ ہو بائبل، کتاب خروج، باب ۳۱، آیت ۱۸۔ باب ۳۲، آیت ۱۵۔ ۱۶ اور استثناء باب ۵۔ آیت ۶۔ ۲۲"۔

عبارت نمبر ۱۰۹

نُقَاتِلُ فِی سَبِیْلِ اللّٰہ کی تفصیلات میں بائبل کی کتاب سموئیل کی تصریحات سے بات کی وضاحت

تفہیم القرآن ۱ ۱۸۷ البقرہ

حاشیہ ۲۶۸۔ "کتاب سموئیل کی ان تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بادشاہت کے قیام کا یہ مطالبہ اللہ اور اس کے نبی کو پسند نہ تھا اب رہا یہ سوال کہ قرآن مجید میں اس مقام پر سرداران بنی اسرائیل کے اس مطالبے کی مذمت کیوں نہیں کی گئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اس قصے کا ذکر جس غرض کے لئے کیا ہے اس سے یہ مسئلہ غیر متعلق ہے کہ ان کا مطالبہ صحیح تھا یا نہ تھا۔ یہاں تو یہ بتانا مقصود ہے کہ بنی اسرائیل کس قدر بزدل ہو گئے تھے اور ان میں کس قدر نفسانیت آ گئی تھی اور ان کے اندر اخلاق انضباط کی کمی تھی جس کے سبب سے آخر کار وہ گر گئے۔ اور اس ذکر کی غرض یہ ہے کہ مسلمان اس سے عبرت حاصل کریں اور اپنے اندر یہ کمزوریاں پرورش نہ کریں"۔

تنبیہ

سفر سموئیل اول اور سفر سموئیل ثانی یہ دو الگ الگ کتاب ہیں ان دونوں میں اور کتاب تواریخ اول کے درمیان شدید اختلافات ہیں (ملاحظہ کیجئے بائبل سے قرآن تک ج اول ص ۳۸۰)

معلوم نہیں کہ ان اختلافی کتاب سے کس طرح جناب سید مودودی مرحوم نے آیات قرآنیہ کی تصریحات و توضیحات کی ہیں؟ اور کس طرح آپ نے ان محرف کتابوں کو قابلِ اعتماد و قابل استناد سمجھا؟

بدیں عقل و دانش بباید گریست

عبارت نمبر ۱۱۰

آپ نے قرآن کی صاف تصریح کے برعکس بائبل کا بیان کیوں نقل کیا؟

تفہیم القرآن ۳ ۱۳۲ طٰہٰ

حاشیہ ۹۹۔ "یہاں قرآن صاف تصریح کرتا ہے کہ آدم حوا میں سے اصل وہ شخص جس کو شیطان نے وسوسے میں ڈالا آدم علیہ السلام تھے نہ کہ حضرت حوا۔ اگرچہ سورۂ اعراف کے بیان کے مطابق مخاطب دونوں ہی تھے اور بہکانے میں دونوں ہی آئے لیکن شیطان کی وسوسہ اندازی کا رخ دراصل حضرت آدم ہی کی طرف تھا۔ اس کے برعکس بائبل کا بیان یہ ہے کہ سانپ نے پہلے عورت سے بات کی اور پھر عورت نے اپنے شوہر کو بہکا کر درخت کا پھل اسے کھلایا (پیدائش، باب ۳)

عبارت نمبر ۱۱۱

آپ کو روایات بنی اسرائیل کی صراحت پر اعتماد ہے

تفہیم القرآن ۳ ۵۶۲ النمل ۲۷

حاشیہ ۲۱۔ "بائبل اس ذکر سے خالی ہے کہ حضرت سلیمان کو پرندوں اور جانوروں کی بولیوں کا علم دیا گیا تھا لیکن بنی اسرائیل کی روایات میں اس کی صراحت موجود ہے (جیوش انسائیکلو پیڈیا۔ جلد ۱۱۔ ص ۴۳۹)"

تنبیہ

غور طلب یہ ہے کہ بلاچوں وچرا آنجناب جس طرح بنی اسرائیل کی صراحت پر اعتماد کرتے ہیں اسی طرح حضرات محدثین کی بیان کردہ روایات کی صراحت پر اعتماد کیوں نہیں کرتے؟

چودھواں باب

تفہیم القرآن
میں بائبل سے
(۱)۔توضیح و (۲)۔تائید
(۳)۔تصدیق

عبارت نمبر۱۱۲

۱۔آپ پر تینوں کتابوں (بائبل وتلمود وقرآن) کا متقابل مطالعہ کرنے سے بات واضح ہوئی ہے

۲۔تفہیم القرآن میں دورُخا پہلو کیوں؟

تفہیم القرآن ۲   ۴۳۴   یوسف ۱۲

حاشیہ ۱۷۔ ''حضرت یوسف کی اس قیمتی تقریر نے بھی بائبل اور تلمود میں کوئی جگہ نہیں پائی ہے۔ حیرت یہ ہے کہ یہ کتابیں قصوں کی غیر ضروری تفصیلات سے تو بھری پڑی ہیں' مگر جو چیزیں کوئی اخلاقی قدر و قیمت رکھتی ہیں اور جن سے انبیاء کی اصلی تعلیم اور ان کے حقیقی مشن اور ان کی سیرتوں کے سبق آموز پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے' ان سے ان کتابوں کا دامن خالی ہے۔
یہاں یہ قصہ ختم ہو رہا ہے اس لئے ناظرین کو پھر اس حقیقت پر متنبہ کر دینا ضروری ہے کہ قصہ 'یوسف علیہ السلام کے متعلق قرآن کی یہ روایت اپنی جگہ ایک مستقل روایت ہے' بائبل یا تلمود کا چربہ نہیں ہے تینوں کتابوں کا متقابل مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قصے کے متعدد اہم اجزاء میں قرآن کی روایت ان دونوں سے مختلف ہے۔ بعض چیزیں قرآن ان سے زائد بیان کرتا ہے' بعض ان سے کم' اور بعض میں ان کی تردید کرتا ہے۔ لہٰذا کسی کے لئے یہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قصہ سنایا وہ بنی اسرائیل سے سن لیا ہوگا''۔

تنبیہ

۱۔ ''حضرت یوسف کی اس قیمتی تقریر نے بھی بائبل اور تلمود میں کوئی جگہ نہیں پائی ہے''
ورنہ تو ایسا کبھی ہو نہیں سکتا تھا کہ جناب تفہیم میں اس کو جگہ نہ دیتے؟
۲۔ ''حیرت یہ ہے کہ یہ کتابیں قصوں کی غیر ضروری تفصیلات سے تو بھری

پڑی ہیں، مگر جو چیزیں کوئی اخلاقی قدر و قیمت رکھتی ہیں اور جن سے انبیاء کی اصلی تعلیم اور ان کے حقیقی مشن اور ان کی سیرتوں کے سبق آموز پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے ان سے ان کتابوں کا دامن خالی ہے"۔

قارئین کرام! بائبل ہی کی ان کتابوں کے بارے میں جناب سید مودودی کی دوسری عبارات و تحریرات بھی ملاحظہ کر لیجئے تا کہ معلوم ہو جائے کہ جناب والا کے ایک قلم سے اگر "بائبل کی تنقید" ہے تو ساتھ ہی اسی تفہیم میں اسی قلم سے "بائبل کی تعریف" کی بھی بھرمار ہے۔ جس کو دیکھ کر نگاہیں محو حیرت و استعجاب رہتی ہیں کہ کیا واقعۃً یہ دونوں قسم کی تحریریں ایک ہی شخص کے قلم سے نکل کر صفحۂ قرطاس میں آئی ہیں؟

تفہیم ج ۳ ص ۱۱۰ حاشیہ ۵۵ سورہ طٰہٰ میں ہے

بائبل میں بہت سی مفید معلومات اور قرآن کے اجمال کی تفصیلات بھی ہمیں ملتی ہیں اور ان کے ساتھ متعدد عجیب باتیں بھی"۔

تفہیم ج ۳ ص ۱۸۲ حاشیہ... سورہ انبیاء میں ہے

"بائبل کا صحیفہ حزقی ایل ان صحیفوں میں سے ہے جنہیں پڑھ کر واقعی یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ الہامی کلام ہے"

آج کوئی شخص (بائبل کی کتابوں کے) ان بکھرے ہوئے اجزاء کو مرتب کر کے قرآن سے ان کا مقابلہ کر کے دیکھے تو وہ دونوں میں بہت ہی کم فرق پائے گا اور جو تھوڑا بہت فرق محسوس ہوگا وہ بھی غیر متعصبانہ غور و تامل کے بعد بآسانی حل کیا جا سکے گا"

"مجھے آکسفورڈ سے شائع شدہ انگریزی ترجمے کی ایک فوٹو اسٹیٹ کاپی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اور میں نے اسے (انجیل کو) لفظ بلفظ پڑھا ہے۔ میرا احساس یہ ہے کہ یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے... الخ"۔

"تفہیم ج ۵ ص ۴۶۹ سورہ صف حاشیہ ۸ میں ہے

آخرت، قیامت، جنت و دوزخ کے متعلق ان کی تعلیمات قریب قریب وہی ہیں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں"۔

قارئین کرام! استیعاب مقصود نہیں بطور نمونہ یہ ۵ عبارات کافی ہیں کہ زیر بحث تفہیم ج ۲ ص ۴۳۴ حاشیہ ۷۱ کی عبارت میں جو آپ نے بائبل کی تنقید و تنقیص کی ہے ان

عبارات خمسہ کے بعد اس کی کیا حیثیت و وقعت رہ جاتی ہے؟ بتلایا جائے کہ کہیں بائبل کی تعریف اور کہیں بائبل کی تضحیک و تنقیص کے دوڑخا پہلو سے آپ کا کیا مقصد ہے؟ آپ کی "(۱) تعریف بائبل" اور (۲) "تنقیص بائبل" دونوں میں کس پر اعتماد کیا جائے اور کس کو صحیح مانی جائے؟

۳۔ "تینوں کتابوں (بائبل و تلمود اور قرآن) کا متقابل مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ... الخ"۔

صاف پتہ چل گیا کہ تفہیم لکھتے وقت بات کی وضاحت کے لئے آنجناب نے بائبل و تلمود کو بھی سامنے رکھ کر مطالعہ کیا ہے جیسا کہ تفہیم ج ۲ ص ۴۳۲ حاشیہ ۷۰ یوسف اور تفہیم ج ۵ ص ۱۲۵ حاشیہ ۵۰، تفہیم ج ۵ ص ۴۸۶ حاشیہ ۲ جمعہ میں بھی اس کا ثبوت ہے۔

عبارت نمبر ۱۱۳

مختلف انجیلوں میں بکھرے ہوئے مضامین سے سیرت پاک کا نقشہ اور قرآن پاک کے مختصر اشارات کی توضیح

تفہیم القرآن ۳ ۶۱ مریم ۱۹

۱۲۔ "حضرت یحییٰ کے جو حالات مختلف انجیلوں میں بکھرے ہوئے ہیں انہیں جمع کر کے ہم یہاں ان کی سیرت پاک کا ایک نقشہ پیش کرتے ہیں جس سے سورۂ آل عمران اور اس سورے کے مختصر اشارات کی توضیح ہوگی"۔

عبارت نمبر ۱۱۴

قرآن کے بیان کردہ قصہ کو بائبل کی کتاب پیدائش اور تلمود سے مقابلہ کرنے کی ترغیب کیوں؟

تفہیم القرآن ۱ ۶۹ البقرہ ۲۵

"بائبل کی کتاب پیدائش، باب اول، دوم و سوم میں بھی یہ قصہ بیان ہوا ہے لیکن دونوں کا مقابلہ کرنے سے ہر صاحب نظر انسان محسوس کر سکتا ہے کہ

دونوں کتابوں میں کیا فرق ہے۔ آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت اللہ اور فرشتوں کی گفتگو کا ذکر تلمود میں بھی آیا ہے"۔

تنبیہ

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے ان عبارات میں اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ حضرات کو دعوت وترغیب دی ہے کہ وہ بھی جناب والا کی طرح قرآن پاک میں رائے زنی کریں۔ فیا حسرتاہ! ورنہ بتلایا جائے کہ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ کی صراحت کے بعد دونوں کتابوں کا فرق معلوم کرنے کی اب کیا ضرورت باقی رہ گئی ہے جب قرآن کی صراحت کے باوجود فرق معلوم نہیں ہوسکا تو کیا قرآن اور بائبل کا مقابلہ کرنے ہی سے ہر صاحب نظر انسان محسوس کرے گا کہ دونوں کتابوں میں کیا فرق ہے؟ کیا اسی تقابل کا نام روح قرآن ہے؟ العیاذ باللہ!

عبارت نمبر ۱۱۵

اِقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ کی تائید بائبل وتلمود سے

۲۔ "اس حد تک دونوں کتابوں کا بیان قرآن کے مطابق ہے"

غور طلب یہ ہے کہ جناب والا نے تو اپنی بصیرت وفراست کی بنیاد پر دونوں کتابوں (بائبل اور قرآن) کے درمیان "حد بندی" کردی مگر جن کے لئے تفہیم لکھی گئی ہے وہ ان دونوں کتابوں میں کس طرح "حد بندی" کرسکتے ہیں؟ کیونکہ بقول آنجناب کے وہ مخصوص طبقہ تو بے چارہ اچھی طرح عربی زبان سے بھی واقف نہیں۔

۳۔ "دریا میں ڈالنے کی کیفیت بھی انہوں نے وہی بتائی ہے جو قرآن میں بتائی گئی ہے"

لہٰذا نتیجہ یہی نکلا کہ یہ دونوں کتابیں بائبل وقرآن ایک ہی ہیں سبحان اللہ۔

عبارت نمبر ۱۱۶

وَمَا کُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ (سورہ قصص آیت ۴۴) اور سورہ اعراف (آیت ۱۵۵) کا ذکر بائبل کی کتاب خروج باب ۲۴ میں آنجناب کو ملا

تفہیم القرآن ۳ ۶۴۰ القصص ۲۸

حاشیہ ۶۱۔ "یعنی بنی اسرائیل کے ان ستر نمائندوں میں جن کو شریعت کی پابندی کا عہد لینے کے لئے حضرت موسیٰ کے ساتھ بلایا گیا تھا۔ (سورۂ اعراف' آیت' ۱۵۵ میں ان نمائندوں کے بلائے جانے کا ذکر گزر چکا ہے' اور بائبل کی کتاب خروج باب ۲۴ میں اس کا ذکر موجود ہے)"۔

عبارت نمبر ۱۱۷

بائبل کے بیان کے مطابق اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ کی تفصیل

تفہیم القرآن ۴ ۲۹۵ الصّٰفّٰت ۳۷

حاشیہ ۵۷۔ "اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ دُعا کرتے ہی یہ بشارت دے دی گئی۔ قرآن مجید ہی میں ایک دوسرے مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ "شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے" (سورۂ ابراہیم' آیت ۳۹) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور اس بشارت کے درمیان سالہا سال کا فصل تھا۔ بائبل کا بیان ہے کہ حضرت اسماعیل کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیم کی عمر ۸۶ برس کی تھی (پیدائش ۱۶:۱۶) اور حضرت اسحاق کی پیدائش کے وقت سو برس کی (۵:۲۱)"۔

عبارت نمبر ۱۱۸

۱۔ بائبل کے مجموعہ کتب مقدسہ میں قرآن پاک کی یہ تنبیہات آپ کو مختلف مقامات پر ملتی ہیں

۲۔ بائبل سے قرآن پاک کی تصدیق؟ سبحان اللہ!

تفہیم القرآن ۲ ۔۔۔ ۵۸۶ ۔۔۔ بنی اسرائیل

حاشیہ ۶۔ ''بائبل کے مجموعہ کتب مقدسہ میں یہ تنبیہات مختلف مقامات پر ملتی ہیں۔ پہلے فساد اور اس کے برے نتائج پر بنی اسرائیل کو زبور، یسعیاہ، یرمیاہ اور حزقی ایل میں متنبہ کیا گیا ہے اور دوسرے فساد اور اس کی سخت سزا کی پیش گوئی حضرت مسیح نے کی ہے جو متی اور لوقا کی انجیلوں میں موجود ہے۔ ذیل میں ہم ان کتابوں کی متعلقہ عبارتیں نقل کرتے ہیں تا کہ قرآن کے اس بیان کی پوری تصدیق ہو جائے''۔

تنبیہ

۲۔ ''ذیل میں ہم ان کتابوں کی متعلقہ عبارتیں نقل کرتے ہیں تا کہ قرآن کے اس بیان کی پوری تصدیق ہو جائے''

دیکھئے! آپ نے اپنی اس واضح تحریر میں صاف صاف بتلا دیا کہ تفہیم میں بائبل کی کتابیں (زبور، یسعیاہ، یرمیاہ اور حزقی ایل کی عبارتوں کو) کیوں پیش کرتے ہیں؟ تا کہ ان سے قرآن کے بیانات کی پوری تصدیق ہو جائے الامان الحفیظ عالیجاہا! آپ کا یہ طریقہ ہی غلط اور بالکل الٹا ہے آپ کو قرآن کے بیانات سے اور قرآنی آیات سے بائبل وغیرہ کی تصدیق کرنی چاہئے۔

قرآن کا بیان تو بہر حال سچا اور مصدقہ ہے قرآن کے بیان کی تصدیق کے لئے بائبل کی ان محرف کتابوں کی عبارات نقل کرنا یہ حکم قرآن کے خلاف ہے۔ جیسا کہ ماقبل میں اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَقُصُّ عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَكْثَرَ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ کی

بنیاد پر ماقبل میں راقم الحروف مفصل تنبیہ کر چکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جناب سید مودودی صاحب کا یہ طریقہ کار (یعنی بائبل سے قرآن کی تصدیق کرنا) ہی بنیادی طور سے غلط ہے اور اس آیت مذکورہ کے خلاف ہے۔

عبارت نمبر ۱۱۹

بائبل کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کے دو بھائی کے نام

تفہیم القرآن ۳ ۔۔۔ ۱۶۹ ۔۔۔ الانبیاء ۲۱

حاشیہ ۶۳۔ ''بائبل کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کے دو بھائی تھے، نحور اور حاران۔ حضرت لوط حاران کے بیٹے تھے (پیدائش باب ۱۱ آیت ۲۶) سورۂ عنکبوت میں حضرت ابراہیمؑ کا جو تذکرہ آیا ہے اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوم میں سے صرف ایک حضرت لوط ہی ان پر ایمان لائے تھے۔ ملاحظہ ہو آیت ۲۶)''۔

تنبیہ

یہاں بھی وہی سوال ہے کہ جس کو قرآن نے نہیں بیان کیا ہے بلکہ خاموشی اختیار فرمائی ہے تو اس کی تفصیل کو بائبل کی کتاب پیدائش سے بیان کرنا آپ کے لئے کس طرح درست ہوا؟

عبارت نمبر ۱۲۰

۱۔ الفاظِ زبور اور یونانی مؤرخین کی تاریخ سے قرآن مجید کے اشارہ کی تفہیم

تفہیم القرآن ۳ ۔۔۔ ۸۶۹ ۔۔۔ النمل

حاشیہ ۲۹۔ ''ان کے ملک کی اس غیر معمولی سرسبزی و شادابی کا ذکر یونانی

مؤرخین نے بھی کیا ہے اور سورۂ سبا کے دوسرے رکوع میں قرآن مجید بھی
اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

ہدہد کا یہ بیان کہ "میں نے وہ معلومات حاصل کی ہیں جو آپ
کے علم میں نہیں ہیں" یہ معنی نہیں رکھتا کہ حضرت سلیمانؑ سبا سے بالکل
ناواقف تھے۔ ظاہر ہے کہ فلسطین وشام کے جس فرمانروا کی سلطنت بحر احمر
کے شمالی کنارے (خلیج عقبہ) تک پہنچی ہوئی تھی وہ اسی بحر احمر کے جنوبی
کنارے (یمن) کی ایک ایسی قوم سے ناواقف نہ ہوسکتا تھا جو بین الاقوامی
تجارت کے ایک اہم حصے پر قابض تھی۔ علاوہ ازیں زبور سے معلوم ہوتا ہے
کہ حضرت سلیمانؑ سے بھی پہلے ان کے والد ماجد حضرت داؤد علیہ السلام سبا
سے واقف تھے۔ ان کی دعا کے یہ الفاظ زبور میں ہمیں ملتے ہیں:

"اے خدا' بادشاہ (یعنی خود حضرت داؤد) کو اپنے احکام اور
شاہزادے (یعنی حضرت سلیمانؑ) کو اپنی صداقت عطا فرما.... ترسیس اور
جزیروں کے بادشاہ نذریں گزرانیں گے۔ سبا اور شیبا (یعنی سبا کی یمنی اور
حبشی شاخوں) کے بادشاہ ہدیے لائیں گے"۔ (۷۲:۱۔۲و۱۰۔۱۱)

اس لئے ہدہد کے قول کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوم سبا کے مرکز
میں جو چشم دید حالات میں دیکھ کر آیا ہوں وہ ابھی تک آپ کو نہیں پہنچے ہیں"۔

تنبیہ

غور کیجئے! جناب سید مودودی صاحب قرآن مجید کے اشارہ کو کہاں کہاں تلاش
کررہے ہیں؟ اور کس طرح تاریخ کو نصوص پر ترجیح دے رہے ہیں؟

۲۔ "علاوہ ازیں زبور سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ سے بھی پہلے ان
کے والد ماجد حضرت داؤد علیہ السلام سبا سے واقف تھے ان کی دعا کے یہ
الفاظ ہمیں زبور میں ملتے ہیں"

آپ کو الفاظ زبور کی بنیاد پر ہدہد کے قول کا مطلب جو معلوم ہوتا ہے اس سے حضرت
سلیمان وحضرت داؤد علیہما السلام کی کردار کشی ہوتی ہے۔ قاتلهم الله لعنة الله عليهم۔

آخر کیا ضرورت پیش آئی جناب کو؟ کہ آیت پاک أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ
وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ کی تفصیل میں الفاظ زبور کی بنیاد پر یہ تحریر لکھیں کہ

"حضرت داؤد علیہ السلام سبا سے واقف تھے"

جب کہ قرآن پاک کی اس آیت مذکورہ میں صرف حضرت سلیمانؑ کا تذکرہ ہے ہدہد نے
حضرت سلیمان علیہ السلام سے ہی صرف خطاب کیا تھا آپ نے زبردستی زبور کی عبارت
سے حضرت داؤدؑ کو اس آیت میں کیوں شامل کیا؟ سیاق وسباق میں کہیں بھی تو حضرت
داؤد علیہ السلام کا تذکرہ نہیں۔

پھر قرآن پاک جب صاف بیان کررہا ہے' کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سبا
سے بالکل واقف نہیں تھے تو آنجناب والا زبور کے الفاظ سے کیوں ایڑی چوٹی کا زور لگا
کر ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ العیاذ باللہ

حضرت سلیمانؑ ہی نہیں بلکہ ان کے والد ماجد حضرت داؤد علیہما السلام بھی
سبا سے واقف تھے"۔

اس سے آپ کا کیا مقصد ہے ثم لعنة الله عليهم وقاتلهم الله۔
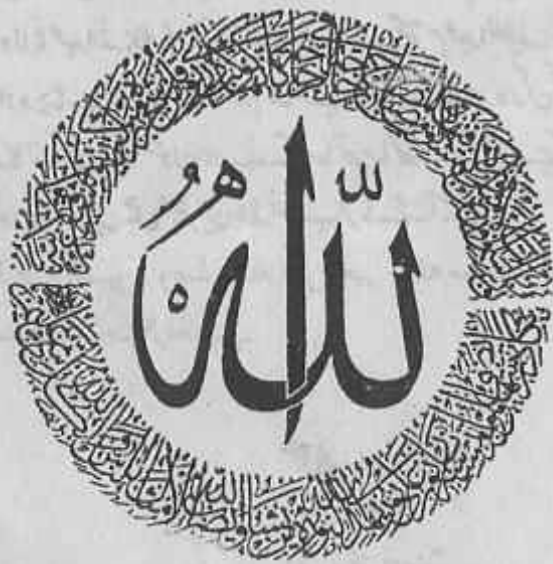
خاتمہ

بفضلہٖ تعالی حضرت فقیہ الامت سیدی ومرشدی آقائی ومولائی مخدومی ومحترمی جناب مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے حکم سے راقم الحروف نے اس کتاب پر محنت شروع کی اور اسی امید پر کہ آنحضرت والا نور اللہ مرقدہ کی حیاتِ طیبہ ہی میں یہ کتاب منظر عام پر آجائیگی مگر حضرت فقیہ الامت" افریقہ سے دارالعلوم دیوبند واپس تشریف نہ لاسکے نور الله مرقده و بر دالله مضجعه و رحمه الله رحمةً واسعةً

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اللہ تعالی کی کریم ذات سے گمان کرتا ہوں کہ اس کام کے طفیل میرے تمام گناہوں کو معاف فرما کر روزِ حشر مخلصین خدام قرآن میں مبعوث کرے گا اور امت مسلمہ کو اس کتاب سے ہدایت نصیب کرے گا اور جناب سید مودودی مرحوم کی کج مج عبارات وتحریرات کے زیغ وضلال سے سب کی حفاظت فرمائے گا۔ اور راقم الحروف اخیر میں اخی الصالح العزیز مولانا عبد اللہ بخاری قاسمی سلمہ (ولد جناب محترم عبد اللطیف صاحب زید مجدہ) وخواہر زادہ جناب مولانا عبد العلیم صاحب فاروقی زید مجدہ رکن مجلسِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند کا تہہ دل سے ممنون ہونے کے ساتھ ساتھ دعاء گو بھی ہے کہ اللہ پاک میرے تمام محسنوں کو دارین میں بہترین بدلہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

وماعلينا الا البلاغ المبين۔ وصلى الله على خير خلقه محمد واله واصحابه اجمعين برحمتك يا ارحم الراحمين۔

مفتی محمد ساجد قریشی قاسمی

معتمد

حضرت فقیہ الامت" ۔

بروز بدھ ۲۵ رمحرم الحرام ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۲ رمئی ۱۹۹۹ء

بمقام بنی مادھو گنج ضلع رائے بریلی یوپی ۔